سلسلہ مطبوعات ۱

اِسلام اور تربیتِ اولاد

جلدِ اوّل

تالیف

شیخ عبد اللہ ناصِح علوان رحمہ اللہ

ترجمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

رئیس

مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی۔ کراچی

رئیس

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی ۵ پاکستان

ناشر

مکتبۃ الحبیب

کُتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

موبائل: 0333-3422703

....

نام کتاب	اسلام اور تربیت اولاد
مؤلف	شیخ عبداللہ ناصح علوان
مترجم	مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار
ناشر	دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ
کتابت	"دارالکتابت" جامع مسجد باب الرحمت پرانی نمائش، کراچی
تعداد بار اول	۲۲۰۰۔۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء
تعداد بار دوئم	۱۲۰۰۔ ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۳ء
تعداد بار سوئم	۱۲۰۰۔۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵ء
مطبعہ	القادر پرنٹنگ پریس کراچی
قیمت	فی سیٹ= [illegible]

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ یوسفیہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
۲۔ القادر پرنٹنگ پریس کراچی نمبر ۳
۳۔ مکتبہ بنوریہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

فہرست

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، وبعد

اسلام اور تربیتِ اولاد کا بھی عجیب لطیفہ ہوا، ایک روز عصر کے بعد حسبِ معمول دار التصنیف میں تصنیف و تالیف میں مشغول تھا کہ برادر محترم جناب ڈاکٹر عبدالوہاب زاہد زید لطفہ تشریف لائے ان کے ہاتھ میں کتاب "تربیۃ الأولاد فی الاسلام" کی دونوں جلدیں تھیں، چند منٹ کی گفتگو کے بعد موصوف نے یہ کتاب راقم الحروف کو ہدیہ کرنا چاہی، بندہ نے بعض وجوہات کی وجہ سے ان سے یہ عرض کر دیا کہ آپ یہ کتاب کسی اور کو دے دیں مجھے نہ مطالعہ کی فرصت ہے نہ میرے پاس وقت ہے، اصرار و انکار کے بعد وہ کتاب یہیں چھوڑ گئے۔

ایک روز عصر کے بعد طبیعت میں انشراح نہ تھا کام کرنے کو دل نہ چاہ رہا تھا اس لیے وہ کتاب اٹھا کر اس کی فہرست پر سرسری نظر ڈالی تو بڑی عمدہ اور اپنے موضوع پر نہایت جامع معلوم ہوئی، اسی وقت مختلف مقامات کا مطالعہ کیا مغرب تک کا وقت اس میں صرف ہو گیا، کتاب پڑھ کر اس کی جامعیت، افادیت اور اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوا، اور یہ خیال دامن گیر ہوا کہ اسے اردو میں منتقل کر دیا جائے، تاکہ اردو دان طبقہ کو بھی اس سے استفادہ کا موقعہ ملے، اور امتِ اسلامیہ کے لیے تربیتِ اولاد میں مددگار و معاون ثابت ہو۔

چند روز بعد جب موصوف آئے ان سے اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مؤلف کتاب شیخ عبداللہ ناصح علوان کو جدہ خط لکھا، صاحبِ کتاب نے وہاں سے بندہ کو اپنی کتاب ہدیۃً بھیجی اور اس طرح کتاب کی ضخامت و حجم کو ذہن میں رکھے بغیر جذبات کی رو میں بہہ کر اس کے ترجمہ کے لیے عصر و مغرب کے درمیان کا وقت مخصوص کر لیا، لیکن جب یہ کام شروع کیا تو کچھ روز بعد اس کتاب کی طوالت و ضخامت دیکھ کر اپنے اس فیصلہ پر بہت حیران ہوا کہ اتنا بڑا کام میں کس طرح سرانجام دوں گا خصوصاً جب کہ لوگوں کی آمد و رفت، دوسرے مشاغل، ضروریات اور وقت کی بے برکتی بھی آڑے آتی رہتی ہے۔ دو تین ماہ کے بعد ہمت جواب دے گئی اور ترجمہ کا کام رک گیا۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد اجر وثواب کے شوق اور جذبۂ افادہ واستفادہ نے پھر اس کام پر ابھارا اور پھر ترجمہ کرنا شروع کر دیا اور اس طرح کئی مرتبہ کام روکنا اور شروع کرنا پڑا، اور ہوتے ہوتے اللہ تعالیٰ کے محض فضل وکرم سے جلد اول پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی، جب جلد اول تمام ہوئی تو ہمت بڑھی اور دوسری جلد سے الحمدللہ جلد ہی فارغ ہوگیا۔

اپنی بے بضاعتی، ادب وزبان سے ناواقفیت، اور قصور وتقصیر کے اعتراف کے ساتھ کتاب ناظرین کی خدمت میں پیش ہے، اس میں جو فروگذاشت یا اغلاط قارئین کے سامنے آئیں اس پر متنبہ فرما کر اجر وثواب میں شریک ہوں، اللہ کے یہاں عظیم اجر کے مستحق بنیں، اور جن صاحبان کو اس سے فائدہ ہو وہ دعائے خیر کر دیں۔

فاضل مصنف کتاب چند ماہ قبل اس دار فانی سے رحلت کر گئے ہیں مترجم کے ساتھ ساتھ ان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں، اور خصوصاً راقم الحروف کے جلیل القدر محسن ومربی والدین کو جن کی حسن تربیت کامل توجہ اور شب وروز کی دعاؤں، جدوجہد اور انتھک محنت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قابل بنایا کہ دین کی کچھ خدمت کر سکوں اور میرے مربی وشیخ اور روحانی والد علامۃ العصر حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کو جن کی توجہات، عنایات، نظر کرم، دعاؤں، سرپرستی اور شفقت ومحبت نے مجھے یہ سلیقہ سکھایا کہ علماء کی مجلس میں بیٹھ سکوں اور طلبہ کے ساتھ رابطہ قائم رکھ سکوں، اور دین کا ادنیٰ خادم بن سکوں اور میرے مربی وشیخ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مدظلہ جن کی توجہ وصحبت اور تربیت نے میرے لیے خود کو پہچاننے اور اپنے رب کی معرفت وشناسائی کا راستہ ہموار کیا۔ اور برادر معظم مولانا ڈاکٹر محمد احمد قمر زید لطفہ جن کی توجہ، عنایت اور راہنمائی شروع سے ہی قدم قدم پر میرے لیے مشعلِ راہ بنی۔

میں اپنے ان اصحاب ورفقاء کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کی تصحیح میں حصہ لیا، برادرم محترم مولانا عطاء الرحمٰن صاحب اور برادرم مولانا انعام الحق صاحب خصوصی شکریے کے مستحق ہیں ان دونوں حضرات نے کتابت کی تصحیح بڑی عرق ریزی واخلاص سے کی اور ساتھ ہی جناب حافظ عبدالستار صاحب وآحدی کا بھی ممنون ہوں جن کی توجہ سے اس معیار کی کتابت ہو سکی، اور حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہ کا بھی جنہوں نے اس کے ٹائٹل کو بصد اخلاص ومحبت تحریر فرمایا اور بھائی سید شاہد حسن صاحب کا شکریہ ادا نہ کرنا بھی ناسپاسی ہوگی جن کی جدوجہد ومحنت سے کتاب اتنی عمدگی سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جنہوں نے اس کی طباعت، اشاعت اور اصلاح وتصحیح میں حصہ لیا اجر جزیل عطا فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

محمد حبیب اللہ مختار بن حکیم محمد مختار حسن رحمہ اللہ

۲۶—۶—۱۴۰۸ھ

۱۵—۲—۱۹۸۸م

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مقدمہ طبعۂ اولیٰ

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے قرآنِ مجید کے ذریعہ لوگوں کو صحیح تربیت کا راستہ بتلایا اور شریعت اسلامیہ کے احکامات کے ذریعہ تمام مخلوق کو ہدایت ، خیر و بھلائی اور اصلاح کے بنیادی اصولوں سے روشناس کرایا۔

اور درود و سلام ہو سرکارِ دو عالم (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے مربّی و معلم بناکر مبعوث فرمایا ، اور جن پر ایسی عظیم الشان شریعت نازل فرمائی جو بنی نوعِ انسان کے لئے عزّت و کرامت اور بزرگی و شرافت کے دروازے کھولتی ہے اور سیادت و قیادت اور بلندی و استحکام کے مراتبِ عالیہ تک پہنچنے میں بہترین معاون ثابت ہوتی ہے۔ اور اللہ کی رحمت ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان آل و اولاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر جنہوں نے بعد میں آنے والوں کیلئے اولاد کی تربیت اور امتوں کی اصلاح و تعمیر کے سلسلہ میں ایسے شاندار بے نظیر نمونے چھوڑے جو قوموں کے لئے مشعلِ راہ بنے ، اور اللہ کی رحمت ہو ان حضرات پر جو ان کے نقشِ قدم پر چلے ، اور انکے مبارک راستہ کو قیامت تک اپنے لئے سبیلِ نجات سمجھ کر اس پر چلتے رہے ، حمد و ثناء اور درود و سلام کے بعد :

۱۔ بنی نوعِ انسان پر دینِ اسلام کے جو بے شمار احسانات ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ دینِ اسلام بشریت و انسانیت کے لئے ایک ایسا جامع اور عظیم نظام پیش کرتا ہے جو انسانی نفوس کی تربیت ، قوموں اور افراد کی تعمیر اور معاشرے کے درست کرنے اور ان میں شرافت اور ترقی کی راہ ہموار کرنے میں بنیادی کام دیتا ہے ، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام بھٹکتی ہوئی گم کردہ راہ انسانیت کو شرک و بت پرستی ، جہالت و گمراہی اور انارکی کی تاریک وادیوں سے نکال کر توحیدِ باری تعالیٰ اور علم و ہدایت ، استحکام و استقرار کے منور اور روشن راستہ پر گامزن کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں بالکل درست اور حق فرماتے ہیں ارشاد ہے :

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ	بے شک آئی تمہارے پاس اللہ کی طرف
يَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ	سے روشنی اور ظاہر کرنے والی کتاب جس سے

سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ - ۱۵، ۱۶)

اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سلامتی کی راہیں اس شخص کو جو اسکی رضا کا تابع ہوا اور انکو نکالتا ہے اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی میں انکو چلاتا ہے سیدھی راہ۔

۲۔ اسلامی شریعت کے فضل و کمال اور فخر کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ دشمنانِ اسلام بھی اسلام کی ترقی وابدی ہونے اور اس کے فعال اور ہر زمانے وہر جگہ کیلئے صلاحیت رکھنے کے معترف ہیں ہم ان حضرات کیلئے جنہیں اہلِ مغرب کی شہادت پسند ہے۔ ان کے کچھ اقوال اور توصیفی کلمات کے نمونے اور شہادات پیش کرتے ہیں تاکہ آپ سب حضرات یہ جان لیں کہ انصاف پسند غیر مسلم حضرات اسلام کے ابدی پیغام اور بلند وبالا تعلیمات کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

- جناب غوستاف لوبون جناب لیبری کا مندرجہ ذیل قول نقل کرتے ہیں کہ :

اگر اہلِ عرب صفحۂ تاریخ پر نمودار نہ ہوتے تو جدید یورپی ترقی وتمدن صدیوں مؤخر ہوجاتا۔

- لین بول اپنی کتاب "العرب فی اسبانیا" میں لکھتے ہیں :

ناخواندہ اور غیر تعلیم یافتہ یورپ جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں اور تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب کہ اندلس پورے عالم میں علم کا امین اور ثقافت کا علمبردار تھا۔

- الیاس ابوشبکہ اپنی کتاب "روابط الفکر والروح بین العرب والفرنجۃ" میں رقمطراز ہیں :

عربی تمدن کا زوال اسپین اور یورپ کے لئے نحوست کا موجب بنا، اس لئے کہ اُندلس کو ترقی وخوشحالی عرب کے زیرِ سایہ حاصل ہوئی، چنانچہ جب عرب وہاں سے چلے گئے تو مال ودولت، حُسن وجمال اور تروتازگی وشادابی کی جگہ ویرانی اور تباہی وبربادی نے لے لی۔۔

- سیدیوت اپنی کتاب "تاریخ العرب" میں تحریر کرتے ہیں :

قرونِ وسطی میں مسلمان علوم وفلسفہ وفنون میں متفرد تھے۔ اور جہاں جہاں یہ حضرات مقیم ہوئے وہاں انہوں نے علوم کی ضیاء پاشی اور نشر واشاعت کی، یورپ میں علم انہی کے واسطہ سے پہنچا اور یہی حضرات اس کی ترقی اور عُروج کا سبب تھے۔

مشہور انگریز فلسفی برناڈشا کی شہادت تو اکثر پڑھے لکھے حضرات نے سُنی ہوگی آیئے ان کا کلام انکے الفاظ میں سنیئے:

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہایت بلند وبالامرتبہ کا مالک ہے اس لئے کہ اس میں حیران کن صلاحیت ہے اور وہ ہر دَور کے لئے قابلِ عمل ہے، اور یہ ایک ایسا منفرد دین ہے جس میں یہ ملکہ بخوبی پایا جاتا ہے کہ زندگی کے مختلف اطوار وعادات کو قابو کرلے۔ اور میرے نزدیک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو انسانیت کا محسن اور ہلاکت سے بچانیوالا

لقب دینا فرض ہے، اور اگر ان جیسا کوئی شخص آج کے دور میں اس عالم کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے تو وہ آج کل کی مشکلات و مسائل آسانی سے حل کرلے گا۔

یہ اور ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات کے اقوال ہر ذی بصیرت و صاحب فہم کے سامنے اس بات کی مستقل شہادت اور دلیلیں دے رہے ہیں کہ اسلامی نظام ترقی وتمدن اور تہذیب وثقافت اور زندہ تعلیمات پر مشتمل ایک ایسا بے نظیر دین ہے جو ہر زمانے و ہر جگہ کے لئے پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ واقعی کمال تو درحقیقت وہ ہے کہ جس کا دوسرے بھی اعتراف کریں اور دشمن بھی اس کی شہادت دیں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

شهد الأنام بفضله حتى العدا — والفضل ما شهدت به الأعداء

لوگوں نے اس کے فضل و کمال کی شہادت دی حتیٰ کہ دشمنوں تک نے — اور واقعی کمال تو وہ ہے کہ جس کی شہادت دشمن بھی دیں

۳۔ شریعتِ اسلامیہ چونکہ بندوں کو ان کے خالق ورب سے ملاتی ہے اور ان کی ضروریات کو پورا کرتی ہے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے، اور ہر نئے مسالہ کا حل، ہر دور کے ساتھ چلنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو گویا اس کے بنیادی نظریات اور جدید تقاضوں کا پورا کرنا صرف ایک ذہنی و فکری سوچ اور کتابوں میں مدون نظریات تک محدود ہے یا یہ صلاحیت اور اہلیت اور نظریات درحقیقت ایک امت میں موجود ہیں جس کا مشاہدہ آنکھوں سے ہو رہا ہے۔

آیئے جواب کے لئے سید قطبؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں وہ کیا جواب دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہی کامیابی کی منزل کو پہنچ گئے تھے جب انہوں نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ایمان و یقین کی ایک ایسی زندہ مثال بنا دیا تھا جو کھاتی پیتی اور بازاروں میں چلتی پھرتی تھی، وہ دن جس دن انہوں نے ہر صحابی کو روئے زمین پر چلتا پھرتا زندہ قرآنِ کریم بنا دیا تھا، وہ دن جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرد کو اسلام کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا ان کو دیکھ کر لوگ اسلام کا مشاہدہ کرلیا کرتے تھے۔

صرف تحریرات وتصنیفات کچھ نہیں کرسکتیں نہ صرف قرآن کریم ومصاحف مؤثر ہوسکتے ہیں جب تک کہ اس پر عمل کرنے والے اور عمل سے اس کو ثابت کرنے والے موجود نہ ہوں، اور صرف اساسی تعلیمات اس وقت زندہ نہیں رہ سکتیں جب تک ان کو عمل کے ذریعہ محفوظ نہ کیا جائے، اسی لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ وتقریر کی بجائے سب سے پہلے آدمیوں کو مثالی بنانے پر توجہ دی، اور بجائے مقفّی ومسجّع تقاریر کے انسانوں کی ضمیر کو درست کیا، اور بجائے فلسفہ کی بنیاد ڈالنے کے امت کی تعمیر کی، نفسِ تصور اور قواعد کو تو قرآنِ کریم نے خود بیان کیا اور اس کی ذمہ داری لی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ تھا کہ اس تصور اور ان قواعد کو ایسے افراد کے روپ میں ڈھال دیں جو آنکھوں سے نظر آسکیں اور ہاتھ سے محسوس ہوسکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دن کامیابی کی اعلیٰ منازل تک پہنچ گئے تھے جس دن

انہوں نے اسلامی تصور کو انسانوں کی شکل میں ڈھال دیا اور ان کے اسلام کو عملی جامہ پہنایا، اور ایک قرآن کریم کے دسیوں اور پھر سینکڑوں اور ہزاروں نسخے بنا ڈالے لیکن یہ نسخے وہ نسخے نہ تھے جنہیں روشنائی کے ذریعے کاغذ پر چھاپا جاتا ہے بلکہ آپ نے اس قرآنِ کریم کو نورانی روشنائی سے دلوں پر کندہ و تحریر فرما دیا تھا، اور اس اسلام کو لوگوں کے عمل اور قول و فعل میں رچا بسا دیا، اور اس کو ان کا اوڑھنا بچھونا بنا دیا، اور وہ حضرات اپنے قول و فعل سے یہ بتانے لگے کہ وہ اسلام جسے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے تھے وہ کیا ہے[1]؟

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہراول دستے کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کی تھی اور ان کے بعد آنے والے حضرات نے کس طرح اس دین کو پیش کیا اور اس پر کیسے عمل کیا؟ اگر اس کی جھلک دیکھنا ہو تو تاریخ کے زرین صفحات کا مطالعہ کیجئے تاکہ ان کے جلیل القدر کارناموں اور مناقب و محامد کا بڑا حصہ نظروں کے سامنے آسکے، کیا دنیا نے ان سے زیادہ معزز و مکرم، رحمدل و محبت والے بلند و بالا اوصاف و اخلاق کے مالک ترقی یافتہ اور اہلِ علم حضرات کو پہچانا ہے؟

ان حضرات کے فضل و کمال اور عز و شرف کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

«مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ» (الفتح-۲۹)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر، رحمدل و نرم دل ہیں آپس میں تو ان کو دیکھے رکوع اور سجدہ میں تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی، سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانی ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

«كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝» (الذاریات - ۱۷ تا ۱۹)

وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے اور صبح کے وقتوں میں استغفار کرتے تھے (معافی مانگتے تھے) اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں اور محروموں کا۔

اور فرمایا:

«وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا

اور وہ لوگ جو جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے، وہ محبت کرتے ہیں جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آئے، اور اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے اس

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب "دراساتِ اسلامیہ" تصنیف سید قطب کی فصل "انتصار محمد بن عبداللہ"۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(الحشر - ۹)

چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے، اور ان کو اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان کے اپنے اوپر فاقہ کیوں نہ ہو، اور جو اپنے جی کی لالچ سے بچایا گیا تو وہی لوگ مراد پانے والے اور کامیاب ہیں ۔

اور فرمایا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

(الاحزاب - ۲۳)

کتنے ہی مرد ہیں ایمان والوں میں سے کہ انہوں نے سچ کر دکھلایا اس چیز کو جس کا اللہ تعالیٰ سے عہد کیا پھر کوئی تو ان میں سے اپنا ذمہ اور وقتِ مقررہ پورا کر چکا اور کوئی انہیں کا راہ دیکھ رہا ہے اور نہیں بدلا ایک ذرہ بھی ۔

یہ نمونے اور مشتے از خروارے کے طور پر ان حضرات کے مناقب و محامد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے بارے میں قرآنِ کریم کے پیش کردہ فرامین کا ایک ہلکا سا سرسری جائزہ ہے ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بدولت مثالی اور شاندار معاشرہ کے سلسلہ میں مفکرین کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور فلاسفہ کی ایک دیرینہ تمنا وجود میں آئی ... اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ لوگوں نے عملی طور پر بچشمِ خود یہ مشاہدہ کر لیا کہ قاضی دو سال تک منصبِ قضاء پر بیٹھتا ہے لیکن دو۲ آدمی بھی اس کے پاس مقدمہ لیکر نہیں آتے ، اور وہ آپس میں کس طرح جھگڑ سکتے تھے جبکہ قرآنِ کریم ان کے درمیان موجود تھا ، کیونکر ان میں فتنہ و فساد پھیلتا جبکہ وہ اپنے بھائیوں کے لئے بھی وہی پسند کرتے تھے جو ان کو اپنے لئے پسند ہوتا ، اور بات بھی یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کیونکر رکھ سکتے تھے اس لئے کہ اسلام ان کو آپس میں بھائی چارگی الفت و محبّت کے ساتھ رہنے اور ایثار و قربانی کے جذبہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم دے رہا تھا ۔

لیجئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ جیسے جلیل القدر صحابی نے ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو تعریفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں اور ان کے مناقب کو بیان کیا ہے اور ان کے افعالِ حمیدہ کو اپنانے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے اخلاقِ کریمانہ کو اپنے اندر جذب کرنے کی دعوت دی ہے اسے غور سے سنیں وہ فرماتے ہیں:

جو شخص کسی کو اپنا مقتدا بنانا چاہے تو اسے چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنا مقتدا بنائے اور انکی پیروی کرے اس لئے کہ وہ حضرات اس امت کے نہایت نیک دل افراد تھے اور وسیع عمیق

علم کے مالک تھے، تکلف سے بہت دور تھے، عادات واخلاق میں نہایت صاف ستھرے، اور حالات کے اعتبار سے بہت ممتاز تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومعیت اور اپنے دین کے قائم کرنے کے لئے منتخب فرمایا تھا، لہٰذا ان کے مرتبہ کو پہچانو، اوران کے نقش قدم پر چلو، اس لئے کہ وہی حضرات سیدھے راستہ پر گامزن تھے۔

۴۔ مسلمان قومیں شروع ہی سے ان کے علم وفضل کے چشمہ سے سیرابی اوران کے مکارم ومحاسن کے نور سے روشنی حاصل کرتی رہیں اور تربیت وتعلیم کے سلسلہ میں انہی کے طریقے کو اپنایا، اور مجد وشرافت کی عمارت تعمیر کرنے میں ان کو اپنا مقتدا وپیشوا بنایا۔۔۔ تاآنکہ وہ دَور آگیا جس میں اسلامی معاشرہ سے اسلامی احکام ختم اور روئے زمین سے خلافت اسلامیہ کے نشانات زائل ہونے لگے۔۔ اور دشمنانِ اسلام اس بات میں کامیاب ہوگئے کہ وہ اپنے گندے مقاصد اور ناپسندیدہ اغراض تک پہنچ جائیں۔ اوراپنی اس آرزو کو پالیں جو عرصہ دراز سے ان کے دِلوں میں پوشیدہ تھی، اور وہ یہ کہ عالم اسلام کو ایک دوسرے سے لڑنے اور بغض رکھنے والی امتوں اور قوموں میں تقسیم کردیں اور پھر یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہیں، اور اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی غلام بن جائیں، اور ہاتھ دھوکر دنیا کے پیچھے پڑجائیں، اوراسلام کے بنیادی اصولوں اور اس کے احکام سے دور ہوتے چلے جائیں۔ اوران کی ساری توجہ دنیاوی خواہشات ولذات کے حصول کی طرف مبذول ہو اور آزادی اور اباحیت کے گڑھوں میں الٹے سیدھے ہاتھ مارتے ہوئے گرتے رہیں۔۔ان کے سامنے نہ کوئی مقصد اور غایت ہو نہ منزل وٹھکانہ، اور وہ اسی طرح وقت گزارتے رہیں نہ عزت وشرافت کے حصول کی کوشش ہو نہ اتحاد اور اپنے معاشرہ کی تعمیر کی۔ دیکھنے میں متحد اور متفق معلوم ہوں لیکن اندر سے الگ الگ اور منتشر ہوں، بظاہر بڑے طاقتور معلوم ہوں لیکن حقیقت میں ان کی مثال سیلاب کے خس وخاشاک کی سی ہو۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بہت سے مصلحین اور وعظ ونصیحت اور دعوت وارشاد کرنے والے حضرات اس حالت کو دیکھ کر مایوس سے ہوچلے ہیں، اور ناامیدی کے بادل ان پر چھانے لگے ہیں، اس لئے کہ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اب اس امت کی اصلاح کا کوئی راستہ نہیں، اوراس کو دوبارہ اپنے اس عظیم منصب تک پہنچانے کی کوئی امید نہ رہی ہے اوران کی سابقہ عزت وشہرت، فضل وکمال، وحدت واجتماع کو دوبارہ لوٹانا ممکن نہیں۔۔۔ بلکہ ان مصلحین میں سے بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ اب گوشہ نشینی اور یکسوئی اختیار کرنا چاہیئے اس لئے کہ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اب اخیر زمانہ آگیا ہے، اور اب وہ وقت آگیا ہے جس میں مسلمان شخص کو اپنی بکریاں وغیرہ لے کر پہاڑوں پر ڈیرہ ڈال لینا چاہیئے تاکہ وہاں رہ کر اپنے آپ کو فتنوں سے بچا سکے[1]، اوراسلام وایمان کے ساتھ اپنے رب سے جا ملے۔

---

[1] صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اصلاح سے مایوسی کا یہ تصور تین وجہ سے وجود میں آتا ہے :

الف : اس دین کے مزاج سے ناواقفیت ۔

ب : دنیا کی محبت اور موت سے نفرت ۔

ج : اس مقصد کو فراموش کردینا جس کی خاطر مسلمان کو پیدا کیا گیا ہے ۔

الف ۔ جس دن مسلمان اس بات کو سمجھ لیں گے کہ اسلام قوت وطاقت والا دین ہے اور اس سلسلہ میں اس کا شعار اور اعلان یہ ہے :

«وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ». انفال - ۶۰ اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کرسکو قوت سے ۔

اور جس روز مسلمان اس بات کو ذہن نشین کرلیں گے کہ اسلام علم والا دین ہے، اور علوم شرعیہ اور علوم عصریہ دونوں کو شامل ہے اور اس سلسلہ میں اس کا شعار ہے :

«وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا». طٰہٰ - ۱۱۴ اور کہہ اے رب میری سمجھ زیادہ کر ۔

اور جس دن یہ سمجھ لیں گے کہ اسلام ایسا دین ہے جس نے روئے زمین پر انسان کو خدا کا خلیفہ اور نائب قرار دیا ہے تاکہ انسان اس دنیا کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں تھامے، اور اس کے خزانوں کو ظاہر کرے، اور اس کے اسرار ورموز سے باخبر ہو اور اس سلسلہ میں اس کا اعلان ہے :

«وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ». (الانعام ۱۶۵) اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں ۔

اور جس روز اس بات کو سمجھ لیں گے کہ اسلام نے انسان کو باعزت مقام دیا ہے اور اس کو بے شمار مخلوقِ خدا پر فضیلت دی ہے تاکہ اپنی مسئولیات اور ذمہ داریوں کو کمالِ خوبی سے ادا کرے اور جو فرائضِ منصبی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے آگے) "قریب ہے کہ ایک ایسا وقت آجائے جس میں انسان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں جن کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش برسنے کی جگہوں میں چلا جائے تاکہ اپنے دین کو فتنوں سے بچا سکے۔" یہ حدیث اس شخص کے لیے ہے کہ جس کو دین بچانا مشکل ہو اور مرتد ہونے پر مجبور کیا جارہا ہو، لیکن جب تک کہ مسلمان موجود ہیں اور اسلامی شعائر کو ادا کررہے ہیں اور اپنے اوپر اسلامی احکام نافذ کررہے ہیں۔ اور جب تک تعاون کی گنجائش موجود ہے۔ اور یہ امید باقی ہے کہ اسلام کی بہار حسبِ سابق دوبارہ لوٹ آئے تو ایسی صورت میں گوشہ نشینی اور یکسوئی اختیار کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہے اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز کسی واجب کے حصول کا ذریعہ ہو تو وہ چیز خود لازمی اور واجب ہوجاتی ہے اس لیے آج مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کو نافذ کریں، اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کوشاں رہیں ورنہ وہ گناہ گار ہوں گے ۔

اس کے سپرد ہیں انہیں احسن طریقہ سے اُدا کرے اور اس سلسلہ میں وہ یہ اعلان کرتا ہے:

«وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝». (الاسراء-۷۰)	اور ہم نے عزت دی اولادِ آدم کو، اور سواری دی اُن کو جنگل اور دریا میں ہم نے روزی دی ان کو ستھری چیزوں میں سے اور ان کو بڑھا دیا، ہم نے بڑائی دے کر بہتوں سے جن کو ہم نے پیدا کیا۔

اور جس دن یہ جان لیں گے کہ دینِ اسلام انسان کو اپنی عقل وسمجھ اور حواس کے بارے میں پورا پورا مسئول سمجھتا ہے اگر وہ اپنی عقل وسمجھ اور حواس کو معطل چھوڑ دے اور ان سے کام نہ لے تو اس سے باز پرس ہوگی اور اس سلسلہ میں اس کا واضح اعلان ہے:

«وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝». (الاسراء-۳۶)	اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کی تجھ کو خبر نہیں، بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔

اور جس دن یہ بات ذہن نشین کرلیں گے کہ اسلام نے اس پورے عالم کو انسان کے لئے مسخر مانا ہے تاکہ انسان اسے علم کی خدمت اور انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال کرسکے، اور اس سلسلہ میں اس کا شعار یہ ہے:

«وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ». (الجاثیہ-۱۳)	اور تمہارے کام میں لگا دیا جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے۔

اور جس روز یہ بات سمجھ لیں گے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کو آسمان وزمین کی تخلیق پر اس لئے غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ حقائق تک پہنچ سکے اور اس سلسلہ میں اس کا اعلان ہے:

«قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ». (یونس-۱۰۱)	آپ کہہ دیجئے کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے۔

اور جس روز یہ بات سمجھ لیں گے کہ اسلام عملِ پیہم، جدوجہد اور عزم ونشاط والا دین ہے۔ اور اس سلسلہ میں اس کا شعار یہ ہے:

«هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا	وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے آگے پست کیا اب اس کے کندھوں پر چلو پھرو

مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ))۔ (الملک - ۱۵) | اور کھاؤ اس کی دی ہوئی کچھ روزی اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اور جس روز یہ بات سمجھ لیں گے کہ اسلام نے ناامیدی کو حرام قرار دیا ہے اور مایوسی سے منع کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اس کا اعلان یہ ہے:

((اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿﴾))۔ (یوسف - ۸۷) | بے شک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے، مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

اور جس دن یہ سمجھ لیں گے کہ اسلام عزت وکرامت کا دین ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا تاج اپنے سروں پر رکھیں، اور پورے عالم میں اس کا جھنڈا سربلند کریں، اور اس سلسلہ میں اس کا شعار ہے:

((وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿﴾))(المنافقون - ۸) | اور زور تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کا ہے، لیکن منافق جانتے نہیں ہیں۔

جس دن مسلمان اپنے دین کے بارے میں یہ سب کچھ سمجھ لیں گے اور لوگ، خصوصاً دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینے والے، اس دین کے مزاج سے واقف ہوجائیں گے اور اسلام کی حقیقت ذہن نشین کرلیں گے تو نہ ان پر ناامیدی سوار ہوگی اور نہ ان میں مایوسی سرایت کرسکے گی، بلکہ وہ دعوت واصلاح اور تعمیرِ قوم کے میدان میں گھس جائیں گے تاکہ اپنے اسلاف کی طرح پوری دنیا کے اساتذہ، معلم اور امتوں کے ھادی وراہنما بن سکیں، اور زندگی کی تاریخ گھاٹیوں میں روشن مینارے بن جائیں، اور انسانیت ان کے علوم سے سیراب ہو، اور خواہ کتنی ہی صدیاں کیوں نہ گزر جائیں لوگ ان کے علوم ومعارف اور تمدن وتہذیب کے چشموں سے سیرابی حاصل کرتے رہیں اور وہ اسی طرح لوگوں کے مقتدیٰ بنے رہیں یہاں تک کہ دنیا ختم ہوجائے اور قیامت قائم ہوجائے۔

ب۔ جس دن مسلمان، اور بالخصوص علماء اور دعوت وتبلیغ کرنے والے حضرات، دنیا کی محبت سے آزاد... ہوجائیں گے اور دنیا سے دل ہٹالیں گے اور اس کی سرسبزی وشادابی اور سازوسامان سے ضرورت سے زیادہ دل لگانا چھوڑ دیں گے اور اپنا مطمحِ نظر مبلغِ علم اور منزلِ مقصود اور سب سے بڑی آرزو لوگوں کی ہدایت، معاشرہ کی اصلاح اور روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے کو بنالیں گے۔

اور جس روز بزدلی، خوف اور موت کی ناپسندیدگی سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے، اور سچے دل سے یہ جان لیں گے کہ رزق خدا کے ہاتھ میں ہے، اور نفع ونقصان پہنچانے والا وہی ہے، اور جو کچھ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ ان سے پھر نہیں سکتا اور جو انہیں نہیں مل سکا وہ اس کو حاصل ہی نہیں کرسکتے، اور یہ کہ اگر ساری مخلوق جمع ہوکر انہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہے تو بھی صرف اتنا ہی کرسکتی ہے جتنا خدا نے ان کے لئے مقرر کر رکھا ہے، اور اگر سب مل کر نقصان پہنچانا

چاہیں تب بھی اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پہلے سے لکھ چکے ہیں۔

جس روز مسلمان اس بات پر یقین کرلیں گے، اور کمزوری وبزدلی کے اسباب سے خلاصی حاصل کرلیں گے اس دن وہ دعوت الی اللہ اور تربیت واصلاح کے میدان میں بلاخوف وخطر آگے بڑھتے چلے جائیں گے، اور اللہ کے پیغامات واوامر کو بلاکسی خوف وخطرہ کے دوسروں تک پہنچاتے رہیں گے، بلکہ ان کو اس بات کا پورا یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کی ضرور نصرت فرمائے گا، اور ان کو حکومت دے گا، اور خوف کو امن سے اور ذلّت کو عزّت میں بدل دیگا، اور اختلاف و پراگندگی اتحاد والفت میں بدل جائے گی، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں، بشرطیکہ لوگ اپنی نیتیں درست کرلیں، ہمت وعزم کو مضبوط کرلیں، اور خوف، ناامیدی، مایوسی اور دنیا کی محبت سے آزاد ہو جائیں۔

ج ۔ جس روز مسلمان اس بات کو سمجھ لیں گے کہ مسلمانوں کو دنیا کی زندگی ایک عظیم الشان مقصد اور اہم ترین غرض کے لئے عطا کی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کو اپنے کلام پاک میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

((وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝)). (الذاریات - ۵۶)

اور میں نے جو جن اور آدمی بنائے سو اپنی بندگی کو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو عبادت وعبودیت چاہتا ہے اور جس کا ہمیں حکم دیتا ہے اور جس پر ابھارتا ہے وہ کیا ہے؟

صاف ظاہر ہے کہ یہ اللہ کے مقرر کردہ دین وشریعت کے سامنے گردن جھکانے اور سرِ تسلیم خم کرنے اور اس کی کامل ومکمل فرمانبرداری اور اس کے بتلائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلنے کا نام ہے۔

یہ اس امانت کے اٹھانے کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پر پیش کیا تھا لیکن وہ اس کو نہ اٹھا سکے اور اس سے گھبرا گئے۔

یہ ایک دائمی ابدی اور مستقل ذمہ داری ہے اس بات کی کہ لوگوں کو مخلوق کی عبادت سے نکال کر خالق کی عبادت کی طرف لیجایا جائے اور دنیا کے رسم ورواج کی تنگیوں اور پابندیوں سے شریعت ودین کی پیش کردہ آسانیوں کی طرف دعوت دی جائے اور باطل مذاہب کے ظلم واستبداد سے چھٹکارا دلاکر اسلام کے عدل وانصاف سے فیض یاب کیا جائے۔

یہ اس بات کا نام ہے کہ دوستی اور تعلق اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین سے رکھا جائے۔

اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان افکار ونظریات کو چھوڑ دیا جائے جو شریعتِ اسلامیہ کی طرف سے وجود میں نہیں آئے روئے زمین پر موجود مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے اور یہی اس کی زندگی وحیات کا باعث اور اصل مقصد، چنانچہ جب مسلمان اپنا تعلق اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے جوڑ لیتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اور جب

اس امانتِ الٰہیہ کو عزم صادق اور سچے دل سے اٹھالیتا ہے تو وہ اللہ کا بندہ بن جاتا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کے پیش کردہ نظام ہدایت اور اس کے دین متین کی بتلائی ہوئی شریعت کو قبول کرلیتا ہے تو مؤمن حقیقۃً اللہ کا بندہ ہوجاتا ہے اور جب انسان مسلسل جدوجہد اور اس بات کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ لوگوں کو بندوں کی غلامی وعبادت سے نکال کر خدا کے دربار عبودیت میں لے آئے اور دنیا کی تنگیوں اور باطل کی تاریکیوں سے دین اسلام کی فراخی ونور کی جانب، اور باطل مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لوگوں کو پہنچا دے تو وہ واقعی خدا کا بندہ بن جاتا ہے۔

اور اگر بالفرض ایسا نہ کرے تو وہ ایک بے کار مہمل وناکارہ بن کر اپنی خواہشات کی غلامی اور باطل کی پیروی میں لگ جاتا ہے اور اس پر ناامیدی جمود اور مایوسی کا غلبہ ہوجاتا ہے، اس کے کام کاج بلا مقصد ہوتے ہیں، الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اور بلا سوچے سمجھے قدم اٹھا کر ٹھوکریں کھاتا ہے:

«اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾»

(الانعام ۱۲۲)

بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کردیا اور ہم نے اس کو روشنی دی کہ اب کئی لوگوں میں لئے پھرتا ہے (ایسا شخص) برابر ہوسکتا ہے اس کے جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح مزین کردئے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام۔

اس لئے مسلمانوں کو اپنے مذہب و دین کے مزاج کو سمجھ لینا چاہیئے تاکہ وہ دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی کے مرض سے چھٹکارا حاصل کرسکیں، اور اس مقصدِ عالی کو پہچان سکیں جس کی خاطر ان کو پیدا کیا گیا اور عدم سے وجود بخشا گیا تاکہ از سر نو اسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں اور اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد کریں اور اپنی عظیم الشان عزت وشوکت، طاقت وقوت، اولوالعزمی، اور بے نظیر اتحاد ووحدت کو دوبارہ واپس حاصل کرسکیں، اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

۵۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصلاح کا کیا طریقہ ہے؟ اور صالح اور اچھا معاشرہ وجود میں لانے کے لئے کہاں سے ابتداء کرنا چاہیئے؛ اور اس زمانہ میں والدین اور تربیت کرنے والے حضرات اور مصلحین کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ یہ تمام سوالات درحقیقت ایک ہی مقصد کے ارد گرد گردش کرتے ہیں اور ان سب کا مقصد بھی ایک ہی ہے۔

ایک مقصد کے ارد گرد اس لئے گردش کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اصلاح کو ضروری سمجھتا ہے اور تربیت کی کوشش کرتا ہے وہ اس بات کا کوشاں ہوتا ہے کہ ان تلخ حالات اور غلط ماحول کو بدل ڈالے جس میں اکثر حضرات مبتلا ہیں۔

اور وہ اپنے پورے وسائل بروئے کار لاکر اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ معاشرہ کو بدل دیا جائے تاکہ وہ اس مقام کو پہنچ جائے جو اس کے مناسبِ حال ہے اور زندگی عزت وآبرو کے ساتھ خوشی خوشی گزرتی رہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ان سب سوالات کی غایت اور مقصد ایک ہی ہے تو وہ اس لئے کہ تربیت واصلاح اور دعوت وارشاد کا کام کرنے والے تمام افراد اپنی تمام تر توانائیوں اور ہمت وعزم کو عمل کے میدان میں اس لئے صرف کرتے ہیں تاکہ باوقار سمجھدار معاشرہ وجود میں آئے، اور ایسی امت پیدا ہو جس کا ایمان قوی، اخلاق عالی وبلند، جسم تندرست وتوانا، علوم پختہ اور کامل ومکمل، اور مزاج ونفسیات درست وصحت مند ہو تاکہ وہ اس بات کی مستحق ہو کہ خدا کی نصرت اس کے شاملِ حال ہو، اور ان میں آپس میں اتحاد واتفاق پیدا ہو! اور ان کی عزت وعظمت کا بول بالا ہو۔

لیکن اس سبب کی بنیاد کیا ہے؟ اور اس کو تطبیق دینے اور عملی جامہ پہنانے اور اس کے نفاذ کے مراحل کیا ہیں؟

اس کا جواب ایک لفظ سے دیا جاسکتا ہے اور وہ ہے لفظِ "تربیت" لیکن اس کلمہ کے مدلولات بہت سے ہیں اور اس کا میدان نہایت وسیع اور اس کا مفہوم بہت عام ہے اس لئے کہ تربیت کا مفہوم اور مطلب یہ بھی ہے کہ افراد کی تربیت ہو، اور یہ بھی کہ خاندان کی تربیت ہو، اور معاشرہ اور انسانیت کی تربیت ہو، اور پھر ان اقسام واصناف میں سے ہر ایک قسم کی تربیت کے تحت بہت سی اقسام داخل ہیں، جن سب کا مقصد اور غرضِ اصلی یہ ہے کہ ایک باوقار عمدہ معاشرہ قائم ہو اور بے نظیر امت پیدا ہو۔

تربیتِ اولاد درحقیقت ایک شاخ ہے اس فرد کی تربیت کی جس کو اسلام اس لئے تیار کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ ایک فعّال اور کام کا عضو بن سکے اور زندگی کی دوڑ میں کام کا انسان ثابت ہو۔

بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر اولاد کو صحیح اور عمدہ تربیت دے دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک صالح فرد کے پیدا کرنے کے لئے مضبوط بنیاد ڈال دی گئی، اور اس کو اس قابل کردیا گیا کہ وہ مسئولیات اور ذمہ داریوں کے بوجھ کو اٹھا سکے اور زندگی کے تقاضوں کو صحیح طور سے پورا کرسکے۔

۴۔ محترم قراءِ کرام! آپ کے ہاتھوں میں اس وقت جو کتاب ہے یہ درحقیقت بچّوں کو اسلام کے مطابق تربیت دینے کے سلسلے میں ایک صحیح اور کامل ومکمل نظام کی وضاحت اور اظہار کی کوشش ہے۔ اور خدا کی توفیق سے جب آپ اس کتاب کو پڑھ لینگے تو آپ پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجائے گی کہ اسلامی شریعت کی خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ یہ دین انسان کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے، اور پوری زندگی کو شامل ومحیط ہے، اس دین نے ان تمام چیزوں کو بیان کردیا ہے جو انسان کو دین ودُنیا اور آخرت غرض ہر جگہ فائدہ پہنچاتی ہیں، اور ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ تربیت کے سلسلہ میں اور بشریت کی اصلاح کے لئے اسلام کا ایک خصُوصی منظام ہے۔ چنانچہ جب تربیت کرنیوالے

حضرات اس کے طریقے اور نظام کو اپنالیں گے تو امت میں سکون واطمینان، امن وامان عام ہو گا اور خوف وخطر، افتراق واختلاف رسہ کشی اور دیگر عیوب ختم ہوجائیں گے اور آپ کے سامنے یہ بات کھل کر آجائے گی کہ واقعی اسلام حیات آفرین دین ہے اور یہی انسانیت کا دین ہے، اور یہی تربیت واصلاح اور نظم وضبط کا دین ہے، لہٰذا جب بھی مخلوق اس کے راہ ہدایت کو اختیار کرے گی اور لوگ اس کے صاف ستھرے چشمہ سے سیرابی حاصل کرنا شروع کر دیں گے اور حکومتیں اس کی پیش کردہ شریعت واصول وقواعد پر عمدگی سے عمل کرنا شروع کر دیں گے تو عالم میں سلامتی پھیل جائے گی اور لوگوں کو بہترین وعمدہ معاشرہ کی نشانیاں کھلی آنکھوں سے نظر آنے لگیں گی اور لوگ اسلام کے سائے تلے امن وامان سے خوش وخرم زندگی گزارنے لگیں گے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو اس لئے کہ اسلام اللہ تعالیٰ (جو کہ تمام مخلوق کا رب ہے) کا دین ہے، اور فخر انسانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہے، اور ایک ایسی کامل ومکمل شریعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام بشریت کے لئے دستور اور نظام کے طور پر پسند فرمایا ہے۔

۷۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں تحریر شدہ مواد اسلامی کتب خانوں میں بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور جہاں تک میرا مطالعہ ہے تو اب تک کوئی ایسی جامع کتاب نہیں دیکھی جو کامل ومکمل کہی جا سکے اور مستقل طور سے اس موضوع پر لکھی گئی ہو۔ اور اس میں بچہ کی پیدائش سے بالغ ہونے تک کے زمانہ کی تربیت کا طریقہ بیان کیا گیا سوائے علامہ ابن القیم الجوزیۃ رحمہ اللہ کی کتاب "تحفۃ المودود فی أحکام المولود" کے کہ اس میں مؤلف کتاب نے مولود بچہ کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے اور اس کے احکام ذکر کئے ہیں، اور میں نے اپنی اس کتاب کی قسم اول کی تیسری فصل اور اس کے بعد کے حصہ میں ان سے بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اجر عظیم دے اور آخرت میں ان کے مرتبہ ومقام کو بڑھائے۔

خدا کو معلوم ہے کہ میں نے کتنی محنت کی ہے اور کتنے مراجع کا مطالعہ کیا ہے تاکہ عربی دان حضرات کے سامنے ایسی جامع کتاب پیش کر سکوں جو بچہ کی تربیت کے متعلق ہو اور پیدائش سے لیکر سمجھ دار وہوشیار ہونے تک، اور اس وقت سے بالغ اور مکلف ہونے تک کے احکامات پر محیط ہو، اور ساتھ ہی اس میں ایسے کامل ومکمل نظام کو بیان کیا گیا ہے جس کا والدین وتربیت کرنے والے حضرات اور اصلاح وتربیت کے ذمہ داروں کے لئے جاننا اور اس پر عمل کرنا بہت ضروری ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ جو مقصد تحریر تھا کتاب اس کے مطابق ہے چنانچہ اس میں وسائل اور مقاصد اور اھداف واغراض کو تفصیلی طور سے بیان کیا گیا ہے۔

اس سب کے باوجود میں اپنی اس تحریر میں اس کا دعویدار ہرگز نہیں کہ میں کمال ومنتہا کو پہنچ گیا ہوں اور میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں خطا وغلطی سے پاک ہوں، اور جو لکھا ہے وہ نہایت جامع ہے البتہ مجھے خدا کی ذات سے یہ

پوری امید ہے کہ میری یہ ابتداء اسی دور کے اسلامی فکر و درد رکھنے والے حضرات کو اس جانب ضرور متوجہ کرے گی کہ وہ اپنی ہمتوں اور عزائم کو حرکت دیں اور قلم سنبھال لیں تاکہ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں لکھیں، اور اس سلسلہ میں بحث کو کمال تک پہنچا دیں، اور اس تربیت کے وسائل و اغراض بیان کرنے کے سلسلہ میں کثرت سے مقالے اور کتابیں لکھیں تاکہ کچھ عرصہ بعد ہم یہ دیکھ لیں کہ اسلامی کتب خانہ تربیت کے سلسلہ کی کتابوں سے مزین و آراستہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں رہنما کتابیں عام ہوں تاکہ ہر وہ شخص جس کو تربیت و اصلاح کی خواہش ہے اس کے پاس مراجع کا اچھا ذخیرہ موجود ہو تاکہ بچوں کو اسلامی تربیت دینے کے لئے عمدہ و اعلیٰ راستہ اختیار کرنا آسان ہو، اور بچوں کو روحانی اخلاقی اور فکری طور پر اسلامی تربیت دی جا سکے، اور جس دن بھی اس میدانِ عمل میں سرگرم حضرات کی توجہ کا محور اسلامی تربیت کے موضوع پر لکھنا ہو جائے گا اور اس طرح اسی سلسلہ میں وہ اپنی ذمہ داری اور مسئولیات سے عہدہ برآ ہوں گے تو واقعی اس دن انہوں نے موجودہ زمانہ کے معاشرہ کے لئے عزت و قوت کے راستہ کو واضح کر دیا ہوگا اور بنی نوع انسان کے لئے انہوں نے ان علمی وسائل کو ظاہر کر دیا ہوگا جو ایک با کمال معاشرہ کے وجود میں آنے کا سبب بنتے ہیں اور جس کے ذریعہ مثالی قوم وجود میں آتی ہے۔

۸۔ میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ اس کتاب "تربیۃ الاولاد فی الاسلام" بچوں کی اسلامی تربیت کو تین اقسام پر تقسیم کر دوں۔ جن میں سے ہر قسم کے ضمن میں مختلف فصلیں ہوں اور ہر فصل کے تحت مختلف موضوع اور عنوانات مذکور ہوں، اور فصلوں کے عنوانات ہر قسم میں مندرجہ ذیل طریقہ کے ہوں گے:

قسم اوّل: جس میں چار فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: مثالی شادی اور اس کا تربیت سے باہمی تعلق۔

دوسری فصل: بچوں سے متعلق نفسیاتی شعور و احساسات۔

تیسری فصل: بچہ سے متعلق عمومی احکام اور یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث: بچہ کی ولادت کے وقت مربی کو کیا کرنا چاہیئے؟

دوسری بحث: بچہ کا نام رکھنا اور اس کے احکام؟

تیسری بحث: بچہ کا عقیقہ اور اس کے متعلق احکام۔

چوتھی بحث: بچہ کا ختنہ اور اس کے متعلق احکام۔

چوتھی فصل: بچوں میں انحراف اور فساد پیدا ہونے کے اسباب اور ان کا علاج۔

قسم ثانی: جس میں ایک ہی بحث ہے جس کا عنوان ہے "مربیوں کی نظر میں بڑی بڑی مسئولیات و ذمہ داریاں" اور اس کے ضمن میں سات فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: ایمانی تربیت کی مسئولیت۔

دُوسری فصل : اخلاقی تربیت کی ذمہ داری۔
تیسری فصل : جسمانی تربیت کی ذمہ داری۔
چوتھی فصل : عقلی تربیت کی ذمہ داری۔
پانچویں فصل : نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری۔
چھٹی فصل : معاشرتی واجتماعی تربیت کی ذمہ داری۔
ساتویں فصل : جنسی تربیت کی ذمہ داری۔

قسم ثالث : اور اس میں تین فصلیں اور ایک خاتمہ ہے :
پہلی فصل : تربیت کے مؤثر وسائل۔
دوسری فصل : بچہ کی تربیت کے سلسلہ میں بنیادی قواعد۔
تیسری فصل : تربیت کے سلسلہ میں چند ضروری تجاویز۔
اور اخیر میں ایک خاتمہ ہے۔

کتاب میں ذکر کردہ تینوں قسموں میں سے ہر قسم کے تحت مندرج فصلوں کا یہ تفصیلی خاکہ ہے اور قارئین کی نظر سے ہر فصل میں نہایت اہم مباحث اور مفید موضوعات گزریں گے جن سب کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کے سلسلہ میں صحیح تربیت کا بہترین راستہ واضح کردیا جائے، اور بچوں کو معاشرہ کا صالح و کارآمد عضو بنایا جائے تاکہ وہ اسلام کا طاقتور لشکر بن سکیں، اور ایسے مثالی نوجوان بن جائیں جن میں قربانی ایثار اور شرافت اعلیٰ پیمانے پر جھلکتی ہو۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس عمل کو محض اپنی رضا وخوشنودی کا ذریعہ بنائے، اور روزِ قیامت اس کو قبول فرمائے، اور مخلوق کے لئے اس سلسلہ کو فائدہ کا ذریعہ بنائے، اور ہر وہ شخص جو دنیاوی زندگانی میں سیدھے راستہ اور راہِ ہدایت پر چلنا چاہتا ہے اس کتاب کو اس کیلیے روشنی اور نور کی کرن اور ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ بنائے' اللہ ہی وہ ذات ہے جس سے امید قائم کی جاسکے اور وہی قبول کرنے والا ہے۔

مؤلف

عبداللہ ناصح علوان
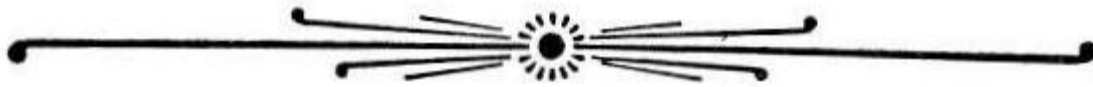
مقدمہ

عالم کبیر فضیلۃ الشیخ وہبی سلیمان غاوجی البانی

۱۔ جناب شیخ عبداللہ علوان سے میرا تعارف ان کے پہلے رسالہ "الی ورثۃ الانبیاء" کے ذریعہ ہوا اور پھر مزید شناسائی ان کی دیگر کتب ورسائل وغیرہ سے ہوئی جن میں درج ذیل کتابیں ورسائل شامل ہیں۔ "التکافل الاجتماعی فی الاسلام" اور "حتی یعلم الشباب" اور "صلاح الدین الایوبی" وغیرہ، جیسا کہ ان کو میں ایک عرصہ سے تربیت وتعلیم کے میدان میں ایک ساتھ کام کرنے کی وجہ سے پہنچانتا تھا، میں نے ان کو مذکورہ بالا واسطوں سے بھی پہچانا اور ان کے تذکرے بھی سنے، اور اگر مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ شیخ عبداللہ علوان کا مختصر الفاظ میں تعارف کرائیں تو میں یہ کہوں گا کہ: وہ سچے مؤمن اور عالم ہیں۔ وہ زندگی کے لمحات اس طرح گزارتے ہیں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے اور ان کے پہلو میں، دل ودماغ اور رگ وپے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک سرایت کرگیا ہے کہ جس شخص نے اس حالت میں صبح کی کہ اس نے مسلمانوں کی حالت کی فکر وخیال نہ کیا تو وہ ان میں سے نہیں ہے۔

اسی لئے کبھی تو آپ ان کو علماءِ کرام سے یہ خطاب کرتے دیکھیں گے کہ وہ اپنے فرضِ منصبی دعوت وارشاد کے فریضہ کو خوش اسلوبی سے ادا کریں، اور اسلام کی دعوت وحکمت کے ساتھ لوگوں میں پیش کریں، چنانچہ وہ علماء سے اپنی کتاب "إلی ورثۃ الانبیاء" کے ذریعہ مخاطب ہوتے ہیں، اور کبھی عوام سے مخاطب ہوتے ہیں اور انہیں ٹیلیویژن وغیرہ کے فتنہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ اور اس کے گندے اور خطرناک اثرات سے اپنے رسالہ "حکم الاسلام فی التلفزیون" کے ذریعہ سے متنبہ کرتے ہیں اور اسی مضمون کو مزید تفصیل سے اپنی کتاب "حکم الاسلام فی وسائل الاعلام" میں بیان کرتے ہیں، اور کبھی اپنا روئے سخن طلباء کی طرف پھیر دیتے ہیں اور ان کی رہنمائی اور تشفی کے لئے کتاب "شبہات وردود" لکھتے ہیں، اور کبھی نوجوان نسل سے اپنی کتاب "حتی یعلم الشباب" کے ذریعہ مخاطب ہوتے ہیں۔

اور کبھی معاشرہ کی اصلاح ودیکھ بھال کے ذمہ دار حضرات سے اپنی کتاب "التکافل الاجتماعی فی الاسلام" کے ذریعہ خطاب فرماتے ہیں، اور کبھی تاریخ کے زرین ابواب ہمارے سامنے پیش کرکے سلفِ صالحین اور گزرے ہوئے مجاہدین کے کارنامے ذکر کرکے ہماری سابقہ تاریخ دہرا کر اس کی عظمت وشان وشوکت یاد دلاتے ہیں۔ اور اس کے لئے کتاب "صلاح الدین الایوبی" تحریر کرتے ہیں۔

اور کبھی علم و فقہ کے راستہ سے مسلمانوں سے ہم کلام ہوتے ہیں اور ان کی رہنمائی کے لئے "احکام الصیام" اور "احکام الزکاۃ" ... وغیرہ لکھتے ہیں، اور کبھی یہ واضح کرتے ہیں کہ وہ کون سا طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے معاشرہ کو راسمالیۃ (سرمایہ دارانہ نظام) کے نقصانات وضرر سے بچایا جاسکے چنانچہ اس سلسلہ میں کتاب "احکام التأمین" لکھتے ہیں اور اس کے نقصانات اور ضرر کو بیان کرتے ہیں، اور اس کے مقابلہ پر اس کے نعم البدل اسلام کے امداد باہمی کے نظام کو بیان کرتے ہیں۔

اور اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان کے قلم سے ان سب حضرات کے لئے قیمتی کتاب "تربیۃ الأولاد فی الإسلام" وجود میں آرہی ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے اور مزید توفیق دے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت دے۔

۲۔ صاحب کتاب نے اپنی یہ کتاب چار اجزاء میں تقسیم کی ہے۔ اور اس موضوع پر انہوں نے درمیانے سائز کے ۱۳۷۶ صفحات تحریر کئے ہیں جو علم و دانائی اور معرفت کی باتوں کے علاوہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ موصوف کو مستقبل کے معاشرہ کی تربیت کا بہت زیادہ فکر ہے اور اس کی طرف انہوں نے پوری توجہ مبذول کر رکھی ہے۔

★ میرے علم کے مطابق کسی شخص نے اب تک اسلامی نقطۂ نظر سے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اتنے مبسوط طریقے سے ایسا قیمتی اور پُر از حقائق مجموعہ تحریر نہیں کیا جیسا کہ استاذ عبداللہ علوان نے تحریر کیا ہے۔

★ میرے علم میں کوئی ایسا صاحبِ قلم نہیں ہے جس نے اس موضوع سے متعلق آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ مبارکہ اور سلفِ صالحین کے آثار و اقوال کا وہ ذخیرہ جو اس سلسلہ کے احکام وآداب اور وصایا پر مشتمل ہو اس تفصیل سے یکجا کیا ہو جس تفصیل سے استاذ عبداللہ علوان نے یکجا کیا ہے۔

★ میرے علم میں سوائے شیخ عبداللہ علوان کے کوئی ایسا مؤلف نہیں جس نے تربیت واصلاح سے متعلق اتنی اہم مباحث میں صرف مسلمانوں کی بنیادی تحریرات پر اکتفا کیا ہو اور ان کے علاوہ دوسرے اہلِ قلم کے اقوال کو سوائے ضرورتِ شدیدہ اور اضطرار کے یا ایسے مواقع پر جہاں کسی خاص وجہ سے ان کے اقوال کا بیان کرنا ضروری ہو اور کسی جگہ ذکر نہیں کیا اور اسکی وجہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ کہ موصوف نے یہ کتاب مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کی رہنمائی کے سلسلہ میں لکھی ہے چنانچہ وہ آسان اور مختصر راستہ کو اختیار کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ اسلامی ثقافت جس کا مدار اسلام کے بنیادی اصولوں اور گزرے ہوئے سلفِ صالحین اور موجودہ اکابر کے تجربہ پر ہے اس میں دوسروں کے اقوال ورہنمائی کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔

★ میرے علم میں کوئی ایسا مصنف نہیں جس نے تربیتِ اولاد کے موضوع پر استاذ شیخ عبداللہ سے زیادہ سوز و درد اور جذبہ وجوش اور پختگی سے قلم اٹھایا ہو۔

۳۔ میرا تو یہ ارادہ تھا کہ اس قیمتی کتاب کے بعض اہم مباحث وعنوانات اور اس کے مفید اور اہم نقاط کی ایک جھلک پیش کروں جو اس میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تاکہ نمونہ آپ کے سامنے آجائے اور اس کتاب کی حقیقت اور اہمیت کا اظہار ہوسکے، لیکن اس خیال سے کہ قارئین کے لئے پڑھنا تطویل کا ذریعہ بنے گا یہ ارادہ ترک کردیا تاکہ پڑھنے

والے اپنے مطالعہ سے اس حقیقت کا ادراک کرلیں اور اس کی گہرائی تک پہنچیں۔ بلکہ میں جو لکھنا چاہتا تھا اس سے بھی آگے تک پہنچ جائیں۔

البتہ میں شیخ عبداللہ کے اس کلام کو یہاں نقل کئے دیتا ہوں جو انہوں نے اس کتاب کے اخیر میں "تربیت کے سلسلہ میں ضروری تجاویز" کے عنوان کے تحت تحریر کیا ہے۔

مؤلف کے خیال میں وہ تجاویز مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہیں۔

بچہ کو اچھے پیشہ کی رغبت دلانا، بچہ کی فطری صلاحیتوں کا خیال کرنا۔ بچہ کو کھیل وکود کے لئے موقعہ دینا، گھر مسجد اور مدرسہ میں آپس میں باہمی ہم آہنگی وتعاون پیدا کرنا۔ بچہ اور مربی کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنا۔ شب وروز تربیتی نظام کے مطابق گزارنا۔ بچہ کے لئے ثقافتی وسائل مہیا کرنا، بچہ کو مستقل مطالعہ کا شوقین بنانا۔ بچہ کو اسلام کی ذمہ داریوں اور مسئولیات کا ہمیشہ احساس دلانا۔ بچہ میں جہاد کی روح کو پھونک دینا۔ مؤلف نے ان تجاویز کی شرح میں ایک سو ستر صفحات تحریر کئے ہیں۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ کیا فاضل مؤلف نے تربیتِ اولاد کے سلسلہ میں تربیت کرنے والوں اور اس سلسلہ میں رہنمائی کے طالب حضرات کے لئے مزید کچھ لکھنے کی گنجائش چھوڑی ہے؟

لہٰذا والدین، تربیت کرنے والوں اور تربیت کے میدان میں سرگرمِ عمل حضرات کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ اس کتاب "تربیۃ الأولاد فی الإسلام" کا مطالعہ کریں۔ اور تربیت کے سلسلہ میں اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھاکر ان لوگوں کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں جن کی تربیت ان کے ذمہ ہے اس لئے کہ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ انسان جن کا ذمہ دار ورکھوالا ہے انہیں ضائع کردے ان کی تربیت نہ کرے، امام مسلمؒ نے اسے روایت کیا ہے۔

بھلا اس سے بڑھ کر ضائع کرنا اور کیا ہوگا، اور اس سے زیادہ خطرے اور نقصان کی بات کیا ہوگی کہ ان کے دلوں میں انحراف اور زیغ وضلال پیدا ہوجائے اور وہ سیدھے راستہ سے ہٹ جائیں، یا ان کی طرف توجہ اور فکر نہ کرنے کی وجہ سے وہ یونہی بھٹکتے پھریں؟

اس سے بڑھ کر اور کیا بربادی ہوکہ وہ اسلام کی مخالفت شروع کردیں اور اس کے احکامات کو اوپرا سمجھنے لگیں؟

اس سے بڑھ کر ضائع کرنا اور کیا ہوگا کہ بچوں کے دل اور عقلیں اور اخلاق تباہ وبرباد ہوجائیں اور ان کا جسم محض ایک لاشہ بن کر رہ جائے۔ اور ایک بے جان لکڑی کی طرح زندگی گزاریں نہ ان کا کوئی عقیدہ وایمان ہو اور نہ کوئی منزل ومقصود؟

اللہ تعالیٰ شیخ عبداللہ کو خوش وخرم رکھے اور ان حضرات کو بھی جو ان جیسے کارنامے انجام دیتے ہیں، تاکہ ایک ایسا معاشرہ اور قوم وجود میں آئے جسے مثالی قوم کہا جاسکے، اور وہ روئے زمین پر ویسی زندگی گزاریں جیسی زندگی روئے زمین پر پہلے مثالی معاشرہ وقوم کے افراد نے گزاری تھی، اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی ویسی ہی توفیق عطا فرمائے جیسی توفیق ان کو دی تھی، وہ مثالی قوم

جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص، برگزیدہ **متقی** و پارسا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنا خلیفہ بنا لے اور اپنے محبوب و پسندیدہ دین کو پھیلانے کی توفیق دے۔ اور ان کے خوف و ڈر کو امن و امان سے بدل دے اور اسلام کے جھنڈے کو ہر حکومت و ملک پر لہرا دے اور ہر جگہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو، اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی مشکل نہیں، اور وہ دن واقعی مسلمانوں کی خوشی کا ہوگا:

”وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“ (الروم: ۴،۵)	اور اس دن مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے (اللہ) مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی زبردست رحم والا ہے۔

وہبی سلیمان البانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصنّف کے قلم سے طبعِ ثانی کا مقدمہ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جسکے انعام ہی سے تمام اچھائیاں مکمل ہوتی ہیں، اور درود وسلام ہو اس ذات پر جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والی اور انسانیت کو واضح اور کھلے ہوئے حق کے نور اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں ان کی آل و اولاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے، وہ حضرات صحابہ و تابعین جنہوں نے اسلام کے پیغام اور قرآنِ کریم کی تعلیمات کو عالم کے گوشہ گوشہ میں پہنچایا۔ اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں ان حضرات سے بھی جو ان کے نقشِ قدم پر چلے اور قیامت تک اخلاص سے ان کے راستہ پر چلتے رہیں گے۔

حمد وصلاۃ کے بعد سب سے پہلے تو میں اس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں کتاب "تربیۃ الأولاد فی الإسلام" کی تینوں قسمیں مکمل کرسکوں۔

جیساکہ اس فن کے ماہرین کا خیال ہے یہ کتاب مطلوب ومقصود کو پورا کرنے، وسائل کو بیان کرنے، اور صحیح راستہ کی جانب رہنمائی کرنے، بنیادی امور کے استیعاب، ذمہ داریوں کی تقسیم وبیان، ضرورت وحاجت کو پورا کرنے، موجودہ زمانہ کی روح کے مطابق ہونے، معاشرہ اور ماحول کے ساتھ مناسبت رکھنے میں بلاشک وشبہ کافی ووافی ہے اور موجودہ دَور کی امتِ مسلمہ کی حالت کے عین مطابق ہے۔

مجھے پورا یقین ہے کہ عربی پڑھنے والے حضرات اس کتاب میں وہ سب کچھ پالیں گے جس کی ان کو تمنا ہے اور جس کی بچوں کی تربیت کیلئے موجودہ زمانہ یا مستقبل میں ان کو حاجت ہوگی، اس کتاب میں ان کو تربیت ورہنمائی کے سلسلہ میں بنیادی مباحث اور عمومی تربیت کے سلسلہ میں آداب وقواعد آسان اسلوب میں پڑھنے کو ملیں گے۔

مجھے یہ بھی امید ہے کہ کتابوں کی دنیا میں تربیت کے سلسلہ میں جو بہت بڑا خلا پایا جاتا تھا میں اپنی اس کتاب کے ذریعہ اس کو پر کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس لئے کہ اس کتاب کی شکل میں تربیت کرنے والے حضرات کو اسلامی کتب خانے میں ایک ایسی کتاب میسر آجائے گی جو تربیت کے ہر پہلو سے بحث کرتی ہے، اور جس میں بچوں کی تربیت کے ہر پہلو کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اور جس کے ذریعے یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایسے بنیادی قواعد متعین کردیئے جائیں جو بچہ کی روحانی، عقلی اور جسمانی تربیت کرسکیں، اور اس کی شخصیت کو اخلاقی، نفسیاتی اور معاشرتی اعتبار سے صحیح ڈھال سکیں۔

مجھے یہ بھی امید ہے کہ یہ کتاب ہراس شخص کے لئے روشن مینارہ کا کام دے گی جو اپنی اولاد کو ایسی تربیت دینا چاہے جو عقیدۂ ربّانی کی روح، اسلام کے طریقہ، قرآن کے بتائے ہوئے راستہ، سنتِ نبویہ کی پیش کردہ روشن ہدایات، سلفِ صالحین کے طریقہ کے موافق اور شریعتِ اسلامیہ کے منہاج ہدایت کے عین مطابق ہو۔

تربیت واصلاح سے منسلک حضرات کے لئے میں ایک خوشخبری یہ بھی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس جدید ایڈیشن میں "تربیت کرنے والے حضرات کی ذمہ داریاں" نامی عنوان کے تحت "جنسی تربیت کی ذمہ داری" کے عنوان سے ایک جدید بحث کا اضافہ کیا ہے، جس کے ذریعہ بچہ کے جنس کی طرف میلان کا علاج کرنے اور اس مرض کے سدباب کی کوشش کی گئی تاکہ اس کو بلوغ سے پہلے کے عرصہ میں گناہ سے روکا جاسکے اور بالغ ہونے کے بعد جب شادی کی منزل میں قدم رکھے تو اسے جنسی تعلقات کے سلسلہ میں جن اصولوں کو اپنانا چاہیئے ان کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے۔

اس مناسبت سے میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اپنے ان بھائیوں سے جو تربیت واصلاح سے تعلق رکھتے ہیں یہ درخواست کروں کہ اگر انہیں اس کتاب میں کوئی کمی، کوتاہی یا قابلِ اعتراض بات نظر آئے۔ یا کوئی تجویز وپیش کش ان کے ذہن میں ہو تو مجھے اس سے ضرور مطلع کریں، جس پر میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں گا اور ممنون ہوں گا۔ اس لئے کہ کمال صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے لئے ہے، غلطی سے انبیاءِ کرام اور رسولِ عظام علیہم الصلاۃ والسلام ہی محفوظ ہوتے ہیں باقی انسان غلطی بھی کرتے ہیں اور ٹھوکر بھی کھاتے ہیں۔ اس لئے مجھے اس سلسلہ میں ضرور مطلع کیا جائے تاکہ اگر صحت وزندگی رہی تو آئندہ طباعت میں اس کی اصلاح کرلی جائے۔

یہ بات نہایت خوش کن اور موجبِ سرور ہے کہ ہماری نوجوان نسل اسلامی کتابوں کے خریدنے اور مطالعہ کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کی شوقین ہے، چنانچہ جونہی کتاب "تربیۃ الأولاد فی الإسلام" کی پہلی دوسری اور تیسری قسم بازار میں آئی فوراً ہی نوجوان نسل اور تربیت کرنے والے حضرات نے اس کو خرید لیا۔ جب کہ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ اس سرعت سے اس کتاب کے نسخے ختم ہوجائیں گے۔

یہ صورتِ حال اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ اب ہمارا مسلم معاشرہ اسلام کی جانب پھر سے بھرپور توجہ کررہا ہے، اور ان میں دل وجان سے اسلام سے محبت ولگاؤ پیدا ہورہا ہے۔ جس کا اصل سبب یہ ہے کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کے قوانین ہر ہر چیز کو شامل ومحیط ہیں اور اس کی تعالیم انسان کو نفسیاتی پریشانیوں، اخلاقی بیماریوں، سیاسی گھٹن اور اجتماعی بیماریوں سے نکالنے والی اور نجات دہندہ ہیں:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ بے شک تمہارے پاس آئی اللہ کی طرف

"يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝" ۔ المائدہ-۱۵و۱۶

سے روشنی اور ظاہر کرنے والی کتاب جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سلامتی راہیں اس کو جو اس کی رضا کا تابع ہوا اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو سیدھی راہ چلاتا ہے۔

اور میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اسلام کے ہراول دستے مستقبل کی جانب تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ تاکہ ہمارے اسلامی معاشرہ میں ایک ایسا اسلامی وسیع وعریض عزت وبزرگی کا روشن مینارہ قائم کر دیں جو بڑی بڑی قوموں کی عزت و رفعت کا مقابلہ کر سکے۔

اور حقیقی معنی میں اسلامی حکومت قائم کرنے اور مسلمانوں کی شان وشوکت دوبارہ واپس لوٹانے کے عوامل میں سب سے بڑا عامل یہ ہے کہ اسلام کے لئے کام کرنے والے حضرات اپنی تمام کوششیں اس بات پر صَرف کر دیں کہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جو قرآنِ کریم کے تعلیمات کے مطابق مؤمنوں اور مسلمانوں کا معاشرہ ہو۔ اور مسلمانوں کی ایک ایسی کھیپ پیدا ہو جو جہاد کے جذبہ سے سرشار ہو۔ اور خدا ترس شریف النفس معاشرہ وجود میں آجائے۔ اگر اربابِ حل وعقد اور تربیت کرنے والے حضرات صحیح وسائل کو اختیار کر لیں اور مسلمان اپنی منزلِ مقصود کی جانب پیش قدمی شروع کر دیں تو ایسا ہونا کچھ مشکل نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے لئے سب آسان ہے۔

میں مسلمان قوم کے لئے ان کے مراتب ودرجات اور ثقافت وتمدن کے متفاوت ومختلف ہونے کے باوجود اپنی کتاب "تربیۃ الأولاد" کا دوسرا ایڈیشن اضافہ وتنقیحات کے ساتھ پیش کر رہا ہوں، اُمید ہے کہ ان حضرات کو میری اس کتاب میں قوم کی تیاری کے سلسلہ میں مضبوط بنیادیں، تربیت کے سلسلہ میں قیمتی اصول، اور فرد کے تیار کرنے کے لئے شاندار مشورے اور بنیادی باتیں ملیں گی، اور وہ اس بات کو خوب سمجھ لیں گے کہ تربیت واصلاح کے لئے ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اس اسلامی نظامِ تربیت واصلاح کو اپنائیں جو کامل ومکمل اور ایسا جامع نظام ہے جس کی رہنمائی اسلام نے کی ہے اور جس کے اصول وقواعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمائے ہیں۔

اخیر میں قارئین کرام سے میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ مجھے اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں اور اگر اس کتاب سے کچھ نفع وفائدہ حاصل ہو تو مجھے دعواتِ صالحہ سے یاد فرمائیں جس پر میں ان کا شکرگزار ہوں گا۔

(یہی درخواست مترجم کتاب بھی محترم قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی ــــ جسارت کرتا ہے)۔

اللہ سے دُعا ہے کہ میرے اس کام کو محض اپنی رضاء کا ذریعہ بنائے اور اس کو قبول فرمائیں اور مجھے

ہمیشہ ہمیشہ دینِ برحق کی نصرت وامداد اور اسلام کے پیش کردہ ان افکار ونظریات کو کھول کر بیان کرنے کی توفیق دے جو دنیا اور دنیاوی زندگی اور انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ ہی سے بہترین امید رکھی جاتی ہے اور وہی قبول کرنے والا ہے۔

مؤلف

عبداللہ ناصح علوان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

طبعِ ثالث کا اضافہ شدہ مقدمہ

از مؤلف

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو کہ دو جہان کا رب ہے، اور اعلیٰ ترین درود اور اکمل ترین سلام ہو سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سب آل واصحاب اور قیامت تک حق کی دعوت دینے والے اور خیر کی طرف رہنمائی کرنے والوں پر، حمد وثنا وصلاۃ وسلام کے بعد۔

مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ میری کتاب "تربیۃ الاولاد فی الاسلام" اتنی قبولیت حاصل کرے گی اور اس کی اس طرح مدح سرائی ہوگی، میں جس سے بھی ملا خواہ وہ استاذ ہوں یا علماء یا تربیت کرنے والے اصحابِ قلم وارباب فکر ونظر ہوں یا ادباء اور دعوت واصلاح کے قائدین، اور اسی طرح وہ حضرات جنہوں نے مجھ سے خط وکتابت کے ذریعے رابطہ قائم کیا سب نے اسے خوب سراہا اور دل کھول کر تعریف کی، حقیقت یہ ہے کہ تمام تعریفوں کے مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں اس لئے کہ وہی ذات ہے جس نے مجھے یہ توفیق اور صلاحیت وقوت دی، اور میرے لئے یہ کام آسان کیا، اور میری اس کی طرف رہنمائی کی، وہی مددگار ہے اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے اور تمام اچھائیوں کا دینے والا مرجع وہی ہے۔ اس وقت میں اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کو دو اہم اضافوں کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ مسلمان نوجوان عورتوں کے چہرہ چھپانے کے واجب ہونے کے نہایت واضح وقطعی ادلّہ۔

۲۔ جنسی انحراف کے سلسلہ میں نئے پیش آنے والے واقعات اور ان کا جو اثر معاشرہ پر پڑتا ہے اس کو شواہد کے طور پر پیش کرنا۔

مجھے خدائے برتر وقادرِ مطلق سے امید ہے کہ یہ کتاب اپنی تیسرے ایڈیشن میں نہایت خوبصورت طباعت بہترین کاغذ اور شکل وصورت میں وجود میں آئے گی۔ تاکہ یہ ہر اس شخص کے لئے بہترین مددگار اور رہنما ثابت ہو، جو اسلام کے قواعد کے مطابق بچوں کی تربیت کرنا چاہتا ہے جو ایمان واخلاق کی بنیاد پر معاشرہ وقوم کی رہنمائی کرنا چاہتا ہو، حقیقت یہ ہے کہ بحمد اللہ ہمارے مذہب اسلام میں تربیت کے سلسلہ میں بہترین بنیادی رہنما اصول

اور اخلاقی تربیت کے سلسلہ میں شاندار ہدایات موجود ہیں، اسلام امتِ اسلامیہ کی تمام ضروریات کو ہر زمانہ اور ہر جگہ پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جو مستقبل کو شاندار وبہترین اور آنے والی کل کو روشن اور خوش کن بنانے کے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آج کے مسلم معاشرہ کو وسیع ترین توفیق دے کہ وہ افکار وعقائد میں اسلام کو اپنا رہنما بنائے، اور تربیت وعمل کے میدان میں اس کو اپنا مقصود وہدف بنائے۔ اور عزت ومجد اور شرافت وبزرگی اور وسیع ترین اسلامی اتحاد کے حاصل کرنے کے لئے اسے اپنا نصب العین بنائے، اللہ تعالیٰ ہی بہترین مسئول ہے۔ اور وہی سزاوار ہے قبولیت کا، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

مؤلف

عبداللہ ناصح علوان

قسمِ اوّل

- مثالی شادی اور تربیت سے اس کا ربط و تعلق
- بچّوں کے متعلق نفسیاتی شعور
- نومولود سے متعلق عمومی احکام
- بچّوں میں انحراف کے اسباب اور ان کا علاج

پہلی فصل

مثالی شادی اور تربیت سے اسکا ربط وتعلق

اس سے پہلے کہ ہم ان بنیادوں اور قواعد کو ذکر کریں جو دینِ اسلام نے اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں مقرر کئے ہیں۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم۔ چاہے مختصر انداز سے ہی سہی۔ شادی کے تین پہلوؤں پر روشنی ڈالیں

الف : شادی انسانی فطرت ہے

ب : شادی مُعاشرتی ضرورت ہے۔

ج : شادی خوب سے خوب تر کے انتخاب اور اختیار کا نام ہے۔

ان گوشوں کا پیش کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے یہ واضح ہوگا کہ ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے، اولادِ صالح کے پیدا کرنے، بچہ کے نسب کا اعتراف کرنے، بچہ کے اخلاق کی درستگی وجسم کی تندرستی، بچہ سے والدین کے پیار ومحبت، میاں بیوی کا اس کی تربیت کے سلسلہ میں باہمی تعاون، بچہ کی کجی اور بے راہ روی کی اصلاح کرنے اور اس کو دنیاوی زندگی کے لئے ایک نیک صالح انسان بنانے میں تربیت کا کتنا گہرا ربط وتعلق ہے لیجئے ان تینوں گوشوں میں سے ہر ایک پہلو پر کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیے :۔

الف - شادی انسانی فطرت ہے

شریعتِ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں یہ بات صاف اور واضح نظر آتی ہے کہ اسلام نے رہبانیت ومجرد زندگی گزارنے کی سخت مخالفت کی ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ رہبانیت انسانی فطرت کے خلاف اور اس کی خواہشات وجذبات اور طبیعت ومزاج سے متصادم ہے، چنانچہ امام بیہقی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک روایت فرماتے ہیں کہ :

«إن الله أبدلنا بالرهبانية الحنيفية السمحة». — اللہ تعالیٰ نے ہمیں رہبانیت کے بدلے آسان وسیدھا دینِ حنیف عطا فرمایا ہے۔

نیز امام طبرانی وامام بیہقی رحمہما اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((من کان موسرًا لأن ینکح ثم لم ینکح فلیس منّی)).

جو شخص نکاح کر سکتا ہو اور پھر بھی نکاح نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں۔

ان دونوں احادیثِ مبارکہ اور اس جیسی دیگر احادیث سے آپ کو یہ بات صاف معلوم ہو رہی ہوگی کہ اسلامی شریعت مسلمان کے لئے شادی نہ کرنے کو حرام قرار دے رہی ہے اور باوجود قدرت اور اسباب کے موجود ہونے اور وسائل کے پائے جانے کے رہبانیت کی غرض اور عبادت کے لئے فارغ رہنے اور اللہ کی عبادت وقرب کے حصول میں لگے رہنے کی نیت سے شادی نہ کرنے کو ممنوع قرار دے رہی ہے۔

معاشرے کے افراد کی نگرانی ودیکھ بھال اور نفسِ انسانی کے علاج کے سلسلہ میں اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور موقف پر غور کریں تو ہمیں مزید یقین ہوگا کہ یہ دیکھ بھال ونگرانی اور یہ علاج انسان کی حقیقت کی معرفت پر مبنی تھا اور اس کا مقصد انسانی فطرت کے جذبات واحساسات کی آواز پر لبیک کہنا تھا تاکہ معاشرہ کا کوئی بھی فرد اپنی حدود سے باہر نہ نکلے، اور ایسا قدم ہرگز نہ اٹھائے جو اس کی طاقت وقوت اور دائرہ اختیار سے باہر ہو اس کے بجائے ہر شخص سیدھے راستہ پر طبعی رفتار کے مطابق مناسب ومعتدل رفتار سے چلے تاکہ جس راستہ پر اور لوگ چل چکے ہیں اس پر وہ بغیر کسی لغزش کے آسانی سے چلتا رہے، اور جس راستہ پر انسانیت آگے کی جانب رواں دواں رہی ہے وہ الٹے پاؤں نہ لوٹے، اور جس راستہ پر لوگ قوت وطاقت سے چلتے رہے ہیں یہ کمزور نہ پڑ جائے:

((فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ)). (روم ۳۰)

وہی تراش وساخت اللہ کی جس نے لوگوں کو تراشا وڈھالا، اللہ کے بنائے ہوئے کو بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

اور لیجئے ہم اس سلسلہ میں آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موقف پیش کرتے ہیں جو انسان کی حقیقت کے سمجھنے اور منفی سوچ رکھنے والی طبائع کے علاج اور اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں عظیم الشان موقف کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ امام بخاری وامام مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے دولت کدہ پر تشریف لائے اور ان سے آپ کی عبادت ومجاہدہ کے بارے میں سوال کیا، اور جب انہیں صورت حال بتلائی گئی تو بظاہر ایسا معلوم ہوا کہ انہوں نے اسے کم سمجھا، انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کو بھلا کہاں پہنچ سکتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا بخشایا بنا کر بھیجا ہے، ایک صاحب ان میں سے گویا ہوئے کہ: میں تو ہمیشہ ساری ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے صاحب نے ارشاد فرمایا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا، تیسرے صاحب نے کہا:

میں عورتوں سے دُور رہوں گا کبھی شادی نہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم تینوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے ؟ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اس کی عبادت کرنے والا اور متقی ہوں لیکن میں پھر بھی روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں ، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں ، یاد رکھو جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ۔

ان واضح احادیث ونصوص سے ہر عقل وبصیرت رکھنے والے شخص کے لئے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام شادی کو انسانی فطرت قرار دیتا ہے تاکہ انسان اپنی اس ذمہ داری اور مسئولیت کو محسوس کرسکے اور اس کا بوجھ اٹھا سکے، بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کے سلسلہ میں اس کے ذمہ ہے ۔ اور یہ اس وقت ہی ہوسکتا ہے جب وہ اس انسانی فطرت کی آواز پر لبیک کہے اور انسانی مزاج اور طبیعت کی پر شوق آواز کو قبول کرے ، اور زندگی کے اس راستہ پر چلے ۔

ب ۔ شادی معاشرتی ضرورت ہے

یہ بات نہایت واضح ہے کہ اسلام نے نکاح کا جو نظام جاری کیا ہے اس میں بہت سے منافع اور معاشرتی وقومی فائدے ہیں جن میں سے اہم اہم کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے اور ان کا تربیت سے جو تعلق ہے اسے واضح کریں گے ۔

① بنی نوعِ انسان کا بقاء یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ شادی کے ذریعہ ہی انسانی نسل باقی رہ سکتی ہے ۔ اور اسی کے واسطہ سے افراد میں اضافہ اور تسلسل برقرار رہ سکتا ہے اور یہ سلسلہ قیام قیامت تک باقی رہ سکتا ہے ، نسلِ انسانی کے اس اضافہ اور تسلسل ہی میں بنی نوع انسان کا بقاء ہے اصلاح وتربیت سے تعلق رکھنے والے حضرات نے تربیت کے سلسلہ میں جو قواعد وضوابط متعین کئے ہیں ان کا مقصد وداعیہ بھی یہ ہے کہ انسانی نسل کو اخلاقی اور جسمانی طور پر محفوظ رکھا جائے ، قرآنِ کریم نے اس معاشرتی حکمت اور انسانی مصلحت کی جانب ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے :

«وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً» (النحل-۲)

اور اللہ نے پیدا کیں تم میں سے تمہاری ہی قسم سے عورتیں اور تم کو دیئے تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے :

«يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً» (النساء-۱)

اے لوگو اپنے اس رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں ۔

② نسب کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے نکاح وشادی کا جو نظام جاری فرمایا ہے یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے ذریعہ اولاد اپنے کو اپنے والدین کی طرف منسوب کرکے فخر کرتی ہے اور اس سے اس کو نفسیاتی طور پر جو سکون اور ذاتی طور پر اپنے اوپر اعتماد و بھروسہ اور انسانی اعتبار سے عزت حاصل ہوتی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اگر بالفرض شادی کا یہ نظام الٰہی نہ ہوتا تو معاشرہ میں ایسے بچوں کی بھرمار ہوتی جن کا ــــ نہ کوئی نسب ہوتا نہ عزت وحترام، اور یہ اخلاقِ کریمانہ کے ماتھے پر ایک بدنما داغ بنتا اور اخلاقی انحطاط اور خطرناک فساد کے پھیلنے کا ذریعہ۔

③ معاشرہ کا اخلاقی گراوٹ سے محفوظ رہنا

شادی کے ذریعہ ہی معاشرہ اخلاقی انحطاط و گراوٹ سے بچتا ہے اور افراد معاشرتی افراتفری اور اباحیت سے محفوظ رہتے ہیں، اور اتنی بات تو ہر ذی شعور کے لئے واضح ہے کہ صنفِ نازک کی طرف طبعی میلان کے تقاضے اگر شادی اور حلال طریقے سے پورے ہوجائیں اور جائز راستے سے شہوانی خیالات پورے ہوتے ہیں تو قوم افراد اور جماعت کے لحاظ سے عمدہ ترین آداب وبہترین اخلاق سے آراستہ ہوگی، اور وہ اس لائق ہوگی کہ اپنی ذمہ داری پوری کرسکے اور اپنے آپ کو اس مسئولیت کے بوجھ اٹھانے کے قابل بنا سکے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر ڈالا ہے، شادی کی اخلاقی حکمت ومنفعت اور معاشرتی فائدہ کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا بالکل بجا اور درست فرمایا ہے، چنانچہ آپ نوجوانوں کی ایک جماعت کو شادی کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

«یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فإنہ أغض للبصر وأحصن للفرج فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم فإنہ لہ وجاء»۔

بخاری ومسلم، مشکاۃ (۲-۲۶۷)

اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ وہ شادی کرلے اس لئے کہ شادی نگاہ کو جھکانے وپست کرنے اور فرج (شرمگاہ) کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والی چیز ہے اور جو شادی کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ روزہ رکھے، روزہ اس کے شہوانی خواہشات کو ختم کرنے والا ہے۔

④ معاشرے کا بیماریوں سے محفوظ ہونا

زنا کے نتیجہ میں جو متعدی قسم کے مہلک امراض لوگوں میں پیدا ہوتے ہیں اور بے حیائی کا دور دورہ اور حرام کاری کا بازار گرم ہوتا ہے شادی کی وجہ سے معاشرہ ان امراض سے محفوظ رہتا ہے، ان امراض میں سے آتشک وسوزاک اور سیلان الرحم ولیکوریا اور اس کے علاوہ اور بہت سے خطرناک امراض جو نسل انسانی کو تباہ اور جسم کو کمزور کرتے ہیں اور جن سے وبائیں پھیلتی ہیں اور بچوں کی صحت تباہ ہوتی ہے

⑤ رُوحانی اور نفسیاتی اطمینان وسکون

شادی کے ذریعے میاں بیوی میں الفت ومحبت کی رُوح پروان چڑھتی ہے، چنانچہ شوہر جب کام کاج سے فارغ ہوکر اپنے گھر لوٹتا ہے اور بیوی بچوں سے مل بیٹھتا ہے تو وہ ان تمام انکار و پریشانیوں کو بھول جاتا ہے جو دن بھر اس کو پیش آئی تھیں اور دن بھر کی تگ و دو سے جو تکان اس پر سوار تھی وہ کافور ہوجاتی ہے، بالکل یہی حالت عورت کی بھی ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے شوہر سے ملاقات کرتی ہے اور شام کو اپنے رفیقِ حیات کا استقبال کرتی ہے تو دن بھر کی محنت وکام کاج کی صعوبت بھول جاتی ہے۔

اس طرح میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے زیرِ سایہ نفسیاتی سکون اور باہمی الفت وتعلق محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی بلیغ اور عمدہ تعبیر کے ذریعہ اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ ارشاد ہے:

«وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ». (الروم ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ بنائے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ ان کے پاس چین سے اور تمہارے درمیان میں پیار اور مہربانی پیدا کی، بیشک اس میں بہت پتہ کی باتیں ہیں ان کیلئے جو دھیان کرتے ہیں۔

اس روحانی اور نفسیاتی سکون کی وجہ سے بچّوں کی تربیت دیکھ بھال اور نگہداشت کا جو داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں۔

⑥ خاندان کی تعمیر اور بچّوں کی تربیت کے سلسلہ میں میاں بیوی کا باہمی تعاون

شادی ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے زوجین خاندان کی تعمیر اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلہ میں ایکدوسرے سے بھرپور تعاون کرتے ہیں، اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے کام کو مکمل کرتا ہے، چنانچہ بیوی وہ ذمہ داریاں سنبھال لیتی ہے جو اس سے متعلق ہیں، اور اس کی طبیعت ومزاج اور جنس سے مطابقت رکھتی ہیں، مثلاً گھر کا نظم ونسق سنبھالنا، کام کاج کرنا، بچّوں کی تربیت و دیکھ بھال، اور واقعی کسی نے بالکل درست کہا ہے:

والأم مدرسة إذا أعددتها	أعددت شعباً طيب الأعراق
ماں ایک ایسا مدرسہ ہے کہ اگر تم نے اسے تیار کرلیا	تو ایک ایسی جماعت کو تیار کرلیا جو بہترین جڑوں اور بنیاد والی ہے

اسی طرح مرد اپنے دائرہ کار میں ان کاموں کو سنبھال لیتا ہے جو اس کے مزاج اور جنس سے مطابقت رکھتے ہیں، چنانچہ وہ بیوی بچّوں کے لئے محنت مشقت کرتا ہے کماتا ہے، اور اپنے خاندان کو زمانہ کے مصائب اور ایام کے ابتلاءات سے بچاتا ہے، اور اس طرح میاں بیوی میں امداد باہمی کا جذبہ پروان چڑھتا اور تعاون کی روح کمال کو پہنچتی ہے جس کا نتیجہ

خوش کن نکلتا ہے اور جس سے ایسی اولاد وجود میں آتی ہے جو مہذب اور نیک ہوتی ہے، اور ایک ایسا مؤمن معاشرہ وجود میں آتا ہے جو اپنے دلوں میں ایمان کی قوت وعزیمت اور اپنے نفوس میں اسلام کی روح کا حامل ہوتا ہے اور ہر گھر خوش وخرم زندگی گزارتا ہے، اور الفت ومحبت، سکون واطمینان سے دُنیا کی گاڑی چلتی رہتی ہے۔

⑦ ماں باپ ہونے کے جذبہ کا بیدار ہونا

شادی کے ذریعہ ماں باپ میں جذبات اُبھرتے ہیں اور ان کے دلوں میں سے اچھے احساسات اور خیالاتِ کریمانہ کے چشمے بہتے ہیں اور ان جذبات واحساسات کے جو خوش کن اور مفید اثرات رونما ہوتے ہیں۔ اور بچوں کی دیکھ بھال کے سلسلے میں جو شاندار نتائج نکلتے ہیں اور بچوں کی ضروریات وحاجات کے لئے تگ ودو اور ان کے لئے پرسکون اور پرکیف زندگی کی تلاش اور روشن مستقبل کی جو جدوجہد وغیرہ ہوتی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

یہ وہ اہم معاشرتی فائدے ہیں جو شادی کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں، اور اے محترم قراءِ کرام۔ ان مصالح کا بچوں کی تربیت خاندان کی اصلاح، معاشرہ کے بنانے میں میں نے بڑا قریبی تعلق اور رابطہ پایا ہے، اسی لئے ہم جب دیکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے نکاح کا حکم دیا، اس پر ابھارا، اس کی ترغیب دی ہے تو ہمیں ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا اور واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ اور درست فرمایا ارشاد فرماتے ہیں:

«ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله عزّ وجلّ خيرًا له من زوجة صالحة إن أمرها أطاعته وإن نظر إليها سرّته وإن أقسم عليها أبرّته وإن غاب عنها نصحته في نفسها وماله». ابن ماجہ

مؤمن نے اللہ کے خوف وڈر اور تقویٰ کے بعد کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھایا جو اس کیلئے زیادہ بہتر ہو اس نیک بیوی سے زیادہ جو (اس کے حکم کی ایسی پابند ہو، کہ اگر وہ حکم دے تو اس کی فرمانبرداری کرے اور اگر وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے اور اگر وہ اس کے سلسلہ میں کسی بات پر قسم کھالے تو وہ اس کے مطابق کام کرکے) اس کی قسم کو سچا کردے، اور اگر وہ اس کے پاس موجود نہ ہو تو وہ عورت اپنے نفس اور اس کے مال کے بارے میں اس مرد کی خیرخواہی کرے۔

نیز ارشاد فرمایا:

«الدنيا متاع وخير متاعها المرأة الصالحة». صحیح مسلم

دنیا سب کی سب (عیش وعشرت کا) سامان ہے، اور اس کے سازوسامان میں سے بہترین سامان نیک وپارسا عورت ہے۔

ج۔ شادی خوب سے خوب تر کے انتخاب و اختیار کرنیکا نام ہے

اسلام نے اپنے بلند و بالا قوانین اور زندگی کے ہر گوشہ کو محیط و شامل نظام کے ذریعہ نکاح کرنے والے ہر مرد و عورت کے لئے ایسے قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں اور ایسے آداب و اصول بتلائے ہیں کہ اگر لوگ اس کیمطابق عمل کریں اور اس کے بتلائے ہوئے صراطِ مستقیم کو اپنالیں تو شادی کامیاب ترین ہوسکتی ہے اور الفت و محبت اور اور اتفاق و اتحاد کا بہترین ذریعہ بن سکتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی اولاد اعلیٰ درجہ کی مؤمن، عمدہ صحت و جسم کی مالک اور اعلیٰ اخلاق و کردار کی حامل، پختہ عقل و سمجھ اور صاف ستھری زندگی کی مالک بن سکتی ہے، آیئے ان احکام و قواعد میں سے اہم آپکے سامنے پیش کریں:

① شادی میں انتخاب کا معیار دین کو بنانا چاہیئے

ہم جب دین کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مراد اسلام کی صحیح و حقیقی سمجھ، اور عمل و کردار کو اسلام کے بتلائے ہوئے اعلیٰ مناقب و محامد اور برتر و بالا آداب و فضائل کے مطابق ڈھالنا ہے۔ اس طرح شریعت اسلامیہ کے بیان کردہ نظام کو مکمل طریقے سے اپنانا اور اس کے ان ابدی اصولوں اور بنیادی قوانین کی پابندی ــ جو مرورِ ایام اور زمانہ کی گردش کے باوجود اپنی حالت پر برقرار رہیں۔

چنانچہ جب دولہا یا دلہن اس معیار و درجہ اور ان شروط پر پورے اتریں گے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق چلاتے ہوں گے تو ان کو دیندار اور با اخلاق کہنا درست ہوگا، اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اس معیار پر نہ ہو اور اس کی زندگی شریعت کے احکام کے خلاف ہو تو ظاہر بات ہے ایسے شخص کو کج رو، فاسد اخلاق کا مالک اور اسلام سے دور ہی کہا جائے گا، چاہے وہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو کتنا ہی متقی اور نیک صالح ظاہر کرے۔ اور بزعمِ خود یہ سمجھتا رہے کہ وہ مسلمان اور آدابِ شریعت کا پابند ہے؛

خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جب ایک شخص دوسرے شخص کے بارے میں شہادت دینے آیا تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انسان کے پہچاننے، اور اس کی حقیقت پر مطلع ہونے کے سلسلہ میں کتنا عمدہ اور بہترین معیارِ عدل پیش کیا چنانچہ آپؓ نے اس شخص سے پوچھا:

کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں!

آپؓ نے پوچھا: کیا تم اس کے پڑوسی ہو اور اس کی ہر وقت کی آمد و رفت سے باخبر ہو؟

اس شخص نے جواب دیا: جی نہیں؛

آپؓ نے فرمایا: کیا تم نے اس شخص کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے جس سے اس کے عادات و اخلاق کا پتہ چلے؛

اس شخص نے کہا: جی نہیں!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی روپے پیسہ کا معاملہ ہوا ہے جس سے انسان کے تقویٰ و ورع کا علم ہوتا ہے؟

اس نے جواب دیا: جی نہیں!

حضرت عمرؓ باآواز بلند گویا ہوئے: پھر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے مسجد میں نماز پڑھتے یا بیٹھے دیکھا ہوگا کہ کبھی سر اٹھاتا ہے کبھی جھکاتا ہے؟

تو ان صاحب نے فرمایا: جی ہاں یہی بات ہے!

تو حضرت نے ان سے فرمایا، کہ پھر تو تم چلے جاؤ اس لئے کہ تم اس کو پہچانتے ہی نہیں ہو۔ اور اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا: جاؤ ایسے آدمی کو لاؤ جو تمہیں پہچانتا ہو، ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ظاہری شکل وصورت اور لباس و پوشاک سے قطعاً دھوکہ نہیں کھایا۔ بلکہ اس کی حقیقت تک اس راستہ سے پہنچے جو اس کی اصل حالت کو ظاہر کرنے والا اور اس کے دین و اخلاق کو صحیح طور سے ظاہر کرنے والا تھا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ جو حدیث روایت کی ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں آتا ہے کہ:

«إن الله لا ينظر إلى صوركم وأجسادكم وإنما ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم».	اللہ تعالیٰ تمہاری شکل وصورت اور جسم کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے خواہاں حضرات کی اس جانب رہنمائی فرمائی کہ وہ دیندار کا انتخاب کریں تاکہ عورت اپنے شوہر اور بچوں کے حق کو مکمل طریقہ سے ادا کرسکے، اور اسلام کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق گھر کا نظم ونسق چلا سکے۔

امام بخاری ومسلم وغیرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك».	عورت سے چار باتوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے یا تو اس کے مال کی وجہ سے، یا حسب ونسب کی وجہ سے، یا جمال وخوبصورتی کی وجہ سے، یا دین کی بنا پر، لہٰذا تم دیندار کو حاصل کرلو (یعنی دین کو ہی اپنا مطمح نظر بناؤ) تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں (عربی میں یہ کلمہ کسی چیز پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے)۔

امام طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله إلا ذلاً . ومن تزوجها لمالها لم يزده الله إلا فقرًا ، ومن تزوجها لحسبها لم يزده الله إلا دناءة ، ومن تزوج امرأة لم يرد بها إلا أن يغض بصره ويحصن فرجه أو يصل رحمه بارك الله له فيها وبارك لها فيه)).

جو شخص کسی عورت سے اس کی وجاہت کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اور ذلیل کر دیتے ہیں، اور جو اس سے مال کی خاطر شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فقر کو اور بڑھا دیتے ہیں، اور جو اس کے حسب ونسب کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اور زیادہ ذلیل ورسوا کر دیتے ہیں، اور جو شخص کسی عورت سے اس لئے شادی کرتا ہے تاکہ اپنی نگاہ کو حرام سے بچا سکے اور فرج کی حفاظت کر سکے یا صلہ رحمی کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس عورت میں برکت دے دیتے ہیں اور عورت کے لئے مرد کو مبارک بنا دیتے ہیں۔

دوسری جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے اولیاء کی اس جانب رہنمائی فرمائی کہ وہ ایسے لڑکے کو تلاش کریں جو دیندار اور بااخلاق ہو تاکہ خاندان کی دیکھ بھال اور بیوی کے حقوق اور بچوں کی تربیت کی ذمہ داری کو مکمل طور سے ادا کر سکے، اور اپنی عزت وناموس کی حفاظت اور گھر کے اخراجات وغیرہ کو عمدگی سے پورا کر سکے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض)).

جب تمہارے پاس ایسا شخص شادی کے لئے آئے جس کو تم دیندار سمجھتے ہو اور اس کے اخلاق تمہیں پسند ہوں تو تم اس کی شادی کر دو، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو روئے زمین پر فتنہ اور زبردست فساد پھیل جائے گا۔

❊ ❊ ❊ ❊

آپ بتلایئے کہ دین اور تربیت اور اخلاق کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا فتنہ ہو سکتا ہے کہ ایک مؤمن لڑکی ایک ایسے شوہر کے جال میں پھنس جائے جو آزاد خیال اور آزاد منش ہو، یا ایسا ملحد ہو جو نہ رشتہ کی پرواہ کرے نہ عہد وپیمان کی، اور جس کے نزدیک غیرت، عزت وآبرو اور شرافت کی کوئی حیثیت نہ ہو؟

اور ایک نیک وشریف عورت کے لئے اس سے بڑھ کر کیا فتنہ ہو گا کہ وہ ایک ایسے آوارہ مغرب زدہ شخص کے نکاح میں آجائے جو اس کو بے پردگی اور بے محابا اختلاط اور شراب نوشی اور رقص وسرود پر مجبور کرے

ـــــ اور اس کو اس بات پر زبردستی مجبور کرے کہ وہ دین ومذہب اور اخلاق وشرافت کا دامن چھوڑ دے ؛ کتنی ہی ایسی شریف زادیاں ہیں جن کا خاندان عفت و پاکبازی میں ضرب المثل تھا، لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ جب وہ شادی کے بعد کسی آزاد خیال گھرانے چلی گئیں یا آزاد خیال شوہر کے نکاح میں آگئیں تو وہ ایسی بدکردار و بے حیا آبرو باختہ عورتیں بن گئیں جن کی نظر میں نہ شرافت وناموس کی کوئی قیمت ہے اور نہ عفت و پاکدامنی کا کوئی مقام ہے !

اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ بچے جب ایک ایسے آزاد خیال، گندے اور بے حیا گھرانے میں نشو ونما پائیں گے تو لامحالہ ان میں بھی وہی آزاد خیالی اور دین سے انحراف پیدا ہوگا اور یہ بے حیائی اور آزادی ان میں بھی سرایت کرجائے گی۔

اس لئے دین اور اخلاق کو بنیاد بنانا اور اس کی بنیاد پر رشتہ کا انتخاب کرنا ایک ایسی اہم چیز ہے جو مومن عورت کے لئے سکون واطمینان اور بچوں کے لئے اسلامی تربیت اور خاندان کے لئے عزت وشرافت اور بقاء کا ذریعہ ہے۔

② اختیار وانتخاب شرافت اور حسب ونسب کی بنیاد پر ہونا چاہیئے

میاں بیوی کے انتخاب کے وقت جن قواعد اور ضوابط کو سامنے رکھنا چاہیئے اسلام نے انہیں متعین کیا ہے، اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شریکِ حیات کا انتخاب ایسے خاندان سے ہونا چاہیئے جو اچھے حسب نسب والا اور اخلاق وتقویٰ ونیکی میں معروف ہو اور خاندانی لحاظ سے بہترین ہو، اس لئے کہ لوگوں میں شرافت ورذالت اور تقویٰ وصلاح اور بدکرداری ورذالت کے اعتبار سے بہت فرق ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو کھول کر بیان فرمایا ہے کہ شرافت وغیر شرافت اور اچھے اور برے ہونے کے اعتبار سے لوگوں میں بہت فرق ہوتا ہے. چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جسے ابوداؤد طیالسی اور ابن منیع اور عسکری روایت کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے :

((الناس معادن في الخير والشر	لوگ اچھائی اور برائی کے لحاظ سے معدن اور کان کی طرح
خيارهم في الجاهلية خيارهم	ہیں، ان میں سے جو زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانہ
في الإسلام إذا فقهوا))۔	اسلام میں بھی بہتر ہیں، بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ پیدا کریں۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شادی کرنے والے کو اس پر ابھارا ہے کہ انتخاب کی بنیاد خاندانی شرافت، تقویٰ وطہارت پر ہو، چنانچہ بے شمار احادیثِ مبارکہ کے ذخیرہ میں سے ایک گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش ہے :

محدث دارقطنی، عسکری اور ابن عدی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«إياكم وخضراء الدمن، قالوا: وما خضراء الدمن يا رسول الله؟ قال: المرأة الحسناء في المنبت السوء». — تم گندگی کے سبزہ سے بچو، (صحابہ رضی اللہ عنہم نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ گندگی کے سبزہ سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ حسین وجمیل عورت جو گندے اور رذیل خاندان میں پیدا ہوئی ہو۔

محدث ابن ماجہ، دارقطنی اور حاکم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«تخيروا لنطفكم وأنكحوا الأكفاء». — اپنے نطفہ اور اولاد کے لئے اچھی عورت کا انتخاب کرو اور کفو (ہم پلہ لوگوں) میں شادی کردو۔

محدث ابن ماجہ اور دیلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«تخيروا لنطفكم فإن العرق دساس». — اپنی اولاد کے لئے اچھے خاندان والی عورت کا انتخاب کرو اس لئے کہ خاندان کا اثر سرایت کرجاتا ہے۔

ابن عدی اپنی کتاب "کامل" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

«تزوجوا في الحجر الصالح فإن العرق دساس». — اچھے خاندان میں شادی کرو اس لئے کہ خاندانی اثرات سرایت کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ احادیثِ مبارکہ شادی کے خواہشمندوں کی اس جانب رہنمائی کرتی ہیں کہ وہ ایسی بیویوں کا انتخاب کریں جو نیک وصالح ماحول میں بڑھی پلی ہوں، جنہوں نے ایسے گھر میں پرورش پائی ہو جو شرافت و پاکدامنی کا گہوارہ ہو، اور ایسے والدین کی اولاد ہوں جو خاندانی لحاظ سے شریف اور آباء واجداد کے لحاظ سے مکرم ومحترم ہوں، اور اس میں راز یہ ہے کہ انسان شادی کرے تو اس کی اولاد ایسی ہو جن کی گھٹی میں عزت وشرافت پڑی ہوئی ہو اور جو طبعاً عمدہ خصلتوں کے مالک اور پسندیدہ اسلامی اخلاق کے حامل ہوں، جنہوں نے اخلاقِ عالیہ اور فضل وکمال فطری طور پر حاصل کیا ہو اور جنہیں مکارمِ اخلاق اور اچھی خصلتیں اور عادتیں ورثے میں ملی ہوں۔

اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کو شادی کے سلسلہ میں شریف زادیوں اور حسب ونسب کی مالک لڑکیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں وصیت کی تاکہ گندی اور برے خاندان کی لڑکیوں سے بچیں، لیجئے انکی وصیت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

اے میرے بیٹو! نکاح کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے بیج بونے والا، اس لئے انسان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کہاں بیج ڈال رہا ہے، بری ذات ونسل کی عورت بہت کم شریف ونجیب بچہ جنتی ہے، اس لئے شریف النسل لڑکی کا

انتخاب کرو چاہے اس میں کچھ وقت کیوں نہ لگے۔

اسی انتخاب اور اعلیٰ اخلاق کی حامل بیوی کے اختیار کرنے کو ثابت کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کے اس سوال کے جواب کہ بچہ کا باپ پر کیا حق ہے؛ یہ جواب دیا: کہ اس کی ماں کے انتخاب میں سوچ سمجھ سے کام لے اور اس کا نام اچھا و پسندیدہ رکھے اور اس کو قرآنی تعلیمات سکھائے۔

اور یہ انتخاب جس کی جانب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ مسلمہ کی رہنمائی فرمائی ہے یہ موجودہ دور میں ایک عظیم الشان علمی حقیقت اور تربیت کے سلسلہ میں ایک اہم نظریہ کا درجہ رکھتا ہے، چنانچہ موروثی اثرات کے علم نے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ کے اخلاقی جسمانی اور عقلی صفات کا پیدائشی طور پر حامل ہوتا ہے، لہٰذا اگر لڑکے یا لڑکی کا انتخاب خاندانی شرافت اور تقویٰ وطہارت کی بنیاد پر ہوگا تو پھر بلاشبہ اولاد بھی پاکدامنی شرافت اور اچھے اوصاف کی مالک ہوگی اور جب بچے میں پیدائشی طور سے اچھے اوصاف واثرات موجود ہوں گے اور اس کو صحیح تربیت مل جائے گی تو ظاہر ہے کہ وہ دینی واخلاقی لحاظ سے کمال کو پہنچا ہوا ہوگا اور تقویٰ وفضل وکمال حسنِ معاملہ اور مکارمِ اخلاق میں ضرب المثل ہوگا

شادی کے خواہشمند حضرات اگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد نیک وصالح پاکباز و پاکدامن اور مؤمن ومتقی ہو تو ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ حسنِ انتخاب کو مدنظر رکھیں اور رفیقِ حیات کے انتخاب میں خوب جانچ پڑتال سے کام لیں۔

③ شادی کیلئے دُوسرے خاندان کی عورتوں کا انتخاب

بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں اسلام کی حکیمانہ توجیہات میں سے یہ بھی ایک ہدایت ہے کہ اچھے نسب وحسب کی مالک غیر رشتہ دار عورت کو اپنی رشتہ دار اور قریبی عورتوں پر فوقیت دو تاکہ نجیب وشریف اولاد پیدا ہو، اور متعدی امراض اور خاندانی بیماریوں سے محفوظ اور صحت مند جسم کی مالک ہو اور ساتھ ہی تعلقات وخاندان کا دائرہ وسیع ہو اور معاشرتی روابط مضبوط ہوں۔

غیر خاندان کی عورتوں سے شادی کرنے سے اولاد اور خود اپنی صحت درست ہوگی اور جسمانی مضبوطی اور پختگی پیدا ہوگی اور حلقۂ تعارف میں وسعت ہوگی، اس لئے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کی اور رشتہ دار عورتوں سے شادی سے روکا ہے تو اس میں ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا، جس کی وجہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ کہ اولاد کمزور اور ان بیماریوں میں مبتلا نہ ہو جو اس کے آباء واجداد میں موجود تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں جو ممانعت فرمائی ہے ان میں سے آپ کا درجِ ذیل فرمانِ مبارک بھی ہے:

«لا تنكحوا القرابة فإن الولد يخلق ضاويًا». رواه البيهقي كما في معدن الحقائق ترجمہ کنوز الحقائق (ص ۲۰۷-۱۴۴)۔

اپنے خاندان ورشتہ داروں میں شادی نہ کرو۔ اس لئے کہ اس صورت میں بچہ نحیف وکمزور اور ناسمجھ پیدا ہوگا۔

نیز ارشاد ہے:

«اغتربوا ولا تضووا»[1]. سفر کرو اور غیر خاندان میں شادی کرو اور کمزور و ضعیف نہ بنو۔

علم موروثیت (موروثی و خاندانی صفات کے علم) نے اس بات کو ثابت کر دکھایا ہے کہ اپنے خاندان کی عورتوں سے شادی کرنے سے اولاد جسمانی طور پر کمزور اور عقل و سمجھ کے لحاظ سے ضعیف ہوتی ہے، اور اولاد میں گندے اخلاقی اوصاف اور خراب قسم کی معاشرتی خصلتیں و عادات پیدا ہوتی ہیں۔

غور فرمایئے کہ چودہ سو سال پہلے جبکہ علم و فن کی یہ موشگافیاں وجود میں نہ آئی تھیں اور یہ حقیقت آشکارا نہیں ہوئی تھی اس وقت اس حقیقت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور کھلے الفاظ میں امت کے لئے کھول کر بیان کر دیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک کھلا ہوا معجزہ ہے جو آپ کے دیگر معجزاتِ صادقہ اور سچی باتوں کا ایک جزء ہے۔

۴ غیر شادی شُدہ عورتوں کو ترجیح دینا

بیوی کے اختیار و انتخاب کے سلسلہ میں دینِ اسلام کی بتلائی ہوئی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شادی شُدہ عورت کے بجائے غیر شادی شدہ عورت کو ترجیح دی جائے جس میں بہت سی حکمتیں اور بے شمار فائدے مضمر ہیں، ان فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ خاندان کو ان حالات سے بچایا جائے جو اس کی روز مرّہ کی زندگی بے مزہ کر دیں اور لڑائی جھگڑے کے دام میں گرفتار کر دیں جس کی وجہ سے اس کی گھریلو زندگی پر لڑائی جھگڑوں اور عداوت و دشمنی کے بادل منڈلاتے رہیں، اس کے برخلاف غیر شادی شُدہ لڑکی سے شادی کرنے میں ازدواجی محبّت مضبوط و قوی ہوتی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکی طبعًا اس مرد سے محبّت کرتی اور مانوس ہوتی ہے جس کے نکاح میں وہ آئی ہے، اور جس سے وہ مرد ہونے کے اعتبار سے پہلے مرتبہ ملی ہے، اور جس کو اس نے مرد ہونے کے ناطے سے پہلی مرتبہ پہچانا ہے، اس کے برخلاف شادی شدہ عورت سے شادی کرنے میں یہ ممکن ہے کہ دوسرے شوہر میں وہ پہلے شوہر کی سی الفت ومحبت اور قلبی تعلق نہ پائے اور اس کا دل دوسرے شوہر سے اس لئے نہ ملے کہ پہلے شوہر کے اخلاق و عادات اور دوسرے شوہر کے معاملات و اخلاق و عادات میں فرق ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان معانی اور باریکیوں کو مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا جب انہوں نے، جیساکہ امام بخاری روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ذرا بتلایئے کہ اگر آپ کسی ایسی گھاٹی میں پڑاؤ ڈالیں جس میں ایسا درخت

---

[1] یہ حدیث مجھے ذخیرۂ احادیث میں نہ مل سکی۔ اس لئے گذارش ہے کہ اگر کسی صاحب کو اس کا حوالہ معلوم ہو، تو مجھے مطلع فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

بھی ہو جس کو جانوروں نے چر لیا ہو اور ایسا بھی ہو جس کو کسی نے منہ نہ لگایا ہو تو بتلایئے آپ اپنے اونٹ کو کس درخت سے چرائیں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اس درخت سے جس کو کسی نے منہ نہ مارا ہو، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ میں ہی وہ درخت ہوں؟

ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سعادت بخشی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاوہ کسی اور غیر شادی شدہ عورت سے نکاح نہیں فرمایا اور یہ ان کے فضل ومنقبت کے لئے بہت کافی ہے۔

غیر شادی شدہ عورتوں سے شادی کرنے کی بعض حکمتوں کی جانب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رہنمائی فرمائی ہے چنانچہ ابن ماجہ اور بیہقی رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں:

«علیکم بالأبکار فإنهن أعذب أفواهاً وأنتق أرحاماً وأقل خباً وأرضی بالیسیر»۔

تم غیر شادی شدہ عورتوں سے شادی کرو اس لئے کہ وہ شیریں دہن اور پاک صاف رحم والی اور کم دھوکہ وفریب دینے والی اور تھوڑے پر قناعت کرنے والی ہوتی ہیں۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ واضح فرمایا کہ غیر شادی ... شدہ لڑکی سے شادی کرنا محبت پیدا کرتا ہے، اور عفت وپاکدامنی کے پہلو کو مضبوط وقوی کرتا ہے، چنانچہ امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی پر، حضرت جابر سے پوچھا:

«یا جابر هل تزوجت بعد؟»۔ اے جابر کیا تم نے شادی کر لی ہے؟

انہوں نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے رسولؐ!

آپؐ نے پوچھا: «أثیباً أم بکراً؟» کیا شادی شدہ عورت سے شادی کی ہے یا غیر شادی شدہ سے؟

میں نے عرض کیا کہ شادی شدہ عورت سے۔

آپؐ نے فرمایا: «أفلا جاریة تلاعبها وتلاعبك؟» تم نے (غیر شادی شدہ) لڑکی سے کیوں نہ شادی کی کہ وہ تم سے دل لگی کرتی اور تم اس سے؟

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ جنگِ احد کے موقعہ پر میرے والد شہید ہو گئے اور انہوں نے پس ماندگان میں سات لڑکیاں چھوڑی ہیں، تو میں نے ایسی شادی شدہ عورت سے شادی کرنا مناسب سمجھا کہ جو ان کو اکٹھا رکھ سکے ان کی دیکھ بھال کر سکے۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا: «أصبت إن شاء الله» خدا نے چاہا تم نے اچھا ہی کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خاص حالات میں غیر شادی شدہ کی بنسبت شادی شدہ عورت سے شادی کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت جابر کے حالات تھے، تاکہ وہ تجربہ کار شادی شدہ عورت بچوں کی دیکھ بھال اور صحیح پرورش کر سکے، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کے مطابق عمل کرے:

((وتعاونوا على البرّ والتقوى)). اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ پر۔

۵ ایسی عورت کا انتخاب کرنا جو خُوب بچے جَننے والی ہو

عورت کے انتخاب کے وقت جن چیزوں کو مدار بنانا چاہیئے ان میں سے یہ بھی ہے کہ ایسی عورت کا انتخاب کیا جائے جو خوب بچے جننے والی ہو، اور اس کا صحیح اندازہ دو باتوں سے ہو سکتا ہے:

۱۔ عورت کا ایسے امراض سے محفوظ ہونا جو استقرارِ حمل کے منافی ہیں اور اس کے معلوم کرنے کے لئے خصوصی معالجین وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

۲۔ عورت کی ماں اور شادی شدہ بہنوں کے حالات معلوم کرنا اس لئے کہ اگر وہ بچوں والیاں ہیں تو یہ بھی ایسی ہی ہوگی. اس لئے کہ عام طور سے ایسا ہی ہوتا ہے۔

طبّی لحاظ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر عورت بچہ جننے والیوں میں سے ہے تو ایسی عورتیں عام طور سے صحت مند اور تندرست و توانا جسم کی مالک ہوتی ہیں، اور جس عورت میں یہ چیز پائی جائے تو وہ گھر کے ذمہ داریوں اور تربیت کے فریضے اور شوہر کے حقوق کو صحیح اور مکمل طور پر ادا کر سکے گی۔

اس جانب اشارہ کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ جو شخص خوب بچے جننے والی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اولاد کی کثرت اور نسل کے اضافہ کا خواہشمند ہے اسے چاہیئے کہ بچوں اور بیوی کے ان حقوق کو بھی ادا کرے جو اس کے ذمہ ہیں خواہ وہ ذمہ داری نان نفقہ کے قبیل سے ہو یا تربیت و تہذیب اخلاق اور تعلیم کے سلسلہ سے، ورنہ اگر اس میں کوتاہی کی تو اس کوتاہی اور تقصیر پر خدا کے یہاں جواب دہ ہونا پڑے گا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل درست و بجا ارشاد فرمایا ہے:

((إن الله سائل كل راع عما استرعاه حفظ أم ضيع، حتى يسأل الرجل عن أهل بيته)).

رواہ ابن حبان

اللہ تعالیٰ ہر شخص سے اس کے ماتحتوں اور زیرِ کفالت افراد کے بارے میں سوال کرے گا کہ ان کے حقوق کو ادا کیا یا ضائع کر دیا، حتیٰ کہ انسان سے اس کے گھر والوں اور اہل وعیال کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ میں بچّوں کے حقوق ادا کر سکوں گا اور اسلام کے مطابق ان کی تربیت

کرسکوں گا تو اس کو چاہیئے کہ شادی کے لئے ایسی عورت منتخب کرے جو خوب بچے جننے والی ہو تاکہ امتِ محمدیہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت قرار دیا اس کے افراد کی تعداد کو بڑھا سکے، یہ بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی ہے اس لئے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گویا ہوئے کہ اے اللہ کے رسول مجھے ایک حسب ونسب، عزت ومرتبہ اور مالدار عورت سے محبت ہے لیکن اس عورت میں ایک خامی ہے اور وہ یہ کہ وہ بانجھ ہے تو کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمادیا، پھر دوبارہ آئے اور یہی بات دہرائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی جواب دیا، وہ صاحب پھر تیسری مرتبہ آئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:

«تزوجوا الولود الودود فإني مکاثر بکم الأمم».	تم لوگ ایسی عورت سے شادی کرو جو بہت بچے جننے والی اور بہت محبت کرنے والی ہو، اس لئے کہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے اور امتوں پر فخر کروں گا۔
رواہ ابوداؤد والنسائی والحاکم	

شادی کے سلسلہ میں یہ بنیادی واہم باتیں ہیں جن کا تربیت کے مسألہ سے نہایت گہرا تعلق ہے، اسی لئے اسلام نے افراد کی تربیت کے سلسلہ میں خاندان کی پہلی کڑی سے دیکھ بھال کی ہے، اسلام اس کی ابتداء شادی سے کرتا ہے اس لئے کہ یہ فطرتِ انسانی کی حاجت وضرورت اور زندگی کی شوخیوں کا محور ومرکز ہے، اور اس لئے بھی کہ اولاد کی نسب کا تعلق والدین سے ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے معاشرہ موذی متعدی قسم کے امراض اور اخلاقی بے راہ روی سے بچ جاتا ہے، اور شادی کے ذریعہ میاں بیوی باہمی تعاون سے اولاد کی تربیت کرتے ہیں، اور میاں بیوی کے دلوں میں ماں باپ ہونے کا شعور وجذبہ ٹھاٹھیں مارتا ہے۔

اور اس لئے بھی کہ شریکِ حیات کے انتخاب کے سلسلہ میں شادی کی بنیاد نہایت مضبوط ستونوں اور ٹھوس بنیادوں پر ہوتی ہے جس میں سب سے اہم یہ ہے کہ اختیار وانتخاب کا دار ومدار دین، خاندانی شرافت وحسب ونسب اور غیر شادی شدہ کے انتخاب پر ہو۔

اور جب مسلمان اس بات کو جان لیتا ہے کہ مسلمان خاندان اور نیک اولاد اور مؤمن معاشرہ کے وجود میں لانے کے لئے ابتداء کہاں سے کرنا چاہیئے تو پھر تو وہ تمام ذمہ داریاں جو اس سلسلہ میں اس پر آتی ہیں اور جن کا وہ مکلف ہے وہ سب اس کی نظر میں آسان اور معمولی معلوم ہوتی ہیں، اور ایسا کیوں ہوتا ہے؟ وہ اس لئے کہ اس نے اپنے گھر میں اس عمارت کا سنگِ اولین رکھدیا ہوتا ہے جس پر تربیت کی مضبوط عمارت تعمیر کرنا اور اجتماعی اصلاح کے مضبوط ستون قائم کرنا اور باکمال معاشرہ کے جھنڈے گاڑنا ہیں اور وہ اساس نیک وصالح عورت کا وجود ہے۔

اسس لئے بچوں کی اسلامی تربیت کی ابتداء ایک ایسی مثالی شادی سے ہونا چاہیئے جس کا مدار ایسی بنیادی اہم باتوں پر ہو جو تربیت پر اثر انداز ہوں اور معاشرہ کی تیاری اور اصلاح میں نمایاں کارنامہ انجام دے سکیں، عقلمندوں کو اس سے سبق حاصل کر لینا چاہیئے۔

دُوسری فصل

بچّوں کے سلسلہ میں نفسیاتی شعور و احساسات

نفسیاتی شعور سے مراد وہ محبت وشفقت اور رحمت وعاطفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے والدین کے دلوں میں اولاد اور اپنے بچوں سے پیدا کی ہیں، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بچیوں اور لڑکیوں کے سلسلہ میں بعض مریض نفوس میں جو پرانے رسم ورواج اور طور طریقے تھے ان کی قباحت ذہن نشین کرادی جائے، اور بچہ ولڑکا نہ ہونے پر صبر پر جو اجر وثواب ملتا ہے اس کے درجہ ومقام کو واضح کردیا جائے، نیز یہ بھی بتلا دیا جائے کہ اگر بچے اور اسلام کی مصلحت میں ٹکراؤ ہو جائے تو ایسے موقعہ پر والدین کو کیا کرنا چاہیئے؟

برادران کرام! اِن تمام نفسیاتی احساسات وشعور اور قلبی داعیے اور ان تمام سوالات وافکار کا جواب آپ کو اسی فصل میں مفصل وواضح طور پر مل جائے گا، اللہ ہی سیدھا راستہ دکھانے والے ہیں اور اس کی ذات سے ہم مدد وتوفیق مانگتے ہیں۔

الف - ماں باپ میں بچّوں کی محبت فطری طور پر ودیعت رکھ دی گئی ہے

یہ نہایت واضح اور بدیہی ومشاہد چیز ہے کہ والدین کے دل میں بچوں کی محبت فطری طور سے ہوتی ہے اور بچوں کی دیکھ بھال، حفاظت، ان پر رحمت وشفقت ان کے معاملات وضروریات کا اہتمام کرنا یہ سب چیزیں نفسیاتی طور سے والدین میں موجود اور انکے دِلوں میں راسخ اور نفسیات وشعور میں داخل ہوتی ہیں۔

اگر بالفرض یہ طبعی داعیہ نہ ہوتا تو روئے زمین سے انسان کا وجود ختم ہوجاتا، اور نہ والدین بچّوں کی دیکھ بھال کی زحمت برداشت کرتے اور نہ ان کی کفالت وسرپرستی کرتے، نہ ان کے کام کاج وضروریات کے لئے دوڑ دھوپ اور محنت ومشقت کرتے، قرآن کریم نے والدین کے ان فطری احساسات وجذبات کی جو تصویر کشی کی ہے ہم جب اسے دیکھتے ہیں تو ذرہ بھی تعجب نہیں ہوتا، چنانچہ کہیں تو قرآن مجید بچوں کو دنیا کی زینت قرار دیتا ہے:

(اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا)(الکہف: ۴۶) مال اور بیٹے دنیا کی زندگی میں رونق ہیں۔

اور کسی جگہ ان کو اللہ جلّ شانہٗ کی ایسی بڑی نعمت قرار دیتا ہے جس پر اس کا شکر کرنا واجب ہے ارشادِ ربانی ہے:

((وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا)). (الاسراء-٦)

اور تم کو قوت دی مال اور بیٹوں سے اور اس سے تمہارا لشکر زیادہ کر دیا۔

اور یہی اولاد اگر نیکو کار متقیوں کے راستہ پر چلنے والی ہو تو ان کو آنکھوں کی ٹھنڈک بتلایا ہے:

((وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا)). (الفرقان-٧٤)

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب ہم کو ہماری عورتوں اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو بچوں کے سلسلہ میں والدین کے جذبات واحساسات کی تصویر کشی کرتی ہیں اور اپنے جگر گوشوں اور دل کے ٹکڑوں کے سلسلہ میں ان کے جذبات کی صداقت اور دل کی محبت سے پردہ اٹھاتی ہیں۔

محترم قارئینِ کرام! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی محبت کے سلسلہ میں شعراء کے اشعار کا ایک گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، یہ اشعار رقت ومحبت سے بھرپور اور احساسات وجذبات سے لبریز ہیں والدین کی وہ فطری محبت وشفقت جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس لئے ودیعت رکھی ہے کہ وہ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اپنی پوری قوت وطاقت صرف کر دیں تاکہ وہ دنیا میں نیک صالح انسان بن جائے اس کو مجموعی طور سے یہ اشعار ثابت کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم اُمیۃ بن ابی الصلت کے ان اشعار کو پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے نافرمان بیٹے کے بارے میں کہے ہیں یہ اشعار جو ان منتخب قصائد میں سے ہیں جو رقت وحنان سے لبریز اور بچوں سے والدین کے دلی جذبات کی صحیح عکاسی کرنے والے ہیں۔

غذوتك مولودًا وعلتك يافعًا تعل بما أجني عليك وتنهل

جب تم بچے تھے تو میں نے تمہیں کھلایا پلایا اور جوان ہوئے تو دیکھ بھال کی تم اس سے فائدہ اٹھاتے جو میں تمہارے لئے جمع کرتا تھا اور اس سے سیرابی حاصل کرتے

إذا ليلة ضافتك بالسقم لم أبت لسقمك إلا ساهرًا أتململ

اگر تم کسی شب بیمار ہو گئے تو میں نے تمہاری بیماری کی وجہ سے بے چینی اور جاگتے ہوئے رات گزار دی

كأني أنا المطروق دونك بالذي طرقت به دوني فعيني تهمل

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا تمہارے بجائے میں ہی اس بیماری کا شکار ہوں جو تم کو لاحق ہے اور اس سبب سے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے

تخاف الردی نفسی علیك وإنها | لتعلم أن الموت وقت مؤجّل
میرا دل تمہاری ہلاکت سے خوفزدہ رہتا تھا حالانکہ اسے | معلوم ہے کہ موت وقت مقررہ پر ہی آئے گی
فلما بلغت السنّ والغایة التی | إلیها مدی ما کنت فیك أؤمل
جب تم اس عمر اور زمانہ کو پہنچ گئے جو | میری امیدوں اور آرزوؤں کا منتہیٰ تھا
جعلت جزائی غلظة وفظاظة | کأنك أنت المنعم المتفضل
تو تم نے مجھے اس کا یہ صلہ دیا کہ سختی و ترش روئی شروع کردی | ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم میرے محسن و کرم فرما ہو
فلیتك إذ لم ترع حق أبوّتی | فعلت کما الجار المجاور یفعل
پس اگر تم نے میرے باپ ہونے کے حق کی رعایت نہ کی تو | اتنا ہی کرلیتے جتنا ایک برابر میں رہنے والا پڑوسی کرتا ہے
فأولیتنی حق الجوار فلم تکن | علیّ بمال دون مالك تبخل
تم مجھے وہ حق دے دیتے جو پڑوس کا ہوتا ہے اور تم مجھ پر | اپنے مال کے سلسلہ میں بخل نہ کرتے

لیجئے ابوبکر طرسوسی کے یہ اشعار بھی سن لیجئے جو انہوں نے ان کڑوے گھونٹوں کے بارے میں کہے جو ولاد کے فراق میں والدین پیتے ہیں:

لوکان یدری الابن أیة غصة | یتجرّع الأبوان عند فراقه
اگر بیٹے کو یہ معلوم ہوجاتا کہ کون سا گھونٹ | والدین اس کے فراق میں حلق سے نیچے اتارتے ہیں
أم تهیج بوجده حیرانة | وأب یسح الدمع من آماقه
ماں محبت کی وجہ سے ماتا کی آگ میں سلگتی رہتی ہے | اور باپ کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے ہیں
یتجرّعان لبینه غصص الردی | ویبوح ما کتماه من أشواقه
اسکے فراق کی وجہ سے ماں باپ تباہی کے گھونٹ پیتے ہیں | اور اسکی محبت کے وہ آثار ظاہر ہوجاتے ہیں جو انہوں نے چھپائے ہوئے ہیں
لرثی لأم سلّ من أحشائها | وبکی لشیخ هام فی آفاقه
تو وہ بیٹا اس ماں کی غمخواری کرتا جسکے پیٹ سے وہ پیدا ہوا ہے | اور وہ اس بوڑھے باپ پر روتا جو مصائب میں ٹھوکریں کھا رہا ہے
ولبدل الخلق الأبی بعطفه | وجزاهما بالعطف من أخلاقه
اور والدین کیساتھ اپنی سخت مزاجی اور بداخلاقی کو نرمی میں تبدیل کردیتا | اور ان کے حسن سلوک کا بدلہ اپنے حسن اخلاق سے دیتا

لیجئے چند اشعار اور بھی ملاحظہ فرمائیے جو شاعر نے والدین کے دل میں موجزن اس محبت و شفقت کے

بارے میں کہے ہیں. جس نے باپ کو جام شہادت نوش کرنے سے روک دیا جس کے وہ درپے تھا ؎

لقد زاد الحیاۃ إلی حباً — بناتی إنهن من الضعاف
زندگی سے میری محبت کو بڑھا دیا ہے — میری بیٹیوں نے جو ایک کمزور مخلوق ہیں

أحاذر أن یرین الفقر بعدی — وأن یشربن رنقاً بعد صاف
میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میرے بعد وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں — اور صاف ستھرا پانی پینے کے بعد وہ مٹیالا و گدلا پانی پئیں

وأن یعرین إن کُسی الجواری — فتنبو العین عن کرم عجاف
اور اس سے کہ اور لڑکیاں لباس پہنیں اور یہ بے لباس ہوں — اور آنکھ اس کریہ منظر کو دیکھنے سے انکار کرتی ہے

ولولا ذاك قد سومت مهری — وفی الرحمن للضعفاء کاف
اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اپنے گھوڑے کو بیچ چکا ہوتا — اور کمزوروں کی مدد کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے

أبانا من لنا إن غبت عنا — وصار الناس بعدك فی اختلاف
اے ہمارے اباجان اگر آپ چلے گئے تو ہمارا ساتھ کون دے گا — اور آپ کے بعد لوگ تو منہ پھیر لیں گے اور بدل جائیں گے

اسی طرح کے چند اشعار یہ ہیں ؎

ولولا بنیات کزغب القطا — حططن من بعض إلی بعض
اگر قطا پرندوں کے چوزوں کی طرح میری بچیاں نہ ہوتیں — جو ایک دوسرے میں گھسی جا رہی ہیں !

لکان لی مضطرب واسع — فی الأرض ذات الطول والعرض
تو میرے لئے ایک وسیع میدان ہوتا — اس طویل و عریض سرزمین میں

وإنما أولادنا بیننا — أکبادنا تمشی علی الأرض
درحقیقت ہماری اولاد ہمارے درمیان — ہمارے وہ جگر گوشے ہیں جو زمین پر چل رہے ہیں

لو هبّت الریح علی بعضهم — لا متنعت عینی من الغمض
اگر ان میں سے کسی کے خلاف ہوا چلنے لگے — تو میری آنکھ جھپکنے اور بند ہونے سے رک جاتی ہے

آئیے اخیر میں ان اشعار کو سنیں جو عظیم شاعر استاذ عمر بہاء امیری نے سچی محبت اور تڑپ میں اس وقت کہے ہیں جب ان کے آٹھ بچے "مصیب" سے "حلب" سفر کر گئے اور وہ شعر و شاعری کے لئے تن تنہا رہ گئے تاکہ عربی ادب کے قدر دانوں کے لیے والدین کی بچوں سے محبت کے سلسلہ میں

بہترین اشعار کا تحفہ پیش کریں ؎

أین الضجیج العذب والشغب
کہاں ہے وہ پرکیف شور و شغب

أین التدارس شابه اللعب
کہاں ہے وہ پڑھنا جس میں کھیل کود شامل تھا

أین الطفولة فی توقدها
کہاں ہے شوخ و چنچل بچپن!

أین الدمی فی الارض والکتب
کہاں ہیں زمین پر گری ہوئی گڑیاں اور کتابیں

أین التشاکس دونما غرض
کہاں ہے بلا ضرورت ایک دوسرے کی مخالفت

أین التشاکی ماله سبب
کہاں ہے بلا سبب ایک دوسرے کی شکایت

أین التباکی والتضاحك فی
کہاں ہے بیک وقت زبردستی کا ہنسنا اور رونا

وقت معاً والحزن والطرب
اور بیک وقت غمگین ہونا اور خوش ہونا

أین التسابق فی مجاورتی
کہاں ہے میرے ساتھ بیٹھنے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت لیجانا

شغفاً إذا أکلوا وإن شربوا
مجھ سے محبت و پیار کی وجہ سے چاہے کھانے کا دسترخوان ہو یا پینے کیلئے

یتزاحمون علی مجالستی
وہ دھکم پیل کرتے ہیں میرے ساتھ بیٹھنے کیلئے

والقرب منّی حیثما انقلبوا
اور میرے قرب کے لیے جہاں بھی وہ چلے جائیں

یتوجهون بسوق فطرتهم
وہ فطری داعیہ کی وجہ سے میری طرف

نحوی إذا رهبوا وإن رغبوا
رخ کرتے ہیں چاہے خوف کی حالت ہو یا خوشی کی

فنشیدهم بابا إذا فرحوا
خوش ہوں تو بھی بابا گنگناتے ہیں

ووعیدهم بابا إذا غضبوا
اور غصے میں ہوں تب بھی ان کے منہ سے بابا نکلتا ہے

وهتافهم بابا إذا ابتعدوا
دور ہوں تو بھی بابا کہہ کر پکارتے ہیں

ونجیّهم بابا إذا اقتربوا
اور قریب ہوں تو بھی بابا کہہ کر سرگوشی کرتے ہیں

بالأمس کانوا ملءَ منزلنا
کل تو ان سے گھر بھرا ہوا تھا

والیوم ویح الیوم قد ذهبوا
اور آج - ہلاکت ہو آج کے دن کے لیے - وہ سب چلے گئے

وکأنّما الصمت الذی هبطت
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاموشی جس نے انکے

أثقاله فی الدار إذ غربوا
جانے کے بعد گھر پر ڈیرہ ڈال دیا ہے

إغفاءة المحموم هدأتها
بخار کے مریض کی بے ہوشی ہے کہ اس کے افاقے میں

فیها یشیع الهمّ والتعب
تکان و غم اور بے چینی کا دور دورہ ہوتا ہے

ذهبوا أجل ذهبوا ومسكنهم — في القلب ما شطوا وما قربوا

وہ سب چلے گئے جی ہاں واقعی چلے گئے لیکن ان کا مسکن — دل میں ہے نہ وہ دور ہوئے اور نہ قریب ہوئے

إني أراهم أينما التفتت — نفسي وقد سكنوا وقد وثبوا

میں ان کو دیکھ لیتا ہوں جس طرف بھی میری نفس متوجہ ہو — چاہے وہ پرسکون ہوں یا اچھل کود رہے ہوں

وأحسّ في خلدي تلاعبهم — في الدار ليس ينالهم نصب

میں دل ہی دل میں گھر میں ان کے کھیل کود کو محسوس کرتا ہوں — وہ کھیل رہے ہیں اور تھکتے نہیں

وبريق أعينهم إذا ظفروا — ودموع حرقتهم إذا غلبوا

میں کامیابی وکامرانی کی صورت میں ان کی آنکھوں کی چمک بھی دیکھ رہا ہوں — اور مغلوب ہونے کی صورت میں انکے تکلیف کے آنسو بھی

في كل ركن منهم أثر — وبكل زاوية لهم صخب

گھر کے ہر گوشہ میں ان کے نشانات ہیں — اور ہر جانب ان کے شور وشغب کی آواز ہے

في النافذات زجاجها حطموا — في الحائط المدهون قد ثقبوا

کھڑکیوں کے شیشے انہوں نے توڑ ڈالے — آئل پینٹ کی ہوئی دیوار میں انہوں نے سوراخ کر ڈالے

في الباب قد كسروا مزالجه — وعليه قد رسموا وقد كتبوا

دروازے کی چٹخنیاں توڑ دیے — اور اس پر نشانات بنا دیے اور لکھ دیا

في الصحن فيه بعض ما أكلوا — في علبة الحلوى التي نهبوا

پلیٹ میں کچھ حصہ اس مٹھائی کا پڑا ہوا ہے — جو مٹھائی کے ڈبے سے انہوں نے چھین جھپٹ کر کھایا تھا

في الشطر من تفاحة قضموا — في فضلة الماء التي سكبوا

ایک حصے میں ان کا کاٹا ہوا سیب پڑا ہے — اس پانی میں جو انہوں نے بہا دیا تھا

إني أراهم حيثما اتجهت — عيني كأسراب القطا سربوا

میری نگاہ جس طرف بھی اٹھتی ہے میں انہیں — قطا کے ان بچوں کی طرح دیکھتا ہوں جو رخصت ہو گئے

بالأمس في "قرنايل" نزلوا — واليوم قد ضمتهم "حلب"

کل وہ "قرنایل" میں ٹھہرے ہوئے تھے — اور آج حلب میں جا ٹھہرے

دمعي الذي كتمته جلدًا — لما تباكوا عند ما ركبوا

میرے وہ آنسو جو میں نے مضبوطی ظاہر کرنے کیلئے چھپا رکھے تھے — جس وقت وہ پابرکاب ہو کر رونے لگے

حتى إذا ساروا وقد نزعوا — من أضلعي قلباً بهم يجب
یہاں تک کہ جب وہ چلے گئے اور نکال لے گئے وہ — دل جو میرے پہلو میں انہی کی وجہ سے دھڑکتا تھا

ألفيتني كالطفل عاطفةً — فإذا به كالغيث ينسكب
تو میں نے اپنے آپ کو بچے جیسی طبیعت والا محسوس کیا — اور وہ آنسو بارش کی طرح برسنے لگے

قد يعجب العذال من رجل — يبكي، ولو لم أبك فالعجب
بعض اوقات ملامت کرنیوالے اس شخص کو دیکھ کر تعجب کرتے ہیں — جو روتا ہے اور اگر میں نہ روتا تو بڑی تعجب کی بات ہوتی

هيهات ما كل البكا خور — إني وبي عزم الرجال أب
رونا کمزوری نہیں ہوتا — میں اگرچہ مردوں کا سا عزم رکھتا ہوں لیکن پھر بھی باپ ہی تو ہوں

ان تمام اشعار سے ہمارے سامنے الفت ومحبت کی وہ حقیقت کھل کر آجاتی ہے جو اللہ تعالےٰ نے بچوں کے سلسلہ میں ماں باپ کے دل میں ودلیعت رکھی ہے، اور یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ ماں باپ بچوں کی صحیح تربیت دیکھ بھال اور ضروریات ومصالح کا اہتمام کرسکیں،

«فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ». (الروم ۳۰)

وہی تراش اللہ کی جس پر لوگوں کو تراشا اللہ کے بنائے ہوئے کو بدلنا نہیں ہے۔

ب - بچوں سے محبت اور ان پر شفقت ورحم ایک عطیۂ ربانی ہے

اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے دلوں میں جو قابلِ قدر جذبات وَدلیعت رکھے ہیں ان میں سے بچوں پر رحم اور شفقت ومحبت، الفت وپیار بھی ہے، یہ ایک عجیب اور قابلِ قدر جذبہ ہے جو بچوں کی اصلاح وتربیت، دیکھ بھال وپرورش کے سلسلہ میں بڑا اثر رکھتا ہے اور عظیم نتائج کا حامل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو دل رحم سے خالی ہوتا ہے، ایسا شخص ترشروئی سختی اور قساوت جیسی گندی خصلتوں کا مالک ہوتا ہے جن کا اولاد پر نہایت بُرا اثر پڑتا ہے ان میں بغاوت پیدا ہوتی ہے، انحراف پیدا ہوتا ہے اور ایسے بچے جہالت وشقاوت وبدبختی کے گہرے گڑھوں میں گر جاتے ہیں۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی شریعتِ مطہرہ نے مخلوق کے دلوں میں الفت ومحبت اور رحم کے جذبہ کو راسخ کیا اور بڑوں کو خواہ وہ استاذ ہوں یا ماں باپ، یا کسی شعبہ کے سربراہ ومسئول سب کو ان اوصاف کے اختیار کرنے اور ان سے آراستہ ہونے کی جانب رغبت دلائی اور اس پر ابھارا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم کے موضوع کو کتنی اہمیت دی اور اس وصفِ عالی کو اپنے اندر پیدا کرنے اور اس جذبۂ حسنہ کے ساتھ لوگوں کے متصف ہونے کا آپ کو کتنا خیال تھا،

ابو داؤد اور ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویعرف حق کبیرنا)). — وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق کو نہ پہچانے۔

امام بخاری اپنی کتاب "الادب المفرد" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا، وہ اس کو اپنے سے چمٹا رہے تھے، تو آپؐ نے ان سے پوچھا: کیا تمہیں اس بچہ پر رحم آتا ہے؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا: جی ہاں، تو آپؐ نے فرمایا:

((فاللہ أرحم بك منك به وهو أرحم الراحمین)). — اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے جو تم اس بچہ پر کر رہے ہو اور وہ تو ارحم الراحمین ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر کسی صحابی کو اپنے بچوں پر رحم کرتا نہیں دیکھتے تو آپ نہایت شدت سے ان کو تنبیہ کرتے اور ان کی اس جانب رہنمائی فرماتے جو ان کے گھر خاندان اور اولاد کے لئے مفید اور نافع ہوتی، چنانچہ امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ ایک بدوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہیں؟ ہم تو نہیں چومتے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أو أملك لك أن نزع اللہ من قلبك الرحمة)). — اگر اللہ تمہارے دل سے رحم نکال دے تو میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔

امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی کو چوما وہاں حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے، یہ دیکھ کر کہنے لگے: میرے دس بچے ہیں میں نے تو ان میں سے کسی کو بھی پیار نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب (تعجب سے) دیکھا اور فرمایا:

((من لا یَرحم لا یُرحم)). — جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔

امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، انہوں نے اس کو تین کھجوریں دے دیں تو اس نے دونوں میں سے ہر بچہ کو ایک ایک

کھجور دے دی اور ایک اپنے لئے رکھ لی، دونوں بچوں نے اپنی اپنی کھجور کھالی اور پھر اپنی ماں کی جانب دیکھنے لگے ماں نے اپنی والی کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا ٹکڑا دے دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ واقعہ ذکر کیا، تو آپؐ نے فرمایا:

((وما يعجبك من ذلك، لقد رحمها الله برحمتها صبيّيها)).

تمہیں اس پر تعجب کیوں ہوا. اللہ تعالیٰ نے بچوں پر رحم کی وجہ سے اس پر بھی رحم کھایا۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم جب کسی بچے کو جانکنی کی حالت میں روح پرواز کرتے ہوئے دیکھتے تو صدمہ و دکھ اور بچوں پر رحم و شفقت کی وجہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے، تاکہ امّت کو رحم و شفقت کا درجہ و منزلت معلوم ہو۔

امام بخاری و مسلم حضرت اُسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے کی جانکنی اور نزع کی حالت ہے آپ آجائیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ:

((إن لله ما أخذ وله ما أعطى، وكل شيء عنده بأجل مسمى فلتصبر ولتحتسب)).

اللہ نے جو لیا وہ بھی اس کا ہے اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے اور اس کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اس لئے صبر کرو اور اجر کی امید رکھو۔

انہوں نے دوبارہ اصرار کے ساتھ پیغام بھیجا کہ ضرور تشریف لائیے۔ تو آپؐ کھڑے ہوگئے ساتھ میں حضرات سعد ابن عبادۃ، معاذ بن جبل، أبی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ بھی تھے، بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تو آپؐ نے اسے گود میں لے لیا، اس کی سانس اکھڑ رہی تھی، آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے اللہ کے رسول یہ کیا بات ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

((هذه رحمة جعلها الله تعالى في قلوب عباده)).

یہ اللہ کی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھدی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے

((جعلها الله في قلوب من شاء من عباده وإنما يرحم الله من عباده الرحماء)).

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے اسے ڈال دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کھاتے ہیں۔

یہ بات ذہن سے نہیں نکالنا چاہئیے کہ رحم کا جذبہ اگر والدین کے دلوں میں جاگزیں اور راسخ ہو تو وہ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں، اور وہ ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہیں جو بچوں کی دیکھ بھال نگرانی اور پرورش کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کی ہیں۔

ج۔ لڑکیوں کو بُرا سمجھنا زمانۂ جاہلیت کی گندی اور ناپسندیدہ عادت ہے

اسلام کلی مساوات اور عدل کی دعوت دیتا ہے اور بچوں پر رحم و شفقت کے سلسلہ میں اسلام نے مرد و عورت، مذکر و مؤنث اور نر و مادہ میں کوئی تفریق نہیں کی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک پر عمل ہو:

((اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى)). (المائدہ ۸) — عدل کرو یہی بات تقویٰ سے نزدیک ہے۔

اور تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم نافذ ہو جو آپ نے اس حدیث کے ذریعہ دیا ہے جسے اصحابِ سنن اور امام احمد و ابن حبان رحمہم اللہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ روایت کیا ہے:

((اعدلوا بين أبنائكم، اعدلوا بين أبنائكم، اعدلوا بين أبنائكم)). — تم اپنی اولاد کے درمیان عدل و مساوات کرو، تم اپنی اولاد میں عدل سے کام لو۔ تم اپنی اولاد میں عدل و انصاف سے کام لو۔

چنانچہ قرآنِ کریم کے اس حکم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رہنمائی کی بموجب تاریخ کی ابتدا اور ہر زمانے میں والدین نے اپنی اولاد کے سلسلہ میں اس بنیادی نقطۂ نظر کو سامنے رکھا جس نے عدل و مساوات، محبت و الفت، شفقت و رحم اور برابری کا سبق دیا، تاکہ لڑکے اور لڑکیوں میں کوئی امتیاز اور تفریق نہ برتی جائے۔

اگر کسی اسلامی معاشرہ میں کچھ ایسے والدین نظر آتے ہیں جو لڑکے کی بنسبت لڑکی سے امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں تو اس کا سبب وہ گندہ اور فاسد معاشرہ ہے جس سے گھٹی میں انہیں وہ عادات ملی ہیں جن کا دین سے دُور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ وہ محض زمانۂ جاہلیت کی عادات و رواج ہیں اور ایسی ناپسندیدہ اور مبغوض رسمیں ہیں جن کی کڑی اس دورِ جاہلیت سے جا ملتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

((وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ۞ يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّـرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ۞)). (النحل - ۵۸ و ۵۹)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری ملتی ہے تو اس کا منہ سارے دن سیاہ رہتا ہے اور جی میں گھٹتا رہتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس خوشخبری کی برائی کی وجہ سے جو سُنی۔ کیا اس کو رہنے دے ذلت قبول کرکے یا اس کو مٹی میں دبا دے، سن لو برا ہے وہ جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

اس کا اصل سبب ایمان کی کمزوری اور یقین کا عدم استحکام ہے اس لئے کہ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ سے خوش نہیں جو اللہ نے انہیں لڑکی دے کر کیا ہے، ان کو یہ بات خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ وہ اور ان کا خاندان اور تمام مخلوق مل کر بھی اللہ کے فیصلہ کو نہیں بدل سکتے، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کیا ان کے کانوں میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کی آواز نہیں پڑی جس میں اللہ تعالیٰ نے لڑکوں اور لڑکیوں کے سلسلہ میں اپنی تدبیرِ محکم اور ازلی فیصلے اور مشیئتِ مطلقہ اور اٹل حکم کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

((لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝)). (شوریٰ ۴۹ و ۵۰)

اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ جو چاہے ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہے بیٹے بخشتا ہے یا ان کو جوڑے دیتا ہے بیٹے اور بیٹیاں، اور جس کو چاہے بانجھ کر دیتا ہے وہ سب کچھ جانتا کر سکتا ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں ایک عجیب واقعہ مذکور ہے کہ عرب کے ابوحمزہ نامی ایک صاحب نے ایک عورت سے شادی کی اور لڑکے کے خواہشمند تھے لیکن ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوگئی تو انہوں نے اپنی بیوی کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا اور دوسرے مکان میں رہنا شروع کر دیا، ایک سال کے بعد جب اس کے گھر کے پاس سے گزر ہوا تو کیا دیکھا کہ وہ اپنی بچی سے دل لگی کر رہی ہے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہی ہے:

مالأبی حمزة لا یأتینا	یظلّ فی البیت الذی یلینا
ابوحمزہ کو کیا ہو گیا کہ ہمارے پاس نہیں آتے ہیں	ہمارے پڑوس کے مکان میں ہی رہتے ہیں اور
غضبان ألّا نلد البنینا	تاللہ ما ذلك فی أیدینا
اس بات سے ناراض ہیں کہ ہم نے لڑکیوں نہ جَنا	خدا کی قسم یہ تو ہمارے قبضہ میں نہیں ہے

وإنما نأخذ ما أعطینا

ہم تو وہی قبول کر لیتے ہیں جو ہمیں دیا جائے

بیوی کے ان اشعار نے شوہر کو ایمان ویقین اور اللہ کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا سبق دیا۔ یہ اشعار سُن کر ابوحمزہ اتنا متاثر ہوئے کہ فوراً اس کے گھر گئے اور بیوی اور بیٹی کا سر چوما اور اللہ نے لڑکی کی شکل میں جو عطیہ عطا فرمایا تھا اس پر خوشی و رضامندی کا اظہار کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمزور نفوس اور ضعیف ایمان والوں سے زمانۂ جاہلیت کی ان رسوم کی جڑیں اکھاڑنے اور ان کی بیخ کنی کرنے کے لیے لڑکیوں کا خصوصی تذکرہ کیا، اور والدین اور تربیت کرنے والوں کو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ

کرنے، ان کی دیکھ بھال اور انکی ضروریات کا خیال رکھنے کا خاص طور سے نہایت اہتمام سے حکم دیا تاکہ اللہ کی رضامندی اور جنت کے داخلہ کے مستحق بن جائیں، اور ساتھ ہی بچیوں کی صحیح تربیت بھی ہو اور وہ ایسی لڑکیاں بن جائیں جیسی اللہ تعالیٰ چاہتا اور جس کا اسلام حکم دیتا ہے۔

بچیوں کی دیکھ بھال، حسنِ سلوک اور خصوصی توجہ سے متعلق بعض ارشاداتِ نبوی آپ کے سامنے پیش ہیں:

امام مسلم رحمہ اللہ حضرت أنس بن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة أنا وهو كهاتين)). وضمّ أصابعه.

جو شخص دو بچیوں کی بالغ ہونے تک کفالت کرے گا تو وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ہوں گے۔ اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ کر کے بتلایا۔

اور امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں حضرت عقبۃ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

((من كانت له ثلاث بنات فصبر عليهن وسقاهن وكساهن من جدته (أي ماله) كنّ له حجاباً من النار)).

جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کو خوش دلی سے برداشت کرے اور اپنے مال سے ان کو کھلائے پلائے اور پہنائے تو وہ لڑکیاں اس شخص کے لیے دوزخ سے بچانے کا ذریعہ بنیں گی۔

حمیدی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من كان له ثلاث بنات أو ثلاث أخوات أو بنتان أو أختان فأحسن صحبتهنّ وصبر عليهن، واتقى الله فيهنّ دخل الجنّة)).

جس شخص کی تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوش دلی سے انہیں برداشت کرے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اس لئے تربیت کرنے والے حضرات کو چاہیئے کہ ان ارشاداتِ نبویہ اور تعلیماتِ اسلامیہ کو اپنا رہنما بنائیں اور لڑکیوں کا خیال رکھیں اور ان کے اور لڑکوں کے درمیان عدل و مساوات سے کام لیں تاکہ اس جنت کے مستحق بن سکیں جو آسمان و زمین سے بڑی ہے اور اللہ کی اس رضا و خوشنودی کو حاصل کر سکیں، جو سب سے بڑی دولت ہے اور روزِ قیامت اللہ جل شانہٗ کے قرب کو پالیں۔

د - بچّہ کی موت پر صبر کا اجر و ثواب

مسلمان جب ایمان کے بلند و عالی درجہ پر پہنچ جاتا اور یقین کی بلندیوں کو چھو لیتا ہے، اور تقدیرِ الٰہی چاہے انسان کے خلاف ہو یا موافق اس پر یہ ایمان رکھتا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، تو پھر اس کی نگاہ میں حوادثِ زمانہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور مصائب کا جھیلنا اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔ اور اس کو جو مصیبت یا حادثہ پیش آتا ہے اس میں وہ خدا ہی کے دَر پر جھکتا ہے۔ دل مطمئن ہوتا ہے، اور ضمیر مصیبت پر صبر کرکے راحت محسوس کرتا ہے۔ اور ایسا آدمی قضاءِ الٰہی کے سامنے سر جھکا دیتا اور اللہ رب العالمین کے ہر فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔

ایمان کے اس درجہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جس کے بچے کا انتقال ہوجائے اور وہ اس حادثہ پر صبر کرے، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے، تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے جنت میں بیت الحمد تعمیر فرمائیں گے۔ چنانچہ ترمذی وابن حبان رحمہما اللہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إذا مات ولد العبد قال الله عزّ وجلّ لملائكته: قبضتم ولد عبدي؟ فيقولون: نعم، فيقول:: قبضتم ثمرة فؤاده؟ فيقولون: نعم، فيقول: ماذا قال عبدي؟ فيقولون: حمدك واسترجع، فيقول: ابنوا لعبدي بيتًا في الجنة وسمّوه بيت الحمد».

جب کسی شخص کے بچے کا انتقال ہوجاتا ہے تو اللہ جل جلالہٗ فرشتوں سے پوچھتے ہیں: کیا تم نے میرے بندہ کے بچّہ کی رُوح قبض کرلی؟ وہ جواب میں کہتے ہیں: جی ہاں، پوچھتے ہیں، تم نے اس کے دل کے ٹکڑے کی روح قبض کرلی؟ وہ کہتے ہیں: جی ہاں، پوچھتے ہیں: میرے بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں کہ: اس نے آپ کی حمد بیان کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندہ کیلئے جنت میں ایک گھر بنادو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

اس صبر کے بڑے عظیم فائدے حاصل ہوتے ہیں جنہیں اجر کی اُمید رکھنے اور صبر کرنے والا ہی حاصل کرتا ہے یہ فائدے انسان کو اس روز حاصل ہوں گے جس دن نہ اولاد کام آئے گی اور نہ مال و دولت۔

ان منافع و فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ جنت تک پہنچانے اور دوزخ سے بچانے کا ذریعہ ہے چنانچہ امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

مرتبہ عورتوں سے ارشاد فرمایا:

((ما منكن امرأة يموت لها ثلاثة من الولد إلا كانوا لها حجاباً من النار، فقالت امرأة: واثنان؟ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: واثنان)).

تم میں سے کوئی ایسی عورت نہیں کہ جس کے تین بچے وفات پا جائیں مگر یہ کہ وہ بچے اس عورت کے لیے دوزخ سے حجاب بنیں گے، ایک عورت نے کہا: اور اگر دو بچے مر جائیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ دو بھی۔

امام احمد و ابن حبان حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((من مات له ثلاثة من الولد فاحتسبهم دخل الجنة: قال: قلنا: يا رسول الله واثنان؛ قال: واثنان)).

جس کے تین بچے مر جائیں اور وہ اس پر اجر کی اُمید رکھتے ہوئے صبر کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ راوی کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ: اگر دو مر جائیں، تو آپ نے فرمایا: دو بھی۔

ایک راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ اگر آپ حضرات ایک بچے کے بارے میں پوچھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے لیے بھی یہی فرماتے، حضرت جابرؓ نے فرمایا: میرا بھی یہی خیال ہے۔

صبر کے فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جو بچہ بچپن ہی میں مر جاتا ہے وہ قیامت میں اپنے والدین کے لیے شفاعت کرے گا، چنانچہ طبرانی عمدہ سند سے حضرت ام حبیبہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی کہ وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا:

((ما من مسلمين يموت لهما ثلاثة من الولد لم يبلغوا الحنث (أي سن البلوغ) إلا جيئ بهم يوم القيامة حتى يوقفوا على باب الجنة فيقال لهم: ادخلوا الجنة، فيقولون: حتى تدخل آباؤنا، فيقال لهم: ادخلوا الجنة أنتم وآباؤكم)).

کوئی بھی دو مسلمان ایسے نہیں ہیں کہ جن کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے مر جائیں مگر یہ کہ ان کو قیامت میں لایا جائے گا اور ان کو جنت کے دروازے پر کھڑا کر دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ کہیں گے کہ ہم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک ہمارے والدین جنت میں داخل نہ ہو جائیں تو ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ تم اور تمہارے والدین سب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

امام مسلم اپنی "صحیح" میں ابوحسان سے روایت کرتے ہیں کہ: میرے دو بچے وفات پا گئے تو میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ :- آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی حدیث سُنی ہو تو اسے سنا کر مرنے والوں کی طرف سے ہمارے دِلوں کو کچھ سکون پہنچائیں، انہوں نے فرمایا: جی ہاں ارشاد ہے:

((صغارهم دعاميص[1] الجنة يلقى أحدهم	چھوٹے بچے جنت کے کیڑے ہیں۔ وہ اپنے باپ
أباه - أو قال: أبويه - فيأخذ	یا والدین فرمایا۔ کے کپڑوں کا کنارہ یا ہاتھ پکڑ لیں گے،
بناحية ثوبه أو يده، كما آخذ	جیسے کہ میں نے تمہارے اس کپڑے کے کنارے کو پکڑا
بصنفة ثوبك هذا فلا يفارقه	ہے اور پھر وہ اس وقت تک ان کو نہ چھوڑیں گے
حتى يدخله الله وإياه	جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے والدین کو جنت
الجنة)).	میں داخل نہ فرمادیں۔

ایمان کی قوت اور جذبۂ ایمانی کی اگر بہترین مثال دیکھنا ہو تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ازواجِ مطہرات کی سیرت سامنے رکھیے جو اس بات پر کھلی ہوئی دلیل ہے کہ انہوں نے بچوں کے مرنے پر کس قوتِ ایمانی اور رضاء بالقضاء اور صبر کا ثبوت دیا۔ ملاحظہ کیجیے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا وہ عجیب، عظیم اور صبر آزما موقف جو انہوں نے امتِ مسلمہ کے لیے پیش کیا، لیجیے مکمل قصہ بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق پیشِ خدمت ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ابوطلحہؓ کا ایک بیٹا بیمار تھا، حضرت ابوطلحہ سفر پر چلے گئے، بچہ انتقال کر گیا جب ابوطلحہ واپس آئے تو اپنی بیوی ام سلیم سے پوچھا: بچہ کیسا ہے؟ بچے کی ماں ام سلیم جواب دیتی ہیں: پہلے سے زیادہ پرسکون ہے[2]۔ پھر ام سلیم نے شوہر کو کھانا کھلایا۔ اور ان کے لیے اپنے آپ کو خلافِ معمول زیادہ پیراستہ و آراستہ کیا، شوہر اپنی بیوی سے ہم بستر ہوئے، جب فارغ ہو چکے اور اپنی دونوں خواہشیں (کھانے اور ہم بستری کی) پوری کر چکے تو ام سلیم نے ان سے کہا: اے ابوطلحہ بتلائیے اگر کوئی جماعت اپنی کوئی چیز کسی کے پاس عاریت رکھائے اور پھر ان سے واپس مانگے تو کیا ان لوگوں کو روکنے کا حق ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہرگز نہیں، تو ام سلیم نے اپنے شوہر سے کہا: اپنے بیٹے کی وفات پر صبر کیجیے۔ بیٹا وفات پا گیا ہے۔ اللہ سے اجر کی امید رکھیے، یہ سن کر ابوطلحہ آزردہ خاطر ہو گئے اور فرمانے لگے: تم عجیب عورت ہو۔ مجھے پہلے خبر نہ کی جب میں تم سے ہم بستر ہو چکا تو اب میرے بیٹے

---

[1] دعموص کی جمع ہے۔ دعموص کالے رنگ کا ایک کیڑا ہے جو ہمیشہ پانی میں رہتا ہے اور پانی سے جدا کبھی نہیں ہوتا۔ مراد یہ ہے کہ بچے ہمیشہ جنت میں رہیں گے وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔

[2] ان کی مراد یہ تھی کہ وہ دنیوی تکالیف سے بچ گیا اور اللہ سے جا ملا ہے۔ حضرت ابوطلحہ یہ سمجھے کہ وہ پہلے سے بہتر ہے۔

کی وفات کی خبر دے رہی ہو. نبی کریم صلی اللہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پورا واقعہ ذکر کیا. تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کچھ نہ فرمایا. اور یہ فرمایا : اللہ تعالیٰ تمہاری گذشتہ رات میں برکت دے، ایک دوسری روایت میں آتا ہے : اے اللہ ان دونوں میں برکت دے ، چنانچہ ان کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا، ایک انصاری صحابی کہتے ہیں : میں نے ان عبداللہ کے نو بیٹوں کو دیکھا جو سب کے سب قرآن کے عالِم وقاری تھے . یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکت تھی جو آپؐ نے ان الفاظ میں دی تھی : اے اللہ ان دونوں میں برکت دے .

حقیقت یہ ہے کہ جب مؤمن کے دل میں خدا کی ذات پر کامل ایمان راسخ ہوجاتا ہے تو اس کی وجہ سے عجیب عجیب کارنامے ظاہر ہوتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کمزوری وضعف کو قوت وطاقت سے ، اور بزدلی کو شجاعت وبہادری سے ، اور بخل وکنجوسی کو جود وسخاوت سے ، اور جزع فزع کو صبر اور اللہ پر اعتماد وبھروسہ سے بدل دیتا ہے .

اس لئے ماں باپ کو چاہیئے کہ اپنے ایمان میں قوت پیدا کریں، اور اگر کوئی مصیبت درپیش ہو تو اس وقت یقین وایمان کے ہتھیار کو استعمال کریں، اگر کسی بچے کا انتقال ہوجائے تو تنگ دل اور آزردہ خاطر نہ ہوں یہ کہیں بے شک ہم سب اللہ ہی کی امانت ہیں اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے . جو خدا نے واپس لے لیا وہ بھی اس کا ہے اور جو اس نے ہمیں دیا ہے وہ بھی اسی کا ہے ، اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اس لئے یہ سوچ کر صبر کرنا چاہیئے اور اجر کی امید رکھنا چاہیئے تاکہ جو ذات سب چیزوں کی مالک اور حاکمِ مطلق ہے اس سے اجر وثواب حاصل ہو .

اے اللہ دنیا کے مصائب ہم پر آسان کردے ، اور اپنے فیصلہ اور تقدیر پر ہم کو راضی کردے ، اور دنیا و آخرت دونوں میں تو ہی ہمارا والی بن جا ، اس لئے کہ اے رب العالمین آپ ہی بہترین والی ومولیٰ ہیں .

۵ - اسلام کے مصالح کو بچہ کی محبّت پر فوقیت دینا

چونکہ ماں باپ کے دل میں اپنے جگر گوشوں اور بچّوں کی محبّت والفت ، شفقت ورحمت کے سچّے جذبات موجزن رہتے ہیں ، اس لئے یہ مدِنظر رہنا چاہیئے کہ یہ جذبات جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت وتبلیغ کے لیے سفر سے رکاوٹ نہ بن جائیں ، اس لئے کہ اسلام کے مصالح تمام جذبات وضروریات پر مقدم ہیں . اور اسلامی معاشرہ کا قائم کرنا ہر مؤمن کا مقصدِ اصلی اور زندگی کی غرض وغایت ہے . کیوں کہ گم کردہ راہ انسانیت کو سیدھا راستہ دکھانا مسلمان کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے مسلمان سب کچھ قربان کردیتا ہے .

حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بالکل صحیح اور اسی طرح سمجھا تھا اسی لئے ان کے سامنے سوائے جہاد اور تبلیغ دین اور اسلام کی نشر واشاعت کے اور کوئی مقصد نہ تھا

اس لئے اگر ہم تاریخ میں اسلام کے پیغام کو پہنچانے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ان کے بڑے بڑے کارناموں اور مجاہدات کو دیکھیں تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہوتا، اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں انہوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ اور قیمتی سے قیمتی ــــ چیزوں حتیٰ کہ اپنی جان تک کو اللہ کے راستہ میں قربان کردیا تو اس میں کچھ بھی استبعاد نہیں ہوتا۔

لیجئے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، کے اس قول کو سُنیئے جو انہوں نے مصر کے بادشاہ مقوقس کے سامنے اس وقت فرمایا تھا جب اس نے ان کو روم کی عظیم الشان فوج سے مرعوب کرنا اور مال و دولت کی چمک سے بہکانا چاہا تھا تو اس وقت حضرت عبادہ نے اس سے کہا: اچھی طرح سے سن لو، تم اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو دھوکہ نہ دو۔ تم جو مجھے روم کی عظیم الشان جماعت اور بڑی تعداد سے ڈرانا چاہتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ ہم اس کا مقابلہ نہ کرسکیں گے، تو تم خوب اچھی طرح سے سمجھ لو کہ جس چیز سے تم ہمیں ڈرا رہے ہو اس کی ہماری نظر میں کچھ وقعت نہیں، اور اگر تم واقعی سچے ہو بھی تب بھی یہ بات ہمیں ہمارے ارادہ وفیصلہ سے نہیں روک سکتی، اس لیے کہ ہم تو تم سے ٹکرا کر دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی کو ضرور حاصل کریں گے۔ یا تو یہ کہ ہم فتح حاصل کرکے دنیاوی مالِ غنیمت بھی حاصل کرلیں گے، اور اگر بالفرض تم غالب آگئے تو ہم آخرت میں اجر وثواب حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

«كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ» (بقرہ ۲۴۹)

بارہا اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب ہوئی۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ہم میں سے ہر شخص اللہ تعالیٰ سے صبح وشام شہادت مانگتا ہے اور اس کی تمنا یہ ہے کہ وہ اپنے گھر بار ملک وطن اور بیوی بچوں کے پاس لوٹ کر نہ جائے، اور ہم میں سے کسی کو بھی اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے اہل وعیال کا کوئی غم وفکر نہیں، اس لیے کہ ہم میں سے ہر شخص نے اپنے اہل وعیال اور بیوی بچوں کو خدا کے حوالہ کردیا ہے۔ ہمیں اگر فکر ہے تو صرف جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہم خستہ حالی اور تنگی ترشی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ تو یہ بات درست نہیں اس لیے کہ ہم تو خوش حالی کی زندگی بسر کررہے ہیں، اس لیے کہ بالفرض اگر تمام دنیا بھی ہمارے قبضہ میں آجائے تو ہمیں اس وقت بھی اپنی ذات کے لیے اتنا ہی چاہیے ہوگا جتنا اب ہمارے پاس ہے اس سے زیادہ کی ہمیں ہرگز ضرورت نہ ہوگی۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ، کا یہ موقف جو انہوں نے پیش کیا ان ہزاروں میں سے ایک موقف ہے جو ہمارے بزرگ وبہادر اکابرین نے طویل ترین تاریخ کے مختلف زمانوں میں پیش کئے ہیں، ان حضرات کی یہ بڑی بڑی قربانیاں اور بیوی بچوں اور خاندان وقوم اور ملک ووطن کی محبت پر جہاد اور دعوت الی اللہ کی محبت کو فوقیت دینا، اس کا باعث یہ تھا کہ انہوں

نے قرآنِ کریم میں اللہ تعالےٰ کے اس فرمانِ مبارک کو سچے دل سے پڑھا اور سمجھا تھا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝)). (التوبہ ۲۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو۔ اور وہ حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہیں. تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ راستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

وہ کارنامے جو حسن البنا رحمہ اللہ کے بارے میں زبان زد ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی یہ عادت تھی کہ وہ عید کے موقع پر دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے نوجوانوں کی دیکھ بھال ونگرانی کے لیے نکل جایا کرتے تھے، چنانچہ ایک موقعہ پر ان کا بیٹا سیف الاسلام اتنا شدید بیمار رہا کہ اس کے بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔ تو ان کی بیوی نے ان سے کہا اگر اس عید پر آپ ہمارے ساتھ رہ جائیں تو کتنا اچھا ہو، ہم بھی پرسکون رہیں گے۔ اور بیمار بیٹا آپ کی نظروں میں رہے گا۔ یہ سن کر انہوں نے اس حالت میں کہ سفری بیگ ان کے ہاتھ میں تھا یہ جواب دیا کہ: اگر اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو شفاء عطا فرمادی تو وہ لائقِ حمد وثنا بھی ہے اور قابلِ شکر بھی، اور اگر اللہ نے اس کے لیے موت لکھی ہے تو اس کا دادا قبرستان کا راستہ خوب جانتا ہے یہ کہکر مندرجہ ذیل آیت تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے:

((قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝)). (التوبہ ۲۴)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو۔ اور وہ حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہیں۔ تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ راستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

اللہ اکبر، حقیقت یہ ہے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اسی طرح کی قربانی وایثار کی ضرورت ہے۔ اللہ اکبر، دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کو اسی طرح کا ہونا چاہیے، اگر بالفرض ہمارے سلفِ صالحین اور دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کے یہی چند کارنامے ہی ہوتے تب بھی یہ رہتی دنیا تک ان کے فخر وشرف کے لیے کافی وافی تھے۔

اے مومن باپ! اسلام و مذہب، جہاد اور دعوت الی اللہ کی محبت آپ کے دل و دماغ اور اعضاء وجوارح پر چھائی ہونا چاہیے، اور ان چیزوں کی محبت اہل وعیال، بیوی بچوں اور خاندان کی محبت پر مقدم ہونا چاہیے۔ تاکہ آپ مکمل طور پر دعوتِ اسلام کو پھیلانے اور جہاد کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لیے تیار رہیں اور آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جو اپنے دست وبازو سے اسلام کی عزت و ناموس کا محل تعمیر کرتے ہیں اور اپنے پختہ و قوی عزم و ارادے سے قرآن حکیم کی حکومت قائم کرتے ہیں اور جو امتِ محمدیہ کو اس کی محفوظ ومضبوط عزت اور شرافت وعظمت اور عظیم الشان حکومت دوبارہ واپس لوٹا سکیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کو غور سے سُنیے جو آپ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جو اپنے ایمان کے کمال کو پہنچنا اور دلوں کی گہرائیوں میں اس کی حلاوت کو محسوس کرنا اور اپنے وجدان میں اس کی لذت کو موجود پانا چاہتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ثلاث من كنّ فيه وجد حلاوة الإيمان: أن يكون الله ورسوله أحبّ إليه مما سواهما، وأن يحب المرء لا يحبه إلا لله، وأن يكره أن يعود في الكفر كما يكره أن يقذف في النار)).

تین باتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں بھی پائی جائیں گی وہ ایمان کی حلاوت پالے گا: یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کو تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو۔ اور یہ کہ اپنے مسلمان بھائی سے اللہ ہی کے لیے محبت کرے، اور یہ کہ کفر کی طرف دوبارہ لوٹنے کو ایسا ناپسند کرے و برا سمجھے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

امام بخاری ہی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ مجھے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ سوائے اس جان کے جو میرے پہلو میں ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لن يؤمن أحدكم حتى أكون أحبّ إليه من نفسه)).

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی آپ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اب ٹھیک ہے اے عمرؓ یعنی اب

تمہارا ایمان مکمل ہوگیا۔

صحیح روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به».	تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک اس کی خواہشات اس دین کے تابع نہ ہوجائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔

اور امام بخاری ومسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک روایت کرتے ہیں کہ:

«لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحبّ إليه من ماله وولده والناس أجمعين».	تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک اس کے مال واولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ میں اسے محبوب نہ ہوجاؤں۔

۹۔ بچے کو سزا دینا اور مصلحت وتربیت کی خاطر اس سے قطعِ تعلق کرنا

بچہ جب تک چھوٹا ہوتا ہے تو ماں باپ کے زیرِ سایہ زندگی گزارتا ہے۔ اور جب تعلیم وتربیت کی عمر کو پہنچ جاتا ہے اس وقت والدین اور تربیّت کرنے والوں کو چاہیے کہ اس کی اصلاح کے تمام وسائل کو استعمال کریں۔ اور اس کی کجی کو درست کرنے اور اس کے جذبات وخواہشات اور عادات واخلاق کی اصلاح کے لیے تمام طریقوں کو اپنائیں اور بروئے کار لائیں، تاکہ بچہ کامل ومکمل اسلامی عادات واخلاق اور بلند وبالا معاشرتی آداب سے آراستہ ہو۔

بچہ کی اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں اسلام کا اپنا ایک مخصوص طریقۂ کار رہے۔ چنانچہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر بچے کو پیار ومحبّت سے سمجھانا فائدہ دیتا ہو تو مربی کے لیے اس سے قطعِ تعلق واعراض کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر بچہ سے قطعِ تعلق کرنا اور ڈانٹنا ڈپٹنا مفید ہو تو پھر اس کو مارنا پیٹنا درست نہیں۔ ہاں اگر اصلاح وتربیت سمجھانے بجھانے وعظ ونصیحت ڈانٹ ڈپٹ کے تمام طریقے غیر مؤثر ثابت ہوں تو ایسی صورت میں اتنا مارنے کی اجازت ہے جو حدود کے اندر ہو اور ظالمانہ وبے رحمانہ طریقے سے نہ ہو — ممکن ہے اس ذریعہ سے مربی اس کی اصلاح کرسکے اور اس کا کردار وچال چلن درست ہوجائے۔

اصلاح وتربیت کے یہ تمام مراحل سنتِ نبویہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طرزِ حیات کو سامنے رکھ کر آپ کے سامنے پیش کیے جارہے ہیں تاکہ تربیت کرنے والے حضرات کو تربیت واصلاح کا اسلامی طریقہ، طرز اور منہج معلوم ہوجائے۔

بچہ کی پیار ومحبت سے تربیت واصلاح اور نرمی سے سمجھانے بجھانے سے متعلق ایک واقعہ امام بخاری و

مسلم حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر نگرانی اور زیر پرورش ایک نوعمر لڑکا تھا۔ کھانے کے برتن میں میرا ہاتھ اِدھر اُدھر گھوما کرتا تھا، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

((یا غلام سمّ الله ، وکل بیمینك ، وکل مما یلیك)). — اے لڑکے اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے کھاؤ۔

امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی پینے کا مشروب لایا گیا، آپ کے دائیں جانب ایک نوعمر لڑکے تھے اور بائیں جانب عمر رسیدہ حضرات تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحبزادے سے کہا: کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ میں ان حضرات کو دے دوں۔

یہ سمجھانے کا پیار بھرا انداز تھا۔ ان صاحب نے کہا: خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ آپ کے دیئے ہوئے مبارک حصہ پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ان کو تھما دیا۔ یہ صاحب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

بچہ سے اعراض اور قطعِ تعلق کے سلسلہ میں امام بخاری حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر پھینک کر مارنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے:

((إنه لا یقتل الصید ولا ینکأ العدو وإنه یفقأ العین ویکسر السن)). — اس طرح کنکر مارنا نہ تو شکار کو مار سکتا ہے اور نہ دشمن کو زخمی کر سکتا ہے البتہ یہ کسی کی آنکھ پھوڑنے یا دانت توڑنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کے کسی عزیز نے جو ابھی بالغ بھی نہ ہوئے تھے۔ اس طرح کنکر پھینکا تو انہوں نے اسے اس سے منع کیا اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر مارنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ:

((إنها لا تصید صیدًا ...)). — اس سے کوئی جانور شکار نہیں ہو سکتا۔

اس شخص نے دوبارہ اسی طرح کنکر پھینکا تو انہوں نے اس سے فرمایا کہ میں تو تمہیں بتلا رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور تم پھر دوبارہ ایسا ہی کر رہے ہو۔ میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔

بچے کو مارنے سے متعلق ابوداؤد و حاکم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر وفرّقوا بينهم في المضاجع».

تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور دس سال کے ہو جائیں تو نماز پڑھوانے کے لیے ان کو مارو، اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

تربیت سکھانے کے یہ طریقے اس وقت ہیں جب بچہ نوعمر اور قریب البلوغ کی عمر کا ہو۔ لیکن جب بالغ ہو جائے اور بڑا ہو جائے تو اس وقت تربیت واصلاح کے طریقے کچھ مختلف ہیں۔ اور اگر اس وقت لڑکے کو سمجھانا نصیحت کرنا فائدہ نہ دے تو مربی اور مصلح کو چاہیے کہ جب تک لڑکا اپنی کجی گمراہی اور فسق فجور سے باز نہیں آئے اس وقت تک اس سے قطع تعلق رکھے اور اس سے کسی قسم کا میل جول نہ رکھے۔

اس سلسلہ میں کچھ روایات آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

طبرانی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أوثق عرى الإيمان الموالاة في الله والمعاداة في الله والحبّ في الله والبغض في الله».

ایمان کی کڑیوں میں سے مضبوط ترین کڑی اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دشمنی اور اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض ہے۔

امام بخاری "باب ما یجوز من الھجران لمن عصی" اس قطع تعلق کے بیان میں جو نافرمانوں کے ساتھ جائز ہے کے ذیل میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ غزوہ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جا سکے اور پیچھے رہ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان سے بات چیت کرنے سے روک دیا اور پچاس دن اس طرح گزر گئے، اور روئے زمین ان کے لیے تنگ ہو گئی۔ اور وہ نہایت تنگ دل ہو گئے۔ نہ ان سے کوئی شخص بات کرتا تھا نہ سلام کرتا تھا نہ ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا۔ ان کے ساتھ یہ معاملہ اس وقت تک جاری رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ ان کی توبہ قبول کرنے کی آیت نازل نہ فرما دی۔

صحیح روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کو زجر و تنبیہ کے لیے ایک ماہ تک چھوڑے رکھا۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے سے قطع تعلق کر لیا تھا اور مرتے دم تک اس سے بات نہ کی اس لیے کہ انہوں نے اس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ایک حدیث بیان کی تھی جس میں مردوں کو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے سے منع کیا گیا تھا. انکے بیٹے نے اس حدیث کی بظاہر پیروی نہ کی تو انہوں نے اس سے مرتے دم تک قطعِ تعلق رکھا۔

اولاد کے ساتھ یہ رویہ اُس وقت رَوا رکھا جائے گا جب وہ مؤمن و مسلم تو ہوں لیکن ان کے عمل میں سُستی اور کچھ انحراف پیدا ہو جائے لیکن اگر بالفرض کوئی اولاد ملحد ہو جائے یا العیاذ باﷲ کا فر ہوا ور ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جائے تو اس وقت ایمان کا تقاضہ اور قرآنِ کریم کی تعلیم یہ ہے کہ اس سے مکمل قطعِ تعلق ہو اور اس سے کسی قسم کا لین دین اور میل جول نہ رکھا جائے، اور کھلم کھلا اس سے براءت کا اعلان کر دیا جائے ذیل میں اس موضوع سے متعلق چند آیاتِ کریمہ پیش کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ))۔

(المجادلہ ۲۲)

آپ نہ پائیں گے کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور آخرت کے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی ارشادِ باری ہے:

((وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝))۔ (ہود۔ ۴۵ و ۴۶)

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہا اے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے فرمایا: اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے۔ اس کے کام خراب ہیں سو مجھ سے مت پوچھ جو تجھ کو معلوم نہیں ہے۔ میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو، کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ارشادِ ربانی ہوتا ہے:

((وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ))۔

(البقرہ ۱۲۴)

اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں تب فرمایا کہ میں تجھ کو سب لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا میرا عہد ظالموں کو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے سلسلے میں جو موقف اختیار کیا تھا اس کے سلسلہ میں اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

((وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ))۔ (التوبۃ-۱۱۴)

اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے نہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وہ کر چکا تھا اس سے پھر جب کھل گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا۔ تو اس سے بیزار ہو گیا بے شک ابراہیم بڑا نرم دل تحمل کرنے والا تھا۔

قرآن کریم کی ان آیات اور ان کے علاوہ دوسری آیات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر اولاد یا کوئی عزیز کفر پر مصر ہو تو ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے تعلق ختم کر لیا جائے۔ اس لئے کہ اسلام کی نظر میں اسلامی اخوت اور دینی رابطہ نسب اور وطن و ملک اور زبان و قومیت و وطنیت اور اقتصادی مصالح کے رابطہ سے زیادہ قوی اور مقدم ہے۔ اور اسلام کا اس سلسلہ میں شعار اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک ہے :

((قُلْ إِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ أَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَ أَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ أَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ))۔ (التوبہ ۲۴)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے کا تم کو ڈر ہے اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو، تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم اور اللہ ہدایت نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اسلام نے شروع سے ایسی تعلیم دی ہے جس میں کبھی تبدیلی و تغیر نہیں آسکتا:

((إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ)) (الحجرات - ۱۰)

مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں۔

اور اس کا دائمی و مستقل شعار ہے :

((إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ))۔

اللہ کے یہاں تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

کیا اس کے بعد بھی کسی اور چیز کی ضرورت ہے ؟!

بہرحال اس فصل میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ایسا اہم نفسیاتی شعور و احساس اور قلبی جذبہ ہے جو تربیت کرنے والوں میں پیدا ہونا چاہیئے۔ آپ نے خود بھی ملاحظہ کر لیا ہو گا کہ ان احساسات میں سے بعض تو ایسے ہیں جو فطری

طور پر والدین کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کہ بچّوں سے محبت الفت، شفقت و رحمت، انس و مودت،
اگر بالفرض یہ فطری داعیہ نہ ہوتا تو نوعِ انسانی کی بقاء ناممکن ہو جاتی، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو والدین بچّوں کی پرورش
دیکھ بھال کی طرف توجہ ہی نہ کرتے، نہ ان پر خرچ و اخراجات کرتے، نہ ان کی تعلیم و تربیت کی طرف
توجہ دیتے، اور اگر یہ فطری جذبات و احساسات نہ ہوتے تو خاندان ایک مضبوط و محفوظ عمارت کی طرح متفق و متحد نہ ہوتا۔

آپ نے یہ بھی غور کیا ہوگا کہ ان جذبات میں سے بعض جذبات زمانہ جاہلیت کی پیداوار و آثار ہیں جیسے
لڑکیوں کو برا سمجھنا، لیکن آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کی اس مکروہ و ناپسندیدہ عادت
کی صحیح ایمان اور مضبوط عقیدہ ایمانیہ اور باکمال اسلامی تربیت کے ذریعہ کس طرح اصلاح کی، تاکہ والدین
بچّوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ رکھیں چاہیے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، اور دونوں جنسوں میں کسی قسم کا امتیاز و
تفریق نہ کر سکیں تاکہ عدل و مساوات اور انصاف کے بنیادی تقاضے پورے ہو سکیں۔

آپ نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہوگا کہ احساسات میں سے بعض ایسے ہیں جن کا پایا جانا مصلحۃً ضروری ہے
جیسے کہ دعوت الی اللہ اور جہاد کی محبّت کو بیوی بچّوں اور اہل و عیال کی محبت پر فوقیت دینا، آپ
نے گذشتہ صفحات میں پڑھ لیا ہوگا کہ اسلام کی مصلحت ذاتی اور انفرادی مصالح پر مقدم ہے۔ اس لیے
نصرتِ الٰہی، قوت و طاقت، اور عزّ و شرف کی بلندیوں کو مسلمان اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک
کہ ان میں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت اہل و عیال، خاندان و قبیلہ، ملک و وطن اور مال
و دولت کی محبت پر غالب نہ ہو۔

آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ ان شعور و احساسات میں سے بعض کا تربیت و اصلاح سے تعلق ہے جیسے کہ
بچّوں کو نصیحت کرنا، ان کو ڈانٹنا ڈپٹنا، ان کو سزا دینا یا ان سے قطعِ تعلق کرنا۔ آپ نے اس سلسلہ میں مشاہدہ
کیا ہوگا کہ اسلام تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں تدریج سے کام لیتا ہے پہلے سمجھانے بجھانے پھر قطع تعلق اور
پھر ہلکی پھلکی مار سے۔ لہٰذا تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ سخت سزا اس وقت تک نہ دیں جب تک ہلکی سزا سے کام چل سکتا ہو۔
بچوں کی تربیت و تعلیم اور اصلاح کے سلسلہ میں اسلام اس طریقہ کو پسند کرتا ہے۔

اس لئے تربیت کرنے والے حضرات اور اصلاح کا بیڑہ اٹھانے ـــــ والوں کو تربیت کے سلسلہ
میں اسلام کا طریقہ و نظام اور اصلاح کے سلسلہ میں اس کے اسلوب کو خوب سمجھ لینا چاہیئے تاکہ قوم کی تربیت
کے سلسلہ میں صحیح راستہ اختیار کر سکیں، اور معاشرتی اصلاح کے لئے مناسب طریقے کو اپنائیں جو معاشرہ کو
فساد و انحراف اور گندی و مسموم فضا سے نکال کر پاکیزہ کردار، عزت و شرافت اور اخلاق و سیرت
کے پاکیزہ نظام کی طرف منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس لئے عمل کرنے والوں کو اس طریقے کو اپنانا چاہیے۔

بچہ سے متعلق عمومی احکام

اس فصل میں چار ابحاث ہیں

- بچہ پیدا ہونے پر مربی کو کیا کرنا چاہیے ؟
- بچہ کا نام رکھنا اور اس کے احکام۔
- عقیقہ اور اس کے احکام۔
- ختنہ اور اس کے احکام۔

پہلی بحث

بچہ پیدا ہونے پر مربی کو کیا کرنا چاہیئے؟

دینِ اسلام نے امتِ مسلمہ پر جو احسانات کیئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے بچہ سے متعلق تمام احکامات کو کھول کر بیان کردیا، اور تربیت کے سلسلہ میں بنیادی اصولوں کو اتنا واضح کرکے پیش کیا ہے کہ جس کی وجہ سے تربیت کرنے والا نہایت سہولت اور آسانی سے بچہ کی صحیح تربیت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے اس لیے ہر وہ شخص جس کے ذمہ تربیت کی ذمہ داری ہے اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کو ان بنیادی اور اساسی قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے پورا کرے جو اسلام نے پیش کئے ہیں۔ اور ان بنیادی باتوں اور قواعد کو سامنے رکھے جو مربیٔ اول خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے ہیں۔

بچہ کی ولادت پر تربیت کرنے والے کو جو اہم احکام بجالانا چاہیے وہ آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱۔ بچہ کی پیدائش پر مبارک باد اور پیغام تہنیت پیش کرنا

کسی کے یہاں بچہ ہو تو اس کے مسلمان بھائی کے لیے مستحب یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی خوشی میں شریک ہو اور اس کو مبارک باد دے اور تہنئت پیش کرے، اور ایسا طریق اختیار کرے جس سے اسے مزید خوشی حاصل ہو۔ ایسا کرنا آپس کے تعلقات کو مستحکم اور روابط کو مضبوط و قوی کرتا ہے، اور اس کے ذریعہ مسلمان خاندانوں میں باہمی الفت و محبت کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اگر بالفرض مبارک باد نہ دے سکے تو بہتر یہ ہے کہ اس کے اور نومولود کے لیے دعا کرے۔ اللہ تعالے ______ مسلمان کی دعا مسلمان بھائی کے حق میں قبول فرماتے ہیں۔

امتِ اسلامیہ کی رہنمائی اور تعلیم کے لیے قرآنِ کریم نے مختلف مناسبات سے بچہ کی پیدائش پر مبارک باد و خوش خبری دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا اس مبارک باد و خوش خبری دینے کا آپس کے معاشرتی روابط و تعلقات پر گہرا اثر پڑتا ہے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کے آپس کے رشتے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۚ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝)) (ہود ۶۹ تا ۷۱)

اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے سلام ۔ وہ بولے سلام ہے ۔ پھر دیر نہ کی کر لے آئے ایک تلا ہوا بچھڑا ، پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں آتے تو کھٹکے اور دل میں ان سے ڈرے ۔ وہ بولے ڈرو مت ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں قوم لوط کی طرف ۔ اور ان کی بیوی کھڑی تھی وہ ہنس پڑیں ، پھر ہم نے ان کو اسحاق کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی ۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد ربانی ہے :

((فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى)) (آل عمران ۳۹)

پھر ان کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے ۔

ایک اور آیت میں ہے :

((يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝)) ۔ (مریم ۔ ۷)

اے زکریا ہم تم کو خوشخبری سناتے ہیں ایک لڑکے کی ۔ جس کا نام یحییٰ ہے نہیں کیا ہم نے اس سے پہلے اس نام کا کوئی ۔

سیرت کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جو واقعات مذکور ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ کی خوشخبری حضرت ثویبہ نے آپ کے چچا ابولہب کو (جو ان کے آقا تھے) دی اور ان سے کہا : گذشتہ رات حضرت عبداللہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے ۔ ابولہب نے اپنی باندی سے یہ خوشخبری سنی تو اس خوشی میں فوراً اس کو آزاد کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس نیکی کو ضائع نہیں فرمایا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کو اس کا صلہ یہ دیا کہ ان کو مرنے کے بعد انگوٹھے اور اس کی برابر کی انگلی کے درمیان کی جگہ سے سیراب کیا ، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے ۔

سہیلی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے فرمایا : جب ابولہب کا انتقال ہوگیا تو میں نے ایک سال بعد ان کو بہت بری حالت میں دیکھا اور انہوں نے کہا : تم سے جدا ہونے کے بعد مجھے راحت نہ ملی البتہ ہر پیر کے روز مجھ سے عذاب کچھ کم کر دیا جاتا ہے ۔ یہ وہی دن تھا جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے اور آپکی پیدائش کی خوشخبری ثویبہ نے اپنے آقا ابولہب کو دی تھی اور آپ کی پیدائش سے ابولہب خوش ہوئے تھے ۔

بچہ کی پیدائش پر مبارک باد کس طرح پیش کی جائے : اس سلسلہ میں علامہ ابن القیم الجوزیۃ اپنی کتاب "تحفۃ المودود"

میں ابوبکر بن المنذر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم سے حسن بصری کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک صاحب انکے پاس آئے انکے پاس ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جن کے یہاں بچہ پیدا ہوا تھا تو ان کو دیکھ کر ان صاحب نے کہا: شہسوار آپ کو مبارک ہو۔ حضرت حسن نے یہ سن کر فرمایا: تمہیں کیا پتہ کہ وہ شہسوار ہے یا گدھا۔ ان صاحب نے پوچھا: پھر کیا کہیں؟

انہوں نے جواب دیا: یہ کہو: اللہ نے جو بچہ تمہیں دیا ہے اس میں تمہارے لئے برکت دی جائے، اور اللہ کے شکر کی توفیق نصیب ہو۔ اور وہ نیک پارسا بنے، اور صحت ولمبی عمر پائے۔

تہنئت اور مبارک باد ہر بچہ پر دینا چاہیے اس میں لڑکا یا لڑکی میں کوئی تفریق نہ کرنا چاہیے ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے معاشرہ میں اس سنت کو قائم کریں تاکہ آپس کے تعلقات مستحکم ہوں، اور مرور ایام کے ساتھ اس میں مزید اضافہ ہوتا جائے، اور مسلمانوں کے گھروں اور خاندانوں پر انس ومحبت اور الفت واخوت سایہ فگن رہے مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ اس راستہ کو اختیار کریں جو ان کو باہمی الفت ووحدت کی جانب لے جانے والا ہو۔ تاکہ صحیح معنوں میں اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہ سکیں، اور ان کی وحدت اس مضبوط قلعہ کی طرح ہو جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط بناتا ہے[1]۔

۲۔ بچہ کی پیدائش پر اذان واقامت کہنا

نومولود کے سلسلہ میں جو احکامات اسلام نے صادر کیے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔ یہ کام پیدائش کے فوراً بعد کرنا چاہیے اس لئے کہ ابوداؤد وترمذی کی روایت میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب فاطمہ کے یہاں حسن بن علی پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں اذان دی۔

بیہقی اور ابن السنی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس شخص نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان اقامت کہی تو اس بچہ کو ام الصبیان[2] کی بیماری نہ ہوگی۔

---

[1] بعض خاندانوں میں رواج ہے کہ وہ بچہ پیدا ہونے پر مختلف قسم کے ہدایا اور ہار پھول پیش کرتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک: آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت پیدا ہوگی کے ضمن میں یہ بھی آجاتا ہے۔ اور یہ مسلمانوں میں الفت ومحبت کو بڑھاتا ہے۔ لیکن اس کو رسم نہیں بنانا چاہیئے اور نہ لازم سمجھنا چاہیئے۔ نہ ان طریقوں کو اختیار کرنا چاہیئے جو غیر مسلموں کے ہیں۔ اور ساتھ ہی اسراف وتبذیر سے بھی بچنا چاہیئے۔ [2] یہ ایک قسم کی مہلک بیماری ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد جناتی اثرات ہیں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت حسن بن علی پیدا ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔

اذان اور اقامت کہنے کا راز ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب "تحفۃ المودود" میں لکھتے ہیں کہ اذان اور اقامت کہنے کا راز یہ ہے کہ انسان کے کان میں سب سے پہلی آواز ایسے کلماتِ عالیہ کی پڑے جو اللہ کی عظمت وکبریائی پر مشتمل ہوں۔ اور وہ کلمۂ شہادت اس کے کان میں پڑ جائے جو اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔ تو یہ گویا ایک قسم کی تلقین ہے کہ جب وہ دنیا میں آرہا ہے تو اس کو اسلام کے شعار کی اطلاع ہو جائے جیسے کہ جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کو کلمہ توحید کی تلقین کیجاتی ہے اور اس اذان کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے اور وہ چاہے محسوس نہ کرے لیکن اس کا اثر اس پر ضرور ہوتا ہے۔

اذان واقامت کے اس فائدے کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اذان کے کلمات سن کر شیطان بھاگ جاتا ہے شیطان پیدائش سے پہلے ہی اس گھات میں تھا لیکن جب اس کے کان میں ایسے کلمات پڑے جو اس کو کمزور کرنے کا باعث ہیں۔ تو پہلی ملاقات کے موقعہ پر ہی اس نے ایسے کلمات سن لئے جن کو سن کر وہ آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔

اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس بچہ کو شروع ہی سے اللہ اور اسلام کی طرف اور اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دے دی جائے اور شیطان کی دعوت سے پہلے رحمان کی دعوت دی جائے۔ اس لئے کہ یہی اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور یہ وہ فطرتِ الٰہی اور نظامِ خلقت ہے جس کو شیطان بدلنا چاہتا ہے۔ اور مولود کو اس سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت حکمتیں ہیں جو اس اذان واقامت میں مشتمل ہیں۔ اور ابن القیم رحمہ اللہ نے ان حکمتوں کو خوب تفصیل سے بیان کیا ہے جو اس بات کی نہایت واضح ثبوت ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچّہ کے پیدا ہوتے ہی اور دنیا کی خوشبو سونگھتے ہی اس کے عقیدۂ توحید وایمان کی حفاظت اور شیطان وخواہشاتِ نفس سے اسکو بچانے کا کتنا اہتمام کیا ہے تاکہ وہ دنیا میں اللہ کا صحیح بندہ بن کر دنیا کی فانی زندگی گزار سکے۔

۳۔ بچّہ کی پیدائش پر تحنیک کرنا

نومولود کے سلسلہ میں شریعتِ اسلامیہ نے جو احکامات دیے ہیں ان میں سے تحنیک بھی ہے، تحنیک کسے کہتے ہیں؟ اور اس میں حکمت وفائدہ کیا ہے؟

تحنیک کے معنیٰ ہیں کھجور کو چبا کر بچہ کے تالو پر لگا دینا یعنی جو کھجور چبائی گئی ہے اس کا کچھ حصہ انگلی پر لے کر نومولود کے منہ میں داخل کر دینا اور آہستہ سے انگلی اس کے منہ میں دائیں بائیں پھیرنا تاکہ وہ چبی ہوئی کھجور پورے منہ میں پہنچ جائے اور اگر بالفرض کھجور موجود نہ ہو تو پھر کسی بھی میٹھی چیز سے تحنیک کر دینا چاہیے چاہے مصری ہو یا شیرہ وغیرہ تاکہ سنت پر عمل

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی پیروی ہو جائے۔

اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے منہ کے پٹھوں اور رگوں کو مضبوط کرنا مقصود ہو تاکہ بچہ تالو جبڑے اور زبان سب کو حرکت دے اور ماں کے سینہ سے دودھ پینے اور پستان چوسنے کی استعداد و صلاحیت پیدا ہو جائے اور فطری طریقے کے مطابق دودھ پینا شروع کر دے۔ بہتر یہ ہے کہ تحنیک کسی متقی عالم، نیک صالح بزرگ سے کرائی جائے تاکہ بچہ کو برکت حاصل ہو اور اس کے لئے نیک فال ہو۔

تحنیک کے مستحب ہونے کو فقہاء کرام نے جن احادیث سے ثابت کیا ہے وہ یہ ہیں:

صحیح بخاری و مسلم میں ابو بردۃ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا تو میں اس کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ـــــ حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا۔ اور ایک کھجور سے اس کی تحنیک کی اور اس کے لئے برکت کی دعا کر کے اسے میرے حوالہ کر دیا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ابو طلحہ کا بیٹا بیمار تھا۔ ابو طلحہ سفر میں گئے پیچھے بچہ کا انتقال ہو گیا۔ جب ابو طلحہ سفر سے واپس آئے تو بیوی سے پوچھا: بچہ کیسا ہے؟ ام سلیم نے جواب دیا، پہلے سے زیادہ پر سکون ہے۔ یہ کہہ کر شوہر کو کھانا کھلایا، اور رات کو شوہر جب ان سے ہمبستری کر چکے تو ام سلیم (بیوی) نے ان سے کہا کہ: بچہ کا انتقال ہو چکا ہے اس کے دفن کا بندوبست کیجیے صبح کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے واقعہ ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے رات ہمبستری کی تھی۔ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے دُعا کی۔ اے اللہ ان دونوں میاں بیوی کے لیے برکت دے دیجیے، چنانچہ اس حمل سے جب بچہ پیدا ہوا تو ابو طلحہ نے مجھ سے کہا: اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ، ساتھ میں چند کھجوریں بھی بھیج دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود کو گود میں لے کر پوچھا: کیا اس کے ساتھ کچھ اور بھی لائے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں چند کھجوریں ہیں۔ آپ نے کھجور لے کر چبائی اور اپنے منہ سے نکال کر بچہ کے منہ میں دیدی اور اس کی تحنیک کی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔

خلال کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن علی نے بیان کیا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل کی ام ولد (باندی) سے سنا وہ فرماتی تھیں کہ جب مجھے دردِ زہ شروع ہوا تو میرے آقا سوئے ہوئے تھے میں نے انہیں اٹھایا اور کہا اے میرے آقا مجھے سخت تکلیف ہے۔ مری جا رہی ہوں۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف دور فرمائے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ میرے یہاں بچہ پیدا ہوا (جس کا نام سعید رکھا گیا) امام احمد نے فرمایا: وہ کھجوریں لے آؤ (ان کے پاس مکہ مکرمہ کی کھجوریں تھیں ان کے بارے میں فرمایا) اور پھر علی کی والدہ سے کہا: یہ کھجور چبا کر اس کی تحنیک کر دو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

۴۔ نومولود کا سر مونڈنا

نومولود کے سلسلہ میں اسلام نے جو احکامات دیے ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ ساتویں دن اس کے سر کے بال مونڈنے اور ان بالوں کے برابر چاندی کو فقراء و مستحقین پر صدقہ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ اس میں دو حکمتیں ہیں:

✿ صحت سے متعلق حکمت صحت وطب کے لحاظ سے یہ فائدہ ہے کہ بچہ کا سر مونڈنے سے اسے قوت حاصل ہوتی ہے اور سر کے مسامات کھل جاتے ہیں اور ساتھ ہی اس سے نگاہ اور سماعت اور سونگھنے کی قوت کو فائدہ پہنچتا ہے [۱]۔

✿ معاشرتی وقومی مصلحت وحکمت اور وہ اس طرح کہ اس کے بال کے برابر چاندی صدقہ کرنے سے معاشرہ میں باہمی امداد کا جذبہ پیدا ہوگا اور اس سے حاجت مند کی ضرورت پوری ہوگی اور آپس میں تعاون امداد اور رحم کھانے کی فضاء پیدا ہوگی۔

جن احادیث سے فقہاء کرام نے سر مونڈنے اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنے کے مستحب ہونے کو ثابت کیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

امام مالک اپنی کتاب "مؤطا" میں جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن وحضرت حسین وحضرت زینب وحضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم کے سروں کے بال وزن کرا کرا تنی مقدار میں چاندی صدقہ کی۔

ابن اسحاق عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن علی بن الحسین نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کی طرف سے عقیقہ میں بکرا ذبح کیا اور فرمایا: اے فاطمہ، ان کا سر منڈوا دو اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ کر دینا، انہوں نے بالوں کا وزن کیا جو ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھا۔

یحییٰ بن بکیر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا سر مونڈنے کا حکم دیا چنانچہ ان کا سر مونڈ دیا گیا اور بالوں کے وزن کے برابر آپ نے چاندی صدقہ کر دی۔

اس ضمن میں ایک مسئلہ بھی ہے اور وہ یہ بچہ کے سر کے کچھ حصہ کے بال مونڈے اور کچھ چھوڑ دیے جائیں جسے قزع کہا جاتا ہے اس سلسلہ میں صریح ممانعت آتی ہے، امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قزع کی ممانعت فرمائی ہے۔

---

[۱] ابن قیم نے اپنی کتاب تحفۃ المودود میں اس کو بیان کیا ہے۔

جس قزع کی ممانعت آتی ہیں اس کی چار قسمیں ہیں :

۱:- بچہ کے سر کے بال مختلف جگہ سے مونڈ دیے جائیں کچھ کہیں سے اور کچھ کہیں سے ۔

۲:- سر کے بیچ کے بال مونڈ دیے جائیں اور چاروں طرف کے چھوڑ دیے جائیں ۔

۳:- چاروں طرف کے بال مونڈ دیے جائیں اور درمیان کے چھوڑ دیے جائیں ۔

۴:- آگے کے مونڈے جائیں اور پیچھے کے چھوڑ دیے جائیں ۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے فرمان کے بموجب یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو عدل و انصاف بہت زیادہ محبوب ہے اسی لیے انسان کو اپنے جسم و نفس کے بارے میں بھی عدل کا حکم دیا گیا اور اس بات سے منع کیا کہ سر کا کچھ حصہ مونڈے اور کچھ چھوڑ دے اس لیے کہ یہ سر پر ظلم ہے کہ اس کے بعض حصہ کو بالکل ننگا کر دیا جائے اور بعض کو چھپا رہنے دیا جائے ۔ اس کی نظیر ایک اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے کہ انسان کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ حصہ سایہ میں اس لیے کہ یہ بدن کے بعض حصہ پر ظلم کے مرادف ہے ، اسی طرح وہ حکم بھی ہے جس میں انسان کو ایک پاؤں میں چپل پہن کر چلنے سے منع کیا گیا ہے ، بلکہ حکم دیا گیا کہ یا تو دونوں کو اتار دو یا دونوں پاؤں میں پہن لو ۔

یہاں ایک اور حکمت بھی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان جب معاشرہ میں آئے تو اس کا منظر، شکل وصورت ، وضع وقطع مناسب اور درست ہو۔ سر کے بعض حصہ کا مونڈنا اور بعض کا چھوڑ دینا مسلمان کے وقار اور خوبصورتی کے منافی ہے ، اور ساتھ ہی اس اسلامی شخصیت کے بھی منافی ہے جسکے ذریعہ ایک مسلمان دوسری ملتوں اور عقائد سے ممتاز اور دیگر مختلف قسم کے ناشائستہ ، بےہودہ اور بدکردار لوگوں سے الگ تھلگ ہوتا ہے ۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے والدین اور تربیت کرنے والے ان احکامات سے مکمل طور پر ناآشنا ہیں ، بلکہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ جب ان سے ان احکامات وغیرہ کے بارے میں ہم گفتگو کرتے ہیں اور ان منکرات پر نکیر کرتے ہیں تو ان پر حیرت و تعجب کی ایک عجیب سی کیفیت ظاہر ہوتی ہے اس لیے کہ یہ باتیں انہیں معلوم ہی نہیں ہوتیں ۔ نہ ان پر عمل کرنے والے اور ان احکامات کو تطبیق دینے والے ان کے سامنے ہوتے ہیں ۔ سوائے ان مٹھی بھر گنے چنے لوگوں کے جنہیں اللہ توفیق دے ۔

میں اس قسم کے لوگوں کے کان میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی نظر میں ناواقفیت کوئی عذر نہیں ہے ، اور دینی امور اور بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں جن احکامات اور امور کا جاننا ضروری ہے اس میں کوتاہی اور تقصیر کرنا قیامت میں اس باز پرس سے نہیں بچا سکتا جو انسان سے روز محشر میں اس کے فرائض و ذمہ داریوں کے سلسلہ میں ہوگی ۔

ابھی جو احکام ہم نے ذکر کیے ہیں ۔ یہ اگرچہ مندوبات اور مستحبات کے قبیل سے ہیں لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم ان کو کامل مکمل طور پر اپنی اولاد، رشتہ داروں اور متعلقین پر نافذ کریں ۔ اور خود بھی عمل کریں اور دوسروں سے بھی عمل کرائیں ۔ اس لیے کہ اگر ہم آج

مستحب چیزیں میں تساہل سے کام لیں گے تو یقیناً یہ واجب چیزیں میں بھی تساہل کا ذریعہ بنے گا۔ اور پھر فرض میں بھی سستی اور تساہل ہوگا، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کے معاملہ میں بھی تساہل برتنے لگیں گے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صرف نام کے مسلمان صریح کفر کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اور کھلی گمراہی کے دام میں گرفتار ہو کر دین واسلام سے مکمل طور پر خارج ہو جاتے ہیں

اس لئے تربیت کرنے والے حضرات کو چاہیے کہ ان احکام پر عمل کریں اور اپنی اولاد پر یہ مستحبات ایک ایک کر کے نافذ کریں، تاکہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو۔ اور اسلام پر قول وفعل دونوں لحاظ سے عمل ہو۔ اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دشمنوں پر فتح نصیب کرے۔ اور ان کو وہ عزت وکرامت دوبارہ پھر سے نصیب ہو جو ختم ہو چکی ہے اور ان سے بر دستی غصب کر لی گئی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

دُوسری بحث

بچہ کا نام رکھنا اور اس سے متعلق احکامات

معاشرہ میں رائج عادات میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو والدین اس کے تعارف کے لیے ایک نام منتخب کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز و متعارف ہو جاتا ہے، اسلام چوں کہ ایک کامل و مکمل شریعت ہے اس لیے اس نے اس عادت کا خیال رکھا اور اس کا اہتمام کیا ہے اور اس سلسلہ میں کچھ احکام مقرر کیے ہیں جن سے نام کی اہمیت اور اسلام کی اس سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے تاکہ امتِ مسلمہ کو مولود سے متعلق احکامات معلوم ہوں اور بچہ کی قدر و منزلت بڑھانے اور اس کی تربیت سے متعلق تمام باتوں کا صحیح علم ہو۔

بچے کا نام رکھنے کے سلسلہ میں اسلام نے جو اہم احکام دیے ہیں ان میں اہم اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ بچہ کا نام کب رکھا جائے؟ اصحابِ سنن حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((کل غلام رهين بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويسمّى فيه ويحلق راسه)).	ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ مرہون ہے جو اس کی طرف سے اس کے پیدا ہونے کے ساتویں دن ذبح کیا جائیگا اور اس کا نام رکھا جائے گا۔ اور اس کا سر مونڈا جائے گا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نام ساتویں دن رکھنا چاہیے۔ لیکن اس کے علاوہ اور بہت سی صحیح احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نام پیدا ہوتے ہی رکھ دینا چاہیے جن میں سے درج ذیل حدیثیں بھی ہیں:

امام بخاری و مسلم حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب منذر بن اُبی اُسید پیدا ہوئے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی ران پر رکھ لیا۔ ابو اُسید وہیں بیٹھے ہوئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سامنے کسی اور چیز میں مشغول ہو گئے اور بچہ کی طرف سے توجہ ہٹ گئی ابو اُسید نے کسی سے کہہ کر اپنے بیٹے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر سے اٹھوالیا، آپ جب متوجہ ہوئے تو پوچھا بچہ کہاں ہے؟ ابو اُسید نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم نے اسے اٹھالیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اس کا نام کیا ہے؟ ابو اُسید نے اس کا نام بتلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ اس کا نام منذر رکھو۔

صحیح مسلم میں سلیمان بن مغیرہ حضرت ثابت سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ولد لی اللیلۃ غلام فسمیتہ باسم أبی إبراھیم)). گذشتہ رات میرے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے میں نے اس کا نام اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نام کے معاملہ میں وسعت ہے ــــ خواہ اس کا نام پیدا ہوتے ہی رکھ دیا جائے اور خواہ تین دن بعد یا ساتویں دن جس دن اسکا عقیقہ ہو۔ بہر حال اس سے پہلے بھی رکھ سکتے ہیں اور اس کے بعد بھی۔

۲۔ کون سے نام رکھنا مستحب ہے اور کون سے نام رکھنا مکروہ ہے؟

نام رکھتے وقت والد یا گھر کے بڑے فرد یا مربی کو چاہیے کہ بچہ کے لیے ایسا نام منتخب کرے جو پُر معنیٰ، اچھا اور پیارا سا ہو۔ تاکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے حکم پر عمل اور اس کی پیروی ہو جائے۔ چنانچہ ابو داؤد سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إنکم تدعون یوم القیامۃ بأسمائکم وبأسماء آبائکم فأحسنوا أسمائکم)). تم لوگوں کو قیامت میں تمہارے اور تمہارے والدین کے نام سے پکارا جائے گا اس لئے اچھے نام رکھا کرو۔

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن أحبّ أسمائکم إلی اللہ عزّ وجلّ عبداللہ وعبدالرحمٰن)). اللہ تعالیٰ کو تمہارے ناموں میں سے جو نام زیادہ محبوب و پسندیدہ ہیں وہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

والدین وغیرہ کو چاہیے کہ بچہ کا ایسا خراب نام نہ رکھیں جس سے اس کی شخصیت متأثر ہو اور وہ مذاق اور استہزاء کا سبب بنے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی:

((کان یغیر الاسم القبیح)). آپ صلی اللہ علیہ وسلم خراب نام بدل دیا کرتے تھے۔ (امام ترمذی نے اس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے)

امام ترمذی و ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ[1] تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔

---

[1] اگر اس کو عصیان سے لیا جائے تو اس کے معنی ہیں: نافرمانی کرنے والی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نام اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض نام تبدیل کئے ہیں جن میں سے عاصی، عزیز، عتلة[1]، شیطان، الحکم، غراب اور حباب[2] ہیں، اسی طرح آپ ﷺ نے حرب (جنگ) کو تبدیل کر کے سلم (صلح) رکھا، اور المضطجع (لیٹنے والا) کو تبدیل کر کے المنبعث رکھ دیا، اور بنوالزنیة کا نام بنوالرشدہ رکھا۔ اسی طرح بنو مغویة کا نام بنو رشدہ رکھا، ابو داؤد کہتے ہیں کہ ان احادیث کی سندیں نے اختصاراً حذف کر دی ہے۔

اسی طرح والدین وغیرہ کو چاہیے کہ بچہ کا ایسا نام نہ رکھیں جن میں بدفالی ہوسکتی ہو یا بدفالی پر دلالت کرتے ہوں تاکہ بچہ اس نام کی بدفالی اور نحوست سے بچ جائے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں۔ وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا: حزن[3]، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا نام سہل (آسان) ہے۔ انہوں نے کہا: میں اپنے والد کا رکھا ہوا نام کیسے تبدیل کر دوں، حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم میں سختی اور ترشروئی پائی جاتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ اپنی کتاب "الموطأ" میں یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے، اس نے جواب دیا: جمرة۔ پوچھا: کس کے بیٹے ہو؟ اس نے کہا: شہاب کا بیٹا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کس سے تعلق ہے؟ اس نے کہا: حرقة سے۔ انہوں نے پوچھا: کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا: حرة النار میں۔ انہوں نے پوچھا کس جگہ؟ اس نے کہا: ذات لظی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: جلدی گھر پہنچو اس لیے کہ تمہارے اہل وعیال آگ میں جل کر ہلاک ہوگئے ہیں۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا[4]۔

والدین وغیرہ کو چاہیے کہ بچے کا نام ان کلمات کے ساتھ نہ رکھیں جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی نام ہیں لہٰذا اُحد، صمد، خالق رزاق وغیرہ نام نہیں رکھنا چاہیے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں البتہ عبدالاحد یا عبدالصمد وغیرہ جائز ہے۔

امام ابوداؤد اپنی "سنن" میں فرماتے ہیں کہ جب ہانئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رکھا گیا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ عصیان سے نہ ہو بلکہ عیص سے ہو جس کے معنی گھنے درخت کے ہیں۔ اور اگنے اور پیداوار کی جگہ کو بھی کہا جاتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ عاص کا مؤنث ہو عاصی کی تانیث نہ ہو لیکن چونکہ عاصیہ کے لفظ سے ذہن بظاہر نافرمانی کرنے والی کی طرف جاتا ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ مرقاۃ

[1] عتلة کے معنی سختی اور غلظت کے ہیں۔ [2] حباب سانپ کی ایک قسم کا نام ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حباب شیطان کا نام ہے۔

[3] جس کے معنی سختی اور غلظت و ترشروئی کے آتے ہیں۔ حزن اصل میں سخت زمین کو کہتے ہیں جس کی ضد سہل ہے۔

[4] جمرة کے معنی انگارہ اور شہاب کے معنی آگ کا شعلہ یا وہ ستارہ جو ٹوٹ کر گرتا ہے، اور حرقة کے معنی جلنا، اور حرة سنگریزے والی جگہ کو کہتے ہیں اور نار کے معنی آگ کے ہیں۔ اور ذات لظی شعلہ اور لپٹ والی کے معنی میں ہے۔

مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو ان کی قوم والے انہیں ابوالحکم کہا کرتے تھے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور ان سے فرمایا: کہ حَکَم تو اللہ تعالیٰ ہے اور وہی فیصلہ کرنے والا ہے تم یہ بتلاؤ کہ تمہیں ابوالحکم کیوں کہا جاتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ میری قوم کے افراد میں اگر کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو وہ میرے پاس آجاتے ہیں اور میں ان میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور دونوں فریق اس سے راضی اور خوش ہو جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا یہ تو ٹھیک ہے (لوگوں میں اختلاف دور کرنا چاہیے) اچھا یہ بتلاؤ کہ تمہارا کوئی لڑکا ہے؟ انہوں نے کہا میرے تین بچے ہیں: شریح، مسلم اور عبداللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان میں سے بڑا کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: شریح، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری کنیت ابوشریح ہے (تم اسی کنیت سے پکارے جاؤ گے)۔

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أغيظ رجل على الله يوم القيامة وأخبثه: رجل يسمى ملك الأملاك، لا ملك إلا الله)).

قیامت کے روز اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ خبیث اور قابلِ غصہ وہ شخص ہوگا جسے شہنشاہ کہا جاتا ہوگا۔ اس لئے کہ شہنشاہ (بادشاہوں کا بادشاہ) اللہ ہی ہے اور حکومت اللہ ہی کے لیے ہے۔

❊

والدین وغیرہ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ بچہ کا ایسا نام نہ رکھیں جس میں نیک فالی اور تفاؤل اور یمن ہو تاکہ اگر ان کو پکارا جائے اور وہ موجود نہ ہوں تو یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ نہیں ہے مثلاً افلح نافع رباح اور یسار وغیرہ چنانچہ امام مسلم وابوداؤد و ترمذی رحمہم اللہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((أحب الكلام إلى الله أربع: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر، لا تسمين غلامك يسارًا ولا رباحًا ولا نجيحاً ولا أفلح فإنك تقول: أثم هو؟[1] فلا يكون فيقول: لا،[2] إنما هن أربع فلا تزيدن علي)).

اللہ تعالیٰ کو چار کلمات نہایت محبوب و پسندیدہ ہیں: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، تم اپنے بیٹے کا نام یسار اور رباح اور نجیح اور افلح نہ رکھنا۔ اس لئے کہ تم پوچھو گے: کیا وہ یہاں ہے؟ اور وہ وہاں نہ ہوگا تو جواب دینے والا کہے گا کہ یہاں نہیں ہے۔ یہ چار نام ہیں اس لئے ان چار پر اضافہ کر کے میری طرف نہ منسوب کرنا۔

---

[1] یعنی مثلاً یہ پوچھا جائے گا کہ کیا یہاں یسار (بمعنی آسانی) ہے؟

[2] جواب میں جب یہ کہا جائے گا کہ نہیں تو گویا معنی یہ ہوئے کہ یہاں یسر و آسانی نہیں پائی جاتی جو بری بات ہے۔

ابن ماجہ رحمہ اللہ اس حدیث کو مختصراً درج ذیل الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

((نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نسمي رقيقنا أربعة أسماء: أفلح ونافع ورباح ويسار)). رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں غلاموں کے چار نام رکھنے سے منع فرمایا اور وہ افلح۔ نافع۔ رباح اور یسار ہیں۔

اسی طرح والدین وغیرہ کے ذمہ یہ بھی فرض ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی معبودان باطلہ کے نام پر بچوں کے نام نہ رکھیں۔ مثلاً عبدالعزیٰ، عبدالکعبۃ، عبدالنبی وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ اس طرح کے نام رکھنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ حنین میں یہ جو مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ تو حافظ ابن القیم کے فرمان کے بموجب یہ اپنی طرف سے ابتداءً نام رکھنا نہ تھا بلکہ وہ نام بتلانا تھا جس نام سے اس کا مسمی معروف و مشہور تھا اور اس کو اسی نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اور خصوصاً دشمن کے سامنے جہاں دشمن کو چیلنج دینا مقصود تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوۂ حنین کے موقعہ پر ہوا۔ لہٰذا ایسے موقع پر اس شخص کو اسی نام سے یاد کرنا جس سے وہ معروف ہو حرام نہیں ہے۔ جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے قبیلوں کے نام مثلاً بنو عبد مناف، بنو عبد شمس، بنو عبدالدار وغیرہ ذکر کیا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کوئی نکیر نہ فرماتے تھے، لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ اس طرح کے نام رکھنا درست نہیں ہے اگر کسی کا نام اس طرح کا ہو اور اس کے بارے میں کوئی خبر یا اطلاع اس نام سے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

والدین وغیرہ کو چاہیے کہ بچے کا ایسا نام نہ رکھیں جس میں عشق و محبت کا پہلو ہو یا گندے اور فحش معنی نکلتے ہوں۔ جیسے ھیام (عشق کا جنون) اور ہیفاء (پتلی کمر والی) اور نہاد (وہ عورت جس کی چھاتیاں ابھرنے لگی ہوں) اور سوسن (ایک خوشبودار گھاس ہے) اور میادہ (جھوم اور لہرا کر ناز نخرے سے چلنے والی) اور ناریمان ______ اور غادۃ (نرم و نازک لچکدار عورت) اور احلام (خواب) یا اس طرح کے اور دیگر نام، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلمان قوم ایک ممتاز شخصیت کی مالک ہو اور وہ اپنی خصوصیات اور ذات سے معروف ہو، اس طرح کے مہمل گندے اور عشقیہ نام رکھنے سے شخصیت اور روح ختم اور پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور جب امتِ اسلامیہ انحطاط اور ذلت کے اس مقام تک پہنچ جاتی ہے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے اور پھر ہر ڈاکو اور غاصب کے لیے اس کی سرزمین پر قبضہ کرنا اور معزز و قابلِ احترام شخصیات کو ذلیل و رسوا کرنا آسان ہو جاتا ہے، جیسا کہ آج ہمارے اور آپ کے سامنے ہو رہا ہے۔ اللہ ہی رحم فرمائے۔ درحقیقت قوت و طاقت کا منبع اور مالک اللہ جل شانہ ہی ہے۔

یہ بات جب ہم اپنے سامنے رکھتے ہیں اور پھر یہ دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امتِ مسلمہ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے نام اور عبداللہ و عبدالرحمٰن وغیرہ مبارک اور حقیقت پر مشتمل پُر معنی نام رکھنے کی ترغیب دے گئے ہیں تو کچھ

بھی تعجب نہیں ہوتا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ امتِ محمدیہ دوسری امتوں سے زندگی کے ہر شعبہ میں ممتاز و منفرد ہو جائے تاکہ وہ ہمیشہ خیر امت کے لقب کی مستحق رہے۔ اور انسانیت بشریت کی رہنمائی اور نورِ حق و اسلام کی طرف دعوت دینے کے اپنے فریضے کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ اور اس پر خیر و خوبی سے عمل پیرا رہے۔ چنانچہ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تسموا بأسماء الأنبياء، وأحب الأسماء إلى الله: عبد الله وعبدالرحمن، وأصدقها: حارث وهمام وأقبحها: حرب ومرّة)).

انبیاء کرام علیہم السلام کے نام رکھا کرو، اور اللہ تعالیٰ کو ناموں میں سب سے محبوب و پسندیدہ نام عبداللہ و عبدالرحمٰن ہے۔ اور سب سے سچا حارث اور ہمام ہے اور سب سے ناپسند و قبیح حرب و مرۃ ہے (حرب کے معنی جنگ کے ہیں اور مرہ کے معنی سختی اور کڑواہٹ کے)۔

۳۔ بچہ کی کنیت ابو فلاں کر کے رکھنا سنّت ہے

بچہ کی تربیت کے سلسلہ میں اسلام نے جو ابتدائی بنیادی تربیتی احکامات دیے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ مولود کی کنیت ابو فلاں کر کے رکھی جائے۔ اس طرح سے کنیت رکھنے سے نہایت عمدہ نفسیاتی اور عظیم الشان تربیتی فائدے حاصل ہوتے ہیں جو یہ ہیں:

★ بچہ کی نفسیات اور دل میں اکرام و احترام کا شعور بڑھانا چنانچہ شاعر کہتا ہے:

أكنّيه حين أناديه لأكرمه ولا ألقبه والسوءة اللقب

میں اسکو جب پکارتا ہوں تو اسکے اکرام کیلیے اسکی کنیت سے پکارتا ہوں لقب سے نہیں اس لئے کہ لقب برائی پر دلالت کرتا ہے

★ معاشرتی طور پر اس کی شخصیت کا ابھارنا، اس لیے کہ وہ محسوس کرے گا کہ وہ بڑوں کے مرتبہ اور قابلِ احترام عمر کو پہنچ گیا ہے۔

★ پیاری اور دلچسپ کنیت سے پکارنے سے اس سے دل لگی بھی ہوتی ہے اور اس کو خوش کرنا بھی مقصود ہوتا ہے

★ تاکہ اس کو اپنے سے بڑوں کو مخاطب کرنے اور اپنے سے چھوٹوں کو پکارنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

ان اہم فوائد اور عظیم مقاصد کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کی کنیت رکھ دیا کرتے تھے اور اس سے ان کو پکارا کرتے تھے۔ تاکہ تربیت کرنے والوں کی رہنمائی ہو جائے اور انہیں سبق حاصل ہو جائے، اور وہ بھی بچوں کے نام رکھنے اور پکارنے کے سلسلہ میں آپ کے پسندیدہ طریقہ کو اختیار کریں، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ میرا ایک بھائی تھا جس کو ابوعمیر کہا جاتا تھا۔ وہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے تھے: اے ابوعمیر نغیر کو کیا ہو گیا (نغیر ایک پرندہ تھا جس سے ابوعمیر کھیلا کرتے تھے) راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ ابوعمیر اس وقت چھوٹے سے بچے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام عبداللہ کنیت رکھنے کی اجازت دی تھی، عبداللہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے حضرت انس کی ابھی اولاد بھی نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی ان کی کنیت ابوحمزہ تھی، اسی طرح حضرت ابوہریرہ کی کنیت بھی اولاد ہونے سے قبل ہی تھی۔

کنیت رکھنے میں یہ بھی جائز ہے کہ انسان اپنی اولاد کے علاوہ کسی اور نام سے کنیت رکھ لے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی لڑکا بکر نامی نہ تھا لیکن ان کی کنیت ابوبکر تھی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حفص نامی کوئی لڑکا نہ تھا لیکن ان کی کنیت ابوحفص تھی اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذر نامی کوئی لڑکا نہ تھا لیکن انکی کنیت ابوذر تھی، اسی طرح حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا سلیمان نامی کوئی لڑکا نہ تھا لیکن ان کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ اور اسطرح کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ بچے کی کنیت رکھنا مستحب ہے یہی حکم بڑوں کی کنیت رکھنے کے سلسلہ میں بھی ہے۔ اور کنیت رکھنے کے لیے نہ اس شخص کے لڑکے کا ہونا ضروری ہے اور نہ اس نام کا لڑکا ہونا ضروری ہے۔

نام اور کنیت رکھنے کے سلسلہ میں چند امور متفرع ہوتے ہیں جو ذیل میں پیش خدمت ہیں:

الف ۔ اگر ماں باپ کے درمیان بچے کا نام کے سلسلہ میں اختلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں نام رکھنا باپ کا حق ہے۔ اس لیے کہ اس بحث کی ابتداء میں اور اس کے بعد جو احادیث گزری ہیں وہ سب اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نام رکھنا باپ کا حق ہے، اور قرآن کریم نے تو اس بات کو صراحۃً بیان کیا ہے کہ بچہ باپ کی طرف منسوب ہو گا نہ کہ ماں کی طرف، چنانچہ اس کو فلاں بن فلاں کہا جائے گا۔ ارشاد باری ہے:

((اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ)). (الاحزاب ـ ۵)

لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو اللہ کے یہاں یہی پورا انصاف ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: گذشتہ رات میرے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام اپنے جدِ امجد کے نام پر

ابراہیم رکھا ہے۔

ب۔ بچہ کا مذموم اور ناپسندیدہ لقب رکھنا نہ باپ کے لیے جائز ہے نہ کسی اور کے لیے لہٰذا ذیل کے القاب درست نہیں ہیں مثلاً: قصیر (ٹھگنا) اعور (بھینگا) اخرس (گونگا) خنفسار (کالے رنگ کے بدبودار کیڑے کا نام ہے) وغیرہ یا اس جیسے اور القاب اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے ارشاد ہے:

((وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ)). (الحجرات۔ ۱۱) اور ایک دوسرے کو چڑانے کے لیے نام مت رکھو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے نفسیاتی اور معاشرتی انحراف میں یہ لغو اور قبیح القاب بڑا دخل رکھتے ہیں۔ ہم اس بحث پر مزید روشنی ان شاء اللہ تعالیٰ مسؤلیات وذمہ داریوں کے باب کی "نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری ومسؤلیت" کی بحث میں ڈالیں گے۔

ج۔ کیا ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے؟ علماءِ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ بچوں کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر رکھنا درست ہے۔ اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص کے یہاں بچہ پیدا ہوا اس نے اس کا نام محمد رکھ دیا۔ تو اس کی قوم والوں نے اس سے کہا کہ ہم تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں رکھنے دیں گے۔ چنانچہ وہ صاحب بچہ کو پیٹھ پر اٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرے یہاں بچہ پیدا ہوا تھا اور میں نے اس کا نام محمد رکھا تھا تو میری قوم کے لوگوں نے کہا کہ ہم تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں رکھنے دیں گے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی، فإنما أنا قاسم أقسم بینکم)). میرا نام رکھ لیا کرو اور میری کنیت نہ رکھا کرو اس لیے کہ میں قاسم (تقسیم کرنے والا) ہوں۔ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت رکھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ائمہ کرام کے اس سلسلہ میں مختلف مذاہب اور متعدد اقوال ہیں۔ ذیل میں آپ کے سامنے وہ اقوال اور پھر ان میں سے راجح قول ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ آپ کی کنیت رکھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ دلیل وہی حدیث ہے جو ابھی ذکر ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جسے امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی)). میرا نام رکھ لیا کرو۔ میری کنیت نہ رکھا کرو۔

یہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے ہے۔

۲۔ آپ کی کنیت رکھنا مطلقاً مباح ہے۔ یہ حضرات امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی "سنن" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے فرماتی ہیں: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرے یہاں بچہ پیدا ہوا تھا میں نے اس کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

((ما الذی أحل اسمی وحرم کنیتی؟)) — کون ہے وہ جس نے میرے نام رکھنے کو جائز اور کنیت رکھنے کو حرام قرار دیا ہو؟

ابن ابی شیبۃ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن الحسن نے ابوعوانۃ کے ذریعہ انہوں نے مغیرہ کے واسطہ ابراہیم کے ذریعہ بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: محمد بن اشعث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور ان کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ اور ابن ابی خیثمہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے چار صاحبزادوں سے ملا ہوں جن کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی۔ اور وہ یہ ہیں: محمد بن طلحۃ بن عبیداللہ، محمد بن ابی بکر، محمد بن علی بن ابی طالب اور محمد بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم ہو تو انہوں نے جواب دیا: اس سلسلہ میں ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو جماعت آپ کے نام اور کنیت کے رکھنے کے جائز ہونے کی قائل ہے اس نے ان احادیث کو منسوخ قرار دیا ہے۔ جن میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

۳۔ کنیت اور نام دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص بیک وقت اپنے بیٹے کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھ لے۔ ہاں صرف محمد نام رکھنا یا صرف ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے۔ یہ حضرات اپنی تائید میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من تسمی باسمی فلا یتکنی بکنیتی، ومن تکنی بکنیتی فلا یتسمی باسمی))۔ — جس شخص نے میرا نام رکھا ہو وہ میری کنیت نہ رکھے اور جس نے میری کنیت رکھی ہو وہ میرا نام نہ رکھے۔

اور یہ روایت بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ ابن ابی شیبۃ نے عبدالرحمٰن سے انہوں نے ابوعمرۃ سے انہوں نے اپنے چچا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا تجمعوا بین اسمی وکنیتی))۔ — میرے نام اور کنیت دونوں کو جمع نہ کرو۔

اور ابن ابی خیثمہ روایت کرتے ہیں کہ جب محمد بن طلحۃ پیدا ہوئے تو حضرت طلحۃ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے بچے کا نام محمد رکھا ہے کیا اس کی کنیت ابو القاسم رکھ دوں ۔ تو آپ نے اس سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ دونوں کو جمع مت کرو اس کی کنیت ابو سلیمان ہے ۔

۴۔ آپ کی کنیت رکھنے کی ممانعت آپ کی حیات میں تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی کنیت رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ اور یہ حضرات استدلال میں اس روایت کو پیش کرتے ہیں جو ابوداؤد نے اپنی "سنن" میں منذر سے انہوں نے ابن الحنفیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے پوچھا : اگر آپ کے بعد میرے یہاں کوئی بچہ ہو تو میں آپؐ کا والا نام اس کا نام اور کنیت آپؐ کی والی رکھ سکتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : جی ہاں ۔

حمید بن زنجویہ "کتاب الادب" میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اویس سے پوچھا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے تھی جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے نام اور کنیت دونوں کو ایک ساتھ رکھ لے ، تو انہوں نے ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک شیخ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ دیکھو یہ محمد بن مالک بیٹھے ہیں ان کے والد نے ان کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی ہے ۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ کنیت اور نام دونوں کو بیک وقت ایک ساتھ رکھنے کی ممانعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اس وجہ سے تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو آپ کے نام اور کنیت سے پکارا جائے اور اس کے بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہو جائیں ، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چونکہ یہ خدشہ ختم ہو گیا اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔

یہ چوتھا قول زیادہ راجح اور معقول معلوم ہوتا ہے ایک تو امام مالک رحمہ اللہ کی اس معقول رائے کی وجہ سے اور دوسرے ان احادیث کی وجہ سے جو اس پر صاف دلالت کر رہی ہیں ۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کنیت دونوں ایک ساتھ رکھنا جائز ہے اس لیے کہ وہ احادیث جن سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ساتھ مخصوص ہیں ، تاکہ اس شخص کو پکارتے وقت یہ التباس نہ ہو جائے کہ اس سے وہ شخص مراد ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چونکہ التباس کا اندیشہ ختم ہو گیا اس لیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نام اور کنیت دونوں کا جمع کرنا جائز ہے اور اس کی تقویت اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ہم زہری کی معرفت نقل کر چکے ہیں ، کہ ان کی ملاقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے چار ایسے صاحبزادوں سے ہوئی ہے جن میں سے ہر ایک کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی ۔ واللہ اعلم ۔

اس فصل کے ذیل میں مذکورہ ابحاث پڑھ لینے کے بعد ماں باپ اور تربیت کرنے والے حضرات کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کا نام رکھنے کے سلسلہ میں صحیح اور سیدھا راستہ اختیار کریں ، اور ان کے نام ایسے نہ رکھیں جن سے انکی توہین ہوتی ہو اور عزت وکرامت پر بٹہ لگتا ہو اور ان کی شخصیت اور ذات مجروح ہوتی ہو ۔ اور ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے

کہ وہ شروع سے ہی بچوں کی ایسی پیاری سی کنیت جو دل کو بھائے ۔ اور کانوں کو سننے میں بھلی معلوم ہو۔ رکھنے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کریں تاکہ بچے اپنی شخصیت کو محسوس کریں ، اور ان کے دلوں میں اپنی ذات کی محبت اور کرامت کا احساس پیدا ہو۔ اور وہ شروع سے ہی اپنے اردگرد رہنے اور اٹھنے بیٹھنے والوں اور ساتھیوں کے ساتھ گفتگو اور خطاب میں ادب واحترام کے عادی بنیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اپنے اور اپنی قوم کے لیے سابقہ برباد شدہ عزت وکرامت اور مشخص و ممتاز شخصیت اور چھنا ہوا وطن دوبارہ حاصل کرنا چاہیں تو ہم سب اس بات کے محتاج ہیں کہ اس طرح کی فاضل وعمدہ تربیت کی بنیادی باتوں پر عمل پیرا ہوں اور اسلام کے اس عظیم الشان منہج اور طریقے کو اپنائیں ۔ اگر اخلاص سے ہم نے ان احکامات کو اپنے اوپر لاگو کرلیا اور قانون ، نظام اور تربیت وطرزِ حیات کے طور پر اسلامی شریعت کو اپنے اوپر لازم کرلیا ، اور دین کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ تعالیٰ پہلے کی طرح ہمیں پھر معزز ومکرم بنادے گا اور اللہ کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں ہے ۔

تیسری بحث

بچے کا عقیقہ اور اس کے احکام

① عقیقہ کسے کہتے ہیں لُغت میں عقیقہ کے معنی کاٹنے کے آتے ہیں، اسی سے والدین کی نافرمانی اور اور قطع تعلق کو عقوقِ والدین کہاجاتا ہے اور شاعر کہتا ہے:

بلاد بها عقّ الشباب تمائمی — وأول أرض مسّ جلدی ترابها

وہ شہر ایسا ہے کہ جہاں جوانی نے میرے (بچپن کے) تعویذوں کو کاٹ پھینکا — اور وہ پہلی سرزمین ہے جس کی مٹی میرے جسم پر لگی

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ جب وہ نوجوان ہوگیا تو اس کے گلے سے وہ تعویذ کاٹ کر نکال دیئے گئے جو بچپن میں پہنائے جاتے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں عقیقہ کے معنی ہیں: بچے کے پیدا ہونے کے ساتویں دن بچے کی طرف سے بکرے کا ذبح کرنا۔

② عقیقہ کے مشروع اور جائز ہونے کی دلیل عقیقہ کے مشروع وجائز اور مستحب وسنت ہونے کو ثابت کرنے والی بہت سی مشہور احادیث ہیں جن میں سے بعض پر ہم ذیل میں اکتفاء کرتے ہیں:

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی "صحیح" میں سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مع الغلام عقیقة فأهریقوا عنه دماً، وأمیطوا عنه الأذی))۔

بچہ کے پیدا ہونے پر عقیقہ کرنا چاہیئے لہٰذا اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس بچہ سے گندگی وغیرہ کو دور کردو۔

اصحابِ سنن حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((کل غلام رهینة بعقیقته تذبح عنه یوم سابعه، ویسمی فیه، ویحلق رأسه))۔

ہر بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون ہے (یعنی عقیقہ ضرور کرنا چاہیئے) جو اس کی طرف سے اس کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جائے اور اسی دن اس کا نام رکھا جائے گا اور سر مونڈا جائے گا۔

امام احمد و ترمذی رحمہما اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((عن الغلام شاتان مکافئتان، وعن الجاریة شاة)). — بچہ کی طرف سے دو برابر کے سے بکرے ذبح کیے جائیں گے اور بچی کی طرف سے ایک بکرا۔

اور امام احمد و ترمذی رحمہما اللہ ہی حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عن الغلام شاتان وعن الأنثى واحدة، ولا يضركم ذكرانًا كنّ أو إناثًا)). — لڑکے کی طرف سے عقیقے میں دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کیا جائے گا اور عقیقہ کا جانور بکرا ہو یا بکری دونوں درست ہیں۔

امام ترمذی ونسائی وابن ماجہ رحمہم اللہ حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت سمرة رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((کل غلام مرتهن بعقیقته تذبح عنه یوم سابعه ویحلق رأسه ویسمی)). — ہر بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون ہوتا ہے جو اس کی پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جائے گا اور اس کا سر مونڈا جائے گا اور نام رکھا جائے گا۔

(۳) عقیقہ کے مشروع ہونے کے بارے میں فقہاء کرام کی رائے

عقیقہ کی مشروعیت کے بارے میں ائمۂ مجتہدین اور فقہاء کرام کے تین مذہب ہیں:

(۱) **عقیقہ سنت و مستحب ہے:** یہ امام مالک، اہلِ مدینہ، امام شافعی، ان کے اصحاب، امام احمد و اسحاق وابو ثور اور فقہاء ومجتہدین واہلِ علم کی ایک بڑی جماعت کا مذہب ہے اور ان حضرات کا مستدل یہی احادیث ہیں جو ابھی ذکر کی گئیں، یہ حضرات ان حضرات کا جو واجب ہونے کے قائل ہیں چند طریقوں سے جواب دیتے ہیں:

الف۔ اگر عقیقہ واجب ہوتا تو دین کے احکام میں اس کا واجب ہونا کھلا ہوا ظاہر ہوتا۔ اس لئے کہ یہ عام چیز تھی اور تقریباً سب کو ہی پیش آتی تھی۔ اس لیے ایسی چیز اگر بالفرض واجب ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے سامنے اس کے وجوب کو کھلے ہوئے واضح الفاظ میں بیان فرما دیتے۔ تاکہ کسی کو کلام یا تاویل کی گنجائش نہ رہتی۔

ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں عقیقہ کا تذکرہ فرمایا ہے اس کو عقیقہ کرنے والے کے ارادہ پر معلق کر دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

«من ولد له ولد فأحبَّ أن ينسك عنه فليفعل». | جس کے یہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ ایسا کرلے۔

ج۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل عقیقہ کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس سے عقیقہ کا مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۲) **عقیقہ لازم و واجب ہے**: یہ امام حسن بصری اور لیث بن سعد وغیرہ کا مذہب ہے اور ان حضرات کی دلیل وہ ہے جو حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے اسحاق بن راہویہ نے روایت کیا ہے کہ لوگوں کو قیامت میں عقیقہ کے بارے میں اسی طرح پیش کیا جائے گا جس طرح پانچوں نمازوں کے لیے پیشی ہوگی۔ اسی طرح یہ حضرات اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جو حضرت حسن رحمہ اللہ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«كل غلام مرتهن بعقيقته». | ہر بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون ہے۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ اپنے والد کے لیے اس وقت تک سفارش نہ کرے گا جب تک کہ اس کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے، اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عقیقہ واجب ہے۔

(۳) **عقیقہ مشروع وجائز ہی نہیں**: اور اس کے قائل فقہاءِ حنفیہ ہیں[۱] اور اس سلسلہ میں ان کی دلیل بیہقی کی وہ روایت ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لا أحبُّ العقوق». | میں عقوق کو پسند نہیں کرتا۔

ان حضرات نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف سے دو بکرے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«لا تعقّي ولكن احلقي رأسه فتصدقي بوزنه من الورق» أي من الفضة ثم ولد حسين فصنعت مثل ذلك. | تم اس کی طرف سے عقیقہ نہ کرو بلکہ اس کا سر مونڈ کر بالوں کے برابر وزن کی چاندی صدقہ کرو۔ پھر حسین پیدا ہوئے تو ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔

لیکن اس کے علاوہ جو احادیث پہلے گزری ہیں ان سے عقیقہ کا مسنون ومستحب ہونا معلوم ہوتا ہے، اور یہی

---

[۱] مؤلف کا فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ کی طرف عقیقہ کے مشروع نہ ہونے کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حنفیہ اس کے سنتِ مؤکدہ اور واجب ہونے کی نفی کرتے ہیں استحباب کے وہ بھی قائل ہیں جیسا کہ شامی (۶-۳۳۶) وعمدۃ القاری (۹-۱۱۰) واختلاف الفقہاء (۵-۸۹) وغیرہ کتب میں صراحۃً مذکور ہے۔ مختار

جمہور فقہاء، مجتہدین اور اہلِ علم کا مذہب ہے اور ان حضرات نے ان احادیث کا جن سے فقہاء حنفیہ نے عقیقہ کے غیر مشروع ہونے کو ثابت کیا ہے ان کا جواب یہ دیا ہے کہ جن احادیث سے فقہاء حنفیہ نے استدلال کیا ہے وہ وزنی نہیں ہیں اور ان کو عقیقہ کی مشروعیت سے انکار کرنے کے لیے دلیل نہیں بنایا جا سکتا، اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی وہ حدیث جس میں یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا أحب العقوق)). میں عقوق کو پسند نہیں کرتا۔

اس حدیث کا سیاق اور سببِ ورود یہ بتلاتا ہے کہ عقیقہ سنت مستحب ہے اس لیے کہ الفاظِ حدیث اس طرح ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں عقوق کو پسند نہیں کرتا، تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے نام کو ناپسند فرمایا یعنی آپ نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ اس ذبح کو عقیقہ کہا جائے۔[1] چنانچہ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم تو آپ سے اس بارے میں دریافت کر رہے ہیں کہ اگر ہم میں سے کسی کے یہاں بچہ کی پیدائش ہو تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من احب منکم أن ینسك عن ولده فلیفعل، عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریة شاة)). تم میں سے جو شخص اپنے بچہ کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہے تو کر لے، لڑکے کی طرف سے دو برابر کے بکرے اور لڑکی کی طرف ایک بکرا ہوگا۔

فقہاءِ حنفیہ کا حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرنا جس میں آتا ہے: اس کی طرف سے عقیقہ نہ کرو بلکہ اس کا سر مونڈ دو۔.. اس حدیث سے عقیقہ کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا تھا کہ اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بجائے آپ خود عقیقہ کر دیں، اس لیے آپ نے ان سے کہا کہ تم عقیقہ نہ کرو اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحسین کی طرف سے خود عقیقہ کر کے حضرت فاطمہ کو اس کی ذمہ داری اور خرچ سے بچا لیا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان دونوں کی طرف سے عقیقہ کیا تھا اس بارے میں احادیث کثرت سے آتی ہیں جن میں سے درج ذیل ہم ذکر کر رہے ہیں:

ابوداؤد رحمہ اللہ ایوب رحمہ اللہ سے وہ عکرمہ رحمہ اللہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے

---

[1] فقہاءِ کرام کی ایک جماعت نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عقیقہ کے بجائے نسیکہ کا لفظ استعمال کیا جائے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے لفظ کو پسند نہیں فرمایا۔ ان کے مقابلہ پر فقہاءِ کرام کی ایک دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ لفظ عقیقہ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اور وہ بہت سی احادیث جن میں اس ذبیحہ کو عقیقہ سے تعبیر کیا گیا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کہنا درست ہے دونوں آراء میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ مسلمانوں کو اصل میں نسیکہ کا لفظ ہی استعمال کرنا چاہیے اور اگر کبھی کبھار وضاحت اور حکم کو بیان کرنے اور مراد و مطلوب ظاہر کرنے کے لیے لفظِ عقیقہ استعمال کر لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔ اور ظاہری تعارض رفع ہو جائے گا۔

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا عقیقہ میں ذبح کیا۔

جریر بن حازم رحمہ اللہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو مینڈھے عقیقہ کیے۔

اور یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ حضرت عمرۃ رضی اللہ عنہا سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا۔

لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ جمہور ائمہ وفقہاء کے یہاں بچہ کا عقیقہ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مندوبہ ہے۔ اور باپ اگر صاحبِ استطاعت ہے تو اس کو چاہیے کہ بچہ پیدا ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب کا مستحق ہو۔ اور رشتہ داروں، قرابت داروں، پڑوسیوں اور دوستوں میں الفت ومحبت بڑھے اور معاشرتی رابطہ پروان چڑھے، جس کی صورت یہ عقیقہ ہوگا جس کی خوشی میں یہ حضرات شریک ہوں گے، اور ساتھ ہی باپ معاشرے کے افراد کی معاونت اور غرباء کے ہاتھ بٹانے میں بھی شریک ہوگا اور وہ اس طرح کہ اس عقیقہ کے گوشت میں سے کچھ حصہ حاجت مند فقراء وغرباء ومساکین میں تقسیم کرنے سے انکو بھی فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے گا۔ سبحان اللہ اسلام کتنی عظیم الشان نعمتِ الٰہیہ ہے اور معاشرہ میں الفت ومحبت پیدا کرنے اور غریب ومسکین طبقات میں معاشرتی مساوات قائم کرنے کے سلسلہ میں اس کے بنیادی احکامات کتنے اعلیٰ وارفع ہیں۔

(۴) عقیقہ کا مستحب وقت

حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جس میں آتا ہے کہ بچہ اپنے عقیقہ کا مرہون ہوتا ہے جو اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے گا اور اس بچہ کا نام رکھا جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کا مستحب وقت ساتواں دن ہے اور اس کی مزید تائید وتاکید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے عبداللہ بن وہب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا اور ان کا نام رکھا اور یہ حکم دیا کہ ان کے سر کے بال اتار دیے جائیں، لیکن اس سلسلہ میں دوسرے اور اقوال بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں دن کی قید ضروری نہیں ہے بلکہ ساتویں دن عقیقہ مستحب ہے اور اگر کوئی چوتھے یا آٹھویں یا دسویں یا اس کے بعد عقیقہ کر دے تو عقیقہ ہو جائے گا؛ ذیل میں مشہور اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

- میمونی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا: بچہ کا عقیقہ کس دن کیا جائے گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ساتویں یا چودھویں یا اکیسویں دن کیا جائے گا۔
- صالح بن احمد فرماتے ہیں کہ میرے والد عقیقہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ساتویں دن ذبح کیا جائے گا۔ اگر

ساتویں دن نہ کرسکیں تو پھر چودھویں دن اور اس دن بھی نہ کرسکیں تو پھر اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے گا۔

- امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر ساتویں دن کے ساتھ عقیقہ کو مقید کرنا استحباباً ہے ورنہ اگر چوتھے یا آٹھویں یا دسویں دن یا اس کے بعد بھی کیا جائے تو عقیقہ درست ہو جائے گا۔ ان اقوال کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اگر والدیا لڑکے کے متعلقین ساتویں دن عقیقہ کرسکیں تو زیادہ افضل ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتویں دن کیا تھا اور اگر ساتویں روز نہ کرسکیں تو پھر جس دن چاہیں عقیقہ کردیں۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ عقیقہ کے مسائل میں وسعت ہے ، اور عقیقہ کے جانور کے ذبح کرنے میں آسانی رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آسانی دینا چاہتے ہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے ، دین میں کوئی سختی نہیں کی گئی ہے۔

⑤ کیا لڑکے کا عقیقہ لڑکی کی طرح کیا جائے گا؟

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جمہور اہلِ علم اور فقہاء، مجتہدین کی رائے یہ ہے کہ عقیقہ ایسی سنتِ رسول ہے جو کہ مستحب ہے، اور یہ عقیقہ لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے برابر کی سنتِ مستحبہ ہے۔ چنانچہ وہ حدیث جسے امام احمد و ترمذی رحمہما اللہ حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکرے کیے جائیں گے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا۔ اور وہ حدیث جسے ابن أبی شیبۃ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم لڑکے کی طرف سے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کریں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا۔ اور اس کے علاوہ دوسری وہ احادیث جن کا تذکرہ عقیقہ کی مشروعیت کی دلیلوں کے ذیل ہو چکا ہے۔

لہٰذا مجموعی طور سے ان احادیث سے دو بنیادی باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے عقیقہ مشروع و ثابت ہے۔

(۲) دونوں میں فرق یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا کیا جائے گا۔

احادیث کے ظاہری الفاظ سے لڑکے اور لڑکی کے عقیقہ میں یہی فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت ابن عباس و عائشہ رضی اللہ عنہما اور اہلِ علم و اہلِ حدیث کی ایک جماعت کا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ لڑکے کے عقیقہ میں بھی ایک بکرا ذبح کیا جائے جیسا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ہوتا ہے چنانچہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ لڑکے اور لڑکی کے عقیقہ میں کتنے جانور ذبح کئے جائیں گے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: لڑکے کی طرف سے ایک بکرا ذبح کیا جائے گا اور اور لڑکی کی طرف سے بھی ایک بکرا ذبح کیا جائے گا اور امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مذہب کی دلیل میں درج ذیل احادیث پیش کی ہیں:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنی "سنن" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک مینڈھا عقیقہ میں ذبح کیا، اور جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن وحسین کی طرف سے ایک ایک مینڈھا عقیقہ میں ذبح کیا تھا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اولاد کی طرف سے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی عقیقہ میں ایک ایک بکرا ذبح کیا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جس کے پاس گنجائش ہو اور اللہ نے مال دیا ہو تو وہ لڑکے کی طرف سے دو بکرے کرے اور لڑکی کیطرف سے ایک، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں میں فرق ثابت ہے۔ اور لڑکے کے لیے دو بکرے مذکور ہیں، لیکن جس کے حالات اس کی اجازت نہ دیتے ہوں کہ وہ دو کر سکے تو وہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کی طرف سے ایک بکرا بھی کر سکتا ہے۔ اور اس کو اس صورت میں بھی پورا اجر وثواب ملے گا اور وہ سنت پر عمل کرنے والا کہلائے گا۔ واللہ اعلم۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب: ہو سکتا ہے کوئی یہ اعتراض کرے کہ اسلام نے عقیقہ کے سلسلہ میں لڑکے اور لڑکی میں یہ فرق کیوں کیا ہے؟ اور لڑکے کے لیے عقیقہ میں دو بکرے کیوں مقرر کیے ہیں یہ تو لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینے کے مرادف ہوا؟

اس اعتراض کا جواب مختلف طریقوں سے دیا گیا ہے،

(۱) مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر لبیک کہتا ہے اور جس بات سے اسے روکا جائے وہ اس سے رک جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا))۔

(النساء - ۶۵)

سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو ہی منصف نہ جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی آپ کے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔

اور چونکہ عقیقہ کے سلسلہ میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان فرق اور لڑکے کے لیے دو بکرے کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لیے مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس کو تسلیم کر کے اس پر بلا چون وچرا عمل کرے۔

(۲) لڑکے کی طرف سے دو بکرے کرنے کے حکم میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ یہ بتلانا مقصود ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت عطا فرمائی ہے جس کا سبب وہ جسمانی قوتیں اور ذمہ داریاں اور دیکھ بھال کا بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مرد پر ڈالا ہے۔ اور وہ خصوصیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا فرمائی ہیں مثلاً سنجیدگی و وقار اور توازن اور جذبات پر کنٹرول، اور اللہ جل جلالہ نے اپنے اس فرمان میں بالکل بجا ارشاد فرمایا ہے:

«اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط» (النساء۔۳۴)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس واسطے کہ اللہ نے بڑائی دی بعض کو بعض پر اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے۔

(۳) بچے کے عقیقہ پر لوگوں کو جمع کر کے اُلفت و محبت کا بیج بونا اور اس کی آبیاری کرنا اور ساتھ ہی غریب و مسکین طبقات اور فقیر خاندانوں کے ساتھ تعاون و امداد کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

(۶) عقیقہ کے جانور کی ہڈیوں کا نہ توڑنا

بچہ کے عقیقہ میں جن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ جانور کی ہڈیاں نہیں توڑنا چاہیے چاہے ذبح و گوشت بناتے وقت ہو یا کھاتے وقت، بلکہ ہر ہڈی کو توڑے بغیر اس کے جوڑ سے کاٹنا چاہیے۔ اس لیے کہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ جعفر بن محمد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جو عقیقہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن و حسین کی طرف سے کیا تھا اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دائی کے پاس اس کی ایک ران بھیج دو۔ اور خود کھاؤ اور کھلاؤ لیکن اس کی ہڈی نہ توڑنا، اور ابن جریج حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اعضاء کو الگ الگ کر دیا جائے گا لیکن ہڈی کو توڑا نہیں جائے گا، اور اسی طرح ابن منذر عطاء سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

ہڈیوں کے نہ توڑنے میں دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں؛

۱۔ فقراء اور پڑوسیوں کے سامنے اس عقیقہ اور اس گوشت کے مرتبہ اور حیثیت کو ظاہر کرنا جس کیلئے یہ پسند کیا گیا کہ اس کے بڑے بڑے ٹکڑے پیش کیے جائیں اور ان کی ہڈی کو نہ توڑا جائے نہ اعضاء کو بیچ سے جدا جدا کیا جائے، اور ظاہر بات ہے کہ جن لوگوں کو یہ گوشت ہدیہ کیا جا رہا ہے ایسا کرنا ان لوگوں پر گہرا اثر ڈالے گا اور جود و کرم کا ان پر بڑا اثر چھوڑے گا۔

۲۔ بچّہ کے اعضاء کی سلامتی اور صحت و قوت کی نیک فالی لینے کے لیے، اس لیے کہ عقیقہ گویا بچہ کے فدیہ کے قائم مقام ہے۔ واللہ اعلم۔

(۷) عقیقہ سے متعلق دیگر عمومی احکام

عقیقہ سے متعلق کچھ اور احکام بھی ہیں جن کو ملحوظِ خاطر رکھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے اور وہ اس ترتیب سے ہیں:

الف:۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقیقہ میں وہ جانور جائز نہیں ہے جو قربانی میں جائز نہیں ہے۔ اور جو جانور قربانی میں جائز ہیں[1] وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ بکرا، بھیڑ، دنبہ ایک سال کا ہونا چاہیے یعنی جو ایک سال پورا کر کے دُوسرے سال میں لگ گیا ہو، البتہ اگر چھ مہینے

---

[1] قربانی کے سلسلہ میں مذکورہ احکام امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کے مطابق ہیں۔

کا دنبہ موٹا تازہ ہو اور سال بھر کے برابر معلوم ہوتا ہو۔ اس طرح کہ اگر اسے سال بھر کے دُنبوں کیساتھ ملادیا جائے تو اس میں ا
ان میں فرق معلوم نہ ہو تو ایسے چھ ماہ کے۔ دنبے کی قربانی اور عقیقہ درست ہے۔ لیکن بکرا بکری جب تک ایک سا
کے ہوکر دوسرے سال میں داخل نہ ہو گئے ہوں ان کی قربانی وعقیقہ کسی صورت میں درست نہیں ہے۔

۲۔ قربانی کا جانور عیوب سے مبرا اور سالم ہونا چاہیے۔ لہٰذا اندھے، بھینگے ایسے لاغر جانور جن کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو، ایسے لنگڑے جانور جو قربان گاہ تک خود چل کر نہ جاسکیں کی قربانی درست نہیں۔ ایسے ہی اس جانور کی قربانی بھی درست نہیں جس کا کان یا دُم یا چکّتی کا دو تہائی سے زیادہ حصہ کٹا ہوا ہو، ایسے ہی وہ جانور جس کے اکثر دانت ٹوٹے ہوئے ہوں۔ جس کے پیدائشی کان نہ ہوں یا ایسا دیوانہ ہو جو دیوانگی کی وجہ سے کھاتا پیتا نہ ہو۔ اس کے علاوہ دیگر چھوٹے موٹے عیوب قربانی سے مانع نہیں ہیں مثلاً یہ کہ کان کا پھٹا ہوا ہونا یا سینگ ٹوٹا ہوا ہونا یا ایسا لنگڑا ہونا جس کے ساتھ چل سکتا ہو مثلاً تین پاؤ سے چلتا ہو لیکن چوتھا پاؤں سہارے کے لیے رکھتا ہو۔ یا ایسا دیوانہ ہو کہ کھانے پینے کا ہوش ہو۔ یا یہ کہ کچھ دانت گر گئے ہوں لیکن اکثر باقی ہوں، یا یہ کہ کان یا دم یا چکّتی کا ایک تہائی یا اس سے کم کٹا ہوا ہو اور دو تہائی باقی ہو تو ان تمام صورتوں میں قربانی درست ہے۔

۳۔ گائے بھینس کی قربانی اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں داخل نہ ہو چکی ہو۔ اور اونٹ کی قربانی اس وقت تک درست نہیں جبتک کہ پانچ سال پورے کر کے چھٹے سال میں داخل نہ ہو چکا ہو۔

ب:۔ عقیقہ میں شرکت جائز نہیں[1] ہے۔ مثلاً یہ کہ سات آدمی ایک اونٹ یا گائے میں شریک ہو جائیں اس لیے کہ اگر اس میں شرکت ہو تو بچے کی طرف سے جو خون بہانا مقصد ہے وہ حاصل نہ ہو گا اور اس طرح یہ جانور بچہ کی طرف سے فدیہ نہ بنے گا۔

ج:۔ یہ درست ہے کہ بکرے کے بجائے اونٹ یا گائے کر دی جائے بشرطیکہ گائے یا اونٹ ایک بچے کی طرف سے ہی ہو۔ اس لیے کہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچہ کا عقیقہ اونٹ سے کرتے تھے اور حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کا عقیقہ اونٹ سے کیا اور اس سے اہلِ بصرہ کی دعوت کی۔

بعض اہلِ علم یہ کہتے ہیں کہ عقیقہ صرف بکرے سے ادا ہوگا اس لیے کہ احادیث میں اسی کا ذکر ہے گائے وغیرہ کا

---

[1] حنفیہ کے یہاں اگر ثواب اور قربت کی نیت ہو تو ایک جانور میں شرکت ہو سکتی ہے، جیسے کسی کی نیت قربانی کی ہو اور کسی کی عقیقہ کی، اسی طرح ایک گائے یا اونٹ میں سات بچوں کے عقیقے بھی ہو سکتے ہیں تفصیل کے لیے شامی (۵ ــ ۲۲۹) وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔ مختار

نہیں لیکن جو حضرات اونٹ اور گائے سے عقیقہ کو درست قرار دیتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں. جسے ابن المنذر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مع الغلام عقیقة فأھریقوا عنه دمًا)).
بچہ کی پیدائش پر عقیقہ کرنا چاہیے لہذا اس کی طرف سے خون بہاؤ۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مخصوص جانور کے خون بہانے کا تذکرہ نہیں کیا ہے لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچہ کی طرف سے عقیقہ میں جو جانور بھی ذبح کیا جائے عقیقہ ہو جائے گا چاہے وہ جانور بکرا بکری ہو یا گائے یا اونٹ ۔

د :۔ جو حکم قربانی کے گوشت کا ہے وہی عقیقہ کے گوشت کا بھی ہے۔ لہٰذا اس کو کھانا اس سے صدقہ کرنا، ہدیہ کرنا سب درست ہے البتہ عقیقہ میں یہ بھی مستحب ہے کہ اس کے گوشت کا کچھ حصہ دائی کو بھی دیا جائے تاکہ وہ بھی خوشی میں شریک ہو جائے، اس لیے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ:

((زنی شعر الحسین وتصدقی بوزنه فضة وأعطی القابلة رجل العقیقة)).
حسین کے سر کے بالوں کا وزن کرکے ان کے برابر چاندی صدقہ کر دو اور دائی کو عقیقہ کے جانور کی ران دیدینا۔

جو شخص عقیقہ کی خوشی میں لوگوں کی دعوت کرنا اور اس کا گوشت پکا کر کھلانا چاہے تو یہ بھی درست ہے اور بہت سے فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے اور اس کا گوشت صدقہ کرنا اور دوستوں وعزیزوں کو ہدیۃً بھیجنا اور دائی کو بھی اس کا کچھ حصہ بھیجنا چاہیے یہ چیزیں امتِ مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے اور آپس میں محبت بڑھانے کا سبب بنتی ہیں۔ اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ امتِ مسلمہ میں اتحاد بڑھے اور وہ ہمیشہ ایک ایسی مضبوط عمارت کی طرح رہے جس کا بعض حصہ بعض کو مضبوط کرتا ہے اور سہارا دیتا ہے۔

ھ :۔ مستحب یہ ہے کہ عقیقہ بچہ کے نام سے کیا جائے : اس لیے کہ ابن المنذر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اذبحوا علی اسمه فقولوا بسم اللہ اللھم لك وإلیك ھذہ عقیقة فلان)).
مولود بچے کے نام سے عقیقہ کا جانور ذبح کرو لہٰذا یوں کہو: اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں اے اللہ آپ ہی کے لئے اور آپ ہی کی طرف یہ لوٹ کر جائے گا۔ (اے اللہ) یہ فلاں کی طرف سے عقیقہ ہے۔

اگر ذبح کرنیوالے نے ذبح کے وقت بچہ کا نام نہ لیا صرف عقیقہ کی نیت کی تب بھی عقیقہ درست

ہوگا اور عقیقہ کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

⑧ عقیقہ کے مشروع ہونے کی حکمت

عقیقہ کی بعض حکمتیں اور فائدے یہ ہیں:

★ بچے کے عالم وجود میں آتے ہی بچے کی طرف سے اللہ کے تقرب کو حاصل کرنے کے لیے فدیہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

★ بچہ کو مصائب و آفات سے بچانے کے لیے ایک قسم کا فدیہ ہے جیسے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں اللہ تعالیٰ نے جانور ذبح کے لیے عطا فرمایا تھا۔

★ بچہ کے والدین کے لیے شفاعت کرنے کا ذریعہ ہے۔

★ شریعتِ اسلام کے ایک جزء کو قائم کرکے خوشی اور سرور کے اظہار کا ذریعہ ہے کہ اللہ نے ایک مؤمن فرد کو وجود بخشا جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اپنی امت کی کثرت پر فخر فرمائیں گے۔

★ قوم اور معاشرہ کے افراد میں الفت و محبّت کے روابط کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔ کہ سب لوگ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں عقیقہ کے کھانے پر جمع ہوں گے۔

★ نومولود کی وجہ سے قوم کے افراد کے لئے آمدنی کی نئی مد کا اضافہ جو امّت و قوم میں معاشرتی عدل وانصاف کے بنیادی اصولوں کو مستحکم کرتا ہے اور معاشرہ سے فقر و فاقہ اور مسکنت کے آثار کو مٹانے کا کام دے گا۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سے دوسرے فائدے بھی ہیں۔

اسی مناسبت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قراءِ کرام کے سامنے ——— ان کھانوں کی فہرست پیش کردی جائے جنہیں اسلام نے خوشی کے مختلف موقعوں اور مختلف مناسبات میں جائز قرار دیا ہے:

۱۔ القِری: مہمانوں کی آمد پر خاطر مدارات۔	۲۔ التحفة: ملاقات کے لیے آنیوالے کو کھانا کھلانا۔
۳۔ الخرس: بچّہ کے پیدا ہونے پر کھانا کھلانا۔	۴۔ المأدبة: دعوت کا کھانا۔
۵۔ الولیمة: شادی پر لڑکے کی طرف سے دعوت۔	۶۔ العقیقة: بچہ کے پیدا ہونیکے ساتویں دن عقیقہ کا کھانا کھلانا۔
۷۔ العذیرة: ختنہ کے دن کھانا کھلانا۔	۸۔ الوضیمة: کسی کے یہاں انتقال ہو تو اس پر ان کو کھانا بھیجنا۔
۹۔ النقیعة: سفر سے آنے کی خوشی میں کھانا کھلانا۔	۱۰۔ الوکیرة: عمارت مکمل کرنیکی خوشی میں کھانا کھلانا۔
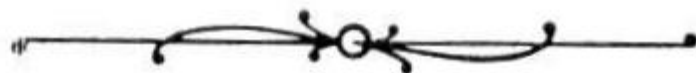
چوتھی بحث

بچّہ کا ختنہ اور اس کے احکام

① ختنہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت میں ختنہ کے معنی اس کھال کے کاٹنے کے ہیں جو آلۂ تناسل کے سر پر ہوتی ہے۔

اور شریعت کی اصطلاح میں اس گول حصّے اور کنارے کو کہتے ہیں جو سپاری کے اوپر ہوتا ہے یعنی وہ حصہ جو آلۂ تناسل سے کاٹے جانے کے مقام پر ہوتا ہے۔ اسی پر شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے کہ امام احمد و ترمذی ونسائی رحمہم اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

((إذا التقى الختانان فقد وجب الغسل)).

جب دونوں ختنے کی جگہیں مل جائیں (یعنی مرد کی سپاری عورت کے فرج میں چلی جائے) تو غسل واجب ہوگیا۔

اور طبرانی کی روایت میں آتا ہے کہ جب ختنے کی جگہیں مل جائیں اور سپاری (عورت کے فرج میں) چھپ جائے تو چاہے انزال ہو یا نہ ہو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

② ختنہ کے مشروع ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث

جو احادیث ختنہ کے مشروع اور جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ بہت ہیں۔ جن میں سے ہم درجِ ذیل پر اکتفا کرتے ہیں:

امام احمد اپنی کتاب "مسند" میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من الفطرة[1]: المضمضة، والاستنشاق وقص الشارب، والسواك، وتقليم الأظافر، ونتف الإبط، والاستحداد[2]، والاختتان)).

فطرت سلیمہ میں سے یہ چیزیں ہیں: کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا، مونچھوں کا کاٹنا، مسواک کرنا، ناخن کاٹنا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیرِ ناف کے بال مونڈنا، اور ختنہ کرنا۔

---

[1] فطرت دو طرح کی ہے ایک وہ فطرتِ ایمانی جس کا تعلق دل سے ہے اور وہ اللہ کی معرفت اور خدا پر ایمان لانے کا نام ہے۔ اور دوسری فطرتِ عملی ہے جو ان مذکورہ بالا باتوں کا نام ہے جن کا تذکرہ اس حدیث میں آیا ہے، فطرتِ ایمانی روح کا تزکیہ کرتی ہے اور دل کو پاک صاف کرتی ہے، اور فطرتِ عملی بدن کو پاک اور ظاہر کو آراستہ کرتی ہے اس لئے ختنہ فطرتِ بدنی کی اساس ہے۔ [2] استحداد کے معنی ہیں ان بالوں کا مونڈنا جو شرمگاہ کے ارد گرد نکل آتے ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الفطرۃ خمس: الختان، والاستحداد، وقص الشارب وتقلیم الأظافر، ونتف الإبط)).

پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف کے بال مونڈنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا، اور بغل کے بالوں کا اکھاڑنا۔

③ ختنہ واجب ہے یا سُنّت؟

ختنہ کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ ختنہ واجب ہے یا سُنّت؟

ختنہ کے سنّت ہونے کے قائل امام حسن بصری امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور بعض حنابلہ ہیں اور ان کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الختان سنة للرجال ومكرمة للنساء)).

ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے خوبی اور لذت کا موجب ہے۔

اسی طرح یہ حضرات اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ختنہ کا ذکر دیگر مسنون چیزوں کے ساتھ کیا ہے مثلاً ناخن کاٹنا، بغل کے بال اکھاڑنا وغیرہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ختنہ واجب نہیں بلکہ سنّت ہے۔

یہ حضرات دلیل میں یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بہت سے حضرات اسلام لائے جن میں کالے گورے، رومی فارسی اور حبشی سب ہی تھے لیکن آپ نے ان میں سے کسی کے بارے میں تحقیق نہ کی، اگر بالفرض ختنہ واجب ہوتا تو آپ ان کے مسلمان ہونے کا اس وقت تک اعتبار نہ کرتے جب تک ان کا ختنہ نہ ہوجاتا۔

جو حضرات ختنہ کے واجب ہونے کے قائل ہیں ان میں شعبی، ربیعۃ، اوزاعی، یحیی بن سعید انصاری، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے تو ختنہ کے بارے میں اتنی تشدید کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اس کی امامت بھی درست نہیں اور نہ اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ یہ حضرات وجوبِ ختنہ پر بہت سی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں سے ہم درج ذیل پر اکتفا کرتے ہیں:

الف - امام احمد وابوداؤد عثیم بن کلیب سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں اسلام لے آیا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ألق عنك شعر الكفر واختتن)).

تم اپنے حالتِ کفر کے سر کے بال مونڈ دو اور ختنہ کرواؤ۔

ب ۔ حرب اپنے مسائل میں زہری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
((من أسلم فليختتن وإن كان كبيرًا)). جو اسلام لائے اس کو چاہیئے کہ ختنہ کرے چاہے وہ بڑا کیوں نہ ہو۔
یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن پھر بھی اس کو شاہد کے طور پر دوسری قوی احادیث کی تقویت کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے۔

ج ۔ وکیع سالم سے اور وہ عمرو بن ہرم سے وہ جابر سے وہ یزید سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ غیر مختون شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ اس کا ذبح کیا ہوا جانور کھایا جائے گا۔

د ۔ بیہقی موسیٰ بن اسمٰعیل سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے ہتھے میں صحیفہ میں یہ لکھا ہوا پایا کہ غیر مختون کو حالت اسلام میں اس وقت تک نہیں چھوڑا جائے گا جب تک کہ ختنہ نہ کرلے۔

ہ ۔ علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ: ختنہ اگرچہ سنتوں کے ذیل میں مذکور ہے لیکن بہت سے علماء اس کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ ختنہ دین کا شعار ہے اور اسی کے ذریعہ مسلم و کافر میں فرق ہوتا ہے اور اگر کوئی مختون شخص غیر مختون مقتول لوگوں کے درمیان پایا جائے تو اس کا جنازہ بھی پڑھا جائے گا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے گا۔

و ۔ جو فقہاء کرام ختنہ کے وجوب کے قائل ہیں وہ اس کی علت یہ بتلاتے ہیں کہ غیر مختون شخص کی طہارت اور نماز فاسد ہونے کا نشانہ بنی رہتی ہے۔ اس لیے کہ عضوِ تناسل کی اوپر کی کھال پورے عضو کو چھپا لیتی ہے اور اس کھال میں پیشاب ہوگا لیکن اس کو صاف نہ کیا جا سکے گا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ طہارت اور نماز کی درستگی ختنہ پر موقوف ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے متقدمین و متأخرین نے غیر مختون شخص کی امامت سے روکا ہے، رہی خود، اس کی اپنی نماز تو وہ اس معذور شخص کے حکم میں ہوگا جس کو پیشاب کے قطرے آنے کا مرض ہو۔

ز ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
((ثُمَّ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ)). (النحل - ۱۲۳) پھر ہم نے آپ کے پاس حکم بھیجا کہ چلیے دینِ ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت کو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، اور ختنہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے ہے۔ اور اسکی دلیل وہ روایت ہے جسے امام بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام) پہلے

وہ شخص تھے جس نے میزبانی کی، اور پہلے وہ شخص تھے جس نے پائجامہ پہنا، اور پہلے وہ شخص تھے جس نے ختنہ کیا۔ اور ان کے بعد ختنہ کا رواج تمام رسولوں اور انکے پیروکاروں میں جاری رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

چنانچہ ترمذی اور امام احمد رحمہما اللہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أربع من سنن المرسلین: الختان[۱] و التعطر والسواك والنکاح)). چار چیزیں رسولوں کی سنت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح۔

یہ وہ احادیث ہیں جن سے ختنہ کے واجب ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، اور جو حضرات ختنہ کے سنّت ہونے کے قائل ہیں یہ حضرات ان کی دلیلوں کا جواب اس طرح دیتے ہیں:

- جس حدیث سے ختنہ کے سنّت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے یعنی وہ حدیث جس میں آتا ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے باعث کرامت و موجب لذت ہے اس کے بارے میں علماء حدیث فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، اور جیسا کہ فقہاء کے یہاں معروف ہے کہ حدیث ضعیف سے شرعی احکام کے استنباط کے لیے استدلال نہیں کیا جا سکتا، اور اگر بالفرض اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختنہ کی سنّت ڈالی اور اس کا حکم دیا۔ لہٰذا وہ واجب ہو گیا اس لیے کہ سنّت کے معنی طریقے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے اس کے لیے میں نے یہ طریقہ نکالا، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے یعنی مشروع ہے۔

- رہا یہ کہنا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ختنہ کو دوسری مسنون چیزوں کیساتھ ذکر کیا ہے جیسے کہ ناخن کاٹنا وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اور مسنون چیزوں کی طرح سنّت ہے تو یہ استدلال درست نہیں ہے اس لیے کہ اس حدیث میں جو چیزیں مذکور ہیں ان میں سے بعض واجب بھی ہیں جیسے کہ غسل میں کلی کرنا، اور ناک میں پانی ڈالنا، اور ان میں سے بعض مستحب ہیں جیسے کہ مسواک کرنا، رہا ناخن کاٹنا تو یہ اگرچہ سنت ہے لیکن یہ بھی بعض اوقات طہارت کی درستگی اور جواز کے لیے واجب ہو جاتا ہے اور وہ اس صورت میں جب کہ ناخن لمبے ہوں اور ان کے اندر میل جم گیا ہو۔ لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ جس حدیث سے یہ حضرات ختنہ کے سنّت ہونے پر استدلال کرتے ہیں اس میں واجب اور مستحب چیزیں بھی مذکور ہیں۔

---

[۱] بعض نسخوں میں بجائے ختان کے، حیاء یا حناء (یعنی مہندی لگانا) کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اور یہ دونوں غلط ہیں تصحیف ہوئی ہے جیسا کہ ابو الحجاج مزّی کہتے ہیں۔ محاملی نے امام ترمذی کے شیخ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں لفظ ختان ہی آتا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب "تحفة المودود" (ص: ۹۳) جس میں اس پر کافی و شافی لکھا گیا ہے۔

● رہا ان حضرات کا حضرت حسن بصری کے اس قول سے استدلال کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بہت سے لوگ اسلام لائے لیکن آپ نے ان میں سے کسی کے بارے میں یہ تفتیش وتحقیق نہ کی کہ ختنہ کیا ہوا ہے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تفتیش کی ضرورت اس لیے محسوس نہ کی کہ ان میں ختنہ کا رواج تھا، اس لیے کہ عربوں کے یہاں ختنہ کیا کرتے تھے اور یہودی بھی ختنہ کرتے تھے، البتہ عیسائیوں میں دو فرقے تھے ایک فرقہ ختنہ کرتا تھا اور ایک فرقہ ختنہ نہ کرتا تھا، اور اسلام قبول کرنے والے تمام افراد چاہے عربوں میں سے ہوں یا یہود و نصاریٰ میں سے، سب یہ جانتے تھے کہ ختنہ اسلامی شعار ہے۔ لہٰذا وہ اسلام لاتے ہی ختنہ کروالیا کرتے تھے جیسے کہ اسلام لاتے ہی غسل کیا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو کتاب تحفۃ المودود ص ۱۰۴)۔

ابن قیم کا یہ فرمان کہ وہ لوگ اسلام لاتے ہی ختنہ کرلیا کرتے تھے جیسے کہ فوراً ہی غسل کرتے تھے۔ اس کی تائید عثیم بن کلیب رحمہ اللہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو پہلے ذکر ہوچکی ہے کہ ان کے دادا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اسلام لاچکا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سر سے حالتِ کفر کے بال دُور کردو اور ختنہ کرلو، اسی طرح حضرت زہری رحمہ اللہ والی وہ حدیث جو پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام قبول کرلے تو اسے چاہیے کہ ختنہ کرے خواہ عمر رسیدہ کیوں نہ ہو۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس بات کی جانب اُمت کی رہنمائی کیا کرتے تھے جس میں امت کے لیے خیر وبھلائی ہو اور جو اس کو دُوسری امتوں سے ممتاز کردے، لیکن آپ بحث و تفتیش وتحقیق کے مامور نہ تھے اور آپ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام قبول کرنے والوں کے ظاہر کو قبول کرلیا کرتے تھے اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا کرتے تھے۔

لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ ختنہ کرنا فطرتِ سلیمہ کی بنیاد اور اسلام کا شعار اور شریعتِ اسلامیہ کا عنوان ہے اور مردوں کے لیے ختنہ کرانا واجب ہے اور جو شخص اسلام لانے کے بعد فوری ختنہ نہ کرائے اور بالغ ہونے سے پہلے اس کام کو نہ کروالے تو وہ گناہگار اور معصیت کا مرتکب ہوگا اور حرام اور گناہ میں گرفتار رہے گا۔ اسلیے کہ ختنہ اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اس کے ذریعہ مومن کافر سے ممتاز ہوتا ہے اور ختنہ کی وجہ سے انسان کی صحت اچھی رہتی ہے اور بہت سے مہلک امراض سے بچ جاتا ہے، ختنہ کی حکمت اور اس کے عظیم الشان فوائد کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

④ کیا عورتوں کے لیے بھی ختنہ ضروری ہے؟

فقہاء کرام اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ عورتوں کے لیے ختنہ واجب نہیں ہے

بلکہ مستحب ہے البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ ختنہ عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے واجب ہے اور ان سے دوسری یہ روایت مروی ہے کہ ختنہ مردوں پر واجب ہے عورتوں پر نہیں، اور یہ دوسری روایت دوسرے ائمہ مجتہدین اور بڑے بڑے ائمہ رحمہم اللہ کے اجماع کے مطابق ہے کہ عورتوں کے لیے ختنہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، اور یہ دوسری روایت امت کے تعامل کے مطابق ہے اور یہ سلسلہ امت میں نسل در نسل متوارث چلا آرہا ہے کہ ختنہ عورتوں کے لیے واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور ان حضرات کی دلیل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کے لیے ختنہ کو جاری فرمایا تو آپ مردوں کو ہی یہ حکم دیا کرتے تھے عورتوں کو نہیں فرماتے تھے، چنانچہ کسی روایت میں یہ نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کو ختنے کا حکم دیا ہو سوائے حضرت شداد رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے جس میں مذکور ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے سنت ہے، عورتوں کے لیے باعث کرامت و لذت، کہ اس حدیث میں عورتوں کے ختنہ کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ اس حدیث کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے وجوب نہیں اس لیے کہ الفاظِ حدیث کہ "عورتوں کے لیے باعث کرامت" ہے قطعی طور پر اس کے صرف مستحب ہونے پر ہی دلالت کرتے ہیں واللہ اعلم۔

ہو سکتا ہے کہ عورتوں کے ختنہ کے مستحب ہونے میں حکمت یہ ہو کہ مردوں کا ختنہ عورتوں کے ختنہ سے مکمل طور پر مختلف ہے، شکل وصورت کے لحاظ سے بھی اور حکم کے اعتبار سے بھی اور فوائد کے لحاظ سے بھی جیسا کہ صاف ظاہر ہے، سبحان اللہ اسلام کی شریعت کیا ہی عظیم الشان ہے اور مرورِ ایام اور اختلافِ زمانہ کے باوجود اس کے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والے اساسی احکامات کتنے بلند و برتر ہیں۔

⑤ ختنہ کب واجب ہوتا ہے؟ بیشتر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ بچہ جب بلوغ کے قریب پہنچ جائے تو ختنہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اس لیے کہ اب وہ اس عمر کو پہنچ رہا ہے جس میں وہ اللہ کے اوامر اور شرعی احکام کا شرعاً مکلف و مامور ہو گا، لہٰذا اس عمر میں ختنہ ہو جانا چاہیے تاکہ جب وہ بالغ ہو تو مختون ہو تاکہ اس کی عبادت اس درست طریقے کے مطابق ادا ہو جو دینِ متین اور شریعتِ اسلام نے اس کے لیے مقرر کیا ہے، لیکن سرپرست کے حق میں بہتر یہ ہے کہ بچہ کا ختنہ پیدائش کے شروع دنوں میں ہی کرا دے تاکہ جب وہ سمجھدار ہو اور سن شعور کو پہنچے تو اپنے آپ کو مختون پائے اور اس کو یہ فکر اور پریشانی نہ ہو کہ اس عمر میں اس کا ختنہ ہو گا، اس لیے کہ بچہ جب ہوشیار ہو گا اور حقائق و معاملات کو سمجھنے لگے گا اور اسے پتہ چلے گا کہ اس کا ختنہ ہو چکا ہے تو اس کا دل مطمئن و پرسکون و پرسرور ہو گا۔ پیدائش کے بعد شروع دنوں میں ختنہ کرا دینے کے بہتر ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جسے بیہقی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین کا عقیقہ اور ختنہ ساتویں دن کردیا تھا۔

⑥ **ختنہ کی حکمت و مصلحت** | ختنے میں نہایت عظیم دینی حکمتیں اور صحت و جسم کے فائدے ہیں جن کو علماء نے بیان کیا ہے اور اطباء نے ان پر روشنی ڈالی ہے۔ ان حکمتوں اور فوائد میں سے اہم اور خاص خاص کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے۔

ختنہ کی عظیم الشان دینی حکمتیں

- فطرت سلیمہ کی اساس، اسلام کا شعار، اور شریعت کا عنوان ہے۔

یہ اس ملتِ حنیفیہ کی تکمیل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی جاری فرمایا، یہ ملتِ حنیفیہ ہی وہ ملت ہے جس نے دلوں کو توحید و ایمان پر ڈھالا، اور یہی وہ ملت ہے جس نے بدن کو فطرت سلیمہ کی خصلتوں سے مزین و آراستہ کیا جن میں ختنہ، مونچھوں کا مونڈنا، ناخن کاٹنا اور بغل کے بالوں کا اکھاڑنا داخل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا)). (النحل-۱۲۳)

پھر ہم نے آپ کے پاس حکم بھیجا کہ چلیے دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا۔

((صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ)). (البقرہ ۱۳۸)

ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا، اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔

- ختنہ مسلمان کو دوسرے مذاہب کے پیروکاروں اور متبعین سے ممتاز کردیتا ہے۔
- اس کے ذریعے اللہ کی عبودیت کا اقرار، اس کے اوامر بجالانا اور اس کے حکم و فیصلہ کے سامنے گردن جھکانا متحقق ہوتا ہے۔

ختنہ کے فائدے از روئے صحت

- یہ نظافت، طہارت اور آراستگی اور ظاہر کے تحسین کا موجب ہے، اور اس سے شہوت و خواہشات میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔
- یہ صحت سے تعلق رکھنے والی ایک ایسی تدبیر ہے جو انسان کو بہت سے امراض و آفات سے بچاتی ہے چنانچہ ڈاکٹر صبری القبانی اپنی کتاب "ہماری جنسی زندگی" میں رقمطراز ہیں:

ختنہ میں کئی فائدے ہیں جنمیں سے ہم ذیل پر اکتفا کرتے ہیں

۱۔ سپاری کے اوپر کی کھال کاٹنے سے انسان ضرر رساں چکنے مادے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور ان ناپسند رطوبات سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے جن سے انسانی طبیعت نفرت کرتی ہے اور گندگی کے جمع ہونے اور اس جگہ کے بدبودار ہونے سے بچ جاتا ہے۔

۲۔ اس کھال کے کاٹنے سے انسان اس خطرے سے بچ جاتا ہے کہ سپاری عضو کے پھیلاؤ کے وقت اندر ہی محبوس اور بند رہے۔

۳۔ ختنہ کی وجہ سے سرطان کے مرض سے کافی حد تک بچاؤ ہو جاتا ہے اور تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ایسے لوگوں کو سرطان زیادہ ہوتا ہے جن کی سپاری کے اوپر والی کھال تنگ ہوتی ہے البتہ کبھی کبھار یہ بیماری ان افراد میں بھی پیدا ہوجاتی ہے جن کے یہاں ختنہ کا رواج ہے۔

۴۔ بچہ کا ختنہ اگر جلدی کردیا جائے تو اس کے ذریعہ بچوں کو بستر پر پیشاب کرنے کی بیماری سے ایک حد تک بچایا جا سکتا ہے۔

۵۔ جوان لوگوں میں جلق (مشت زنی) کی جو عادت پڑ جاتی ہے اس کا ایک حد تک تدارک ختنے سے ہوجاتا ہے، اور اس کے علاوہ ختنہ میں اور دوسرے بہت سے فائدے بھی ہیں۔

یہ ہیں ختنہ کی مشروعیت کے بعض فائدے اور حکمتیں جنہیں ہر عقل وشعور کا مالک محسوس کر سکتا ہے اور ان کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو اسلام کے محاسن اور شریعت کے اسرار کو جاننا چاہے۔

گذشتہ صفحات میں جو احکام ذکر کیے گئے ہیں خواہ وہ بچہ کی پیدائش پر مُبارک باد سے متعلق ہوں یا اس کے کان میں اذان دینے سے، تحنیک سے متعلق ہوں یا عقیقہ اور سر کے بال مونڈنے سے، نام رکھنے کے احکام سے متعلق ہوں یا ختنہ کے واجب ہونے سے یہ تمام احکام تربیت کرنے والوں کے لیے ایک اہم حقیقت ثابت کرتے ہیں اور وہ یہ کہ بچہ کی پیدائش سے ہی اس کی دیکھ بھال رکھی جائے اور جیسے ہی وہ عالمِ وجود میں آئے اور دنیا کی فضا میں سانس لے تو اس کے ہر معاملہ کو اہمیت کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

بہر حال یہ اہم احکام بچہ کی صحت کے ضامن ہیں اور اس کو طاقت ور بناتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ جب بچہ اپنی آنکھیں کھول کر ماحول کو دیکھے اور معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور حقائق تک پہنچنے لگے تو وہ اپنے آپ کو ایسے مسلمان خاندان میں پائے جو اسلام کو اپنے اوپر نافذ کرتے ہوں اور شریعت کے

مطابق عمل پیرا ہوں، اور انہوں نے ان تمام چیزوں کو اختیار کیا ہوا ہو جو دینِ حنیف نے بچے کے سلسلہ میں ان کے ذمہ لگائی ہوں، اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بچہ جب ان پابندیوں اور ان کے مطابق عمل کو دیکھے گا اور یہ محسوس کرے گا کہ اس کی تربیت کرنے والے ماں باپ نے ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کیا ہے تو اس کے دل میں اسلام راسخ ہوگا اور اس میں ایمان بڑھتا جائے گا اور شرافت و اخلاق اس کی طبیعت بن جائیں گے، اور نیکیاں اور اچھے کام اس کی عادت بن جائیں گے۔

اور جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ اسلام نے بچہ کی پیدائش ہی سے اس کا اہتمام شروع کر دیا تھا، اسی طرح اسلام بچے کی دیکھ بھال اور اہتمام کا اس وقت اور زیادہ حکم دیتا ہے جب بچہ عقل مند ہو جائے اور زندگی سے آشنا اور چیزوں کے حقائق سے باخبر ہو جائے۔

محترم قارئینِ کرام! آئندہ فصلوں میں آپ ان اہم عمومی ذمہ داریوں اور فرائض کے بارے میں پڑھینگے جو اسلام نے اولاد کے سلسلہ میں تربیت کرنے والوں اور والدین کے ذمہ لگائی ہیں، جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ دینِ اسلام نے بچوں کی تربیت کا کس قدر اہتمام کیا ہے اور والدین وغیرہ کو اپنی ذمہ داریاں اور مسئولیات کو پورا کرنے کا کتنے اہتمام سے حکم دیا ہے ان شاء اللہ آپ کو کافی وافی مباحث پڑھنے کو ملیں گے جن سے صحیح رہنمائی ہوگی اور صراطِ مستقیم اپنانا آسان ہوگا۔

چوتھی فصل

بچوں میں انحراف پیدا ہونے کے اسباب اور ان کا علاج

تمہید وہ بڑے عوامل واسباب کیا ہیں جو اس مسموم وزہریلے گندے اور بے حیائی اور حیا سوز مناظر سے پُر معاشرے میں بچوں میں انحراف پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں، اور ان کے اخلاق کو خراب کر کے ان کو تباہی کے کنارے پہنچا دیتے ہیں، اور ان کی تربیت کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اور شر و فساد اور زیغ وضلال اور اخلاقی خرابیاں جو ہر طرف سے بچوں کو گھیرے ہوئے اور ہر جانب سے ان کو محیط ہیں اور ہر جگہ ان کے سامنے ہیں ان کے باعث اور اسباب کس قدر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

اس لیے اگر تربیت کے ذمہ دار اپنے فرائض نہ سمجھیں گے اور دیانت سے ان کو پورا نہ کریں گے اور ان کو اگر انحراف کی وجوہ واسباب اور اس کا باعث معلوم نہ ہو اور اس کے علاج کے سلسلہ میں وہ صاحبِ بصیرت نہ ہوں اور صحیح راستہ اختیار نہ کریں اور بچوں کو ان خرابیوں سے نہ بچائیں تو ظاہر بات ہے کہ معاشرے میں بچے نہ صرف ناکارہ وناہنجار افراد بنیں گے بلکہ وہ فساد وجرائم کی بنیاد ہوں گے۔

انشاء اللہ ہم اس فصل میں بچوں میں انحراف پیدا ہونے کے اسباب پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے اور یہ بتلائیں گے کہ اس انحراف کا کامیاب وصحیح علاج کیا ہے، تاکہ جو شخص جاننا چاہے وہ یہ جان لے کہ اسلام نے اپنی پر حکمت تشریع اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والے قابلِ عمل بنیادی احکامات کے ذریعے معاشرہ کو انحراف سے بچانے اور قوم وافراد کو تباہی وبربادی کے منہ سے نکالنے کے لیے کیا کیا بنیادی احکامات اور حکمت سے بھرپور طریقے بتائے ہیں۔ لہٰذا اے تربیت کے ذمہ دارو! بچوں میں انحراف پیدا ہونے کے اہم اسباب اور ان کا اسلام کی روشنی میں بہترین علاج آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ آپ لوگ تربیت اور اپنے فرائض وواجبات کے معاملہ میں سیدھے راستہ پر دلیل وبرہان کے ساتھ چل سکیں۔

الف : غربت و فقر جو بعض گھروں پر سایہ فگن رہتا ہے

یہ ایک ظاہری بات ہے کہ جب بچہ کو اپنے گھر میں ضرورت کے مطابق روٹی کپڑا نہ ملے گا اور اس کو کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو اس کو اتنے پیسے بھی دے دے جن سے وہ ضروریاتِ زندگی کا کچھ حصہ حاصل کر لے، اور جب وہ اپنے ارد گرد نظر دوڑائے تو اسے سوائے فقر و فاقہ، محرومی اور نامرادی کے کچھ اور نظر نہیں آئے تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ وہ گھر چھوڑ کر باہر نکلے گا تاکہ اسباب اختیار کرے اور رزق و روزی حاصل کرنے کی کوشش کرے، تو اس موقعہ پر مجرم اور بدکار ہاتھ اس کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں، اور شر اور انحراف کا ہالہ اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے، اور اس طرح سے وہ معاشرے میں مجرم بن کر ابھرتا ہے، اور انسانی جانوں اور عزت و آبرو اور مال و دولت کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔

اسلام کی عادلانہ شریعت نے فقر و فاقہ کے دور کرنے کے لیے نہایت مضبوط بنیادیں استوار کی ہیں اور ہر انسان کے لیے عزت و آبرو کی زندگی گذارنے کے مواقع فراہم کیے ہیں، اور ایسے قوانین بنائے جن سے ہر ہر فرد کے لیے روٹی کپڑا اور مکان بقدرِ ضرورت حاصل ہو جائے، اور مسلم معاشرہ کے لیے ایسا عملی نظام و منہج مقرر کیا جس سے فقر و فاقہ کی بیخ کنی ہو جائے، چنانچہ اسلام نے ہر شہری کے لیے کام کاج کے مواقع فراہم کیے، اور معذور و عاجز افراد کے لیے بیت المال سے ماہوار وظیفہ مقرر کیا، اور ایسے قوانین بنائے جن کے ذریعے ایسے شخص کی امداد ہو جو خاندان و افراد کا کفیل ہو اور یتیموں اور بیواؤں اور بوڑھوں کی ایسے طریقے سے دیکھ بھال ہو سکے جس سے ان کی عزت و کرامت بھی محفوظ رہے اور زندگی بھی پر سکون و خوشحال گزرتی رہے، اور اس طرح کے دیگر اور طریقے اور وسائل اور احکام وغیرہ جو اگر واقعی وجود میں آ جائیں اور ان کو صحیح طور سے نافذ کر دیا جائے تو معاشرہ سے انحراف اور مجرمانہ ذہنیت اور بدکردار افراد پیدا کرنے والے اہم عوامل کا سدِ باب ہو جائے۔ اور فقر و فاقہ اور محرومی و غربت کی بنیادیں ختم ہو جائیں[1]۔

ب : ماں باپ کے درمیان لڑائی جھگڑا اور اختلاف

بچے میں انحراف پیدا کرنے والے بنیادی عوامل میں سے ماں باپ کا آپس کا باہمی نزاع و اختلاف بھی ہے کہ جب وہ ایک دوسرے سے ملیں تو ان میں باہمی اختلاف اور نزاع کی باتیں

---

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "التکافل الاجتماعی فی الإسلام" جس میں آپ کو اس موضوع پر سیر حاصل بحث ملے گی کہ اسلام نے جہل، فقر و فاقہ اور امراض کی روک تھام کے لیے کیسے اسباب اختیار کیے ہیں۔ اور آپ اس میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ اسلام نے ایک ملک کے ہم وطنوں میں اجتماعی عدل کا کیسا زبردست انتظام کیا ہے۔

ہوں، چنانچہ جب بچہ گھر میں آنکھیں کھولتا ہے اور اپنی آنکھوں کے سامنے لڑائی جھگڑا دیکھتا ہے تو لازمی طور سے وہ گھر کی اس تاریک فضا سے دور ہونا چاہتا ہے، اور آفت زدہ خاندان کے دائرہ سے دور بھاگنا چاہتا ہے تاکہ اپنے من پسند دوستوں کے ساتھ اپنا وقت گزارے، اور فراغت کے اوقات ان کی رفاقت میں بسر کرے، یہ دوست اگر گندے اخلاق والے گھٹیا قسم کے لوگ ہوتے ہیں تو یہ بچہ بھی ان کے ساتھ خراب ہوتا چلا جاتا ہے اور بری عادتیں اور گندے اخلاق اختیار کرلیتا ہے، بلکہ وہ لازمی طور سے منحرف ہو جاتا اور مجرم بن جاتا ہے اور اس طرح ملک وقوم کے لیے خطرہ کی نشانی بن جاتا ہے۔

اسلام نے اپنے پُر حکمت اور ہمیشہ ہمیشہ باقی و برقرار رہنے والے اصول وقواعد کے ذریعے نکاح کے خواہشمند مرد کے لیے بیوی کے انتخاب واختیار کرنے میں صحیح راستہ متعین کیا، اور اسی طرح لڑکی کے اولیاء و سرپرستوں کی شوہر کے اختیار کرنے میں صحیح اور اعلیٰ ترین رہنمائی فرمائی جس کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ میاں بیوی میں الفت ومحبّت اور ایک دوسرے سے مفاہمت اور باہمی تعاون کی فضا پیدا ہو، اور اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ میاں بیوی ان ازدواجی پریشانیوں اور لڑائی جھگڑوں سے بچ جائیں جو عام طور سے میاں بیوی میں پیدا ہوجاتے ہیں۔

آپ نے اس کتاب کی پہلی فصل میں ان اہم بنیادی باتوں کو پڑھ لیا ہوگا جنہیں میاں بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں بنیاد واساس بنانا چاہیے، اور درحقیقت یہ وہ اساسی عظیم بنیادیں ہیں جن کا وجود ایک سعید ونیک بخت خاندان کے تیار کرنے اور محبّت والفت سے بھرپور مثالی خاندان کے وجود کے لیے ضروری ہے۔

ج: طلاق اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالا فقر وفاقہ

وہ بنیادی عوامل جو عام طور سے بچہ کے انحراف اور خراب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں طلاق اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حالات ہیں۔ جس کی وجہ سے دونوں خاندانوں میں اختلاف وافتراق کی بنیاد پڑجاتی ہے۔

وہ متفق علیہ اور مشاہدامور جن میں کوئی بھی دو آدمیوں کا اختلاف نہیں انمیں سے یہ بھی ہے کہ بچہ جب دنیا میں آنکھ کھولتا ہے اور اس پر شفقت کرنے والی ماں اور اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے اور ضروریات پورا کرنے والا باپ نہیں ہوتا تو وہ لازمی طور سے جرائم اور برائیوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اس میں فساد و انحراف نشوونما پاتا رہتا ہے۔ یہ صورت حال اس وقت اور زیادہ خراب ہوجاتی ہے جب مطلقہ عورت دوسرے خاوند سے شادی کرلیتی ہے تو عام طور سے اولاد خراب اور ضائع ہوجاتی ہے۔

طلاق کے بعد اس پریشانی کو ماں کی غربت اور پیچیدہ بنا دیتی ہے اس لیے کہ ایسی صورت حال میں مطلقہ عورت کام کاج کے لیے گھر سے نکلنے پر مجبور ہوتی ہے، لہٰذا وہ گھر کو چھوڑ کر کام کرنے چلی جاتی ہے اور چھوٹے

بچے بے یار و مددگار ادھر اُدھر پھرتے ہیں، حوادثاتِ ایام اور شب و روز کے فتنے ان کو کھلونا بنا لیتے ں، نہ کوئی ان کا دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے نہ نگہداشت کرنے والا، اب آپ ہی بتائیے کہ ایسی اولاد سے آپ کیا توقع رکھتے ہیں جنہیں نہ باپ کی محبت میسر ہو نہ اس کی نگرانی و نگہداشت ـــــ نہ ماں کا پیار ا ہو نہ اس کی توجہ اور ہمدردیاں۔

ہم ان سے ایسی صورت حال میں کیا توقع کرسکتے ہیں جب وہ اپنے پاس پیٹ بھر کر روٹی، بدن ڈھانپنے لو کپڑا اور سر چھپانے اور راحت و آرام کے لیے جھونپڑا بھی نہیں پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت میں م ان سے آوارگی اور خراب ہونے کی ہی توقع کرسکتے ہیں، اور جرائم اور آوارگی سے بچنے کی اسی سے اُمید ر سکتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ایسے لوگ درحقیقت کم ہی ملتے ہیں، اور اسلام نے اپنے بنیادی حکامات میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے فرائض و واجبات کو پورا کرے۔ اور یک دوسرے کے حقوق کو ادا کرے تاکہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جس کا انجام کار بُرا اور قابلِ ملامت ہو۔

ان حقوق میں سے یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، چنانچہ بزار و طبرانی رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مرتبہ چند عورتیں اکٹھا ہوئیں اور انہوں نے اپنی طرف سے ایک عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں بھیجا تاکہ وہ آپ سے عرض کرے کہ اے اللہ کے رسولؐ میں عورتوں کی طرف سے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں (پوچھنا یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے مردوں پر جہاد فرض کیا ہے، اگر وہ فتحیاب ہوجائیں تو ان کو اجر و ثواب ملتا ہے اور اگر وہ شہید ہوجائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں زندہ رہتے ہیں انہیں رزق ملتا رہتا ہے۔ اور ہم عورتیں ان کی ضروریات پوری کرتے ہیں، بتلائیے ہمیں اس اجر و ثواب میں سے کیا ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان الفاظ میں جواب دیا:

«أبلغي من لقيت من النساء أن طاعة الزوج واعترافاً بحقه يعدل ذلك وقليل منكن من يفعله».

جن عورتوں سے تم ملو ان کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو کہ شوہر کی فرمانبرداری اور اس کے حق کا اعتراف کرنا اس (جہاد فی سبیل اللہ کے اجر و ثواب) کے برابر ہے اور تم میں سے بہت کم ایسی عورتیں ہیں جو ایسا کرتی ہوں گی۔

ان حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ عورت اپنے شوہر کے مال اور اپنے نفس و آبرو کی حفاظت کرے، اس لیے کہ ابن ماجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں:

«ألا أخبركم بخير ما يكنز

کیا میں تمہیں بہترین وہ چیز نہ بتاؤں جسے انسان

الرجل المرأة الصالحة إذا نظر إليها سرته وإذا أمرها أطاعته وإذا غاب عنها حفظته بماله ونفسها))۔

جمع کرتا ہے؛ وہ ایسی نیک وصالح عورت ہے کہ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے اور جب اس کو کسی بات کا حکم دے تو وہ عورت اس کی فرماں برداری واطاعت کرے۔ اور جب وہ موجود نہ ہو تو وہ عورت شوہر کے مال اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔

ان حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اگر شوہر بیوی کو ہمبستری کے لیے بلائے تو وہ انکار نہ کرے، اس لیے کہ بخاری ومسلم کی روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((إذا دعا رجل امرأته إلى فراشه فأبت أن تجيئ إليه فبات غضبان عنها، لعنتها الملائكة حتى تصبح))۔

جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ اس کے پاس جانے سے انکار کردے اور شوہر اس سے ناراض ہوکر رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

ان حقوق میں سے شوہر کے ذمے بیوی بچوں کے نان نفقہ کی ذمہ داری کا پورا کرنا بھی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

((وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ))۔ (البقرة ـ ٢٣٣)

اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا دستور کے موافق۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اتقوا الله في النساء فإنكم أخذتموهن بأمانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف))۔

عورتوں کے سلسلہ میں خدا سے ڈرو اس لیے کہ تم نے انہیں اللہ کے امان کے ذریعہ حاصل کیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ کے ذریعہ حلال کیا ہے، تم پر ان کے نان نفقہ اور کپڑے کی دستور کے موافق ذمہ داری ہے۔

انہی حقوق میں سے گھر کے معاملات میں شوہر کا بیوی سے مشورہ کرنا بھی داخل ہے اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

((آمروا النساء في بناتهن))۔ رواه أحمد وأبوداود

عورتوں سے انکی بچیوں کے بارے میں مشورہ کرلیا کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیوں کی شادی سے قبل انکی ماؤں سے پہلے سے اجازت لے لیا اور مشورہ کرلیا کرو۔

انہی حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ شوہر بیوی کی بعض کمزوریوں اور عیوب سے درگزر کرے، اور خصوصاً اگر اس میں کچھ ایسی خوبیاں اور اوصاف پائے جاتے ہوں جو ان کمزوریوں اور عیوب کی تلافی کرتے ہوں اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک روایت کرتے ہیں :

((لا يفرك مؤمن مؤمنة إن كره منها خلقا رضي منها آخر)). — کوئی مؤمن کسی مؤمن عورت سے بغض نہ رکھے اس لیے کہ اگر اس کی کوئی بات ناپسند ہوگی تو اس کے بدلے دوسری پسند ہوگی۔

ان حقوق میں سے مرد کا بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارنا اور اس سے ملاطفت اور دل لگی کرنا بھی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

((وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا)). النساء ۱۹ — اور ان عورتوں کے ساتھ اچھی طرح سے رہو پھر اگر وہ تم کو نہ بھائیں تو شاید ایک چیز تم کو پسند نہ آئے اور اللہ نے اس میں بہت خیر خوبی رکھی ہو۔

اور ابن ماجہ اور حاکم رحمہما اللہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں :

((خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي)). — تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے بہتر ہوں۔

اور امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ کھیل دکھاتے تھے جو مسجد کے میدان کے سامنے ہو رہا ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہتھیلی دروازہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور ہاتھ دراز کر لیا کرتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا چہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے پر رکھ دیا کرتی تھیں، امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

((أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا وألطفهم بأهله)). — مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے۔ جو سب سے بہتر اخلاق والا ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ نرمی اور اچھا برتاؤ کرنے والا ہو۔

امام ابوداؤد و نسائی رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑا کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ آپؐ سے آگے نکل گئیں اور ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے

آگے نکل گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ اس دن کا بدلہ ہوگیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت گیر و قوی الارادہ اور فیصلے کے پکے شخص فرمایا کرتے تھے کہ مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ انس اور نرم مزاج ہونے کے اعتبار سے بچہ کی طرح ہونا چاہیئے ہاں جب لوگوں کے ساتھ ہو تو بھرپور آدمی بن جانا چاہیے۔

ان حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں گھر کے کام کاج میں مرد کو بیوی کا ہاتھ بٹانا چاہیے چنانچہ طبرانی وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے جب یہ پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: جیسے تم لوگ کرتے ہو یہ چیز ادھر سے اٹھا کر ادھر رکھ دی، بے جگہ چیز جگہ پر رکھ دی۔ گھر والوں کا کام کاج کر دیا، ان کے لیے گوشت کاٹ دیا، گھر کو جھاڑ پونچھ دیا۔ خادم کا ہاتھ بٹا لیا۔

یہ وہ اہم حقوق ہیں جنہیں اسلام نے میاں بیوی میں سے ہر ایک پر لازم کیا ہے، اور یہ درحقیقت واقعی اور عادلانہ امور ہیں، اور اگر میاں بیوی میں سے ہر ایک ان کو پورا کرے تو بجائے اختلاف و لڑائی کے اتحاد و یگانگت وجود میں آئے گی، اور بغض و ناپسندیدگی کی جگہ الفت و محبت لے لے گی، اور پورا خاندان خوشحالی اور محبت و سکون سے پُر بہتر سے بہتر زندگی گزارے گا، اور یہ قطعاً ناممکن ہوگا کہ کوئی بھی ایسی بات ہو جس سے خاندان والوں کی زندگی مکدر ہو، یا جس سے میاں بیوی میں سے ایک کو دوسرے سے ناگواری گزرے یا تکلیف پہنچے۔

اور اگر مرد کی بداخلاقی یا عورت کے اخلاق کی خرابی کی وجہ سے آپس میں اتفاق و اتحاد ناممکن ہو۔ اور ان دونوں کا ایک ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو تو شوہر کو چاہیے کہ طلاق دینے سے پہلے اصلاح کی کوشش کرلے اور اس سلسلہ کی تدابیر اختیار کرلے اور یہ کوششیں اور تدابیر اس طرح سے ہیں:

۱۔ وعظ و نصیحت کرنا اور سمجھانا تاکہ اس آیتِ کریمہ پر عمل ہو جائے ((وذکّر فإن الذکری تنفع المؤمنین)) نصیحت کرتے رہیے۔ اس لیے کہ نصیحت کرنا مؤمنوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۲۔ الگ بستر پر سونا۔ یہ ایک نفسیاتی سزا ہے ہوسکتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے عورت صحیح راستہ پر آجائے۔

۳۔ تنبیہ کے لیے معمولی سی مارپیٹ، بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ مارنے سے فائدہ ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ زیادہ نہ مارا جائے اور اس طرح نہ مارا جائے جس سے عورت کے جسم پر نشانات پڑ جائیں، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ ایسی جگہ پر نہ مارا جائے جہاں مارنا نقصان دہ بن سکتا ہو مثلاً چہرہ۔ سینہ اور پیٹ، ان شروط کی رعایت رکھتے ہوئے مارنا بنسبت ایذا و تکلیف پہنچانے کے تنبیہ اور ڈرانے کا سبب بنتا ہے، لیکن یہ بات ملحوظِ خاطر

رہے کہ اصل مقتدائے کامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی عورت کو نہیں مارا، چنانچہ ابن سعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے نہ کبھی کسی عورت کو مارا اور نہ کسی خادم یا اور کسی کو مگر یہ کہ آپ اللہ کے راستہ میں جہاد کر رہے ہوں۔

ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ جب ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی مارپٹائی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر سے فرمایا:

((يظل أحدكم يضرب امرأته ضرب العبد ثم يظل يعانقها ولا يستحي)).

تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا اور پھر اس سے بغل گیر ہوتا ہے اور شرم بھی نہیں آتی۔

۴۔ آخری تدبیر یہ ہے کہ کسی کو حکم بنا لیا جائے: اور وہ اس طرح کہ میاں بیوی کے خاندان والوں کے معتدل مزاج عقل مند سمجھ دار لوگوں کو بیچ میں ڈال لیا جائے جو میاں بیوی کو درپیش مشکلات کا مطالعہ کریں اور پھر ان دونوں میں دوبارہ اتفاق ویگانگت اور اتحاد پیدا کرنے کی عملی تجاویز وحل پیش کریں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ حل اور تجاویز مقصد حاصل کرنے میں مدد دیں اور طلاق سے بچالیں، ان احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک پر عمل ہوجائے ارشاد ربانی ہے:

((وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَھْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَھْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝)).

النساء: ۳۴ و ۳۵

اور جن عورتوں کی بدخوئی کا تم کو ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ اور سونے میں جدا کردو اور مارو پھر اگر تمہارا کہا مانیں تو ان پر الزام کی راہ تلاش مت کرو، بے شک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے۔ اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو بھیجو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرادیں تو اللہ موافقت کردے گا ان دونوں میں بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

ان مراحل سے گزرنے اور ان تدابیر پر عمل کرنے کے بعد بھی اگر اتفاق ناممکن ہو تو مرد کو چاہیے کہ عورت کو پاکی کے ایسے زمانے میں ایک طلاق دے جس میں اس سے ہمبستری نہ کی ہو، تاکہ پہلی طلاق دینے کے بعد بھی ازدواجی زندگی دوبارہ لوٹنے کی گنجائش باقی رہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ

پھر اگر دوسرا خاوند طلاق دے دے تو کچھ گناہ نہیں

يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ؀))۔ البقرہ - ٢٣٠	ان دونوں پر کہ پھر باہم مل جائیں اگر خیال کریں کہ اللہ کا حکم قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ اللہ ان کو بیان فرماتا ہے جاننے والوں کے لیے۔

جو امور ہم نے بیان کیے ہیں ان سے روزِ روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسلام نے ایسی اہم تدابیر واحتیاطی اقدامات کو اختیار کیا ہے جو طلاق واقع ہونے کے درمیان حائل ہوسکیں، اس لیے کہ میاں بیوی اور بچوں پر طلاق کے بہت بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی لیے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلاق کو ایسی حلال چیز بتایا ہے جو اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے تو ہمیں اس میں ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا، چنانچہ ابوداؤد وابن ماجہ رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أبغض الحلال إلى الله الطلاق))۔	اللہ تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

دین اسلام نے طلاق دینے کی صورت میں شوہر پر مطلقہ بیوی کی عدت کے دنوں کا نان نفقہ اور بچوں کا نفقہ لازم کیا ہے، تاکہ مطلقہ اور اس کے بچے دَر دَر کی ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

((وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَي الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَي الْمُحْسِنِيْنَ ؀))۔ البقرہ - ٢٣٦	اور ان کو کچھ خرچ دو، مقدور دطاقت والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اسی کے موافق، جو خرچ کہ قاعدے کے موافق ہے، نیکی کرنے والوں پر لازم ہے۔

اور اگر شوہر فقیر ومسکین ہو اور نان نفقہ دینے پر قادر نہ ہو تو پھر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کے نفقہ وخرچ کا بندوبست کرے، اور بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں جن مادی اسباب، اور پیسوں کی ضرورت ہو وہ اسوقت تک مہیا کرتی رہے جب تک وہ بچے بڑے اور جوان نہ ہو جائیں، اور ان کو خراب ہونے اور بگڑنے سے بچانے کا یہ ایک راستہ ہے، یہ اس امداد ومعاونت کے علاوہ ہے جو اسلام نے ان لوگوں پر لازم کی ہے جو ان کے حالات سے باخبر ہوں، اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ:

((من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان معه فضل زاد فليعد به على من لا زاد له)).	جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں۔ اور جس کے پاس ضرورت سے زائد توشہ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں ہے۔

اور ابن ماجہ وطبرانی رحمہما اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں:

((في المال حق سوى الزكاة)).	مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

اور طبرانی رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إن الله فرض على أغنياء المسلمين في أموالهم بقدر الذي يسع فقراءهم، ولن يجهد الفقراء إذا جاعوا وعروا إلا بما يصنع أغنياؤهم وإن الله يحاسبهم حسابًا شديدًا ويعذبهم عذابًا أليمًا)).	اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کے مال میں اتنی مقدار کا نکالنا فرض کیا ہے جو مسکینوں کی ضرورت پوری کر دے، اور فقراء بھوک اور بے لباسی کی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوتے مگر مال داروں کے کرتوتوں کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ ان مال داروں سے سخت حساب لے گا اور ان کو دردناک عذاب دے گا۔

بزار وطبرانی رحمہما اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمان مبارک روایت کرتے ہیں:

((ما آمن بي من بات شبعان، وجاره جائع إلى جنبه وهو يعلم به)).	مجھ پر وہ شخص ایمان نہیں لایا جو خود تو پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کے ساتھ کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس کو اس کا علم بھی ہو۔

د: بچوں اور قریب البلوغ لڑکوں کا فارغ اور بے کار وقت گزارنا

بچوں کے انحراف اور خراب ہونے کا

جو چیز عام طور سے ذریعہ بنتی ہے اور بنیادی عوامل میں سے ہے وہ ایسی فراغت اور بیکاری ہے جس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ اور بچے اور قریب البلوغ لڑکے اس سے خراب ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ بچہ شروع سے ہی کھیل کود کا شوقین ہوتا ہے، لاپرواہی کی جانب مائل اور آزادی اور تفریح کا شوقین ودلدادہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ ہر وقت متحرک رہتا ہے۔ کبھی اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف، کبھی بھاگ دوڑ اور گھڑ دوڑ میں، اور کبھی ورزش وغیرہ میں، اور کبھی گیند سے کھیلنے میں، اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچوں کے اس غنیمت موقعہ سے

فائدہ اٹھائیں اور بالغ ہونے کے قریب کے زمانہ کا خصوصی خیال رکھیں، تاکہ ان کے فارغ وقت کو ایسے کاموں میں لگا سکیں جو ان کے جسم کے لیے مفید اور اعضاء کو طاقت ور اور بدن کو چست و چابک بنانے والے ہوں۔

لہٰذا اگر ان کے لیے کھلی جگہ میں کھیل کود کے قطعاتِ زمین اور ورزش وصحت اور جسم کو طاقت ور بنانے کے لیے مناسب جگہیں، اور تعلیم و تربیت کے لیے مناسب مواقع، اور تیرنے کے لیے تالاب اور جسم کی تفریح کی جگہیں نہیں بنائی گئیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ گندے ساتھیوں اور بداخلاق اور بدقماش لوگوں کے ساتھ ملیں جلیں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں بھی ان کی سی عادتیں اور خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔

اسلام نے اپنی عظیم الشان رہنمائیوں اور توجیہات سے بچوں اور قریب البلوغ لڑکوں کی اس فراغت کے زمانہ کا ایسے عملی وسائل و اسباب سے علاج کیا ہے جس سے ان کے جسم صحت مند اور بدن طاقت ور اور چست و چابک رہیں اور نشاط برقرار رہے۔ ان وسائل میں سب سے اہم اور عظیم ذریعہ یہ ہے کہ ان کو عبادات اور خصوصًا نماز کا عادی بنایا جائے جو اسلام کا ستون اور بنیادی رکن ہے اس لیے کہ نماز میں بے شمار روحانی فائدے اور جسمانی منافع اور اخلاقی اور نفسیاتی اثرات پائے جاتے ہیں مناسب ہوگا کہ ہم یہاں نماز کے جسمانی فائدے شمار کرا دیں تاکہ جو شخص اس کی مشروعیت کی وجہ اور اس کی اہمیت کو پہچاننا چاہے وہ جان جائے۔

نماز ایک ایسی لازمی ورزشِ جسمانی ہے جس میں ایک مسلمان اپنے تمام اعضاء اور جوڑوں کو حرکت دیتا ہے اور یہ بات کسی پر بھی مخفی نہیں کہ ان اعضاء کے اس طرح حرکت دینے میں جسم کے پٹھوں رگوں اور دورانِ خون اور تمام اعضاءِ جسمانی کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔

یہ ایک جبری نظافت وطہارت کا ذریعہ ہے اس لیے کہ نماز سے پہلے وضو ضروری ہے اور وضو سے ظاہری اعضاء کی صفائی، بالوں کی صفائی، منہ ناک اور دانتوں کی صفائی ہوتی ہے، اور اگر غسل واجب کرنے والی کوئی چیز پائی جائے تو اس وقت غسل فرض ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مستحب ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس میں بدن کپڑے اور جگہ کی پاکیزگی بھی ضروری ہے اور یہ تمام چیزیں نماز کی صحت و درستگی کے لیے شرط ہیں۔

اس میں چلنے کی مشق بھی ہوتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ـــــ دن و رات میں پانچ مرتبہ مسجد تک نماز کے لیے چل کر جانا ہوتا ہے۔ اور جانے آنے سے جسم میں جو نشاط اور چستی پیدا ہوتی ہے اور سستی

اور کاہلی دُور ہوتی ہے وہ کسی پر بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اطباء سے کتنی مرتبہ سنا ہے کہ کھانے کے بعد اگر جسم کو چلنے یا ورزش کے ذریعہ حرکت دی جائے تو سوءِ ہضم اور معدہ کے امراض اور دیگر بیماریاں پیدا نہیں ہوتیں۔

ان سب باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور تربیت کرنے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ بچّوں کو سات سال کی عمر سے نماز کا حکم دیں تاکہ وہ عادی ہو جائیں اور اپنے فارغ اوقات نماز کی تعلیم اور اس کی مشق میں گزاریں تو ہمیں اس حکم میں ذرا سا بھی تعجب نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک حاکم و ابو داؤد ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

«مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر وفرقوا بينهم في المضاجع».	اپنے بچّوں کو نماز کا حکم دیں جب وہ سات سال کے ہو جائیں۔ اور نماز کے لیے ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں۔ اور اس عمر میں ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

یہ فوائد اس کے علاوہ ہیں جو بچہ نماز کی کیفیت وطریقہ اور اس کے افعال، قراءت، رکوع کی تعداد، فرائض وسنن ومستحبات وغیرہ کے سیکھنے میں اپنا فارغ وقت لگائے گا چاہے گھر میں ماں باپ یا مربی سے سیکھے یا مسجد و مدرسہ میں استاذ و معلم سے۔

بچوں کے فارغ وقت کو ضائع ہونے سے بچانے کے سلسلہ میں اسلام نے جو عملی وسائل اختیار کیے ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچّوں کو جنگ کے طریقے، شہسواری، تیرنا، چھلانگ لگانا اور کشتی کرنا اور پچھاڑنے کا فن سیکھنے کا حکم دیا، اس طرح بچہ کی اس جانب رہنمائی کی کہ وہ اپنے فارغ وقت کو پُر مقصد اور پُر مغز مطالعے اور صاف ستھری تفریح اور مختلف قسم کی ورزش میں صَرف کرے، اور اس کے لیے یہ چیز ضروری ہے کہ بڑے بڑے کھیل کے میدان، اور تقریر ومباحثہ کے لیے ہال، اور مشہور کتب خانے اور عمومی ادارے، اور تیرنے کے لیے صاف ستھرے تالاب مہیّا کیے جائیں۔
لیکن ان سب چیزوں میں یہ امر ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے کہ یہ چیزیں اسلام کے احکام اور اس کے آداب کے مطابق ہوں۔

ان وسائل کو مہیا کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے جو احکامات دیے ہیں اور رہنمائی کی ہے اس سلسلہ میں کچھ احکام آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں :

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

«وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ». الانفال - ۶۰

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر۔

نیز ارشاد ربانی ہے :

«قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ». الزمر - ۹

آپ کہہ دیجیے کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : اپنے بچوں کو تیراندازی اور تیرنا سکھاؤ اور ان کو حکم دو کہ گھوڑ سواری سیکھیں۔ حاکم اور بیہقی رحمہا اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

«اغتنم خمسًا قبل خمس : حياتك قبل موتك ، وصحتك قبل سقمك ، وفراغك قبل شغلك ، وشبابك قبل هرمك ، وغناك قبل فقرك».

پانچ چیزوں کو پانچ سے قبل غنیمت جانو : اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے ، اور صحت کو بیماری سے پہلے ، اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے ، اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے ، اور مالداری کو فقر سے پہلے۔

نسائی اور ترمذی رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

«وارموا واركبوا وأن ترموا أحب إلي من أن تركبوا».

اور تم تیراندازی اور شہسواری سیکھو ، اور تم تیراندازی سیکھو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ تم شہسواری سیکھو۔

طبرانی اور حاکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :

«كل شيئ ليس من ذكر الله فهو لغو أو لهو أو سهو إلا أربع خصال :

ہر وہ چیز جو اللہ کے ذکر سے خالی ہے وہ لغو اور کھیل کود اور بھول ہے سوائے چار چیزوں کے :

مشی الرجل بین الغرضین، و تأدیبه فرسه، وملاعبته أهله، وتعلمه السباحة))۔
انسان کا نشانہ بازی کے لیے دونوں نشانوں کے درمیان چلنا، اور اپنے گھوڑے کو سدھانا، اپنی بیوی سے دل لگی، اور تیرنا سیکھنا۔

ابن اسحاق اور ابن ہشام رحمہا اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((رحم اللہ امرأً أراهم الیوم من نفسه قوةً))۔
اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو آج دشمنوں کے سامنے اپنے آپ کو طاقتور ظاہر کرے۔

امام بخاری ومسلم رحمہا اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہلِ حبشہ کو مسجد میں اپنے نیزوں سے کھیلتا دیکھا تو ان سے فرمایا:

((دونکم یا بنی إرفدة لتعلم الیهود أن فی دیننا فسحة))۔
اے بنو ارفدہ تم اسے مضبوطی سے تھام لو تاکہ یہود کو معلوم ہوجائے کہ ہمارے دین میں آسانی اور گنجائش ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((المؤمن القوی خیر وأحب إلی اللہ من المؤمن الضعیف، وفی کل خیر، احرص علی ما ینفعك، واستعن باللہ ولا تعجز، فإن أصابك شیئ فلا تقل: لو أنی فعلت کذا کان کذا. ولکن قل: قدر اللہ وما شاء فعل، فإن لو تفتح عمل الشیطان))۔
طاقتور مؤمن بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو کمزور مؤمن سے زیادہ محبوب ہے، اور دونوں میں سے ہر ایک میں خیر ہے، ایسے کاموں کے حریص بنو جو تمہیں فائدہ پہنچانے والے ہوں اور اللہ سے مدد مانگو اور عاجز نہ بنو، اور اگر تمہیں کوئی آفت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسا کرلیتا تو ایسا ہوجاتا، بلکہ یہ کہو اللہ نے یہی فیصلہ کیا تھا اور اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اس لیے کہ اگر میں ایسا کرتا یہ کہنا شیطان کے ورغلانے کا راستہ کھول دیتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی دیگر بے شمار بہترین توجیہات اور اس سلسلہ کی عمدہ رہنمائی پر مشتمل احادیث ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں۔

اگر تربیت کرنے والے حضرات ان اسلامی احکام کو ملحوظِ خاطر رکھیں تو اولاد کو صحت مند طاقت ور اور اچھا عالم بنا سکتے ہیں۔ اور ان کو انحراف، بداخلاقی اور خراب ہونے سے بچا سکتے ہیں، اور ان کی فرصت کو ایسے کاموں میں مشغول کر سکتے ہیں جو انہیں دین و دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائیں، اور ان کے معاشرے کو اسلام کا مثالی معاشرہ اور ان کو جانثار لشکر اور صحیح داعی اور باعمل نوجوان بنا سکتے ہیں۔

۵ : بری صحبت اور برے دوست وساتھی

بچوں کو بگاڑنے اور خراب کرنے کا سب سے بڑا سبب بری صحبت اور بدکردار ساتھی ہوتے ہیں۔ اور خاص طور سے اگر بچہ بے وقوف سیدھا سادھا لاابالی اور کمزور عقیدہ والا ہو تو گندی مجلسوں اور بدکرداروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے جلدی متأثر ہو کر ان کی گندی عادات اور برے اخلاق اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ بلکہ بری راہ پر نہایت سرعت و تیزی سے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگتا ہے، اور جرم اور برائیاں اس کی طبیعت اور انحراف و کج روی اس کی پکی عادت بن جاتی ہے اور پھر اس کو راہِ راست پر واپس لانا اور گمراہی کے گڑھے اور ہلاکت کے کنویں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اسلام نے اپنی تربیتی توجیہات اور تعلیمات کے ذریعہ والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کی توجہ اس طرف مرکوز کر دی کہ وہ اپنی اولاد کی مکمل نگرانی رکھیں، خاص کر اس عمر میں جب وہ ہوشیار ہو جائیں اور بالغ ہونے کی عمر کو پہنچ جائیں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ بچے کس کے ساتھ رہتے ہیں اور کس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں؟ کہاں صبح و شام گزارتے ہیں؟ اور کن کن جگہوں پر ان کا آنا جانا رہتا ہے؛ اس طرح اسلام نے یہ بھی رہنمائی کی کہ اولاد کے لیے نیک اور اچھے ساتھیوں کا انتخاب کیا جائے تاکہ وہ ان سے اچھے اخلاق و آداب اور عادات سیکھیں، اور یہ بھی متنبہ کر دیا کہ انہیں گندے اور بدکردار ساتھیوں سے بچایا جائے تاکہ یہ بھی ان جیسے گمراہ، کج رو اور بداخلاق نہ بنیں۔

بدکردار لوگوں اور گندے اور خراب ساتھیوں سے بچنے کے سلسلہ میں اسلام نے جو تعلیمات پیش کی ہیں اور برے ساتھیوں کی رفاقت سے بچنے کا جو حکم دیا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں

ارشاد ربانی ہے:

۱۱وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ

اور جس دن گنہگار اپنے ہاتھوں کو کاٹ کر کھائے گا اور کہے گا اے کاش کہ میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ راستہ، اے خرابی میری کاش کہ میں

الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَآءَنِيْ ۚ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْإِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾))۔

الفرقان - ۲۷ تا ۲۹

نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے نصیحت سے بہکا دیا اس کے بعد کہ نصیحت مجھے پہنچ چکی تھی، اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

((قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ أَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾))۔

ق - ۲۷

اس کا ساتھی شیطان بولا اے ہمارے رب میں نے تو اس کو شرارت پر نہیں ڈالا یہ تو خود راہ کو بھولا ہوا دور پڑا تھا۔

اسی طرح ارشاد ہے:

((اَلْأَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾))۔

الزخرف - ۶۷

جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر وہ لوگ جو ڈر والے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((المرء على دين خليله، فلينظر أحدكم من يخالل))

انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر ایک دیکھ لے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مثل الجليس الصالح والجليس السوء كمثل حامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك، أو تشتري منه، أو تجد منه ريحاً طيبةً. ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك، أو تجد منه ريحاً منتنةً))۔

اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشک والا اور بھٹی پھونکنے والا، چنانچہ مشک والا یا تم کو مشک ہدیہ کر دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا تم اس کی اچھی خوشبو سونگھ لو گے، اور بھٹی پھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس کی بدبو دار بو سونگھو گے۔

اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((المرأ مع من أحب وله ما اكتسب))۔

انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے اور اس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا۔

ابن عساکر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إياك وقرين السوء فإنك

برے ساتھی سے بچو اس لیے کہ تم اسی کے ذریعہ پہچانے

تعرف بہ))۔ جاؤ گے۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کو چاہیے کہ وہ ان بہترین توجیہات و رہنمائی باتوں پر عمل کریں، تاکہ ان کی اولاد کی اصلاح ہو۔ اور ان کے اخلاق بلند ہوں۔ اور معاشرہ میں ان کا مقام بلند ہو، اور وہ امت کے لیے بھلائی کا ذریعہ اور اصلاح کے پیغامبر اور ہدایت کے داعی ہوں اور ان کی اصلاح کی وجہ سے معاشرہ کی بھی اصلاح ہو جائے۔ اور قوم ان کے اچھے کارناموں عالی صفات پر فخر کر سکے۔

۹: بچہ کے ساتھ والدین کا نامناسب اور بُرا برتاؤ کرنا

علماءِ تربیت کا تقریباً اس پر اتفاق سا ہے کہ والدین اور تربیت کرنے والے حضرات اگر بچے کے ساتھ سخت و ترش رویہ اختیار کریں گے اور مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ اس کو ادب سکھائیں گے، اور وہ ہمیشہ ذلت و رسوائی کا نشانہ بنا رہے گا۔ اور اس کی تحقیر تذلیل کی جاتی رہے گی، اور مذاق اڑایا جاتا رہے گا تو اس کا ردِعمل اس کے عادات و اخلاق پر ظاہر ہوگا۔ اور اس کے کام کاج میں خوف و ڈر کی جھلک نمایاں ہو گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے نوبت خودکشی یا والدین کے ساتھ لڑائی جھگڑے اور قتل تک پہنچ جائے، یا وہ گھر سے اس لیے بھاگ جائے۔ تاکہ اس ظالمانہ سختی اور مار پیٹ کی اذیت سے بچ جائے۔

جب بچے کی یہ حالت ہوگی تو اگر ایسی صورت میں ہم اس کو معاشرہ میں مجرم شخص بنتے دیکھیں اور اس کی زندگی میں انحراف اور بدکرداری نمایاں پائیں تو اس میں ذرا سا بھی تعجب نہ ہوگا۔ اور اس میں کج روی، بدکرداری اور بے حیائی اور ٹیڑھا پن پیدا ہونے میں ذرا بھی حیرت نہ ہو گی۔

اسلام اپنی ان تعلیمات کے ذریعہ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قابلِ عمل ہیں، تربیت کرنے والوں اور رہنمائی و اصلاح کے ذمہ داروں اور خصوصاً ماں باپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ بلند اخلاقی، نرم مزاجی شفقت و رحم دلی کا مظاہرہ کریں، تاکہ اولاد کی نشو و نما صحیح ہو سکے۔ اور ان میں جرأت و استقلال اور خود اعتمادی پیدا ہو، اور وہ یہ محسوس کریں کہ وہ قابلِ احترام شخصیت اور عزت و مرتبہ کے مالک ہیں

اسلام نے عالی ظرفی، بلند اخلاق اور شفقت و رحم دلی کے سلسلہ میں جو رہنمائی کی ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ». النحل-۹۰

اللہ حکم کرتا ہے انصاف اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا۔

نیز ارشادِ ربانی ہے:

«وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ». آل عمران-۱۳۴

اور وہ لوگ جو غصہ کو دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

«وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا». البقرہ-۸۳

اور سب لوگوں سے نیک بات کہو۔

نیز فرمایا:

«وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ». (آل عمران-۱۵۹)

اور اگر آپ ہوتے تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے آپ کے پاس سے۔

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

«إن الله يحبّ الرفق في الأمر كله».

اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔

امام احمد وبیہقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک نقل کرتے ہیں کہ:

«إن أراد الله تعالى بأهل بيت خيرًا أدخل عليهم الرفق، وإن الرفق لو كان خلقًا لما رأى الناس خلقًا أحسن منه، وإن العنف لو كان خلقًا لما رأى الناس خلقًا أقبح منه».

اللہ تعالیٰ جب کسی گھر والوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان میں نرمی پیدا کرتے ہیں، اور نرمی ورفق اگر بالفرض کوئی مخلوق ہوتی تو ایسی خوبصورت ہوتی کہ لوگوں نے اس سے خوبصورت کوئی اور مخلوق نہ دیکھی ہوتی، اور سختی اگر کسی مخلوق کی شکل میں ہوتی تو ایسی قبیح ہوتی کہ مخلوق نے اس سے زیادہ بدمنظر کوئی مخلوق نہ دیکھی ہوتی۔

ابو الشیخ کتاب الثواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک نقل کرتے ہیں :

((رحم اللہ والداً أعان ولدہ علی برہ)). — اللہ تعالیٰ اس والد پر رحم کرے جو بھلائی میں اپنے بچہ کی معاونت کرے۔

امام ابو داؤد و ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء)). — رحم کرنے والوں پر رحمان (اللہ تعالیٰ) رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

نرمی ، خوش اخلاقی اور اچھے معاملہ کے سلسلہ میں اسلام کی یہ توجیہات ہیں ۔ اس لیے والدین کو اس پر عمل کرنا چاہیے اور اس کے مطابق تربیت کرنا چاہیے ، اور اگر بچوں کی زندگی بنانا اور ان کو سیدھے راستہ پر چلانا ، اور معاشرہ میں باکردار دیکھنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ ان ارشادات کے مطابق عمل کریں اور اس راستہ پر چلیں ۔

لیکن اگر بچوں کے ساتھ ٹیڑھا طریقہ اختیار کیا گیا اور سختی برتی گئی اور سخت و دردناک سزا دی گئی تو بچوں پر ایک قسم کی زیادتی ہوگی کہ انہیں اس غلط تربیت اور سختی کی زندگی میں جکڑا جائے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں سرکشی ، نافرمانی اور انحراف پیدا ہوگا ۔ اس لیے کہ والدین نے خود ہی بچوں میں بچپن ہی سے نافرمانی سرکشی اور انحراف کا بیج بو دیا تھا ۔

ایک صاحب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لیکر آئے ، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے کو بلا کر تنبیہ کی اور والدین کے حقوق ادا نہ کرنے پر اس کو ڈانٹا ، تو لڑکے نے کہا : اے امیر المومنین کیا لڑکے کا والد پر کوئی حق نہیں ہوتا ہے ؟ انہوں نے فرمایا : کیوں نہیں ، اس نے کہا : اے امیر المومنین وہ حق کیا ہے ؟ انہوں نے فرمایا : شادی کرتے وقت اولاد کے لیے اچھی ماں کا انتخاب کرے ، بچہ کا اچھا نام رکھے ، اور اسے قرآنِ کریم کی تعلیم دے ۔ لڑکے نے کہا : اے امیر المومنین میرے والد نے تو ان میں سے کوئی بھی حق ادا نہیں کیا ، اس لیے کہ میری والدہ ایک مجوسی کی حبشی باندی ہیں ، اور میرے والد نے میرا نام جعل (سیاہ فام و بدصورت) رکھا ہے ، اور انہوں نے مجھے قرآنِ کریم کی کچھ بھی تعلیم نہ دی ۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا : تم تو میرے پاس اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لے کر آئے تھے تم نے تو اس کے نافرمان ہونے سے پہلے خود ہی اسے نافرمان بنا دیا تھا ۔ اور تم نے اس کے ساتھ برا معاملہ کیا اس سے پہلے کہ وہ تمہارے ساتھ برا معاملہ کرے ۔ اور اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے کے نافرمان ہونے کی ذمہ داری باپ پر ڈال دی ، اس لیے کہ اس نے اس کی

تربیت ہی نہ کی تھی۔

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویۃ بن اُبی سفیان رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے یزید سے ناراض ہو گئے تو احنف بن قیس کے پاس آدمی بھیجا تاکہ ان سے بچوں کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی جائے، توانہوں نے کہا: بچے ہمارے دلوں کا پھل اور ہماری پشت کا سہارا ہیں، اور ہم ان کے لیے ہموار زمین ہیں اور سایہ فگن آسمان ہیں. لہٰذا اگر وہ تم سے کچھ مانگیں تو دے دیا کرو، اور اگر وہ ناراض ہوجائیں تو انہیں راضی کر لیا کرو، اس لیے کہ وہ اس کے بدلے تمہیں اپنی محبت کا صلہ دیں گے اور اپنی محنت کا پھل دیں گے، ان پر سختی نہ کرنا ورنہ وہ تمہاری زندگی سے تنگ ہوجائیں گے اور تمہارے مرنے کی تمنا کریں گے۔

ان دونوں واقعات سے والدین کو عبرت اور نصیحت حاصل کرنا چاہیے۔ اور ان کے ساتھ ملاطفت اور نرمی برتنا چاہیے اور ان سے اچھا برتاؤ روا رکھنا چاہیے، اور ان کی تربیت ورہنمائی کے سلسلہ میں سیدھا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

ز: بچوں کا جنس اور جرائم پر مشتمل فلموں کا دیکھنا

بچوں کے خراب ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ جوان کو بدکرداری اور بداخلاقی کا عادی بناتا ہے، اور مجرمانہ زندگی کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنتا ہے وہ ہے سینما اور فلموں اور ٹیلی ویژن پر پولیس کی کارروائی اور حیا سوز مناظر سے پُر فلمیں اور گندے مناظر، اسی طرح وہ رسالے اور کتابیں جو مخرب اخلاق، جنسی واقعات وکہانیوں اور شہوت انگیز قصوں پر مشتمل ہوتی ہیں، ان سب کا مقصد اور غرض شہوت کو بھڑکانا اور انحراف اور جرم پر آمادہ اور جری کرنا ہوتا ہے، ان سے تو بڑوں کے اخلاق بھی خراب ہوجاتے ہیں چہ جائیکہ بچے اور بلوغ کی عمر کو پہنچنے والے ناسمجھ لڑکے؟!

یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ بچہ جب سمجھدار ہوتا ہے اور ہوش سنبھالتا ہے تو یہ تصویریں اس کے ذہن پر نقش اور مشاہدات اس کے تصور میں جاگزین ہو جاتے ہیں۔ اور وہ لازمی طور سے ان کی نقل اور پیروی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، قریب البلوغ بچے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نقصان دہ نہیں کہ وہ ایسے مناظر دیکھے جو اس کو جرم پر جری کریں اور فساد اور بے حیائی اور اخلاقی خرابی کی طرف متوجہ کریں۔ اور خاص کر اس وقت جب کہ بچہ بے لگام اور آزاد ہو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہو۔

اس بات میں کوئی بھی دو فرد اختلاف نہیں کر سکتے کہ اس جیسی گندی فضاء اور خراب ماحول اور حیاء سوز مناظر کا بچوں اور لڑکوں کی نفوس پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اور ایسی صورت میں ان پر نہ والدین کی نصیحت کا اثر ہوتا

ہے نہ تربیت کرنے والے حضرات اور معلم و مدرسین کی توجہات و رہنمائی کا۔

اسلام نے اپنے تربیتی قواعد کے ذریعہ والدین، تربیت کرنے والوں اور ذمہ داروں کے لیے بچوں کی تربیت و رہنمائی اور ان کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں نہایت زبردست اور شاندار نظام اور طریقہ پیش کیا ہے۔

اس نظام کی بنیادی باتوں میں سے یہ ہے کہ بچوں کو ہر ایسی چیز سے پورے طور سے بچایا جائے جو ان کے اور ان کے والدین کے لیے اللہ کے غضب و ناراضگی اور جہنم میں داخلہ کا موجب ہو، تاکہ اللہ تعالے کے درج ذیل حکم پر عمل ہو:

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا». (التحریم - ۶)

اے ایمان والوں تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔

اس نظام کی بنیادی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جن کی تربیت و رہنمائی کا ان پر حق ہے وہ اسے محسوس کریں تاکہ مکمل طریقہ اور صحیح طور سے اپنی ذمہ داری کو پورا کر سکیں، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

«الرجل راعٍ في بيت أهله ومسئول عن رعيته».

انسان اپنے گھر کا رکھوالا ہے اور اس سے اپنی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اس نظام کی بنیادی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بچوں کو ان تمام چیزوں سے بچائیں جو ان کو نقصان پہنچانے والی اور ان کے عقیدہ کو خراب اور اخلاق کو بگاڑنے والی ہوں، اس لیے کہ امام مالک اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ فرمانِ مبارک روایت کرتے ہیں:

«لا ضرر ولا ضرار».

نہ نقصان اٹھانا ہے نہ نقصان پہنچانا ہے۔

اسلام کے ان بنیادی اصولوں اور تربیت سے متعلق اس نظام کی روشنی میں ہر باپ اور مربی و مسئول کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو جنسی اور مار دھاڑ اور پولیس کارروائیوں پر مشتمل فلمیں دیکھنے سے روکیں، اور اسی طرح ان کو گندے اور مخرب اخلاق رسالوں، عشق و محبت سے بھرے ہوئے ناولوں اور کفر و الحاد سے بھرپور کتابوں کے خریدنے اور پڑھنے سے باز رکھیں، خلاصہ یہ ہے کہ مسئولین و تربیت کرنے والوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ بچوں کو ان تمام چیزوں سے روکیں جو عقیدہ خراب کرنے والی اور ان کو مجرمانہ زندگی اور بے حیائی اور بداخلاقی کی جانب لے جانے والی ہوں۔

خدا نے چاہا تو اس کتاب تربیۃ الأولاد في الإسلام کے دوسرے جزء میں جہاں ہم ایمانی تربیت کی ذمہ داری اور

اخلاقی تربیت کی ذمہ داری کے عنوان کے تحت گفتگو کریں گے وہاں ان بنیادی اصولوں اور اہم باتوں پر تفصیلی کلام کریں گے جنہیں اسلام نے بچے کے عقیدے واخلاق کی تربیت کے سلسلہ میں مقرر کیا ہے تاکہ جو شخص چاہے یہ بخوبی جان لے کہ اسلام دینِ حیات اور دینِ فطرت اور اصلاح وتربیت کا دین ہے :

((وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝)). (المائدہ - ۵۰)

اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے۔

ح : معاشرہ میں بے کاری وبیروزگاری کا پھیلنا

بچہ کے خراب ہونے کا بنیادی سبب لوگوں اور معاشرے میں بے کاری وبیروزگاری کا پھیلنا ہے۔ اس لیے کہ جس شخص کی بیوی اور بچے ہوں اور اس کے لیے کام کاج کے مواقع میسر نہ ہوں، نہ ذریعہ آمدنی ہو۔ اور نہ اس کے پاس اتنا مال ودولت اور جائیداد ہو جس سے اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ بھر سکے۔ اور ان کی ضروریات زندگی پوری کرسکے تو ایسی حالت میں پورا خاندان تباہ وبرباد اور تتر بتر ہوگا، اور لازمی طور سے بچے بے راہ روی اور مجرمانہ زندگی کی طرف مائل ہوں گے۔ بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوگا کہ خاندان کا سربراہ اپنے گھر کے افراد بیوی بچوں کے ساتھ مل کر حرام طریقہ سے مال کمانے کی تدبیریں سوچے گا، اور اس کے لیے ناجائز راستے مثلاً چوری، ڈاکہ، لوٹ مار اور رشوت کو اختیار کرے گا، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاشرے میں انارگی پھیلے گی اور قوم تباہ وبرباد ہوجائے گی۔

اسلام نے چونکہ عدل وانصاف پر مبنی احکام جاری کیے ہیں اور افراد اور قوم سب کا خیال رکھا ہے اس لیے اس نے بے روزگاری کی تمام اقسام کا علاج کیا ہے خواہ بیکاری مجبورًا ہو یا سستی اور کاہلی کیوجہ سے۔

چنانچہ اسلام نے اس بیکاری کا جو مجبورًا ہو جس کی وجہ سے وہ شخص باوجود خواہش وتمنا کے کام کاج نہ پائے تو اسکا علاج دو۲ طریقوں سے کیا ہے :

الف ۔ حکومت پر لازم کردیا کہ وہ لوگوں کے لیے کمائی کے راستے واسباب مہیا کرے۔

ب ۔ معاشرہ اور قوم پر اس وقت تک اس کی امداد لازم کردی جب تک وہ کام کاج نہ پالے۔

حکومت روزگار کے مواقع مہیا کرنے کی ذمہ دار اس لیے ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کچھ

سوال کیا، تو آپ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے ؟ اس نے کہا : کیوں نہیں ایک ٹاٹ ہے جس کے کچھ حصہ کو ہم بچھا لیتے ہیں اور کچھ کو اوڑھ لیتے ہیں اور پانی پینے کے لیے ایک برتن ہے. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جاؤ وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ وہ ان دونوں چیزوں کو لے آئے ، آپؐ نے دونوں کو ہاتھ میں لے کر فرمایا : یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے ؛ ایک صاحب نے کہا : میں ان کو دو درہم میں خریدتا ہوں ، چنانچہ آپؐ نے وہ دونوں چیزیں ان کو دے دیں اور درہم لے کر انصاری کو دے دیئے اور ان سے کہا : ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر پہنچا دو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ . چنانچہ وہ لے آئے ، آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں خود اپنے دستِ مبارک سے لکڑی لگائی ، اور ان سے فرمایا : جاؤ اس سے لکڑی کاٹ کر فروخت کرو ، پندرہ دن تک میں تم کو نہ دیکھوں ، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب وہ دوبارہ آئے تو ان کے پاس دس درھم تھے ، ان میں سے کچھ کے کپڑے خرید لیے اور کچھ سے کھانے کا سامان وغیرہ خرید لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

« هذا خير لك من أن تجيء والمسألة نكتة في وجهك يوم القيامة ».

یہ (محنت مزدوری) تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت میں اس حالت میں آؤ کہ تمہارا مانگنا تمہاری پیشانی پر ایک نقطہ کی شکل میں ظاہر ہو۔

بے کار شخص جب تک کام کاج نہ پالے اور برسرِ روزگار نہ ہو جائے اس وقت تک لوگوں پر اس کی امداد لازم ہے اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

« من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان معه فضل زاد فليعد به على من لا زاد له ».

جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو اس کو چاہیئے کہ وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں . اور جس کے پاس ضرورت سے زائد توشہ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں .

بزار و طبرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

« ما آمن بي من بات شبعان وجاره جائع إلى جنبه وهو يعلم به ».

وہ شخص مجھ پر (حقیقت میں) ایمان نہیں لایا کہ جو خود پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کا ساتھ رہنے والا پڑوسی اس کے پڑوس میں بھوکا ہو۔ اور اس کو یہ معلوم بھی ہو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((أيما رجل مات ضياعًا بين أقوام	جو شخص مالداروں کے ارد گرد ہوتے ہوئے بھی بھوک
أغنياء فقد برئت منهم ذمة الله	یا عدم توجہ کی وجہ سے مرگیا تو ان مالداروں سے اللہ اور
وذمة رسوله)).	اس کے رسول کا ذمہ بری ہوگیا.

فقہ کی کتاب " الاختیار لتعلیل المختار" میں لکھا ہے کہ اگر اس کو کسی نے کھلا پلا دیا اور کچھ دے دیا تو اوروں سے گناہ ساقط ہو جائے گا.

اسلام نے اس بیروزگاری اور بیکاری کا جو سستی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یعنی باوجود کام کاج کے مواقع میسر ہونے اور قدرت رکھنے کے پھر کام نہ کرنے والوں کا علاج یہ کیا ہے کہ ایسے لوگوں کی کڑی نگرانی کی ہے. اور اگر کسی کے بارے میں حکومت کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سست ہے اور باوجود قدرت وطاقت کے کام نہیں کرتا تو حکومت اس کو نصیحت کرتی ہے اور اس کی بھلائی اور اس کا اپنا فائدہ اس کے سامنے رکھتی ہے اگر وہ پھر بھی کام پر آمادہ نہ ہو تو حکومت اس کو زبردستی اور طاقت کے ذریعے کام میں لگا دیتی ہے چنانچہ ابن جوزی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی ایک ایسی جماعت سے ملاقات ہوئی جو کام نہیں کرتے تھے تو انہوں نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا: متوکل ہیں اللہ پر بھروسہ کرنے والوں میں سے ہیں. انہوں نے فرمایا: تم جھوٹ کہتے ہو اس لیے کہ متوکل تو اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو زمین میں بیج بو کر اللہ پر توکل کرتا ہے، اور فرمایا: تم میں سے کوئی بھی شخص کمائی اور رزق کی تلاش سے یہ کہہ کر نہ رکے کہ: اے اللہ مجھے رزق دے دے، اس لیے کہ تمہیں معلوم ہے کہ سونا چاندی آسمان سے نہیں برسا کرتے، انہوں نے فقیروں اور غریب لوگوں کو اس بات سے روکا کہ وہ خیرات وصدقات پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں اور کام کاج نہ کریں. فرمایا: اے فقراء کی جماعت اچھائیوں کی طرف سبقت لے جانے کی کوشش کرو اور مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام اور ان کی رہنمائی سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ زکاۃ صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ وقتی ضرورت پوری ہو جائے اور کام کاج کا موقعہ تلاش کرنے میں مدد ملے نہ کہ اس لیے کہ انسان سست ہو جائے اور بیٹھ کر کھانے کا عادی بن جائے. ہاں اگر بے کاری کا سبب معذوری یا بڑھاپا یا اور کوئی بیماری ہے تو حکومت کا فرض ہے کہ ان لوگوں کے حقوق وضروریات کا خیال رکھے اور ان کے لیے خوشگوار زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرے، اور ان کی صحیح کفالت کرے چاہے وہ معذور یا بوڑھا یا بیمار مسلمان ہو یا غیر مسلم.

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کا ایک گھر کے پاس سے گزر ہوا وہاں ایک نابینا بوڑھا فقیر کھڑا ہوا مانگ رہا تھا. انہوں نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر پوچھا: تم کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا: یہودی ہوں. انہوں نے پوچھا: بھیک مانگنے پر کیوں مجبور ہوئے؟ اس نے کہا کہ میں جزیہ (وہ ٹیکس جو غیرمسلموں سے لیا جاتا ہے) اور ضرورت اور عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے مانگ رہا ہوں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے اپنے گھر لے گئے اور اپنے گھر سے اس کو کچھ مال دے دیا اور پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس پیغام بھیجا کہ: اس شخص اور ان جیسے لوگوں کا خیال کیا کرو اس لیے کہ ہم نے یہ تو کوئی انصاف نہیں کیا کہ اگر ہم اس کی جوانی کو تو کھا جائیں (یعنی جوانی میں ان سے جزیہ لیتے رہیں) اور بڑھاپے میں ان کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیں، صدقات فقراء و مساکین کے لیے ہی تو ہیں اور یہ شخص اہل کتاب کے مسکینوں میں سے ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا ایک اور واقعہ ہے کہ وہ عیسائیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جن کو جذام ہوگیا تھا تو آپؓ نے بیت المال سے ان کو اتنا مال دینے کا حکم دیا جس سے ان کی ضروریات پوری ہوسکیں اور علاج ہوسکے اور عزتِ نفس باقی رہے۔

اسلام نے بیروزگاری و بھیکاری کا اس طرح سے علاج کیا ہے۔ اور جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ کتنا رحمدلانہ حکمت و انصاف والا علاج ہے، اور یہ واضح طور سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام رحمت و شفقت، انسانیت اور عدل و انصاف کا دین ہے۔ اللہ نے اس دین کو اس لیے نازل فرمایا ہے تاکہ وہ بشریت کے لیے پرسکون رہنمائی کا ذریعہ اور دنیاوی زندگی کی تاریکیوں کے لیے روشنی کا مینارہ بن جائے۔ اس لیے جو لوگ ان حقائق سے ناآشنا ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کیا ہے؟ اور یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر کیوں بھیجا تھا۔

ط: والدین کی بچّوں کی تربیت سے کنارہ کشی

بچّوں کو خراب کرنے اور ان کے اخلاق کے بگڑنے اور بے راہ روی کا جو سب سے بڑا ذریعہ وسبب بنتا ہے وہ ہے والدین کا بچہ کی تربیت سے کنارہ کش ہونا اور اس کی تربیت کی طرف توجہ نہ دینا۔

ہمیں یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ہم ماں کے درجہ اور ذمہ داری سے غافل نہ ہوں اس لیے کہ ماں اس امانت کی بڑی ذمہ دار ہے۔ اس کے ذمہ دیکھ بھال اور بچّوں کی تربیت اور نگرانی اور رہنمائی کی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ واقعی کسی نے بہت خوب کہا ہے ؎

الأم مدرسة إذا أعددتها ۔۔۔ أعددت شعبًا طيب الأعراق

ماں درحقیقت ایک مدرسہ ہے اگر تم نے اسے تیار کرلیا ۔۔۔ تو تم نے ایک پاک صاف قوم کو تیار کرلیا

اس لیے ذمہ داری اور مسؤلیت کے سلسلہ میں باپ کی طرح ماں بھی مسؤل اور ذمہ دار ہے۔ بلکہ ماں کی ذمہ داری زیادہ اہم اور زیادہ نازک ہے۔ اس لیے کہ ماں ولادت سے جوان ہونے تک بچہ کے ساتھ رہتی ہے اور وہ اس وقت تک اس کی پرورش کرتی رہتی ہے جب تک کہ وہ جوان ہوکر ذمہ داریاں اٹھانے والا اور معاشرہ کا ذمہ دار شخص نہ بن جائے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسؤل اور ذمہ دار کی حیثیت سے ماں کا مستقل تذکرہ کیا ہے فرمایا:

«والأم راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها». ۔۔۔ ماں اپنے شوہر کے گھر کی رکھوالی ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کو یہ محسوس ہوجائے کہ اسے بچوں کی تربیت اور معاشرہ کی تعمیر کے لیے باپ کا ہاتھ بٹانا اور اس کی معاونت کرنا چاہیے۔ اور اگر بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں ماں اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گی۔ اور اپنی سہیلیوں، جان پہچان والوں، مہمانوں اور ادھر اُدھر آنے جانے میں لگی رہے گی۔ اور باپ بچوں کی تربیت اور دیکھ بھال کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرے گا۔ اور اپنا فارغ وقت گھومنے پھرنے اور دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ مجالس میں بیٹھ کر جائے پانی میں ضائع کردے گا تو پھر لازمی طور سے بچوں کی تربیت یتیموں کی طرح ہوگی اور وہ آوارہ بچوں کی طرح گھومیں پھریں گے اور فساد کا ذریعہ اور لوگوں کے لیے خطرہ کا الارم بن جائیں گے۔

بہت ہی خوب کہا ہے شاعر نے ؎

ليس اليتيم من انتهى أبواه من ۔۔۔ هم الحياة وخلفاه ذليلاً

یتیم وہ نہیں ہے جس کے ماں باپ زندگی کے غم سے ۔۔۔ آزاد ہوگئے ہوں اور اس کو تنہا چھوڑ گئے ہوں

إن اليتيم هو الذي تلقى له ۔۔۔ أمًّا تخلت أو أبًا مشغولاً

یتیم تو وہ ہے کہ جس کی ماں نے! ۔۔۔ اسے تنہا اکیلا چھوڑ دیا ہو اور اس کا باپ مشغول رہتا ہو

بھلا بتلائیے کہ آپ ایسے بچوں سے کیا توقع رکھیں گے جن کے ماں باپ اولاد کو اس طرح مہمل چھوڑ دیں اور ان کے سلسلہ میں اس طرح تقصیر برتیں اور کوتاہی کریں، لازمی طور سے ایسے بچے مجرم بنتے ہیں۔ بے راہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اس لیئے کہ ماں بچے کی تربیت ودیکھ بھال نہیں کرتی، اور باپ اپنی نگرانی اور تربیت کے فریضہ میں کوتاہی برتتا ہے۔

یہ معاملہ اس وقت اور بھی سنگین ہو جاتا ہے جب ماں باپ زیادہ تر اپنا وقت بے راہ روی اور برائیوں میں ہی گزار دیں، اور لذات وشہوات میں غرق ہوں، اور اباحیت اور اخلاقی بے راہ روی اور جنسی آزادی کے دلدادہ ہوں، ایسی صورت میں بچہ میں زیادہ خطرناک انحراف و بے راہ روی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ مجرمانہ زندگی میں بہت زیادہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

ولیس النبت ینبت فی جنان — کمثل النبت ینبت فی الفلاۃ

وہ گھاس جو کہ باغوں میں پیدا ہوتی ہے وہ — اس گھاس کی طرح نہیں ہو سکتی جو جنگلات میں پیدا ہوتی ہے

وھل یرجی لأطفال کمال — إذا ارتضعوا ثُدیّ الناقصات

اور کیا ایسے بچوں سے کسی کمال کی توقع کی جا سکتی ہے — جو ناقص عورتوں کے سینہ سے دودھ پیئیں

اسلام نے ذمہ داریوں کے تحمل کے سلسلہ میں بچوں کی تربیت کی بڑی ذمہ داری والدین پر ڈالی ہے۔ اور ان کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ بچوں کی ایسی کامل تربیت کریں جس کے نتیجہ میں وہ زندگی کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں۔ اور تربیت کے سلسلہ میں ان کی تفریط، کوتاہی اور تقصیر پر دردناک عذاب سے ڈرایا ہے:

«یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝» . التحریم - ۶

اے ایمان والو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس پر تندخو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر) ہیں۔ وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ ان کو حکم دیتا ہے۔ اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے۔ اسے (فوراً) بجا لاتے ہیں۔

بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کے اہتمام اور ان کے امور کی نگرانی کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ مرتبہ حکم دیا اور بہت سی مرتبہ وصیت فرمائی ہے۔ آپ کی وصیتوں اور احکامات میں چند ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) «الرجل راع فی أھلہ ومسئول عن رعیتہ، والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا» (رواہ البخاری ومسلم)

مرد اپنے گھر کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

(۲) «أدبوا أولادکم وأحسنوا أدبھم» .

اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی

(رواہ ابن ماجہ)

تربیت کرو۔

(۳) ((علموا أولادکم وأھلیکم الخیر وأدبوھم))۔ (رواہ عبدالرزاق وسعید بن منصور)

اپنے بچوں کو اور گھر والوں کو خیر کی تعلیم دو۔ اور ان کو ادب سکھاؤ۔

(۴) ((مروا أولادکم بامتثال الأوامر، واجتناب النواھی، فذلك وقایة لھم من النار))۔ (رواہ ابن جریر)

اپنی اولاد کو شریعت کے احکامات پر عمل کرنے اور ممنوع چیزوں سے بچنے کا حکم دو۔ اس لیے کہ یہ ان کے لیے جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

(۵) ((أدبوا أولادکم علی ثلاث خصال: حب نبیکم، وحب آل بیته، وتلاوة القرآن، فإن حملة القرآن فی ظل عرش اللہ، یوم لا ظل إلا ظله))۔ (رواہ الطبرانی)

اپنے بچوں کو تین باتیں سکھلاؤ: اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، ان کے اہلِ بیت سے محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت اس لیے کہ قرآن کریم کے حاملین اس دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن اس کے عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

تربیت کرنے والوں کی ذمہ داریوں کی تفصیل ہم اس کتاب "تربیۃ الاولاد فی الاسلام" کی دوسری قسم میں بیان کریں گے جو انشاء اللہ قارئین کے لیے تشفی بخش اور سیر حاصل بحث ہوگی۔

ی: یتیم ہونا بچے کی خرابی اور انحراف میں جن بنیادی اسباب کو دخل ہے ان میں سے ایک بنیادی سبب یتیمی ہے جو بچوں کو اس وقت پیش آتی ہے جب وہ زندگی کے بالکل ابتدائی مراحل میں ہوتے ہیں۔ یہ نوعمر بچہ جس کے والد کا انتقال ہوجاتا ہے اگر یہ بچہ سر پر کوئی شفقت کا ہاتھ پھیرنے والا اور رحم کرنے والا دل نہ پائے اور اپنے بڑوں کی جانب سے اسے ہمدردانہ اور اچھا برتاؤ نہ ملے اور اس کے معیار کو بلند کرنے کے لیے کامل ومکمل دیکھ بھال نہ ہو اور ایسی مکمل مدد اس کو نہ ملے جس سے اس کا پیٹ بھرے تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ یہ یتیم بچہ تدریجاً انحراف کی جانب بڑھتا رہے گا اور مجرمانہ زندگی کی جانب آہستہ آہستہ پیش قدمی کرتا رہے گا بلکہ مستقبل میں وہ امت کے شیرازہ کو بکھیرنے اور اس کی عمارت کو ڈھانے اور اس کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور قوم کے افراد میں آوارگی اور آزادی اور لاقانونیت اور انتشار پھیلانے کا سبب بنے گا۔

اسلام چونکہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا دین ہے۔ اس کے قوانین نہایت جامع درست اور ابدی اور رہتی دنیا تک کے لیے ہدایت کا نور ہیں اور اسلام کو ساری عمر اور آئندہ کی تمام امت کی ہدایت کا کام کرنا تھا۔ اس لیے اس نے یتیم کے کفالت کرنے اور دیکھ بھال کرنے والوں اور قرابت داروں کو یہ حکم دیا ہے کہ اس کے

ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ اور اس کی دیکھ بھال اور کفالت کی ذمہ داری پوری کریں۔ اور بذاتِ خود اس کی نگرانی اور تربیت کریں، تاکہ وہ اچھی تربیت حاصل کرے اور اس میں اچھے اخلاق پیدا ہوں، اور نفسیاتی طور پر باکمال فرد بنے، اور وہ یتیم بچہ اپنے کفیل اور ذمہ دار لوگوں میں محبّت وشفقت اور پیار والفت پورے طور سے محسوس کرے۔

یتیم بچہ کی دیکھ بھال اور اس سے شفقت ومحبّت کے سلسلہ میں اسلام نے جو احکامات اور تعلیم دی ہے ان میں سے کچھ ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۖ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۖ». البقرة - ۲۲۰

اور آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم، کہہ دیجیے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

«فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝». الضحیٰ - ۹

تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجیے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

«اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝». الماعون - ۱ و ۲

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے سو وہ شخص جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

«اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝». النساء - ۱۰

جو لوگ کہ کھاتے ہیں یتیموں کا مال ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من وضع يده على رأس يتيم رحمة كتب الله له بكل شعرة مرت على يده حسنة». رواہ أحمد وابن حبان

جو شخص یتیم کے سر پر اپنا شفقت کا ہاتھ پھیرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر اس بال کے بدلے جس پر اس کا ہاتھ پھرتا ہے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من قبض يتيمًا بين المسلمين إلى طعامه وشرابه حتى يغنيه الله تعالى، أوجب الله تعالى له الجنة

جو شخص کسی مسلمان کے یتیم بچے کو اپنے ساتھ کھلاتا پلاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو مستغنی کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت لازمی طور سے

أبتة إلا أن يعمل ذنبًا لا يغفر له))۔ (رواہ الترمذی)

واجب کر دیتا ہے مگر یہ کہ وہ شخص کوئی ایسا گناہ کرے جو ناقابلِ مغفرت ہو۔

اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((أنا وكافل اليتيم في الجنة كهاتين، وأشار بأصبعيه السبابة والوسطى))۔ (رواہ الترمذی)

مَیں اور یتیم بچے کی پرورش وکفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اور آپ نے اپنی دو انگلیوں شہادت والی اور درمیان والی کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے علاوہ اور دیگر احکاماتِ خداوندی اور ارشاداتِ نبوی جو اس بات کو بتلاتے ہیں کہ یتیم کی پرورش کفالت ودیکھ بھال ہر رشتہ دار کا فرض ہے اور اگر وہ لوگ خود غریب ہوں اور مادی طور پر ان کی کفالت کرنے کے قابل نہ ہوں تو حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی کفالت کرے اور دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھالے اور ان کی تربیت کرے تاکہ وہ آوارگی اور مہمل پھرنے اور خراب ہونے سے بچیں۔

بچے کے انحراف اور خراب ہونے کے یہ اہم بنیادی اسباب وعوامل ہیں جو نہایت خطرناک وضرر رساں ہیں جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کرلیا، اس لیے اگر تربیت کے ذمہ دار حضرات نے ان عوامل کا تدارک اور علاج نہ کیا اور ان اسباب کی بیخ کنی نہ کی۔ اور اسلام نے اصلاح وتربیت کے لیے جو مفید اور مؤثر علاج مقرر کیا ہے اسے اختیار نہ کیا۔ تو بچوں کی نشوونما برائیوں میں ہوگی۔ اور وہ مجرمانہ زندگی کے مطابق بڑھے پلیں گے اور ہر قسم کی برائی اور بے حیائی اور فساد کو اپنائیں گے، بلکہ وہ معاشرہ کو خراب کرنے اور اس کی بنیادیں کھوکھلی کرنے اور لوگوں کے امن وسکون کے برباد کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔ اور پھر ان کا راہ راست پر لانا اور انہیں حق بات سمجھانا اور اچھائیوں کی طرف لوٹا کر لانا اور ہدایت وخیر کے راستہ کی جانب پھیر دینا نہایت مشکل اور دشوار ہوجائیگا اس لیے والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کو چاہیئے کہ اولاد کی تربیت اور ان کی برائیوں اور فساد کے علاج اور ان کے چال چلن کے درست کرنے، ان کو مہذب وشائستہ بنانے، ان کے عقیدہ کو درست کرنے اور ان کو خیر وبھلائی اور اخلاق کے سکھانے کے سلسلہ میں اسلام کے بتلائے ہوئے طریقہ کو اپنائیں اور اس کے بہترین نظام پر عمل پیرا ہوں۔ تاکہ ان کی اولاد ارواح کی پاکیزگی، نفوس کی صفائی، اور باطن کی طہارت، اور اللہ کے حکم بجالانے میں فرشتوں کی طرح بن جائے۔ بلکہ وہ ہر اچھائی، نیکی — اور قربانی وجدوجہد اور اخلاق وعملِ صالح میں دوسروں کے لیے بہترین نمونہ بن جائیں گے۔

میں خاتمہ میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرسکتا کہ نہایت عاجزی سے اللہ جل جلالہٗ سے دعا کروں

کہ مسلمانوں کو ایسے کاموں کی توفیق دے جو ان کی عزت وسعادت کا ذریعہ بنیں، اور ان کو ایسا ایمانِ کامل نصیب کرے جس کی حلاوت وشیرینی ان کو اپنے دلوں میں محسوس ہو۔ اور ان کو ہمیشہ راہِ راست اور ہدایت پر قائم رکھے جس کی جھلک ان کے اقوال وافعال میں نظر آتی رہے۔ اور ان میں سے ایسی طاقتور ومضبوط امت پیدا فرمائے جو تہذیب کو پروان چڑھائے اور علم کو پھیلائے اور عزت وشرافت کی عمارت تعمیر کرے، اور اپنے طاقتور و نوجوان بازؤں سے عزت ونصرت اور فتح کے جھنڈے بلند کرے، اور تاریخ کا دھارا موڑ دے، اور اس امت کے لیے اس کی زائل شدہ عزت وکرامت اور چھینی ہوئی شان وشوکت اور عظیم الشان مملکت کو واپس لوٹا دے، اور یہ سب کچھ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ بیشک دعاؤں کا قبول کرنا ہی اس کی شان کے لائق ہے۔ اور وہ بہترین مسئول ہے۔ اور ہماری آخری بات یہی ہے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام عالم کا رب ہے۔

قسمِ ثانی

تربیت کرنے والوں کی ذمہ داریاں:

۱ : ایمانی تربیت کی ذمہ داری

۲ : اخلاقی تربیت کی ذمہ داری

۳ : جسمانی تربیت کی ذمہ داری

۴ : عقلی تربیت کی ذمہ داری

۵ : نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری

۶ : مَعاشرتی تربیت کی ذمہ داری

۷ : جنسی تربیت کی ذمہ داری

مقدمہ

وہ ذمہ داریاں جن کا اسلام نے بہت اہتمام کیا اور ان پر ابھارا اور اس کی طرف متوجہ کیا ہے ان میں سے مربیوں کے ذمہ ان لوگوں کی تربیت بھی ہے جن کی تعلیم و تربیت اور رہنمائی و توجیہ ان کے ذمہ ہے درحقیقت یہ نہایت کٹھن، اہم اور بڑی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ اس کی ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے جب بچہ پیدا ہوتا ہے، اور پھر یہ ذمہ داری بچے کے ہوشیار ہونے، بالغ ہونے کے قریب کے زمانے، اور یہاں تک کہ وہ عاقل بالغ مکلف ہو جائے اس وقت تک جاری رہتی ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تربیت کرنے والا مربی خواہ معلم و استاذ ہو یا ماں باپ یا معاشرہ کا نگران وہ جب بھی اپنی ذمہ داری پوری ادا کرے گا اور ذمہ داریوں اور حقوق کو پوری امانت داری عزم اور اسلام کے مطلوبہ طریقے کے مطابق ادا کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک فرد کے اپنی پوری خصوصیات و کمالات کے ساتھ تیار کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کردی اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نے اپنی اس جدوجہد سے ایک نیک صالح ایسا معاشرہ تیار کرلیا جو اپنی تمام خصوصیات اور امتیازات کا حامل ہوگا۔ اور اس طرح۔ خواہ وہ محسوس کرے یا نہ کرے۔ اس نے ایک حقیقی و واقعی مثالی معاشرہ کی تعمیر میں حصہ لیا ہوگا جو اپنی منفرد خصوصیات و امتیازات کے ساتھ متصف ہوگا۔ جس میں صالح افراد کی تیاری اور نیک معاشرہ کو بنانے کی کوشش کی گئی ہوگی اور اصلاح کے سلسلہ میں اسلام کا یہی طریقہ ہے۔

قرآن کریم کی وہ آیات اور احادیث نبویہ جو تربیت کرنے والوں کو اپنے فرائض و ذمہ داریاں پوری کرنے کا حکم دیتی ہیں اور اپنے واجب و فریضے میں کوتاہی سے ڈراتی ہیں۔ اگر ہم ان کو تلاش کریں تو ان کو اس کثرت سے پائیں گے کہ جن کو نہ شمار کیا جاسکے اور نہ ان کا احاطہ و استقصاء ہو سکے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر مربی کو اپنی امانت کی بڑائی اور مسئولیت کی نزاکت اور اہمیت معلوم ہو جائے۔

اس مضمون کی آیات میں سے کچھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) ((وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا))۔ (طٰہٰ ۱۳۲) — اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے۔

(۲) ((يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا)). التحریم-۶

اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

(۳) ((فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾)). الحجر-۹۲ و ۹۳

سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

(۴) ((يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ)) النساء-۱۱

اللہ تم کو حکم کرتا ہے تمہاری اولاد کے حق میں۔

(۵) ((وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ)). البقرہ-۲۳۳

اور بچے والی عورتیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس۔

(۶) ((وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ)). الممتحنۃ-۱۲

اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں۔

(۷) ((وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾)) الصّٰفّٰت-۲۴

اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے۔

اور ان کے علاوہ اور بہت سی دوسری آیات کریمہ ہیں۔

اس سلسلہ میں جو احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں ان میں چند یہ ہیں:

(۱) ((الرجل راع في أهله ومسئول عن رعيته، والمرأة راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها)). (بخاری و مسلم)

مرد اپنے گھر کا رکھوالا ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی رکھوالی ہے۔ اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

(۲) ((لأن يؤدب الرجل ولده خير من أن يتصدق بصاع)). (الترمذی)

انسان اپنے بیٹے کو ادب سکھائے یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

(۳) ((ما نحل والد ولداً أفضل من أدب حسن)). (ترمذی)

کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے بہتر عطیہ و ہدیہ نہیں دیا۔

(۴) ((علموا أولادكم وأهليكم الخير وأدبوهم)) رواہ عبدالرزاق و سعید بن منصور

اپنی اولاد اور گھر والوں کو خیر سکھلاؤ اور با ادب بناؤ۔

(۵) ((أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حب نبيكم وحب آل بيته، وتلاوة القرآن)). (رواہ الطبرانی)

اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھلاؤ: اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اور ان کے اہل بیت کی محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت۔

(۶) حضرت ابو سلیمان مالک بن الحویرث کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم ہم عمر — نوجوان تھے، ہم آپ کے پاس بیس دن ٹھہرے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال گزرا کہ ہم اپنے

گھر جانے کے خواہش مند ہیں۔ چنانچہ آپ نے ہم سے پوچھا کہ ہم گھر پر کس کس کو چھوڑ کر آئے ہیں؟ ــــ ہم نے آپ کو بتلا دیا۔ آپ نہایت شفیق و رحمدل تھے آپ نے فرمایا:

«ارجعوا إلى أهليكم فعلموهم ومروهم، وصلوا كما رأيتموني أصلي فإذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم».
(البخاری فی الأدب المفرد)

اپنے گھر چلے جاؤ اور گھر والوں کو علم سکھاؤ اور اچھی باتوں کا حکم دو، اور نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا ہے، جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔

(۷) «لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسئل عن أربع: عن عمره فيما أفناه، وعن شبابه فيما أبلاه، وعن ماله من أين اكتسبه وفيما أنفقه، وعن علمه ما عمل فيه». (رواہ الترمذی)

قیامت کے روز کسی شخص کے پاؤں اپنی جگہ سے اس وقت تک نہ ہٹیں گے جب تک اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو جائے: عمر کے بارے میں کہ کس کام میں خرچ کی۔ اور جوانی کے بارے میں کہ کس کام میں صرف کی، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا۔

اس کے علاوہ اور بے شمار احادیث ہیں جو اس موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔

قرآنِ کریم کی ان توجیہات اور ارشاداتِ نبویہ کی رہنمائی کی بموجب ہر دور میں تربیت کرنے والے حضرات نے بچوں کی تربیت کا خوب اہتمام کیا ہے، اور ان کی تعلیم و رہنمائی اور کج روی کو دُور کرنے کا خیال رکھا، بلکہ والدین اور ذمہ دار لوگ اپنے بچوں وغیرہ کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسے اساتذہ و معلمین کا انتخاب کیا کرتے تھے جو علم و ادب کے لحاظ سے بلند و ارفع ہوں، اور ارشاد و توجیہ کے لحاظ سے بہتر ہوں تاکہ وہ بچے کو صحیح عقیدہ و اخلاق سکھائیں اور اسلام کی تعلیم کے فریضہ کو بحسن و خوبی ادا کر سکیں۔

گذشتہ زمانے کے حضرات کے حالات اور لطائف میں سے کچھ چیزیں آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں تاکہ بچوں کی تربیت و تعلیم کے سلسلہ میں سلف صالحین نے جو اہتمام کیا تھا وہ عقل و بصیرت والوں کے سامنے آجائے اور انکو یہ معلوم ہو کہ یہ حضرات بچوں کی تعلیم و تربیت کے کتنے حریص تھے اور وہ کس طرح اپنے بچوں کے لیے علم و اخلاق اور اسلوب و طرز کے اعتبار سے ممتاز کامل ترین اساتذہ کا انتخاب کرتے تھے۔

★ جاحظ لکھتے ہیں کہ جب عقبۃ بن ابی سفیان نے اپنے بیٹوں کو معلم کے حوالہ کیا تو ان سے کہا کہ: میرے بیٹوں کی اصلاح کا مدار آپ کی اپنی ذاتی اصلاح پر ہے۔ اس لیے کہ بچوں کی نگاہیں آپ پر مرکوز ہوں گی، جسے آپ اچھا سمجھیں گے اسے وہ اچھا سمجھیں گے اور جس چیز کو آپ بُرا سمجھیں گے اسے وہ بھی بُرا سمجھیں گے، آپ انہیں حکماء کی سیرت اور ادباء کے اخلاق سکھائیں، اور آپ ان کو مجھ سے ڈرایا کریں، اور میری غیر موجودگی میں انہیں سزا دیا کریں، اور آپ ان کے حق میں اس طبیب کی طرح بن جائیں جو بیماری پہچاننے سے قبل دوا تجویز نہیں کرتا۔ اور آپ میری جانب سے کسی عذر پر اعتماد نہ کریں اس لیے کہ میں آپ کی اہلیت پر بھروسہ کرچکا ہوں۔

★ علامہ ابن خلدون اپنی کتاب "مقدمہ ابن خلدون" میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے جب اپنے بیٹے امین کو استاذ کے حوالے کیا تو ان سے کہا: اے احمر امیر المؤمنین نے اپنی روح اور دل کا ٹکڑا آپ کے حوالہ کردیا ہے۔ اس لیے آپ اس پر اپنا دستِ شفقت پھیرتے رہیں۔ اور اس کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنائے رکھیں، اور اس کے سامنے اس مرتبہ پر رہیں جس مرتبہ پر آپ کو امیر المؤمنین نے رکھا ہے، اس کو قرآن کریم پڑھائیں۔ اور احادیث سکھلائیں، اور اشعار یاد کرائیں، اور سنت وحدیث کی تعلیم دیں، اور بات کرنے کا طریقہ اور موقع محل اور اس کے اثرات اس پر واضح کریں، اور اس کو بلا موقع ہنسنے سے روکیں، اور آپ پر کوئی گھڑی ایسی نہ گزرے کہ آپ اس سے فائدہ اُٹھا کر اس بچے کو مفید بات نہ بتلائیں، لیکن یاد رکھیں اسے غمگین نہ کریں کیوں کہ اس سے اس کا ذہن مرجھا جائے گا، اور اس کے ساتھ چشم پوشی کرنے میں زیادہ غلو نہ کیجیے گا ورنہ وہ فراغت کو اچھا سمجھنے لگے گا اور اس کا عادی بن جائے گا۔ اور جہاں تک ہوسکے اس کی اصلاح اپنے قرب اور نرمی سے کرتے رہیے گا۔ اگر وہ اس طرح سے نہ سمجھے تو پھر آپ اس کے ساتھ سختی اور شدت سے پیش آئیں۔

◘ سلفِ صالحین کی عادت یہ تھی کہ وہ بچوں کی دیکھ بھال کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور ان کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ بچے اور اس کے معلم واستاذ کے درمیان نہایت مضبوط رابطہ رہے۔ چنانچہ اگر کسی وجہ سے استاذ ایک مدت تک بچوں سے نہ ملیں تو ان کو سخت دکھ ہوتا تھا۔ اس لیے کہ انہیں یہ خوف ہوتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچے ان کی مرضی ومنشأ کے خلاف عادتیں اور طریقے اختیار کرلیں، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے بنو امیہ کے ان لوگوں کے پاس جو قید میں بند تھے یہ پیغام بھیجا کہ: قید میں سب سے زیادہ آپ لوگوں کو کس چیز سے تکلیف پہنچی ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا: اس بات سے کہ ہم اپنے بچوں کی تربیت نہیں کرسکے۔

◘ خلیفہ عبدالملک بن مروان اپنے بیٹے کے استاذ کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ان بچوں کو سچائی کی اسی طرح تعلیم دینا جس طرح تم ان کو قرآن کی تعلیم دیتے ہو۔ اور ان کو اچھے اخلاق پر آمادہ کرنا۔ اور ان کو بہادری

وشجاعت پر مشتمل اشعار سکھلاتا تاکہ وہ بہادر اور جری بن سکیں، اور ان کے ساتھ معزز لوگوں اور اہلِ علم کو بٹھلایا کریں، اور بازاری قسم کے لوگوں اور خادموں سے انہیں دُور رکھیں، اس لیے کہ یہ لوگ بہت بے ادب ہوا کرتے ہیں۔ اور دوسروں کے سامنے ان کا احترام کریں اور تنہائی میں انہیں خوب تنبیہ کریں، اور جھوٹ پر ان کو پیٹا کریں اس لیے کہ جھوٹ بُرائی کی طرف لے جاتا ہے اور بُرائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

⊙ حجاج نے اپنے بیٹوں کے معلم سے کہا: ان کو کتابت کی تعلیم سے پہلے تیرنا سکھاؤ۔ اس لیے کہ انہیں ایسے آدمی تو مل جائیں گے جو ان کی طرف سے لکھدیں لیکن ایسا آدمی نہیں ملے گا جو ان کی طرف سے تیرے۔

⊙ ایک حکیم و تجربہ کار شخص نے اپنے بچے کے استاذ سے کہا: آپ انہیں ایک علم سے دوسرے علم اور ایک سبق سے دوسرے سبق میں اس وقت تک مشغول نہ کریں جب تک وہ اسے اچھے طریقے سے یاد نہ کرلیں اس لیے کہ علم کا کان سے بار بار ٹکرانا اور ذہن میں اس کا ہجوم عقل وسمجھ کو پراگندہ کر دیتا ہے۔

⊙ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کو تحریر فرمایا: اپنی اولاد کو تیرنا اور تیر اندازی اور شہسواری سکھلاؤ۔

⊙ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں حکیم ابن سینا نے یہ وصیت کی تھی: مکتب میں بچے کے ساتھ اچھے اخلاق وعادات وطبیعت کے بچے ہونا چاہیے، اس لیے کہ بچہ بچے سے زیادہ حاصل کرنے اور اچکنے والا ہوتا ہے۔ اور بچہ بچے سے ہی زیادہ مانوس ہوا کرتا ہے۔

⊙ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بیٹے کے استاذ سلیمان کلبی سے کہا: میرا یہ بیٹا میری آنکھوں کا نور ہے اور اس کی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار میں نے آپ کو بنایا ہے۔ اس لیے آپ اللہ کے خوف کو اختیار کریں۔ اور امانت کو پورا کریں، اور اس بچے کے سلسلہ میں میں آپ کو سب سے پہلی وصیت یہ کرتا ہوں کہ آپ اس کو کتاب اللہ کی تعلیم دیں، پھر عمدہ وبہترین اشعار یاد کرائیں، پھر اس کو لے کر عرب قبائل میں جائیں۔ اور ان کے بہترین اشعار لے لیں۔ اور حلال وحرام کی بصیرت اس میں پیدا کریں، اور کچھ خطبات وتقاریر اور جنگوں وغزوات کی تفصیل اس کو سمجھا دیں۔

عوام وخواص بچوں کی تربیت اور ان کے لیے بہترین اساتذہ کے انتخاب میں جو اہتمام کیا کرتے تھے اور ان معلمین واساتذہ کو صحیح توجیہ وارشاد کے سلسلہ میں جو تذکیر و یاد دہانی بار بار کرتے رہتے تھے اور بہترین عملی تربیت کے مبادی وبنیادی اصول سمجھایا کرتے تھے یہ سب اس لیے کہ یہ اساتذہ ان بچوں کے ذمہ دار اور مسئول ہیں، ان پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ حضرات اپنے فرضِ منصبی اور ان کی تعلیم وتربیت میں کوتاہی کریں گے

توان کا مؤاخذہ ہوگا۔ اوران سے حساب لیاجائے گا۔ بہرحال بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں سلفِ صالحین کے اہتمام کے بے شمار واقعات میں سے یہ چند واقعات تھے جو ہدیۂ ناظرین کر دیے گئے۔

اور چونکہ تربیت کرنے والے ماں باپ اور اساتذہ بچوں کی تربیت کے مسئول اور انکی شخصیت سازی اور انہیں دنیا میں رہنے کے قابل بنانے کے ذمہ دار ہیں، اس لیے کہ یہ ضروری ہے کہ یہ حضرات اپنی مسئولیت اور ذمہ داریوں کی حدود اربعہ کو نہایت وضاحت سے اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور اس کے مختلف مراحل اور متعدد جوانب کو پہچان لیں، تاکہ مکمل طریقے اور عمدگی سے اپنی ذمہ داریوں کو نباہ سکیں۔

بے شمار مربیوں کی نظر میں ان ذمہ داریوں میں سے اہم ذمہ داریاں اس طرح سے ہیں:

۱۔ ایمانی تربیت کی ذمہ داری۔
۲۔ اخلاقی تربیت کی ذمہ داری۔
۳۔ جسمانی تربیت کی ذمہ داری۔
۴۔ عقلی تربیت کی ذمہ داری۔
۵۔ نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری۔
۶۔ معاشرتی تربیت کی ذمہ داری۔
۷۔ جنسی تربیت کی ذمہ داری۔

ان ساتوں ذمہ داریوں میں سے ہر ایک کے ہر ہر گوشہ میں انشاء اللہ ہم اس حصہ میں مفصّل روشنی ڈالیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سیدھا راستہ دکھلانے والا ہے اسی سے ہم مدد اور توفیق حاصل کرتے ہیں۔

پہلی فصل

۱- ایمانی تربیت کی ذمہ داری

ایمانی تربیت سے مقصود یہ ہے کہ جب سے بچے میں شعور اور سمجھ پیدا ہو اسی وقت سے اس کو ایمان کی بنیادی باتیں اور اصول سمجھائے جائیں، اور سمجھ دار ہونے پر اسے ارکانِ اسلام کا عادی بنایا جائے۔ اور جب تھوڑا اور بڑا ہو جائے تو اسے شریعتِ مطہرہ کے بنیادی اصولوں کی تعلیم دی جائے۔

اصولِ ایمان سے ہماری مراد وہ ایمانی حقائق اور غیبی امور ہیں جو صحیح اور سچی نصوص کے ذریعہ ثابت ہوں جیسے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ پر ایمان لانا، اور فرشتوں پر ایمان لانا، اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانا، اور تمام رسولوں پر ایمان لانا، فرشتوں کے سوال جواب پر ایمان، اور عذابِ قبر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب کتاب اور جنت اور دوزخ اور دیگر تمام غیبی امور پر ایمان لانا۔

اور ارکان اسلام سے ہماری مراد تمام بدنی اور مالی عبادات ہیں جو یہ ہیں: نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور جو طاقت رکھتا ہو اس کے لیے حج۔

اور شریعت کی بنیادی باتوں سے ہماری مراد ہر وہ چیز ہے جو ربانی نظام اور طرز اور اسلامی تعلیمات سے اتصال رکھتی ہو۔ خواہ وہ عقیدہ سے متعلق ہو یا عبادت اور اخلاق اور تشریع وقانون اور نظام اور احکام سے۔

لہٰذا مربی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شروع ہی سے ایمانی تربیت کے ان مفہوموں اور اسلامی تعلیمات کی ان بنیادوں پر بچے کی تربیت کرے، تاکہ وہ عقیدہ وعبادت اور منہاج اور نظام کے لحاظ سے اسلام سے مرتبط رہے۔ اور اس تربیت اور رہنمائی کے بعد اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو دین اور قرآن کے علاوہ کسی کتاب کو امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو قائد و مقتدیٰ و رہنما نہ جانے۔

ایمانی تربیت کے مفہوموں کا یہ عام و محیط ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور وصایا سے حاصل کیا گیا ہے جو بچے کو ایمان کے اصول اور اسلام کے ارکان اور شریعت کے احکام تلقین کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ارشادات اور وصایا ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

۱ــــ بچہ کو سب سے پہلے کلمہ لا إلہ إلا اللہ سکھلانے کا حکم

حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«افتحوا علی صبیانکم أول کلمة بلا إله إلا الله». اپنے بچوں کو سب سے پہلے کلمہ لا الہ الا اللہ سکھلاؤ۔

اس حکم کا راز یہ ہے کہ کلمۂ توحید اور اسلام میں داخل ہونے کا شعار اور ذریعہ سب سے پہلے اس بچے کے کان میں پڑے۔ اور سب سے پہلے اس کی زبان سے یہی کلمہ جاری ہو، اور سب سے پہلے جن کلمات اور الفاظ کو یہ بچہ سمجھے وسیکھے وہ یہی کلمہ ہو۔

اس سے قبل نومولود بچے کے احکام کے سلسلہ میں قائم کردہ فصل میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا مستحب ہے، اور اس عمل سے بچہ کو عقیدہ کی تلقین اور توحید وایمان کی بنیاد دبتلانے کا جو اثر پڑتا ہے وہ کوئی مخفی بات نہیں ہے۔

۲ــــ بچّہ میں عقل وشعور آنے پر سب سے پہلے اسے حلال وحرام کے احکامات سکھلانا چاہیے

ابن جریر اور ابن منذر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اپنی اولاد کو احکامات پر عمل کرنے اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان سے بچنے کا حکم کرو۔ اس لیے کہ یہ تمہارے اور ان کے آگ سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

اور اس میں راز یہ ہے کہ جب سے بچے کی آنکھ کھلے وہ اللہ کے احکامات پر عمل کرنے والا ہو اور ان کی بجاآوری کا اپنے آپ کو عادی بنائے، اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان سے بچے، اور ان سے دُور رہنے کی مشق کرے۔ اور بچہ عقل وشعور کے پیدا ہوتے ہی جب حلال وحرام کے احکامات کو سمجھنے لگے گا اور بچپن ہی سے شریعت کے احکام سے اس کا ربط ہوگا تو وہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین ومذہب کو شریعت اور منہاج کو نہیں سمجھے گا۔

۳ ــــــ سات سال کی عمر ہونے پر بچے کو عبادات کا حکم دینا

اس لیے کہ حاکم اور ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر، وفرقوا بينهم في المضاجع».	اپنی اولاد کو سات سال کا ہونے پر نماز کا حکم کرو اور نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہوجائیں، اور ان کے بچھونے (بستر ے) الگ الگ کردو

روزہ کو بھی نماز پر قیاس کیا جائے گا، لہٰذا جب بچہ روزہ رکھنے کے قابل ہوجائے تو عادت ڈلوانے کے لیے اسے روزہ بھی رکھوانا چاہیے، اور اگر باپ کے پاس گنجائش ہو تو بچے کو حج کا بھی عادی بنانا چاہیے۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ بچہ شروع ہی سے ان عبادات کے احکام سیکھ لے۔ اور نوعمری ہی سے ان کو ادا کرنے اور ان کے حق پورا کرنے کا عادی بن جائے، اور اسی طرح اللہ کی اطاعت؛ اس کے حق کو پورا کرنے، اس کا شکریہ ادا کرنے، اور اس کی طرف متوجہ ہونے، اور اس سے التجا کرنے، اور اس کی ذات پر بھروسہ کرنے، اور اس پر کامل اعتماد کرنے، اور ہر پریشانی اور تکلیف کے وقت اسی کی طرف متوجہ ہونے، اور اس کے حکم پر گردن جھکانے کا عادی بن جائے۔ اور ان عبادات سے اسے اپنی روح کی پاکیزگی اور جسم کے لئے صحت اور اخلاق کے لیے صفائی اور اقوال و افعال کی اصلاح معلوم ہونے لگ جائے۔

۴ ــــــ بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی محبت اور قرآن کریم کی تلاوت کا عادی بنانا

اس لیے کہ طبرانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«أدبوا أولادكم على ثلاث خصال، حب نبيكم، وحب آل بيته وتلاوة القرآن، فإن حملة القرآن في ظل عرش الله يوم لا ظل إلا ظله مع أنبيائه	اپنے بچوں کو تین باتیں سکھلاؤ: اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اور ان کے اہل بیت کی محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت، اس لیے کہ قرآن کریم یاد کرنے والے اللہ کے عرش کے سایہ میں انبیاء اور منتخب لوگوں کے ساتھ اس روز ہوں گے جس روز

وأصفيائه))۔ اسکے سایے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اور اس پر یہ بات بھی متفرع ہوتی ہے کہ بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات (جنگوں) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت، اور عظیم مسلمان قائدوں کی سوانح، اور تاریخ میں رقم طراز بہادری کے عظیم کارناموں کی بھی تعلیم دی جائے۔

اور اس کا راز یہ ہے تاکہ بچہ پہلے زمانے کے لوگوں کی پیروی کرے، ان کی جدوجہد و بہادری وجہاد کے کارناموں میں ان کے نقشِ قدم پر چلے، اور شعور اور عزت و افتخار کے اعتبار سے ان بچوں کا اپنی اس تاریخ سے تعلق ہو اور روح و منہاج اور طور طریقے اور تلاوت کے اعتبار سے قرآنِ کریم سے مرتبط رہیں۔

مسلمان علماءِ تربیت نے بچوں کو قرآن کریم کی تلاوت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعلیم، اور مسلمانوں کے عظیم قائدوں کے کارنامے بتلانے اور سکھلانے کے ضروری ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس کے چند نمونے پیشِ خدمت ہیں:

- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور جنگیں اسی طرح یاد کرایا کرتے تھے جس طرح انہیں قرآنِ کریم کی سورتیں یاد کراتے تھے۔

- امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں یہ وصیت کی ہے کہ بچے کو قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ اور نیک لوگوں کے واقعات اور دینی احکام کی تعلیم دی جائے۔

- علامہ ابن خلدون نے "مقدمہ ابن خلدون" میں بچوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم دینے اور یاد کرانے کی اہمیت کی جانب اشارہ کیا ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ مختلف اسلامی ملکوں میں تمام تدریسی طریقوں اور نظاموں میں قرآنِ کریم کی تعلیم ہی اساس اور بنیاد ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم دین کے شعائر میں سے ہے۔ جس سے عقیدہ مضبوط اور ایمان راسخ ہوتا ہے۔

- ابن سینا نے "کتاب السیاستہ" میں یہ نصیحت لکھی ہے کہ جیسے ہی بچہ جسمانی اور عقلی طور سے تعلیم و تعلّم کے لائق ہو جائے تو اس کی تعلیم کی ابتداء قرآنِ کریم سے کرنا چاہیے تاکہ اصل لغت اس کی گھٹی میں پڑے، اور ایمان اور اس کی صفات اس کے نفس میں راسخ ہو جائیں۔

- تاریخ اور ادب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ فضل بن زید نے ایک دیہاتی عورت کے بچے کو دیکھا اور بہت متعجب ہوئے۔ اس عورت سے اس بچے کے بارے میں سؤال کیا۔ تو اس عورت نے کہا: جب اس بچے کی عمر پانچ سال ہو گئی تو میں نے اسے استاذ کے حوالہ کر دیا، اور اس نے قرآنِ کریم یاد کر لیا، اور تلاوت و تجوید سیکھ لی پھر اسے عمدہ اشعار یاد کرائے اور سکھائے اور اپنی قوم کے قابلِ فخر کارناموں کی تعلیم دی گئی، اور

اس کے آباء واجداد کے کارنامے بتلائے گئے۔ جب وہ بلوغ کی عمر کو پہنچ گیا تو ہیں نے اسے گھوڑوں پر سوار کرایا اور وہ بہترین مشاق شہسوار بن گیا۔ اور ہتھیار سے لیس ہو کر محلہ کے گھروں کا محافظ بن گیا اور مدد کے لیئے پکار نے والوں کی آواز کی جانب متوجہ رہنے لگا۔

اور جہاں ہم نے یہ تذکرہ کیا تھا کہ پہلے زمانے کے لوگ اپنے بچوں کی تربیت کا نہایت اہتمام کیا کرتے تھے اور اپنے بچوں کو جب اساتذہ کے حوالے کرتے اور ان حضرات کو سب سے پہلے جو مشورہ دیتے اور جس بات کی انہیں نصیحت کرتے وہ یہ تھی کہ ان بچوں کو سب سے پہلے قرآنِ کریم کی تعلیم دیں، اس کی تلاوت سکھائیں اور اسے انہیں یاد کرائیں، تاکہ ان کی زبان درست ہو۔ اور ان کی ارواح میں پاکیزگی وبلندی اور دلوں میں خشوع وخضوع پیدا ہو اور آنکھوں میں آنسو آئیں۔ اور ان کی نفوس میں ایمان اور یقین راسخ ہو جائے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا بہت اہتمام کیا ہے کہ بچے کو شروع سے ہی ایمان کے اصول اور بنیادی باتیں بتلائی جائیں اور ارکانِ اسلام اور شریعت کے احکام سکھلائے جائیں، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے اہلِ بیت، اور آپ کے صحابہ اور قائدینِ اسلام اور ملکوں کے فتح کرنے والوں، اور قرآنِ کریم کی تلاوت کی محبت اس کے دل میں پیدا کی جائے تاکہ بچہ کامل ایمان اور مضبوط وراسخ عقیدہ اور اپنے ابتدائی عظیم بہادر قائدوں کے ہراول دستے کی محبت سے سرشار ہو کر بڑھے پلے، اور جب وہ بڑا ہو تو ملحدین کے الحادی دجل ومکر وفریب اور اہلِ ضلال اور گمراہوں اور کافروں کے پروپگنڈے سے متأثر نہ ہو۔

اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ تربیت کرنے والے حضرات ان بنیادوں کے مطابق اپنے بچوں کی تربیت کریں۔ اور ان مذکورہ بالا وسائل کو اختیار کریں تاکہ بچوں کے عقیدہ کو زیغ وضلال اور الحاد وانحراف سے بچانے کی ضمانت وگارنٹی مل سکے۔

علماءِ تربیت واخلاق کے یہاں یہ مسلم امور میں سے ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو فطرۃً توحید اور ایمان باللہ پر پیدا ہوتا ہے اور اصل کے اعتبار سے اس میں طہارت وپاکیزگی اور برائیوں سے دوری ہوتی ہے اور اس کے بعد اس کو اگر گھر میں اچھی اور عمدہ تربیت، اور معاشرہ میں اچھے نیک ساتھی اور صحیح اسلامی تعلیمی ماحول میسر آجائے تو وہ بلاشبہ راسخ الایمان ہوتا ہے اور اعلیٰ اخلاق اور بہترین تربیت میں بڑھتا پلتا ہے۔

یہ حقیقت دراصل وہ ایمانی فطرت ہے جسے قرآنِ کریم نے مقرر کیا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید کی ہے اور علماءِ تربیت واخلاق نے اس کی تائید کی ہے:

قرآنِ کریم نے اسے اس طرح سے مقرر فرمایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا، لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ)). (الروم - ۳۰)

اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی تاکید کرنا تو وہ اس طرح سے ہے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((کل مولود یولد علی الفطرة، فأبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه)).

ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین یا اسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی بناتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں۔

رہا اس سلسلہ میں علماء تربیت واخلاق نے جو کچھ تحریر کیا ہے تو ہم عنقریب اسے وہاں ذکر کریں گے جہاں ہم ایمانی تربیت کی اہمیت اور افراد کے کردار اور قوموں ومعاشروں کی خامیاں وکجی دور کرنے اور ان کی اصلاح پر اس کے اثر کے سلسلہ میں مغرب ومشرق کے علماء کے اقوال کو استشہاد کے طور پر پیش کریں گے، اس موقعہ پر ہم صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں جسے امام غزالی نے بچے کو اچھی باتوں یا شر وبرائی کی طرف اس کی اپنی قابلیت اور فطرت کے اعتبار سے عادی بنانے کے سلسلہ میں لکھا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ: بچہ اپنے والدین کے پاس ایک امانت ہوتا ہے، اور اس کا پاکیزہ دل ایک نفیس جوہر اور موتی کی طرح ہے، چنانچہ اگر اسے خیر کا عادی بنایا جائے اور بھلے کام سکھائے جائیں تو انہیں سیکھتا ہوا بڑھتا پلتا ہے اور دنیا وآخرت دونوں میں خوش نصیب رہتا ہے۔ اور اگر اسے برے کاموں کا عادی بنایا جائے۔ اور حیوانات اور جانوروں کی طرح مہمل چھوڑ دیا جائے تو بدبخت بن جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے، اور اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اسے علم وادب سکھایا جائے، مہذب بنایا جائے اور اسے اچھے اخلاق سکھائے جائیں۔

اور کسی شاعر کا یہ کتنا عمدہ شعر ہے:

وینشأ ناشئ الفتیان منا — علی ما کان عوده أبوه

ہم میں سے نیا نیا جوان انہیں عادات واخلاق پر بڑھتا پلتا ہے جن کا اسکے والدین اسے عادی بناتے ہیں

وما دان الفتی بحجی ولکن — یعوده التدین أقربوه

اور عقل کے ذریعہ سے کوئی نوجوان کبھی دیندار نہیں بنتا دینداری کا عادی تو اسے اس کے رشتہ دار ہی بناتے ہیں

فطرت کی اس اہمیت اور اثر کو دیکھتے ہوئے ہم اس بات کو خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ بچہ اگر منحرف

گھرانے میں پلے بڑھے گا، اور گمراہ ماحول میں تعلیم حاصل کرے گا، اور برے لوگوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے گا، تو بلاشبہ فساد اس کی گھٹی میں پڑ جائے گا۔ اور برے اخلاق اس میں جڑ پکڑیں گے، اور کفر اور گمراہی کے مبادی اور اصولوں کو سیکھے گا، اور پھر جلد ہی نیک بختی سے بدبختی اور ایمان سے الحاد کی طرف اور پھر اسلام سے کفر کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور پھر اس کا حق ایمان اور ہدایت کی جانب واپس لوٹنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

محترم مربی! اس مناسبت سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنے معاشرہ کی کچھ حقیقی اور واقعی مثالیں اور گندے اور آزاد ماحول کی کچھ تصویر کشی کر دوں تاکہ آپ کو ان عوامل کا پتہ چل جائے جو بچے کے عقیدہ واخلاق میں انحراف کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اگر والدین اور سرپرستوں نے اپنی اولاد کی تربیت میں تساہل سے کام لیا تو عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ بچے کجی اور گمراہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور کفر و الحاد کی بنیادی باتوں کو اپنا لیتے ہیں۔

◎ جو والدین اپنے بچوں کو غیر مسلموں کے اسکولوں اور مشنری تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے بھیجتے ہیں۔ جہاں بچے عیسائی استاذوں سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں۔ تو اس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ بچہ کجی اور گمراہی پر بڑھتا پلتا ہے۔ اور کفر و الحاد کی جانب آہستہ آہستہ راغب ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے دل میں اسلام کی طرف سے نفرت اور دینِ اسلام سے بغض راسخ ہو جاتا ہے۔

◎ جو باپ اپنے بچے کی باگ ڈور ایسے ملحد اساتذہ اور گندے مربیوں کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں جو ان بچوں کو کفر کی باتیں سکھاتے ہیں۔ اور ان کے دل میں گمراہی کے بیج بو دیتے ہیں، تو ظاہر بات ہے کہ بچہ الحادی تربیت اور خطرناک لادینی نظریات میں نشو و نما پائے گا۔

◎ جو باپ اپنے بیٹے کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ جن ملحدوں اور مادہ پرستوں کی کتابوں کا چاہے مطالعہ کرلے، اور عیسائیوں اور استعمار پسندوں نے اسلام پر جو اعتراضات کیے ہیں ان میں سے جس کا چاہے مطالعہ کرے تو ظاہر ہے کہ ایسا بچہ اپنے دین و عقیدہ کے بارے میں شک میں پڑ جائے گا، اور اپنی تاریخ اور بزرگوں کا مذاق اڑائے گا اور اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف جنگ کرے گا۔

◎ جو باپ بھی اپنے بیٹے کو کھلی چھٹی دے دے گا۔ اور اسے بالکل آزاد چھوڑ دے گا تاکہ وہ جس گمراہ اور کج رو اور باطل پرست سے چاہے میل جول رکھے، اور گمراہ خیالات اور درآمد شدہ غیر اسلامی افکار میں سے جس رائے اور خیال کو چاہے اپنائے۔ تو ظاہر بات ہے کہ بچہ لازمی طور سے تمام دینی اقدار اور ان اخلاقی بنیادی قواعد کا مذاق اڑائے گا جنہیں دینِ اسلام اور شریعتوں نے پیش کیا ہے۔

◎ جو باپ اپنے بیٹے کو یہ موقع فراہم کرے گا کہ وہ جن ملحدانہ و کافرانہ ذہن رکھنے والی جماعتوں اور لادینی علمانی

تنظیموں کے ساتھ منسلک ہونا چاہے ہوجائے۔ اور ایسی جماعتوں سے وابستہ ہوجائے جن کا اسلام سے عقیدہ و افکار اور تاریخ کسی لحاظ سے بھی جوڑ نہیں ہے۔ تو بلا شبہ بچہ گمراہ کن عقائد اور کافرانہ و ملحدانہ باتوں میں بڑھتے پلتے گا بلکہ وہ درحقیقت ادیان و مذاہب اور دینی و اخلاقی اقدار اور مقدسات کا کھلا دشمن ہوگا۔

ولیس النبت ینبت فی جنان	کمثل النبت ینبت فی الفلاۃ
اور نہیں ہے وہ گھاس جو کہ باغوں میں اگتی ہے	اس گھاس کی طرح جو کہ جنگلوں میں اگا کرتی ہے
وھل یرجی لأطفال کمال	إذا ارتضعوا ثدی الناقصات
اور کیا ان بچوں سے کسی کمال کی توقع رکھی جاسکتی ہے	جنہوں نے ناقص عورتوں کا دودھ پیا ہو

اور جب تربیت کرنے والے حضرات کے ذمہ عمومی طور سے اور والدین پر خصوصی طور سے یہ بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بچے کی نشو ونما ایمانی عقیدہ و ماحول میں کریں اور ان کا فریضہ یہ ہے کہ ان کو اسلام کی بنیادی باتوں کی تعلیم دیں۔ تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس ذمہ داری کی حدود اور اس فریضہ کے ہر گوشے کو اچھی طرح سے سمجھ لیں، تاکہ ہر وہ شخص جس پر تربیت و رہنمائی کی ذمہ آتی ہے وہ اس فریضہ کی اہمیت کو جان لے اور بچے کو اعلیٰ ترین کامل و مکمل ایمانی تربیت دینے کے سلسلہ میں اس پر جو ذمہ داری ہے اسے سمجھ لے۔

اس ذمہ داری اور مسئولیت کی حدود ترتیب وار اس طرح سے ہیں :

۱۔ بچوں کی ایمان باللہ اور اس کی حیران و معجز کن قدرت اور عجیب و شاندار انداز سے ایجاد اور پیدا کرنے کی جانب اس طرح سے رہنمائی کریں کہ وہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں غور و فکر کرنے لگ جائیں اور اس طرح سے کہ بچہ جب شعور اور سمجھ کی حدود کو پہنچ جائے تو تدریجاً محسوس اشیاء سے عقلی اشیاء، اور جزئی سے کلی اشیاء، اور بسیط سے مرکب چیزوں کی طرف اس کی رہنمائی کریں، تاکہ اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ وہ بچے حجت و دلیل اور اطمینان و یقین کے ساتھ ایمان رکھتے ہوں۔ اور جب بچہ شروع سے ہی صحیح ایمان پر پروان چڑھے اور باتیں سیکھے گا اور توحید پر دلالت کرنے والے مضبوط دلائل اس کے ذہن میں موجود ہوں گے تو پھر اس کے پر نور و آباد دل کو تباہی کی کدالیں ویران نہ کرسکیں گی۔ اور مفسد اور گمراہ لوگوں کو اس کی پختہ عقل پر اثر انداز ہونے کا موقعہ نہ ملے گا۔ اور کوئی شخص بھی اس کی سچی پکی مؤمن نفس میں شک وشبہ پیدا نہ کرسکے گا۔ جس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ ایمان اس کے دل میں جگہ پکڑ چکا اور یقین راسخ ہو چکا ہوگا اور وہ دین کے ہر پہلو سے مطمئن ہوگا۔

ادنیٰ سے اعلیٰ اور محسوس سے غیر محسوس عقلی اشیاء کی طرف رہنمائی کا یہ تدریجی طریقہ جس سے انسان کسی چیز کی

حقیقت تک پہنچے یہ قرآنِ کریم کا تبلایا ہوا طریقہ ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم کی روشن آیات میں سے چند آیات آپ خدمت میں پیش کی جاتی ہیں:

((هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝)).

النحل - ۱۰ تا ۱۷

وہی ہے جس نے اتارا تمہارے لیے آسمان سے پانی اس سے پیتے ہو اور اسی سے درخت ہوتے ہیں جس میں چراتے ہو۔ اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے۔ اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں؛ اور تمہارے کام میں لگا دیا رات اور دن اور سورج اور چاند کو اور ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ اور جو رنگ برنگی چیزیں تمہارے واسطے زمین میں پھیلائیں اس میں ان لوگوں کے واسطے نشانی ہے جو سوچتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا دریا کو کہ کھاؤ اس میں سے تازہ گوشت اور نکالو اس میں سے زیور جو پہنتے ہو۔ اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو اس میں پانی پھاڑ کر چلتی ہیں۔ اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم احسان مانو۔ اور رکھ دیئے زمین پر بوجھ کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر اور بنائیں ندیاں اور راستے تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور بنائیں علامتیں۔ اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔ بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ پیدا نہ کرے کیا تم سوچتے نہیں۔

((اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ

بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی

اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝))۔

البقرہ۔ ۱۶۴

چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بے شک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔

((فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝))۔

الطارق۔ ۵ تا ۱۰

سو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ وہ (اللہ) اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر یقیناً قادر ہے (سو) جس روز (سب) راز فاش ہو جائیں گے تو انسان کو نہ خود قوت ہوگی اور نہ کوئی (اس کا) مددگار ہوگا۔

((فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝))۔ عبس۔ ۲۴ تا ۳۲

سو انسان ذرا دیکھے تو اپنے کھانے کی طرف ہم نے خوب پانی برسایا، پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لیے۔

((اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں کوئی سفید اور کوئی سرخ ان کے رنگ مختلف ہیں۔ اور کوئی بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں کہ ان کے رنگ مختلف

اللہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ۝ .. ـــــــــــ ہیں۔ اور اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں بے شک اللہ زبردست ہے بڑا مغفرت والا ہے۔

الفاطر۔ ۲۷ و ۲۸

(۱) اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَزَیَّنّٰھَا وَمَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍۢ بَھِیْجٍ ۝ تَبْصِرَۃً وَّ ذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝ ..

کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کیسا بنایا ہے اور ہم نے اسے آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ (تک) نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔

ق۔ ۶ تا ۸

اس کے علاوہ بے شمار وہ آیات جو اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں۔

۲۔ بچوں کی نفوس میں خشوع وخضوع اور تقویٰ اور اللہ رب العالمین کی عبودیت وغلامی کی روح پیدا کرنا :

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی معجز قدرت کھول کر بیان کی جائے اور اس کی ایسی حکومت کو جو نہایت عظیم اور بڑی ہے اور ہر چیز کو محیط ہے اسے واضح کیا جائے اس کی حکومت ایسی ہے جو ہر چھوٹی بڑی اور زندہ اور جامد کو محیط ہے اس کی قدرت کے مظاہر ملاحظہ کرائے جائیں خواہ اگنے والے پودوں کی شکل میں ہوں یا پیدا ہونے والا درخت یا حسین وجمیل خوشبودار کھلنے والے پھولوں کے رنگ میں، اس طرح کی دیگر کروڑوں اربوں عجیب وغریب طرح طرح کی وہ مخلوقات جس کو اللہ تعالیٰ نے نہایت عجیب وغریب اور حیران کن طریقے سے وجود بخشا ہے، یہ چیزیں مشاہدہ کرکے دل اللہ کے سامنے خشوع وخضوع اختیار کرے گا۔ اور اس کی عظمت وبڑائی کے سامنے لرزنے لگے گا۔ اور ان چیزوں کو دیکھ کر نفس اللہ سے خوف کھائے گا اور پورے طور سے دل کی گہرائیوں سے طاعت میں لذت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں حلاوت محسوس کرنے لگے گا۔

اور بچے میں خشوع وخضوع پیدا کرنے اور اس میں تقوٰی راسخ کرنے والے وسائل میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ سن شعور کو پہنچ جائے تو اسے نماز میں خشوع کا عادی بنایا جائے اور قرآن کریم سن کر رونے اور غمگین ہونے کی عادت ڈلوائی جائے، اس لیے کہ یہ عارفین کی صفت اور اللہ کے نیک بندوں کا شعار اور سچے مؤمنوں کی خصوصیت ہے۔ آئیے قرآنِ کریم سنیے دیکھیے اس میں خشوع وخضوع اختیار کرنے والوں کی عظمت اور اللہ کی طرف رجوع

رنے والے متقیوں کی تعریف کس طرح کی گئی ہے:

((قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ)). المؤمنون۔ ۱و۲

یقیناً (وہ) مومنین فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔

((اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ)). الزمر۔ ۲۳

اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے ایک کتاب باہم ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی، اس سے ان لوگوں کی جلد جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں کانپ اٹھتی ہے، پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی) ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کردیتا ہے۔

((وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ)). الحج۔ ۳۴و۳۵

اور آپ خوشخبری سنا دیجیے گردن جھکانے والوں کو جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

((اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩)). مریم۔ ۵۸

اور جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو (زمین پر) گر پڑتے تھے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے۔

((اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ)). الحدید۔ ۱۶

کیا ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے آگے جھک جائیں۔

خشوع و خضوع اور اللہ کی طرف توجہ و رغبت اور غم و درد کی یہ وہ کیفیت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ا ے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین اور عارفین میں نمایاں طور سے پائی جاتی ہے، چنانچہ ام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول رم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اقرأ عليّ القرآن)).

مجھے قرآن کریم پڑھ کر سناؤ۔

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالاں کہ قرآنِ کریم آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إني أحب أن أسمعه من غيري)).

میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے کسی دوسرے کی زبانی سنوں۔

چنانچہ میں نے آپ کو سورۂ نساء پڑھ کر سنائی اور جب مندرجہ ذیل آیت پر پہنچا:

((فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾)). النساء - ۴۱	پھر کیا حال ہوگا جب بلائیں گے ہر ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلائیں گے آپ کو ان لوگوں پر احوال بتلانے والا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((حسبك الآن))	بس اب اتنا کافی ہے۔

جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

حضرت ابو صالح کہتے ہیں کہ اہل یمن کے کچھ حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور قرآن کریم پڑھ کر رونے لگے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری بھی یہی حالت تھی لیکن پھر ہمارے دل سخت ہوگئے۔

سلف صالحین پر نماز کی حالت میں خشوع وخضوع اور رونے دھونے کی جو کیفیت طاری ہوتی تھی اور قرآن کریم کی تلاوت سن کر ان پر جو گریہ اور آہ وزاری کا دور دورہ ہوتا تھا اس کے واقعات اتنے ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا، اور اس سلسلہ میں ان حضرات کے عجیب وغریب مشہور ومعروف قصے اخلاق وتربیت کی کتابوں میں کثرت سے نقل کیے گئے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ شروع شروع اور تعلیم وتربیت کے ابتدائی ایام میں مربی حضرات کو بچے میں خشوع وخضوع اور رونے دھونے اور آہ وزاری کی کیفیت پیدا کرنے میں کچھ مشکلات اور دشواری پیش آئے، لیکن کبھی تنبیہ اور کبھی بار بار ٹوکنے اور مشق کرانے اور کبھی دیکھا دیکھی یہ عمل دہرانے سے بچے میں خشوع وخضوع اور درد وغم فطری طور سے سما جائے گا اور یہ اس کی عادت وفطرت میں سے شاندار عادت بن جائے گا۔

کسی شاعر نے کیا اچھا شعر کہا ہے:

قد ينفع الأدب الأولاد في صغر	وليس ينفعهم من بعده أدب
بچپن میں کبھی کبھی ادب سکھانا بچے کو فائدہ پہنچا دیتا ہے	اور یہ عمر گزرنے کے بعد انہیں کسی قسم کا ادب فائدہ نہیں پہنچاتا
إن الغصون إذا عدلتها اعتدلت	ولا تلين ولو لينته الخشب
ٹہنیوں کو اگر آپ سیدھا کرنا چاہیں تو سیدھی ہوجاتی ہیں؛	لیکن جب لکڑی بن جائیں تو اس کو نرم کرنا بھی نرم ولچکدار نہیں بنا سکتا

اس خشوع وخضوع اور آہ وزاری کا عادی بنانے کی اولیاء کے یہاں جو مشق کی جاتی ہے اور ان کے یہاں جو چیز اس کی باعث ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمانِ مبارک ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

((اقرءوا القرآن وابكوا فإن لم	قرآن کریم پڑھو اور رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو

تبکوا فتباکوا))۔ طبرانی رونے کی صورت بنالیا کرو۔

بچوں میں یہ کیفیت پیدا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام تصرفات و حالات میں انہیں دیکھ رہا ہے

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کو اس بات کی مشق کرائی جائے کہ اللہ تعالےٰ اس کو ہر وقت دیکھ رہا اور اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اور اس کے ظاہر اور باطن دونوں کو جانتا ہے۔ اور اس کو انسان کی آنکھوں کی خیانت اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی معلوم ہیں۔ بچہ میں یہ کیفیت پیدا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے یہ مربی کی سب سے بڑی کوشش اور مقصدِ اصلی اور بنیادی فکر ہونا چاہیے اور یہ صورت حال اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب بچے کو اس کی ہر حالت و کیفیت میں مشق کرائی جائے۔ وہ جب کوئی کام کر رہا ہو اس وقت بھی اور جب وہ سوچ وبچار میں لگا ہوا ور جب وہ احساس و شعور کی دنیا میں گم ہو اس وقت بھی۔

کام کاج کے وقت اس کو اللہ کے دیکھنے کی مراقبہ کی مشق اس لیے کرائی جائے تاکہ وہ اپنے تمام اقوال و افعال و اعمال اور تمام تصرفات میں محض اللہ کی رضا کے لیے اخلاص کے ساتھ کام کرنے والا بنے۔ اور ہر وہ کام جس کا مدار نیت پر ہو اسے کرنے سے پہلے وہ اپنی نیت درست کر کے محض اللہ کی رضا کو اپنا مقصد بنالے، چنانچہ پھر وہ محض اللہ کے لیے ہی ہر کام کرنے والا مخلص بندہ بن جائے گا۔ اور ان لوگوں میں شامل ہوگا جن کو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان کیا ہے:

((وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝))	حالاں کہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لیے خالص رکھیں یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں یہ ہے راہ مضبوط لوگوں کی۔
البینۃ - ۵	

اسی طرح مربی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو یہ باور کرادے کہ اللہ تعالےٰ سبحانہ اس کا صرف وہی عمل قبول فرمائیں گے جو اس نے صرف اللہ تعالےٰ کے لئے کیا ہو اور جس کام سے اس کا مقصد محض اللہ کی رضا ہو۔ اس لیے کہ ابو داؤد اور نسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ان اللہ عزوجل لا یقبل العمل إلا ما کان خالصا	اللہ تعالےٰ اعمال میں سے صرف وہی عمل قبول کرتے ہیں جو صرف اس کی ذات کے لیے کیا گیا

وابتغی بہ وجہہ))۔ ہو اور اس سے اسی کی رضا مقصود ہو۔

اور اس لیے کہ امام بخاری و مسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث روایت کرتے ہیں کہ :

((إنما الأعمال بالنیات وإنما لکل امرئ ما نوی))۔ تمام اعمال کا نیت پر مدار ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی ہو۔

غور و فکر کی صورت میں بچے کو اللہ کے مراقبہ اور دیکھنے کا اس لیے عادی بنایا جائے گا تاکہ وہ ان افکار کو سمجھ اور سیکھ لے جو اسے خالقِ عظیم سے قریب کرنے والی ہیں۔ اور جن سے خود اسے بھی نفع پہنچے گا اور دوسرے تمام لوگوں کو بھی، بلکہ یہ نہایت ضروری ہے کہ اسے اس بات کی مشق کرائی جائے کہ اس کی عقل و سمجھ اور دل اور خواہشات سب کے سب ان تعلیمات کے تابع ہوں جنہیں رسولِ اکرم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ اسی طرح مربی پر یہ بھی لازم ہے کہ بچے میں محاسبہ کی عادت پیدا کرے، اور اس کو ایسا بنا دے کہ وہ اپنا محاسبہ ان برے خیالات اور بے سروپا افکار پر بھی کرے جو اس کے دل میں کبھی کبھار آتے ہوں اور مربی کو چاہیے کہ بچے کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات[1] یاد کرا دے اور ساتھ ہی ان آیات میں جو ارشادات اور دعائیں ہیں جن میں اللہ کی طرف توجہ اور اس کی نگرانی کو ملحوظ رکھنے، اور نفس کے محاسبہ، اور آسمانوں اور زمین کے خالق کی طرف متوجہ ہونے، اور اس سے سرگوشی و مناجات کرنے، اور اس سے دعا مانگنے کی جانب جو راہنمائی کی گئی ہے اس کو اس کے سامنے کھول کر واضح طور سے بیان کرے۔

احساس و شعور کی کیفیت میں اللہ کے مراقبہ کا عادی اس لیے بنایا جائے گا تاکہ وہ ہر لطیف احساس کو سیکھ لے، اور ہر پاکیزہ شعور و احساس کو پیدا کرلے، لہٰذا وہ نہ حسد کرے نہ بغض، نہ چغل خوری، اور نہ گندے مال و متاع سے فائدہ اٹھائے، اور نہ ناجائز و حرام خواہشات کو دل میں جگہ دے، اور جب بھی اسے شیطانی وسوسہ یا نفسِ امارہ کی طرف سے اس طرح کی برائی کا کوئی خیال آئے تو فوراً اس بات کو یاد کرلے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے اس کی باتیں بھی سن رہا ہے اور اسے دیکھ بھی رہا ہے، لہٰذا یہ یاد کرتے ہی اسے عقل و سمجھ آجائے گی اور بصیرت و فراست سے کام لینے لگے گا، تربیت اور مراقبہ کے اس اسلوب کی جانب مربی اول نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سائل کی رہنمائی کی تھی جس نے آپ سے احسان و اخلاص کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا :

((أن تعبد اللہ کأنک تراہ فإن لم تکن تراہ فإنہ یراک))۔ تم اللہ کی عبادت اس طرح سے کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم یہ تصور نہیں قائم کرسکتے تو یہ سمجھ لو کہ وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے ہی۔

صحیح بخاری

---

[1] وہ آیات : للہ ما فی السماوات والأرض وإن تبدوا ما فی أنفسکم سے شروع ہو کر سورت کے خاتمہ پر ختم ہوتی ہیں۔

اور قرآنِ کریم نے اس جانب اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ اشارہ کیا ہے:

«وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۞» الاعراف-۲۰۰ و ۲۰۱

اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا جاننے والا، جن کے دل میں ڈر ہے جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گزر چونک گئے پھر اسی وقت ان کو سوجھ آجاتی ہے۔

تعلیم اور مشق کا یہ طریقہ سلفِ صالحین کا طریقہ ہے جس کی وہ اپنی اولاد کو مشق کرایا کرتے تھے اور ان کو اس کا عادی بناتے تھے، لیجیے امام غزالی نے احیاء العلوم میں ایک قصہ لکھا ہے وہ آپ کو سنائے دیتے ہیں:

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں: کہ جب میں تین سال کا تھا تو رات کو اٹھ جایا کرتا تھا، اور اپنے ماموں حضرت محمد بن سوار کی نماز دیکھا کرتا تھا، ایک روز انہوں نے مجھ سے فرمایا: کیا تم اس اللہ کو یاد نہیں کرتے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟ میں نے پوچھا کہ میں اس ذات کو کس طرح یاد کروں؟ تو انہوں نے فرمایا: جب تم اپنے بستر سے پر لیٹتے ہو تو زبان ہلائے بغیر تین مرتبہ یہ کہا کرو: اللہ معی (اللہ میرے ساتھ ہے) اللہ ناظر الیّ (اللہ مجھے دیکھ رہا ہے) اللہ شاہدی (اللہ میرے پاس موجود ہے) چند رات میں نے اس پر عمل کیا اور پھر ان سے یہ بات ذکر کر دی۔ تو انہوں نے فرمایا: اب ہر رات کو سات مرتبہ اسے پڑھا کرو۔

میں نے اس پر عمل شروع کر دیا اور پھر انہیں بتلایا تو انہوں نے فرمایا: یہی کلمات ہر رات کو گیارہ مرتبہ کہا کرو چنانچہ میں نے اسی مقدار میں پڑھنا شروع کر دیے، اور ان کلمات کی حلاوت وشیرینی میرے دل میں گھر کر گئی ایک سال کے بعد مجھ سے میرے ماموں نے کہا: میں نے جو کلمات تمہیں سکھلائے تھے انہیں یاد رکھنا اور اس وقت تک ہمیشہ ہمیشہ پڑھتے رہنا جب تک کہ قبر میں نہ چلے جاؤ۔ اس لیے کہ ان سے تمہیں دنیا وآخرت دونوں میں فائدہ ہوگا۔ کئی سالوں تک میں ان کو پڑھتا رہا اور پھر میں نے ان کی حلاوت اپنے باطن میں محسوس کی، پھر ایک روز میرے ماموں نے مجھ سے کہا: اے سہل بتلاؤ جس شخص کے ساتھ اللہ ہو اور اللہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو اور اس کے ساتھ موجود ہو تو کیا وہ شخص اس اللہ کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ اس لیے تم نافرمانی سے بچنا۔

اس بہترین وشاندار رہنمائی اور مستقل ریاضت اور صحیح ایمانی تربیت کے سبب حضرت سہل رحمہ اللہ کبارِ عارفین اور نیک وصالح حضرات کے امام بن گئے تھے جس کا تمام تر سہرا ان کے ان ماموں کے سر پر ہے جنہوں نے انہیں تربیت دی تعلیم دی اور ان پر یہ حقیقت آشکارا کی، اور بچپن سے ہی ایمان اور اللہ کے حضور اور مراقبہ کا تصور ان کے دل میں پیدا کیا اور ان کو مکارمِ اخلاق کا عادی بنا دیا۔

بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں تربیت کرنے والے حضرات جب اس طریقے کو اختیار کریں گے۔ اور جب ماں باپ بچوں کو ان قواعد اور اصولوں کے مطابق چلائیں گے تو وہ تھوڑی سی مدت میں ایک ایسی قوم کو تشکیل دینے میں کامیاب ہو جائیں گے جو اللہ پر ایمان رکھتی ہو۔ اور اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہو۔ اور اپنی اور اپنے بزرگوں کی تاریخ پر فخر کرتی ہو، اور اسی طرح وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ ایک ایسے معاشرہ کو تشکیل دیں جو الحاد اور اخلاقی خرابیوں سے پاک صاف ہو جس میں حقد و حسد اور جرائم نام کو نہ ہوں۔

یہ ایمانی تربیت جسے ہم نے تفصیل سے بیان کیا اور اس پر روشنی ڈالی یہ وہ تربیت ہے جس کے لیے مغرب کے علماء تربیت و اخلاق نہایت شدت سے کوشاں ہیں۔ تاکہ اپنے معاشرہ کو بد دینی و جرائم اور گندے اخلاق و بے حیائی کے کاموں سے نجات دلا سکیں، لیجیے ان کے کچھ اقوال ذیل میں پیش کیے دیتے ہیں:

✿ مغرب کے سب سے بڑے قصہ نویس "دستوفسکی" نے یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ انسان جب اللہ کو چھوڑ بیٹھتا ہے تو پھر وہ کس طرح سے شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے[1]۔

✿ مشہور فرانسیسی ادیب ورلیٹیر مادہ پرست شک میں ڈالنے والے ملحدوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں:

تم لوگ اللہ کے وجود میں کیوں شک کرتے ہو اگر اللہ نہ ہوتا تو میری بیوی میرے ساتھ خیانت کرتی اور میرا خادم میرا مال چرا لیتا۔

✿ امریکہ کے نفسیاتی طبیب ڈاکٹر ہنری لنک اپنی کتاب "عودۃ الایمان" میں لکھتے ہیں:

جو والدین یہ پوچھتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی اخلاقی تربیت کس طرح کریں اور ان کو کس طرح شائستہ بنائیں۔ جبکہ خود ان میں وہ دینی اثرات موجود نہیں ہیں جنہوں نے اس سے قبل ان کے اخلاق کو سنوارا تھا۔ یہ لوگ درحقیقت ایک ایسی مشکل میں پھنس گئے ہیں جس کا کوئی حل نہیں ہے اور اس کے بدلے ان کو کوئی دوسرا ایسا کامل و مکمل نعم البدل نہیں مل سکا جو اس عظیم قوت کی جگہ لے سکے جسے خالق پر ایمان لانا اور لوگوں کے دلوں میں رکھی گئی فطری صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

✿ مکہ سے شائع ہونے والے رسالے "مجلۃ الحج" اپنے تیئسویں سال کے تیسرے شمارے میں اسٹالن کی بیٹی سوتیلانا کی زبانی لکھا ہے:

اس کے وطن اور اولاد چھوڑنے کا اصلی سبب دین ہے، اس لیے کہ وہ ایک ایسے گھر میں بڑھی پلی تھی جس کے افراد اللہ سے قطعاً بے بہرہ تھے اور اس کا نام ان کی زبان پر نہ قصداً آتا تھا نہ بھولے سے۔ اور جب وہ سن شعور کو پہنچی اور بڑی ہوئی (تو بغیر کسی خارجی عامل کے) اس نے اپنے اندر ایک قوی احساس یہ پایا کہ اللہ پر ایمان لائے

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب "مباھج الفلسفۃ"، مصنفہ ول دیوارنت (۲ - ۲۷۶)۔

بغیر دنیا کی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی، جیسے کہ اللہ پر ایمان لائے بغیر لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنا ناممکن ہے اور اس نے نہایت ٹھنڈے دل سے یہ محسوس کیا کہ انسان کو ایمان کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے جس طرح پانی اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔

★ فلسفی کینٹ نے یہ اعلان کیا کہ تین قسم کے اعتقاد پیدا کیے بغیر اخلاق وجود میں نہیں آسکتے:

خدا کا وجود، روح کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے اور مرنے کے بعد حساب کتاب کا یقین رکھنا۔

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ بچے کی اصلاح اور اس کی اخلاقی و نفسیاتی تربیت کی بنیاد و جڑ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔

قارئین کرام! دنیا بھر کے علماء تربیت و اخلاق کے مندرجہ بالا بعض اقوال سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ایمان اور اخلاق کے درمیان کتنا گہرا اور مضبوط تعلق ہے اور عقیدہ اور عمل کے درمیان کتنا قوی و مضبوط رابطہ ہے۔ اخلاقی تربیت کی مسئولیت کی بحث میں جہاں ہم اس کا علاج پیش کریں گے وہاں ہم اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے کہ بچے کے کردار کے درست کرنے اور اس کے اخلاق کو سنوارنے اور اس کی کجی کو دور کرنے میں ایمان کا کتنا عظیم اثر ہوتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی سیدھا راستہ دکھانے والا ہے اور ہم اسی سے مدد اور توفیق مانگتے اور حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ والدین اور تربیت کرنے والوں پر ایمانی تربیت کی ذمہ داری ایک بہت بڑی اور اہم ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ یہی ایمانی تربیت اچھائیوں اور فضائل کا منبع اور کمالات کا باعث اور ذریعہ ہے۔ بلکہ بچے کے ایمان میں داخل ہونے کے لیے یہ بنیادی چیز اور اسلام کا ایک پل ہے۔ اور اس تربیت کے بغیر نہ بچہ کسی ذمہ داری کو پورا کرسکتا ہے اور نہ امانت و دیانت سے متصف ہوسکتا ہے اور نہ کسی مقصد و منزل کو پہچان سکتا ہے، اور نہ شریف و باکمال انسانیت کے معنی پیدا کرسکتا ہے اور نہ وہ شاندار کارنامے انجام دے سکتا ہے اور نہ کسی عظیم مقصد تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اس کی زندگی حیوانوں کی سی زندگی ہوگی جس کا مقصد صرف اپنا پیٹ بھرنا اور حیوانی خواہشات اور تقاضوں کو پورا کرنا اور دنیاوی لذتوں اور شہوتوں کے پیچھے سرگرداں رہنا ہوگا۔ اور ایسا شخص مجرموں اور گندے قسم کے لوگوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے گا۔ اور پھر بالآخر وہ اس کافر جماعت اور اباحیت پسند گمراہ گروہ میں شامل ہوجائے گا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں درج ذیل ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ.	اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں اور (آگ) ہی ان کا ٹھکانا ہے۔
محمد-۱۲	

لہٰذا باپ اور مربی کو چاہیے کہ ہر لمحہ اور ہر دقیقہ میں اسے ان دلیلوں اور براہین سے آشنا کرائے جو اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہوں، اور اس کی ایسی رہنمائی کرے جو ایمان کو مضبوط کرے، اور اس کی ایسے گوشوں کی جانب توجہ پھیرتا رہے جو اس میں عقیدہ کے پہلو کو مضبوط کریں، ایمان کے سلسلہ میں نصیحت کے لیے مختلف مناسبات اور موقعوں سے فائدہ اٹھانے کا یہ انداز وطریقہ مربی اوّل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، چنانچہ آپ ہمیشہ یہ کوشش فرماتے تھے کہ بچوں کی ہر اس چیز کی طرف رہنمائی کی جائے جو ان کا مرتبہ اور شان بلند کرے اور ان کے دل کی گہرائیوں میں ایمان ویقین راسخ کردے، محترم قارئین کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رہنمائی اور تربیت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب کو واضح کرنے کے لیے ذیل میں آپ کے سامنے ہم کچھ نمونے پیش کرتے ہیں:

امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«یا غلام إنی أعلمك كلمات: احفظ الله يحفظك، احفظ الله تجده تجاهك، إذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيئ لم ينفعوك إلا بشيئ قد كتبه الله لك، وإن اجتمعوا على أن يضروك بشيئ لم يضروك إلا بشيئ قد كتبه الله عليك، رفعت الأقلام وجفت الصحف».

صاحبزادے میں تمہیں چند باتیں بتلاتا ہوں، تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم حقوق اللہ کا خیال رکھو اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے، اور جب مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگنا، اور جب مدد طلب کرو تو اللہ سے ہی مدد طلب کرو، اور اس بات کو جان لو کہ اگر تمام مخلوق بھی تمہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہے تو تمہیں صرف وہی فائدہ پہنچا سکتی ہے، جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر سب مل کر بھی تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہوگئے۔

☆

ترمذی کے علاوہ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ:

«احفظ الله تجده أمامك، تعرّف إلى الله فى الرخاء يعرفك فى الشدة واعلم أن ما أخطأك لم يكن

اللہ کے حقوق کا خیال رکھو خدا کو اپنے سامنے پاؤ گے، خوشحالی میں خدا کو یاد رکھو، خدا تمہیں تنگی وپریشانی میں یاد رکھے گا۔ اور تم یہ جان لو کہ جو چیز تم تک نہیں پہنچی

ليصيبك ، وما أصابك لم يكن ليخطئك، واعلم أن النصر مع الصبر، وأن الفرج مع الكرب، وأن مع العسر يسرًا »۔	وہ ہرگز بھی تم تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور جو تمہیں پہنچ گئی تم اس سے قطعاً بچ نہیں سکتے تھے، اور تم جان لو کہ کامیابی صبر کے ساتھ ہوتی ہے، اور فراخی وکشادگی تکلیف وکرب کے بعد ہوتی ہے۔ اور تنگی کے ساتھ آسانی ہوا کرتی ہے۔

٭

اور اخیر میں تربیت کرنے والوں اور معلمین اور والدین کے لیے میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ وہ اپنے شاگردوں اور اولاد کے لیے بہترین کتابوں کا انتخاب کریں جو ان بچوں کو سنِ شعور کو پہنچتے ہی عقیدۂ توحید سکھائیں، اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ تعلیم مختلف مراحل میں ہونا چاہیے۔ جن میں سے ہر مرحلہ بچہ کی عمر اور سمجھ اور پختگی کی مناسبت سے ہونا چاہیے۔

پہلے مرحلہ کے اسباق یہ ہوں

یہ دس سے پندرہ سال تک کی عمر والوں کے لیے ہے:

۱۔ کتاب المعرفۃ مصنفہ عالم ربانی شیخ عبدالکریم رفاعی رحمہ اللہ۔

۲۔ کتاب العقائد للشیخ البنا رحمہ اللہ۔

۳۔ کتاب الجواہر الکلامیۃ مصنفہ شیخ طاہر الجزائری۔

دُوسرے مرحلہ کے اسباق

بلوغ کی عمر سے بیس سال کی عمر تک کا عرصہ:

۱۔ اصول العقائد مصنفہ جناب عبداللہ عروانی۔

۲۔ کتاب الوجود الحق مصنفہ ڈاکٹر حسن ھویدی۔

۳۔ کتاب شبہات وردود مصنفہ صاحبِ کتاب ہٰذا۔

تیسرے مرحلہ کے اسباق!

بیس سال کی عمر کے بعد کا زمانہ:

۱۔ کتاب کبری الیقینیات الکونیۃ مصنفہ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی۔

۲۔ کتاب اللہ جل جلالہ مصنفہ جناب سعید حوّی۔

۳- کتاب قصة الإیمان مصنفہ جناب ندیم الجسر۔

دوسرے اور تیسرے مرحلہ کی کتابوں کے ساتھ وہ کتابیں بھی شامل کرلینا چاہیے جو عقیدہ اور افکار سے تعلق رکھتی ہیں۔ لہٰذا ہر نوجوان کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کتابوں کو خریدے اور ان کو پڑھے اور خوب غور سے ان کا مطالعہ کرے۔ اس لیے کہ یہ عقیدہ کو راسخ اور ایمان کو مضبوط کرتی ہیں اور ان کتابوں میں سے اہم یہ ہیں:

الدین فی مواجہۃ العلم مصنفہ جناب شیخ وحید الدین خان

الاسلام یتحدی ″ ″ ″

اللہ یتجلی فی عصر العلم مصنفہ علماءِ مغرب کی ایک جماعت

العلم یدعو الی الایمان مصنفہ کریسی موریسون

اللہ والعلم الحدیث مصنفہ عبدالرزاق نوفل

الطب فی محراب الإیمان مصنفہ ڈاکٹر خالص کنجو

وغیرہ وغیرہ وہ کتابیں جو ایمان کو قوی اور عقیدہ و اسلام کو راسخ کرتی ہیں۔

یہ اس وقت ہے جب بچہ تعلیم کے میدان میں مشغول ہو اور اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے جامعہ تک پہنچ جائے لیکن اگر بچہ صرف پرائمری تک تعلیم حاصل کرکے عملی زندگی میں کمانے کے لیے قدم رکھے تو اس کے والد کو چاہیے کہ اس کو فارغ اوقات میں سمجھدار باصلاحیت اساتذہ کے ذریعہ عقیدۂ توحید سکھانے کی بھرپور کوشش کرے، تاکہ اسے ایمان کی ابتدائی اور بنیادی باتیں معلوم ہوں۔ اور یہ معلمین و اساتذہ اس بچے کے دل میں توحیدِ خالص کے بیج بو دیں تاکہ اس بچے کو یہ بخوبی معلوم ہو جائے کہ اللہ کی طرف — کس چیز کی نسبت واجب ہے اور کس کی جائز اور کونسے امر کی نسبت اللہ کی طرف کرنا محال و ناممکن ہے، اور ایسی صورت میں بچہ خالص ایمانی تربیت میں بڑھے پلے گا۔ اور کسی قسم کے شبہہ سے نہ اس کے قدم ڈگمگائیں گے اور نہ کسی فتنہ اور لالچ کے دام میں گرفتار ہوگا۔
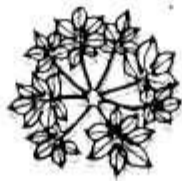
فصلِ ثانی

۲- اخلاقی تربیت کی ذمہ داری

اخلاقی تربیت سے ہماری مراد تمام اخلاقی بنیادی باتوں اور کردار وجدان سے متعلق فضائل کا وہ مجموعہ ہے۔ جنہیں حاصل کرنا اور سیکھنا اور اپنے اندر پیدا کرنا بچہ کے لیے ضروری ہے، اور بچپن اور سنِ شعور سے ہی ان کا عادی بننا لازمی ہے۔ تاکہ جب وہ مکلف ہو اور جوان بنے اور زندگی کے گہرے سمندر میں قدم رکھے تو یہ تمام فضائل و کمالات اس میں موجود ہوں۔

اس میں نہ کوئی شک وشبہ ہے اور نہ اس میں کسی کا اختلاف ہے کہ اخلاق اور کردار سے متعلق فضائل یہ درحقیقت راسخ ایمان اور صحیح دینی تربیت کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے۔

چنانچہ بچے میں جب نوعمری ہی سے ایمان باللہ پیدا ہوگا اور اللہ کے خوف اور اس کے مراقبہ کی اس کو عادت ہوگی اور اسی پر بھروسہ کرنے اور اسی سے مدد مانگنے اور تمام حالات میں اس کے سامنے گردن جھکانے کا جب وہ عادی ہوگا تو ہر فضیلت اور اچھے کام کو قبول کرنے اور ہر اچھے اعلیٰ اور شریفانہ اخلاق کو اختیار کرنے کا اس میں فطری ملکہ اور وجدانی احساس وشعور پیدا ہوگا۔ اس لیے کہ جو دینی روک ٹوک اس کے ضمیر میں جاگزین ہوگئی ہے اور اللہ کا حاضر وناظر ہونا جو اس کے وجدان میں راسخ ہوگیا ہے، اور جو نفسیاتی محاسبہ اس کے تمام تفکرات واحساسات پر غالب آچکا ہے یہ سب کا سب اس بچے اور ان گندی صفات اور رذیل قسم کی عادات اور گناہوں اور جاہلانہ فاسد رسم ورواج کے درمیان حائل بن جائے گا بلکہ خیر کی جانب متوجہ ہونا اس کی طبیعت اور عادت بن جائے گا۔ اور اچھائیوں اور نیکیوں سے محبت اس کی فطرت اور عادت اور اس کا ممتاز وصف بن جائے گا۔

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بہت سے دیندار والدین اور بہت سے مرشدوں وپیروں اور تربیت کرنے والوں کا اپنے شاگردوں، مریدوں اور اولاد کے سلسلہ میں یہ عملی تجربہ نہایت کامیاب رہا ہے، چنانچہ یہ تجربہ سلف کی سیرت اور حقیقت وواقع کی دنیا میں صحیح ثابت ہوچکا ہے۔ اور اس سے پہلے ہم حضرت محمد بن سوار کا وہ موقف ذکر کرچکے ہیں جو انہوں نے اپنے بھانجے سہل تستری کی صحیح ایمانی تربیت اور ان کی اصلاحِ نفس کے لیے

اختیار کیا تھا۔ اور پھر سب نے دیکھ لیا کہ ان کی تربیت کی بدولت ان کے بھانجے کس طرح سے اللہ کے حضور میں حاضر رہتے اور ہمیشہ مراقبہ کی کیفیت میں رہتے اور اللہ کا خوف ان پر غالب رہتا۔ اور ہمیشہ اسی ذات باری پر اعتماد و بھروسہ کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت سہل کو بار بار اس کی ترغیب دی تھی کہ وہ ظاہری طور سے بھی اور مخفی طور پر بھی اور کھلم کھلا بھی اور چپکے سے بھی اور تنہائی میں بھی اور مجمعوں میں بھی اللہ معی (اللہ میرے ساتھ ہے) اللہ ناظر الیّ (اللہ مجھے دیکھ رہا ہے) اور اللہ شاہدی (اللہ میرا مشاہدہ کر رہا ہے) کا ورد جاری رکھیں۔

اور جب بچے کی تربیت اسلامی عقیدہ سے بعید اور دینی توجیہات سے عاری ہوگی اور اللہ سے تعلق نہ ہوگا تو بلا شبہ بچہ فسق و فجور اور آزادی میں پروان چڑھے گا، اور الحاد و گمراہی میں بڑھے چلے گا، بلکہ اپنی نفس کو خواہشات کا تابع بنا دے گا۔ اور اپنے مزاج و خواہشات اور گندے شوق کے مطابق نفسِ امارہ کی خواہشات اور شیطان کے وساوس کے پیچھے چلے گا۔

پھر اگر اس کا مزاج پرسکون اور صلح پسند و صلح جو قسم سے ہے تو وہ دنیاوی زندگی میں بے وقوفوں اور غافلوں کی طرح رہے گا۔ زندہ ہوگا لیکن مردہ کی طرح، اور موجود ہوگا لیکن غیر موجود کی طرح۔ کسی کو نہ اس کی زندگی کی خبر ہوگی اور نہ ہی اس کے مرنے سے کوئی خلا پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شاعر کا بھلا کرے وہ کہتے ہیں:

فذاك الذى إن عاش لم ينتفع به	وإن مات لا تبكى عليه أقاربه
وہ ایسا شخص ہے کہ اگر وہ زندہ ہے تو اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا	اور اگر وہ مر جائے تو اس پر اس کے عزیز و رشتہ دار بھی نہ روئیں

اور اگر اس پر بہیمیت کا پہلو غالب ہوگا تو شہوات و خواہشات اور لذتوں کے پیچھے پیچھے مارا پھرے گا۔ ان کو حاصل کرنے کے لیے ہر ناجائز و ممنوع جگہ میں گھس جائے گا۔ اور اس کی خاطر ہر راستہ اختیار کرلے گا۔ نہ حیا اس کو روکے گی اور نہ ضمیر اس کی سرکوبی کرے گا اور نہ عقل اس کے لیے مانع بنے گی۔ اور وہ وہی بات کہے گا۔ جو شاعر ابونواس نے کہی تھی۔

إنما الدنيا طعام	وشراب وندام
دنیا کھانے پینے	اور شراب اور مے نوشی کی مجلسوں کا نام ہے
فإذا فاتك هذا	فعلى الدنيا سلام
لہٰذا اگر تمہیں یہ چیزیں نہ ملیں	تو پھر دنیا کو سلام ہے

اور اگر اس کا مزاج جذباتی قسم کا ہے تو اس کا مقصد دنیا میں غلبہ اور طاقت حاصل کرنا اور لوگوں پر بڑائی جتلانا اور حکم چلانا اور اپنی فوقیت کا اظہار کرنا اور اپنی زبان سے فخر و مباہاۃ کرنا اور اپنے کارناموں پر اترانا ہوگا۔

اور اس سلسلہ میں اسے اس کی بھی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے لوگوں کی کھوپڑیوں سے محل بنائے، اور پاک وبری لوگوں کے خون سے اسے منقش وآراستہ کرے۔ اور اس کا شعار وہ ہوگا جو زمانۂ جاہلیت کے شاعر نے کہا تھا:

لنا الدنیا ومن أمسی علیہا — ونبطش حین نبطش قادرینا

دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب کا سب ہمارا ہے — اور جب قدرت پاکر ہم گرفت کرتے ہیں تو ایسی حالت میں گرفت کرتے ہیں

بغاۃ ظالمین وما ظلمنا — ولکنا سنبدأ ظالمینا

کہ ہم ظلم وبغاوت کرتے ہیں حالانکہ ہم پر ظلم نہیں کیا گیا — بلکہ ہم خود ظلم کی ابتداء کرتے ہیں

إذا بلغ الرضیع لنا فطاماً — تخرّ له الجبابر ساجدینا

ہمارا بچہ جب دودھ چھڑانے کی عمر کو پہنچتا ہے — تو بڑے بڑے سرکش وجابر اسکے سامنے سجدے میں گرجاتے ہیں

اور اگر اس پر شیطانی پہلو غالب ہوگا تو وہ مکاریاں کرتا اور تدبیریں سوچتا رہے گا اور دوستوں میں تفریق کرے گا، اور وہ ہلاک کرنے کے لیے بارودی سرنگیں بچھادے گا اور قتل کرنے کے لیے کنووں میں زہر گھول دے گا۔ اور شکار کے لیے پانی کو گدلا کردے گا اور گناہوں کو آراستہ کردے گا اور برائیوں پر ابھارے گا اور لوگوں میں عداوت وبغض پیدا کرے گا اور زبانِ حال سے شاعر کا یہ شعر دہرائے گا:

إذا أنت لم تنفع فضرّ فإنما — یرجّی الفتی کیما یضرُّ وینفعا

اگر تم نفع نہ پہنچا سکو تو نقصان ہی پہنچاؤ اس لئے کہ — نوجوان سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں تاکہ وہ نفع اور نقصان پہنچائے

اور اس طرح سے ان جیسا ہر شخص اپنی نفسِ امارہ کے ساتھ ساتھ پھرتا رہتا ہے۔ جہاں اس کا نفس اس کو لیجاتا ہے وہاں اس کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ اور جہاں اس کی منحرف اور کج طبیعت اور مزاج اس کو ہانک کرلے جاتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہے، اور اپنی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے۔ اور خواہشات وعشق ومحبت انسان کو اندھا اور بہرہ کردیتی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے جو خدا اور معبود بن بیٹھتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ﴾ القصص۔۵۰

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو شخص محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ ایمانی تربیت ہی ایسی چیز ہے جو منحرف قسم کے مزاج کے مالک لوگوں کی اصلاح کرتی ہے اور فاسد وکج قسم کے لوگوں کو سیدھا اور درست کرتی ہے۔ اور نفسِ انسانی کی اصلاح کرتی ہے۔ اور اس کے بغیر نہ کسی قسم کی اصلاح ممکن ہے اور نہ استقرار وسکون اور نہ اخلاق کی درستگی واصلاح۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو استاذ قرضاوی کی کتاب "الایمان والحیاۃ" کا صفحہ (۲۱۰) کچھ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ۔

ایمان واخلاق کے درمیان اسی مضبوط ربط وتعلق اور عقیدہ اور عمل کے درمیان اسی عظیم ومستحکم رابطہ کی وجہ سے مغرب کے علماء تربیت اور ذمہ داران اصلاحِ معاشرہ اور ان کے علاوہ دوسری بہت سی قوموں کے مصلحین اس جانب متوجہ ومتنبہ ہوگئے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں انھوں نے رہنمائی کرنا شروع کر دی ہے اور انھوں نے اپنے نقطۂ نظر اور رائے یہ ظاہر کی ہے کہ دین کے بغیر نہ تو کامل ومکمل استقرار پایا جا سکتا ہے اور نہ ایمان کے بغیر اصلاح متحقق ہو سکتی ہے اور نہ اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔

ان حضرات کی آراء اور تجاویز میں سے بعض ذیل میں پیش کی جاتی ہیں

✿ جرمنی فلسفی فیختہ کہتے ہیں کہ دین کے بغیر اخلاق عبث وبے کار چیز ہے۔

✿ ہندوستان کے مشہور لیڈر گاندھی کہتے ہیں کہ دین اور اچھے اخلاق یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور یہ انفصال اور جدائی کو قبول نہیں کرتے۔ اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا، یہ دونوں ایسی وحدت واتحاد ہیں جس میں تجزی نہیں ہو سکتی۔ دین اخلاق کے لیے روح کی مانند ہے اور اخلاق روح کے لیے فضا کی طرح ہے۔ بالفاظِ دیگر دین اخلاق کو اس طرح غذا بہم پہنچاتا اور اس کی نشوونما کرتا ہے جیسے کہ پانی کھیتی کو غذا پہنچاتا اور نشوونما کرتا ہے۔

✿ برطانوی جج مسٹر ڈیننگ ایک سابق برطانوی وزیر کے گندے کرتوتوں اور بداخلاقیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اخلاقی رپورٹ میں لکھتے ہیں: دین کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے اور اخلاق کے بغیر کسی قانون کا پایا جانا ناممکن ہے!! اس لیے کہ دین ایک ایسا منفرد، یکتا اور پاک صاف معصوم مرکز ہے جس سے اچھے اور برے اخلاق کو پہچانا جاتا ہے، اور دین ہی وہ چیز ہے جو ان اعلیٰ کارناموں سے انسان کا رابطہ قائم کر دیتی ہے جس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھا جاتا ہے اور جس کے لیے جدوجہد کی جاتی ہے۔ اور دین ہی وہ چیز ہے جو افراد کی انانیت کو لگام دیتی ہے اور ان کے خیالات وافکار کو سرکشی سے روکتی اور رسم ورواج کے غلبہ سے بچاتی ہے۔ اور انسان کو اپنے اغراض ومقاصد اور شاندار کارناموں کے سامنے دین ہی جھکاتا ہے۔ اور انسان میں ایک ایسا زندہ وروشن ضمیر تربیت دیتا ہے جس کی بنیاد پر اخلاق کا محل تعمیر ہوتا ہے۔

✿ اس سے پہلے ہم فلسفی "کینٹ" کا قول ذکر کر چکے ہیں کہ تین قسم کے اعتقاد کے پائے جائے بغیر اخلاق کا وجود نہیں پایا جا سکتا: خدا کے وجود، روح کے ہمیشہ رہنے، اور مرنے کے بعد حساب کتاب

کا اعتقاد رکھنا۔

جو کچھ ہم ذکر کر چکے ہیں اس کو پڑھ کر اس میں کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ ہم شریعتِ اسلامیہ کو اخلاقی اعتبار سے بچوں کی تربیت کا زبردست اہتمام کرتے ہوئے دیکھیں. اور یہ مشاہدہ کریں کہ بچے میں مکارمِ اخلاق اور فضائل پیدا کرنے اور بہترین اخلاق اور اچھی عادات کا عادی بنانے کے سلسلے میں اسلام کی قیمتی رہنمائی و توجیہات بے شمار ہیں.

اخلاق و کردار کے لحاظ سے بچے کی تربیت کے سلسلہ میں اہم نصیحتیں اور تجاویز و توجیہات کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

امام ترمذی ایوب بن موسیٰ سے اور وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن)). کسی باپ نے اپنے بیٹے کو عمدہ اور بہترین ادب سے زیادہ اچھا ہدیہ نہیں دیا.

اور ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أكرموا أولادكم وأحسنوا أدبهم)). اپنے بچوں کا اکرام کرو اور انہیں اچھی تربیت دو.

اور عبدالرزاق اور سعید بن منصور وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

((علموا أولادكم وأهليكم الخير وأدبوهم)). اپنی اولاد اور گھر والوں کو خیر و بھلائی کی باتیں سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو.

بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من حق الولد على الوالد أن يحسن أدبه ويحسن اسمه)). بچہ کا باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو اچھی تربیت دے اور اس کا اچھا سا نام رکھے.

ابن حبان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الغلام يعق عنه يوم السابع بچے کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے گا اور اس کا نام

وليمى ويماط عنه الأذى، فإذا بلغ	رکھا جائے گا اور اس کے بال وغیرہ دور کر دیئے جائیں
ست سنين أدب ، وإذا بلغ تسع	گے اور پھر جب چھ سال کا ہو جائے تو اس کی تربیت
سنين عزل عن فراشه، فإذا	کی جائے، اور جب نو سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس
بلغ ثلاث عشرة سنة ضرب	کا بچھونا الگ کر دیا جائے گا۔ اور پھر جب تیرہ سال کا
على الصلاة والصوم ، فإذا بلغ	ہو جائے تو نماز اور روزہ کے لیے اسے مارا جائے گا۔ اور
ست عشرة زوجه أبوه،	پھر جب سولہ سال کا ہو جائے تو اس کا باپ اس کی شادی
ثم أخذ بيده وقال:	کرا دے اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے کہ میں نے تمہیں تعلیم
قد أدبتك وعلمتك وأنكحتك	دی اور ادب سکھایا اور تمہارا نکاح کر دیا۔ میں اللہ کے
أعوذ بالله من فتنتك في الدنيا	ذریعہ سے دنیا میں تمہارے فتنہ و آزمائش سے اور
وعذابك في الآخرة)).	آخرت میں عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔

تربیت سے متعلق ان احادیث کے مجموعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تربیت کرنے والوں اور خصوصاً والدین پر یہ بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اولاد کو خیر سکھائیں اور اخلاق کی بنیادی باتیں ان کی گھٹی میں ڈال دیں۔

اس سلسلہ میں ان حضرات کی مسئولیت وذمہ داری ہر اس چیز کو شامل ہے جو ان کی نفوس کی اصلاح اور کجی کی درستگی سے متعلق ہو۔ اور جو انہیں بری باتوں اور غلط کاموں سے دور رکھے اور دوسروں کے ساتھ حسنِ معاملہ پر آمادہ کرے۔

چنانچہ یہ مربی وذمہ دار حضرات اس امر کے مسئول ہیں کہ بچپن سے ہی بچوں میں سچائی، امانت، استقامت ایثار، پریشانیوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد رسی، بڑوں کے احترام، مہمانوں کے اکرام، پڑوسیوں کے ساتھ احسان اور دوسروں کے ساتھ محبت سے پیش آنے کا عادی بنائیں۔

اور یہ حضرات اس کے بھی مسئول ہیں کہ ان کی زبان کو گالم گلوچ، برا بھلا کہنے، گندے کلمات منہ سے نکالنے، اور ان تمام چیزوں سے دُور رکھیں جو اخلاق کی خرابی اور بری تربیت پر دلالت کرتی ہیں۔

اور اس کے بھی مسئول ہیں کہ انہیں گندے اور برے کاموں اور خراب عادتوں اور برے اخلاق اور ان تمام حرکات سے بچائیں جو مروت، شرافت اور عفت کو بٹہ لگانے والی اور ان کی منزلت کو کم کرنیوالی ہیں۔

اور وہ اس بات کے مسئول بھی ہیں کہ ان کو اعلیٰ انسانی احساسات اور بہترینِ اعلیٰ شعور وجذبات کا عادی بنائیں مثلاً یتیموں کے ساتھ احسان کرنا، فقراء کے ساتھ حسنِ سلوک، بیواؤں اور مسکینوں پر شفقت اور ان سے ہمدردی کرنا، اور اس کے علاوہ دوسری بڑی بڑی وہ مسئولیات وذمہ داریاں جو تہذیب سے تعلق رکھتی ہیں

درا خلاق سے مرتبط ہیں۔

بچوں میں پائی جانے والی چار بُری عادتیں :

اسلام کی نظر میں چونکہ بہترین تربیت کا سب سے زیادہ مدار دیکھ بھال اور نگرانی پر ہے۔ اس لیے ماں باپ ورمعلموں اور ان تمام حضرات کو جو تربیت و اخلاق کے کام کا اہتمام کرتے ہیں۔ اولاد میں چار باتوں کا خاص خیال کھنا چاہیئے۔ اوران کو اس طرف اپنی پوری توجہ مرکوز رکھنا چاہیئے۔ اس لیے یہ چاروں باتیں بہت بری اور اخلاق سے گری ہوئی اور بدترین اوصاف میں سے ہیں۔ اور یہ چاروں باتیں ترتیب وار درجِ ذیل ہیں :

۱۔ جھوٹ کی عادت۔
۲۔ چوری کی عادت۔
۳۔ گالم گلوچ اور بدزبانی کی عادت۔
۴۔ بے راہ روی و آزادی کی عادت

۱۔ جھوٹ بولنے کی عادت

اسلام کی نظر میں جھوٹ سب سے بری خصلت ہے اس لیے تمام تربیت کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ اس کا بہت یادہ خیال رکھیں اور اس سلسلہ میں خوب محنت کریں، تاکہ بچوں کو اس سے باز رکھ سکیں، اور اس کی نفرت ان کے دلوں یں راسخ کردیں، اور جھوٹ اور نفاق کی گندی عادتوں سے دور رہیں۔

جھوٹ کی برائی اور قباحت کے لیے اتنا کافی ہے کہ اسلام نے اسے نفاق کی خصلتوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ مام بخاری و مسلم وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((أربع من كنّ فيه كان منافقًا خالصًا، ومن كان فيه خصلة منهن كان فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا ائتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر)).

جس شخص میں چار باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے : جب اس کے پاس امانت رکھائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اور جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑے تو فحش گوئی کرے۔

اور اس کی قباحت و شناعت اور برائی کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اس کا مرتکب اور جھوٹ بولنے والا اللہ کی ناراضگی اور عذاب میں گرفتار رہتا ہے، چنانچہ امام مسلم وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة	تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے
ولا يزكيهم ولا ينظر إليهم	روز نہ گفتگو فرمائیں گے اور نہ ان کا تزکیہ کریں گے
ولهم عذاب أليم:	اور نہ ان کی طرف دیکھیں گے اور ان کے لیے
شيخ زان، وملك كذاب،	درد ناک عذاب ہوگا: بوڑھا زانی، اور جھوٹ بولنے
وعائل متكبر».	والا بادشاہ، اور متکبر فقیر و ضرورت مند۔

اور اس کی برائی اور شناعت کے لیے یہ کافی ہے کہ جو شخص جھوٹ کا عادی بن جائے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے، چنانچہ امام بخاری و مسلم وغیرہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إياكم والكذب فإن الكذب	تم جھوٹ سے بچو اس لیے کہ جھوٹ برائیوں کی طرف
يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي	لے جاتا ہے اور برائیاں جہنم کی آگ تک لے جاتی
إلى النار، وما يزال العبد يكذب	ہیں۔ اور انسان جھوٹ بولتا رہتا اور جھوٹ بولنے
ويتحرى الكذب حتى يكتب	کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں
عند الله كذاباً».	جھوٹا لکھدیا جاتا ہے۔

اور جھوٹ کی قباحت و شناعت کے اتنی بات ہی کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بڑی خیانت شمار کیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد حضرت سفیان بن أسید حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

«كبرت خيانةً أن تحدث أخاك	یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی
حديثاً هو لك مصدق وأنت	بات کرو اور وہ اس میں تمہیں سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے
له به كاذب».	جھوٹ بول رہے ہو۔

لہٰذا جب جھوٹ اور جھوٹ بولنے والوں کی یہ حالت ہے تو پھر تربیت کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو جھوٹ سے متنفر کریں، اس سے روکیں اور انکو اس کے برے انجام سے ڈرائیں۔ اور اس کے نقصانات و مضر اثرات ان کے سامنے بیان کریں، تاکہ وہ اس کے دام میں گرفتار نہ ہوں، اور اس کی دلدل میں نہ پھنسیں اور اس کے بیابان میں حیران و پریشان ہو کر ٹھوکریں نہ کھائیں۔

چونکہ مربیوں کی نظر میں بہترین تربیت کا مدار بہترین مقتدیٰ اور اچھے نیکو کار لوگوں پر ہوتا ہے اس لیے ہر

ربی اور مسئول کے لیے یہ ضروری ہے کہ بچوں کو ڈرانے سے چپ کرنے یا کسی کام کی رغبت دلانے یا ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ان سے جھوٹ نہ بولیں، اس لیے کہ اگر وہ خود ایسا کریں گے تو پھر تو اپنے بچوں کو جھوٹ کا عادی بنا دیں گے ور وہ اس طرح سے کہ وہ بچے ان کی نقل اور اقتداء میں اور ان کی غلط تربیت کی وجہ سے اس گندی عادت اور بدترین اخلاق یعنی جھوٹ جیسی برائی کے دلدادہ ہو جائیں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان بچوں کو اپنے بڑوں کی ات پر اعتماد و بھروسہ بھی نہیں رہے گا، اور ان کی وعظ و نصیحت سے متاثر بھی نہیں ہوں گے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مربی اول مرشدِ کامل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء و تربیت کرنے والوں کو اپنے بچوں کے سامنے مذاق میں یا کسی چیز کی رغبت دلانے یا یونہی جھوٹ بولنے سے بھی ڈرایا ہے تاکہ خدا کے یہاں یہ مذاق بھی جھوٹ نہ لکھ دیا جائے چنانچہ ابوداؤد و بیہقی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میری والدہ نے مجھے پکارا، اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، تو میری والدہ نے کہا: آؤ میں تمہیں یہ دے دوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«ما أردت أن تعطيه؟». — تم نے اس کو کیا دینا چاہا تھا؟

انہوں نے کہا کہ میں ان کو کھجور دینا چاہتی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«أما أنك لو لم تعطيه شيئاً كتبت عليك كذبة». — سن لو اگر تم اسے کچھ بھی نہ دیتی تو تمہارے لیے ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔

اور امام احمد اور ابن ابی الدنیا حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من قال لصبي: هاك ثم لم يعطه فهي كذبة». — جس شخص نے بچے سے یہ کہا کہ آ جاؤ لے لو اور پھر اس کو کچھ نہ دیا تو یہ بھی جھوٹ ہے۔

سلفِ صالحین اپنے بچوں کو سچ بولنے کا عادی بنایا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ان پر کڑی نظر رکھتے تھے س ضمن میں جو عجیب و غریب قصے منقول ہیں ان میں سے درج ذیل قصّہ بھی ہے:

عالمِ ربانی شیخ عبدالقادر گیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے بچپن سے ہی اپنے تمام معاملات کی بنیاد سچ پر رکھی ور وہ اس طرح سے کہ میں علم حاصل کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے بغداد کے ارادہ سے نکلا۔ میری والدہ نے مجھے خراجات کے لیے چالیس دینار دے دیے اور مجھ سے یہ عہد لیا کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا، جب ہم ہمدان کی سرزمین یں پہنچے تو چوروں کی ایک جماعت نے ہم پر حملہ کر دیا اور قافلہ والوں کو روک لیا، ان چوروں میں سے ایک چور میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا: تمہارے پاس کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: چالیس دینار، وہ یہ سمجھا کہ

ہیں اس سے مذاق کررہا ہوں چنانچہ وہ مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا، ان میں سے ایک دوسرے آدمی نے مجھے دیکھا تو مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے تو میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے اسے بتا دیا، چنانچہ وہ مجھے پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گیا اور اس نے مجھ سے یہی بات پوچھی تو میں نے اسے بھی وہی بات بتلادی۔

اس سردار نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں سچ بولنے پر کس چیز نے مجبور کردیا؟ تو میں نے کہا کہ میں نے اپنی والدہ سے سچ بولنے کا عہد کیا تھا، اس لیے مجھے ڈر تھا کہ میں عہد کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھوں، یہ سن کر چوروں کے سردار پر خوف طاری ہوگیا اور وہ چیخنے لگا اور اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کہا کہ تم تو اپنی والدہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑنا نہیں چاہتے اور میں اللہ سے کیے ہوئے عہد میں خیانت کرنے سے بھی نہیں ڈرتا؟!! اور پھر اس نے قافلہ کا لوٹا ہوا تمام مال واپس کرنے کا حکم دے دیا اور کہا: میں آپ کے ہاتھ پر اللہ سے توبہ کرتا ہوں. تو پھر اس کے ساتھیوں نے کہا: چوری کرنے اور ڈاکہ ڈالنے میں آپ ہمارے سردار تھے اور آج توبہ کرنے میں بھی آپ ہمارے سردار ہیں، چنانچہ اس سچ کی برکت سے سب کے سب نے توبہ کرلی۔

۲ - چوری کی عادت

چوری کی عادت بھی جھوٹ کی عادت سے کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔ اور چوری کی عادت ان پست ماندہ علاقوں میں زیادہ عام ہے جنہوں نے اپنے آپ کو اسلامی اخلاق سے آراستہ نہیں کیا ہے اور جو ایمانی تربیت سے صحیح فیض یاب نہیں ہوئے ہیں۔

اور یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ اگر بچپن سے ہی بچے میں خدا کا خوف اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا نہ ہو۔ اور امانت داری اور حقوق ادا کرنے کا عادی نہ بنے، تو بلاشبہ بچہ آہستہ آہستہ دھوکہ بازی، چوری اور خیانت اور دوسروں کا مال ناحق کھانے کا عادی بن جائے گا، بلکہ وہ ایسا بدبخت اور مجرم ہوگا کہ جس سے معاشرہ والے پناہ مانگیں گے اور اس کے برے کاموں سے لوگ امان چاہیں گے۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والے حضرات پر یہ فرض ہے کہ وہ بچوں کی دل میں اللہ کے حاضر ناظر ہونے کا تصور پیدا کریں اور یہ عقیدہ ان کے نفوس میں راسخ کریں، اور ان میں خدا کا خوف پیدا کریں، اور چوری کے بُرے نتائج اور دھوکہ بازی اور خیانت کے بُرے انجام سے انہیں آگاہ کریں۔ اور ان کو صاف کھول کھول کر یہ بتلادیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں، بدکرداروں راہِ راست سے ہٹنے والوں کے لیے قیامت میں کیا بدترین انجام اور دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔

یہ بات نہایت تکلیف دہ اور افسوس ناک ہے کہ بہت سے ماں باپ اپنے بچوں کے پاس جو ساز و سامان اور دیگر اشیاء اور روپیہ پیسہ دیکھتے ہیں اس کے سلسلہ میں ان کی صحیح نگرانی اور دیکھ بھال نہیں کرتے، اور اولاد کے

صرف یہ کہنے سے کہ انہیں راستہ میں پڑا مل گیا یا انہیں کسی ساتھی یا دوست نے ہدیۃً دیا ہے ان کی بات تسلیم کر لیتے ہیں اور ان کی جھوٹی بات مان لیتے ہیں اور تحقیق و تدقیق کی ذمہ داری پوری کرنے کی اپنے آپ کو بالکل بھی تکلیف نہیں دیتے حالاں کہ یہ ایک طبیعی اور فطری بات ہے کہ بچہ اپنی چوری چھپانے کے لیے اس طرح کے جھوٹے دعوے ہی کرے گا تاکہ اس پر الزام نہ آئے اور وہ رسوائی سے بچ جائے، اور یہ بھی فطری بات ہے کہ جب بچہ یہ دیکھے گا کہ اس کا نگران اور مربی باریک بینی اور تحقیق سے کام نہیں لیتا اور اس کے سلسلہ میں پورا اہتمام نہیں کر رہا ہے تو بچہ مجرمانہ زندگی میں اور زیادہ منہمک ہو جائے گا۔

اور اس سے بھی زیادہ بری بات یہ ہے کہ بچہ اپنے والدین میں سے کسی ایک کو چوری پر آمادہ کرتا یا اس پر جری کرتا ہوا پائے اس صورت میں بلاشبہ وہ بچہ جرم میں پکا ہو جائے گا اور چوری اور مجرمانہ زندگی میں اور زیادہ مستغرق ہو جائے گا ؎

وهل يرجى لأطفال كمال	إذا ارتضعوا ثدي الناقصات
کیا ان بچوں سے کسی فضل و کمال کی امید رکھی جا سکتی ہے	جنہوں نے ناقص عورتوں کے سینہ سے دودھ پیا ہو

ایک شرعی عدالت نے ایک چور پر چوری کی سزا نافذ کرنے کا حکم دے دیا، اور پھر جب سزا پر عمل درآمد کا وقت آگیا تو اس چور نے لوگوں سے بآواز بلند کہا: میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے میری والدہ کی زبان کاٹ دو، اس لیے کہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے پڑوسی کے یہاں سے ایک انڈے کی چوری کی تھی تو میری والدہ نے مجھے نہ تنبیہ کی اور نہ مجھے یہ حکم دیا کہ میں وہ انڈا پڑوسی کو واپس کر دوں، بلکہ وہ چہچہانے لگیں اور اس نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ اب میرا بیٹا پورا آدمی بن گیا ہے۔ اگر میری ماں کے پاس جرم پر چہچہانے والی زبان نہ ہوتی تو آج میں معاشرہ میں چور نہ بنتا[1]۔

صحیح تربیت کے کچھ نمونے والدین (ماں باپ) کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ سلفِ صالحین نے اپنے بچوں کی اصلاح کرنے اور انہیں حقوق کی ادائیگی کا پابند بنانے اور امانت کے وصف کو لازم پکڑنے اور اٹھتے بیٹھتے اور ظاہراً و باطناً اللہ کا مراقبہ اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدہ کو مضبوط کرنے کی ان پر کس طرح سے محنت کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دودھ میں پانی ملانے سے روکنے کے لیے ایک آرڈر جاری کیا، لیکن کیا قانون کی کوئی ایسی آنکھ ہوتی ہے جو ہر خلاف ورزی کرنے والے کو دیکھ سکے اور ہر خائن اور دھوکہ باز و ملاوٹ کرنیوالے کے ہاتھ کو پکڑ سکے؟

قانون اس سے قطعاً عاجز ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہی اس میدان میں

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمہ اللہ کی کتاب "اخلاقنا الاجتماعیۃ" (ص - ۱۶۲)۔

اپنا کام دکھاتا ہے، اسی مناسبت سے ماں بیٹی کا وہ مشہور قصہ ذکر کیا جاتا ہے جس میں ماں یہ چاہتی تھی کہ نفع کو بڑھانے کے لیے دودھ میں پانی ملا دیا جائے۔ لیکن سچی مؤمن لڑکی اپنی ماں کو امیر المؤمنین کے اس حکم اور ممانعت کو یاد دلا رہی تھی اور پھر بیٹی ماں کو خاموش کرنے والا یہ جواب دیتی ہے کہ: اگر امیر المؤمنین ہمیں نہیں دیکھ رہے ہیں تو امیر المؤمنین کا رَب تو ہمیں دیکھ رہا ہے !!

حضرت عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوا۔ ایک چرواہا پہاڑ سے اتر کر ہماری جانب آیا حضرت عمرؓ نے اس کا امتحان لینے کی خاطر فرمایا: اے چرواہے ان بکریوں میں سے ایک بکری میرے ہاتھ بیچ دو۔ اس چرواہے نے کہا کہ میں تو غلام ہوں، حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ تم اپنے آقا سے یہ کہہ دینا کہ اس بکری کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ چرواہے نے جواب دیا کہ پھر اللہ کو کیا جواب دوں گا وہ تو دیکھ رہا ہے وہ کہاں جائے گا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ رونے لگے اور پھر اس غلام کے ساتھ اس کے آقا کے پاس گئے اور اس کو خرید کر آزاد کر دیا، اور اس سے کہا: تمہیں دنیا میں اس بات نے آزاد کر دیا اور مجھے امید ہے کہ یہی بات تمہیں آخرت میں بھی عذاب سے بچا لے گی۔

۳۔ گالم گلوچ اور بدزبانی کی عادت

رہی گالم گلوچ وفحش گوئی کی عادت تو یہ بھی ان قبیح ترین عادات میں سے ہے جو بچوں میں عام ہے اور جو معاشرے اور ماحول قرآنِ کریم کی ہدایت اور اسلام کی تربیت سے دور ہیں ان میں یہ مرض بہت عام ہے اور اس کا اصل سبب دو بنیادی باتیں ہیں:

۱۔ بُرا نمونہ چنانچہ جب بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے گالم گلوچ سنے گا، اور گندے گندے کلمات اور گالیاں اس کے کان میں پڑیں گی تو لازمی طور سے بچہ بھی ان کلمات کی نقل اتارے گا اور بار بار انہی کلمات کو دہرائے گا اور آخر کار گندے کلمات اور بری باتیں اور جھوٹ ہی اس کے منہ سے نکلے گا۔

۲۔ بُری صحبت چنانچہ جو بچہ سڑکوں اور گلیوں میں آزاد چھوڑ دیا جائے گا اور برے ساتھیوں کے ساتھ رہے گا اور گندے لوگوں کے ساتھ اسے اٹھنے بیٹھنے دیا جائے گا تو ظاہر بات ہے کہ ایسا بچہ ان غلط قسم کے لوگوں سے لعن طعن، گالم گلوچ اور گندی زبان ہی سیکھے گا۔ اور یہ فطری بات ہے کہ بچہ ان جیسے لوگوں سے گندے الفاظ اور قبیح وبدترین عادات واخلاق ہی سیکھے گا۔ اور بدترین تربیت ہی حاصل کرے گا اور خراب اخلاق اپنے اندر پیدا کرے گا۔

اس لیے ماں باپ اور تربیت کرنے والوں سب پر یہ لازم ہے کہ اولاد کے لیے نہایت پیار بھرا میٹھا انداز، شائستہ زبان اور پیارے اور اچھے الفاظ اور تعبیر سے بہترین نمونہ پیش کریں۔ اور ساتھ ساتھ ان حضرات پر یہ بھی لازم ہے

کہ انہیں گلیوں اور سڑکوں پر کھیلنے اور گندے لوگوں کی صحبت اور بدترین ساتھیوں کی رفاقت سے بچائیں. تاکہ وہ ان لوگوں کی کجی انحراف سے متأثر نہ ہوں، اور ان کی عادات اپنے اندر پیدا نہ کرلیں، اور ان حضرات کا یہ بھی فریضہ ہے کہ بچوں کو زبان کی آفات واثرات ونتائج اور بے ہودہ پن اور فحش گوئی سے جو انسانی شخصیت کو نقصان پہنچتا اور وقار مجروح ہوتا ہے اور معاشرہ کے افراد میں جو بغض وعداوت اور کینہ وحسد پیدا ہوتا ہے اسے ان کے سامنے کھول کر بیان کریں.

اخیر میں تربیت کرنے والوں پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو وہ احادیث بتلائیں اور سکھائیں جو گالم گلوچ اور فحش گوئی سے منع کرتی ہیں اور فحش گوؤں، گالم گلوچ اور لعن طعن کرنے والوں کیلئے **اللہ تعالیٰ** نے جو سخت سزا اور دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے وہ بیان کرتی ہیں. تاکہ بچے ان بری عادتوں سے بچیں اور ان احادیث کی رہنمائیوں سے متأثر ہوں اور ان کے وعظ ونصیحت سے سبق حاصل کریں.

لیجیے آپ کے سامنے چند وہ احادیث پیش کی جاتی ہیں جو گالم گلوچ سے روکتی اور برا بھلا کہنے سے منع کرتی ہیں

((سباب المسلم فسوق وقتاله كفر)). بخاری ومسلم

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے.

((إن من أكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه، قيل: يا رسول الله! كيف يلعن الرجل والديه؟ قال: يسبُّ الرجل أبا الرجل فيسبُّ أباه ويسب أمه فيسبُّ أمه)).

بخاری ومسند احمد

کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے۔ کہ انسان اپنے والدین پر لعنت بھیجے، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کس طرح بھیج سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایک شخص کسی کے والد کو گالی دیتا ہے اور پھر وہ اس کے والد کو گالی دے اور ایک شخص کسی کی ماں کو گالی دے اور پھر وہ اس کی ماں کو گالی دے.

((إن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالاً يهوي بها في جهنم)). صحیح بخاری

انسان اللہ کو ناراض کرنے والی ایک بات کہہ دیتا ہے اور اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اور اس کی وجہ سے جہنم میں گر جاتا ہے.

((وهل يكب الناس في النار على وجوههم إلا حصائد ألسنتهم)) سنن اربعہ و مسند احمد — اور نہیں گراتی لوگوں کو جہنم میں چہرے کے بل مگر وہ باتیں جو وہ اپنی زبان سے نکالتے ہیں۔

((ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذيء)). جامع ترمذی — مؤمن نہ طعنہ دینے والا ہوتا ہے اور نہ لعن طعن کرنے والا اور نہ فحش گو اور نہ گندی و بے ہودہ باتیں کرنے والا۔

بچہ جب پیارے اور اچھے الفاظ بولتا ہے تو کتنا پیارا لگتا ہے۔ اور اگر اسے صاف ستھرے بہترین انداز سے بات چیت کرنے کا عادی بنا دیا جائے تو وہ کتنا بھلا معلوم ہوگا۔ اور جب وہ لعن طعن گالم گلوچ اور بے ہودہ بات سن کر اس سے تنگ دل ہو اور نفرت کرے تو یہ اس کے لیے بڑی خیر کی بات ہوتی ہے۔ اور ایسی صورت میں ایسا بچہ بلاشبہ گھر کا ایک پھول اور لوگوں میں ممتاز حیثیت کا مالک ہوگا۔

سلفِ صالحین کی اولاد کتنے باادب طریقے سے گفتگو اور کتنے اچھے طریقے سے بات چیت اور پیارے انداز سے کلام کیا کرتی تھی اس کا ایک نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ والدین کو یہ معلوم ہو جائے کہ گذشتہ ادوار میں بچے کس طرح گفتگو اور بات چیت کیا کرتے تھے۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دَور میں دیہاتوں میں قحط پڑ گیا چنانچہ مختلف قبائل والے خلیفہ ہشام کے پاس آئے اور ان کے دربار میں حاضری دی، ان حاضری دینے والوں میں درواس بن حبیب بھی تھے جن کی عمر اس وقت صرف چودہ برس تھی لوگ بات کرنے سے رک گئے اور ہشام کا رعب ان پر چھا گیا، ہشام نے جب درواس کو دیکھا تو انہیں چھوٹا اور معمولی سا آدمی سمجھا، اور اپنے دربان سے کہا: جو بھی میرے پاس آنا چاہتا ہے آجاتا ہے حتّٰی کہ بچے بھی... آجاتے ہیں؛

درواس فوراً سمجھ گئے کہ خلیفہ کا اشارہ ان کی طرف ہے۔ چنانچہ وہ فوراً گویا ہوئے اور کہا: اے امیرالمؤمنین! میرے آپ کے پاس آنے سے آپ کی شان میں تو کوئی فرق نہیں پڑا البتہ مجھے اس سے آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا۔ اور یہ لوگ آپ کے پاس ایک بات کرنے آئے تھے اور اب اس کو ظاہر کرنے سے درماندہ ہو گئے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بات بیان کرنے سے ہی معلوم ہوتی ہے اور خاموشی کے ذریعہ اسے لپیٹ دیا جاتا ہے صحیح بات اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب اسے بیان کیا جائے۔

ہشام یہ سن کر کہنے لگے: کہ پھر تم ہی اسے بیان کردو تمہارا بھلا ہو۔ ہشام اس لڑکے کی بات سے بہت متعجب ہو چکے تھے۔ تو اس لڑکے نے کہا: اے امیرالمؤمنین ہمیں تین سال سے قحط سالی کا سامنا ہے۔ ایک سال کی قحط سالی نے چربی پگھلا ڈالی، اور دوسرے سال کی قحط سالی نے گوشت ختم کر دیا، اور تیسرے سال کی قحط سالی نے ہڈی کا گودہ تک ختم کر ڈالا، اور آپ حضرات کے پاس فالتو مال ہے، اگر یہ مال اللہ کا ہے تو اسے اللہ کے مستحق بندوں

پر تقسیم کردیں۔ اور اگر یہ اللہ کے بندوں کا ہے تو پھر آپ لوگ اس کو ان لوگوں سے کیوں روکے ہوئے ہیں؟ اور اگر یہ مال و دولت آپ حضرات کا اپنا ذاتی ہے تو آپ ان لوگوں پر صدقہ کر دیں اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو بہت ثواب دیتا ہے اور احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اور اے امیر المؤمنین آپ اس بات کو یاد رکھیں کہ والی و حاکم کا رعایا سے ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا روح کا جسم سے کہ بغیر روح کے جسم زندہ نہیں رہ سکتا۔

ہشام نے کہا: اس لڑکے نے تینوں میں سے کسی باب میں بھی کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا، اور پھر حکم دیا کہ اس کے گاؤں میں ایک لاکھ درہم تقسیم کر دیے جائیں۔ اور درواس کے لیے بھی ایک لاکھ درہم کا حکم دے دیا۔ تو درواس نے کہا اے امیر المؤمنین: جو انعام و مال آپ نے مجھے دیا ہے وہ بھی میری قوم کے مال کی طرف لوٹا دیں اور اس میں شامل کر دیں۔ اس لیے کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ امیر المؤمنین نے انہیں جو کچھ دینے کا حکم دیا ہے وہ ان کے لیے کافی نہ ہو۔ ہشام نے کہا: تو پھر اپنی ذات کے لیے کیا چاہتے ہو؟ درواس نے کہا: مجھے عوام الناس اور لوگوں کی حاجت پوری کرنے کے علاوہ اپنی ذاتی کوئی حاجت نہیں ہے۔

۴۔ بے راہ روی و آزادی کی عادت

اس بیسویں صدی میں جو بدترین چیز مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں میں بہت زیادہ پھیل گئی ہے وہ بے حیائی اور آزادی ہے چنانچہ آپ جہاں بھی نگاہ ڈالیں گے آپ بہت سے قریب البلوغ اور نوجوان لڑکوں ـــــ ـــــ اور لڑکیوں کو دیکھیں گے کہ وہ اندھی تقلید کے پیچھے بری طریقے سے پڑے ہوئے ہیں، اور گمراہی اور بے حیائی اور آزادی اور بے لگامی کے سیلاب میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ نہ ان کے لئے کوئی دین کی طرف سے رکاوٹ ہے اور نہ ضمیر کی طرف سے کوئی روک ٹوک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ان لوگوں کی نظر میں ایک ختم ہونیوالی عیش و عشرت اور حیوانی شہوت و خواہشات اور حرام و ناجائز لذت سے عبارت ہے چنانچہ اگر انہیں یہ چیزیں نہ ملیں تو پھر ان کی طرف سے دنیا کو سلام ہے۔

بعض کم عقلوں نے یہ سمجھ لیا کہ ترقی کی علامت یہ ہے کہ بیہودہ رقص کیے جائیں اور آزادانہ بے حجابانہ اختلاط ترقی کی نشانی ہے اور اندھی تقلید تجدد پسندی کا معیار ہے۔ اور یہ لوگ جہاد اور مقابلہ کے میدان میں شکست کھانے سے قبل خود اپنے آپ اور اپنی شخصیت و ارادہ سے شکست کھا گئے ہیں۔

چنانچہ آپ ان جیسے لوگوں کو دیکھیں گے کہ ان کا مقصدِ حیات ہی صرف یہ ہے کہ وہ ظاہر کے لحاظ سے ہپی بن جائیں۔ ان کی چال میں لڑکھڑاہٹ اور گفتگو میں فحش گوئی اور بے حجابی چھلکتی ہوگی اور وہ کسی ایسی آزاد اور گری پڑی لڑکی کی تلاش میں سرگرداں ہوں گے جس کے قدموں پر اپنی مردانگی ذبح کر ڈالیں اور اس کی دوستی حاصل کرنے میں اپنی شخصیت کو قتل کر دیں۔ اور اس طرح سے ایک فساد سے دوسرے فساد کی جانب اور ایک بے حیائی

وآزادی سے دوسری بے حیائی کی طرف چلتے رہتے ہیں اور آخر کار ایسے گڑھے میں گر جاتے ہیں جو ان کی تباہی وہلاکت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل شعر کہنے والے پر رحم فرمائے ؎

کل من أہمل ذاتیتہ	فھو أولی الناس لحقًا بالفناء
جو شخص اپنی ذات کو مہمل بنادے	تو وہ فنا و تباہ ہونے کا اور تمام لوگوں سے زیادہ مستحق ہے
لن یری فی الدھر شخصیتہ	کل من قلد عیش الغرباء
زمانے میں وہ شخص اپنی شخصیت کو نہیں دیکھتا	جو مسافروں کی سی زندگی کا عادی بن جائے

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اولیاء وسرپرستوں اور تربیت کرنیوالوں کے لیے ایک عملی نظام ومنہج اور بچوں کی صحیح اخلاقی تربیت اور دوسروں سے ممتاز اسلامی شخصیت بنانے کے لیے صحیح بنیادی اصول مقرر کیے ہیں۔ اس نظام ومنہج کی اہم دفعات اور ان بنیادی اصولوں میں سے ممتاز بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

۱ــــ اندھی تقلید اور دوسروں کی مشابہت سے بچانا

امام بخاری ومسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((خالفوا المشرکین حفوا الشارب واعفوا عن اللحی)).	مشرکوں کی مخالفت کرو مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ۔

اور ایک روایت میں ہے:

((جزوا الشارب، وأرخوا اللحی، وخالفوا المجوس)).	مونچھیں کاٹو اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

اور امام ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ:

((لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاریٰ)).	وہ شخص ہم میں سے نہیں جو دوسروں کی مشابہت اختیار کرے۔ یہود اور نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔

ابو داؤد کی روایت میں ہے:

((من تشبہ بقوم	جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ

فهو منهم))۔ — انہی میں سے ہے۔

اور امام ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

((لا یکن أحدکم إمعة یقول: أنا مع الناس إن أحسن الناس أحسنت وإن أساءوا أسأت، ولکن وطنوا أنفسکم إن أحسن الناس أن تحسنوا۔ وإن أساءوا أن تجتنبوا إساءتهم))۔

تم میں سے کوئی شخص ابن الوقت نہ بنے کہ یہ کہے میں لوگوں کے ساتھ ہوں اگر لوگ احسان کریں گے تو تو میں بھی اچھا کروں گا اور اگر وہ برا کریں گے تو میں بھی برا کروں گا، بلکہ اپنے آپ کو سنبھالو اگر لوگ اچھا کریں تو تم بھی اچھا کرو اور اگر وہ برا کریں تو تم ان کے ساتھ برائی کرنے سے بچو۔

محترم قارئینِ کرام! غیر مسلموں کے جو طور طریقے اور عادات واطوار ہم لیتے یا چھوڑتے ہیں اس میں آپ کو دو باتوں میں فرق کرنا چاہیے:

پہلی بات۔ جواز: اور یہ ہے مفید علم کا حاصل کرنا، اور نفع بخش جدید ترقی سے فائدہ اٹھانا جیسے کہ علم طب، کیمیا، انجینئرنگ، فیزیا، اور جنگی وسائل اور مادہ سے متعلق حقائق، اور ایٹم اور ذرہ سے متعلق اسرار و رموز، اور اس کے علاوہ ترقی یافتہ دور کی دوسری چیزیں اور نافع علوم، اس لیے کہ یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کے ذیل میں داخل ہیں جسے امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

((طلب العلم فریضة علی کل مسلم))۔ — علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اسی طرح یہ تمام اشیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کے مضمون میں داخل ہیں جسے امام ترمذی اور عسکری اور قضاعی نے نقل کیا ہے کہ:

((الحکمة ضالة کل حکیم فإذا وجدها فهو أحق بها))۔

حکمت و دانائی کی باتیں ہر حکیم کی گم کردہ چیز ہے چنانچہ جب وہ اسے پالے تو وہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔

اور اللہ تعالےٰ کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک کے عموم میں یہ اشیاء داخل ہیں:

((وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ))۔ الانفال۔ ۶۰

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ قوت سے جمع کر سکو۔

دوسری بات۔ حرمت: اور یہ حکم ان کے طور طریقوں اور نقشِ قدم پر چلنے کے بارے میں ہے، چنانچہ ان کے اخلاق و عادات اور رسم و رواج اور دیگر تمام وہ مظاہر جو ہمارے دین سے جدا ہیں اور وہ شکلیں اور کیفیتیں جو ہماری امت و قوم کی خصوصیات اور اخلاق کے منافی ہیں، اس لیے کہ ان چیزوں سے ذات گم اور ختم اور شخصیت فنا ہو جاتی

ہے اور روح اور ارادہ شکست کھاجاتا ہے اور اخلاق وشرافت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

۲— عیش وعشرت میں پڑنے کی ممانعت

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فارس میں رہنے والے مسلمانوں کو لکھا تھا کہ تم لوگ عیش وعشرت میں پڑنے اور مشرکوں کا سا لباس پہننے سے بچو۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ عیش وعشرت اور عجمیوں کے لباس کو چھوڑ دو۔

امام احمد اور ابونعیم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

((إیاکم والتنعُّم فإن عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین)).

تم لوگ نازونعمت وعیش وعشرت میں پڑنے سے بچو اس لیے کہ اللہ کے بندے نازونعمت میں نہیں پڑتے۔

نازونعمت سے مراد یہ ہے کہ انسان ضرورت سے زیادہ لذتوں اور طیبات میں منہمک ہوجائے، اور عیش وعشرت اور نازونخرے میں پڑا رہے، اور یہ ظاہر بات ہے کہ ہمیشہ راحت میں پڑے رہنے کی عادت سے انسان دعوت وارشاد اور جہاد کے فریضہ سے پیچھے رہ جائے گا، اور آزادی و بے راہ روی کی وادیوں میں پھسلتا رہے گا اور یہ چیز بیماریوں اور امراض کے پھیلنے کا ذریعہ بھی ہے۔

۳— موسیقی باجے اور فحش گانے کے سننے کی ممانعت

امام احمد بن حنبل اور احمد بن منیع اور الحارث بن أبی أسامۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن اللہ عزوجل بعثنی رحمۃ وھدی للعالمین، وأمرنی أن أمحق المزامیر والمعازف والخمور والأوثان التی تعبد فی الجاھلیۃ)).

اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں جہان کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں بانسریوں گانے بجانے کے آلات، شراب اور ان بتوں کو ختم کر ڈالوں جن کی زمانۂ جاہلیت میں پوجا ہوا کرتی تھی۔

٭ ٭ ٭

امام بخاری واحمد وابن ماجہ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ليكونن في أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف)). — میری امت میں ایسی قومیں آئیں گی جو شرمگاہ (زنا) کو اور ریشم کو اور شراب کو اور گانے باجے کو حلال قرار دے دیں گی۔

ابن عساکر اپنی تاریخ میں اور ابن صصری اپنے امالی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص گانے والی کا گانا سننے بیٹھتا ہے اللہ تعالےٰ قیامت کے روز اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالیں گے۔

اور امام ترمذی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من استمع إلى صوت غناء لم يؤذن له أن يستمع إلى صوت الروحانيين في الجنة)). — جو شخص گانے کی آواز سنتا ہے اسے اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ جنت میں روحانیین کی آواز سنے۔

اور کسی بھی عقلمند اور صاحب بصیرت پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ان حرام چیزوں کا سننا بچے کے اخلاق پر اثرانداز ہوتا ہے اور اس کو ڈھیلے پن، برائی گندگی اور منکرات کی طرف لیجاتا ہے اور اس کو شہوات و حیوانی لذتوں کے سمندر میں ڈھکیل دیتا ہے۔

اس مناسبت سے یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ٹیلی ویژن رکھنے کے بارے میں شرعی حکم اور کچھ تفصیل بھی لکھ دیں تاکہ اس سلسلہ میں والدین کو صحیح رہنمائی حاصل ہو اور اس کی حلت یا حرمت کے بارے میں باخبر رہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کے خبر پہنچانے کے وسائل کا ایجاد کرنا خواہ وہ ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن یا ٹیپ ریکارڈر وغیرہ یہ وہ اعلیٰ ترین کارنامے شمار ہوتے ہیں جن تک اس جدید زمانے کی عقلِ انسانی نے رسائی حاصل کی ہے۔ بلکہ موجودہ دور میں مادی ترقی نے جو سب سے بڑی چیزیں ایجاد کی ہے یہ ان میں سے ہیں۔ اور یہ دودھاری ہتھیار ہے جو خیر و بھلائی کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے اور شر و برائی کے لیے بھی۔ اور کوئی بھی دو آدمی اس میں اختلاف نہیں کرسکتے کہ یہ مذکورہ بالا ایجادات اگر خبر کے لیے استعمال کی جائیں اور ان کو علم کے پھیلانے اور عقیدہ اسلامیہ کو مضبوط کرنے اور بہترین اخلاق کو پھیلانے اور قوت پہنچانے اور موجودہ قوم کو ان کے بزرگوں اور ان کی تاریخ کے ساتھ مرتبط کرنے اور امت کی ان امور کی جانب رہنمائی کے لیے استعمال کیا جائے جو اس کے دین و دنیا کے امور کی اصلاح کرے تو ایسی صورت میں اس کے رکھنے اور استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کے سننے کے جائز ہونے کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، لیکن اگر اس کو فساد کی جڑوں کو مضبوط کرنے اور انحراف و کجی کے راسخ

کرنے اور بے حیائی اور بے راہ روی وآزادی کے پھیلانے اور موجودہ قوم کو غیر اسلامی راستے کی جانب پھیرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو کوئی بھی عقلمند انصاف پسند اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والا ان کے استعمال کے حرام ہونے اور اس کے رکھنے کے ناجائز ہونے اور اس کے سننے والے کے گناہگار ہونے میں شک نہیں کر سکتا۔

اور اگر ہم اپنے ملک کے ٹیلی ویژن کے پروگراموں کا موازنہ کریں تو ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے اکثر پروگرام وہ ہیں جن کا مقصد شرافت کا خاتمہ کرنا اور زنا اور بے حیائی کی طرف متوجہ کرنا اور بے پردگی اختلاط اور آزادی اور معاشرتی خرابیوں پر ابھارنا ہے اور بہت کم ایسے پروگرام ہوتے ہیں جن کا مقصد علم ہو اور وہ خیر کی طرف رہنمائی کرنے والے ہوں۔ لہٰذا جب صورتِ حال یہ ہے تو ٹیلیویژن کا رکھنا، اس کا دیکھنا اور اس کے موجودہ پروگراموں کا سننا بہت بڑا گناہ اور سخت حرام ہے۔

اور اس کی حرمت کے دلائل یہ ہیں

الف: علماء اور ائمۂ مجتہدین کا ہر زمانے میں اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اسلامی شریعت کے مقاصد پانچ ہیں: دین کی حفاظت، اور عقل کی حفاظت اور نسب کی حفاظت، اور نفس کی حفاظت ـــــــــــــــ اور مال کی حفاظت۔ اور یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ میں جو قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ ہیں وہ سب کی سب ان پانچوں بنیادی چیزوں کی حفاظت کی دعوت دیتی ہیں۔ اور اس اعتبار سے کہ آج کل ٹیلی ویژن کے اکثر پروگرام فحش گانوں، گندے و بے حیائی سے پُر ڈراموں، اور بھڑکانے والے پروپیگنڈوں اور گندی فلموں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا مقصد شرافت کو ختم کرنا، عزت وآبرو کو تباہ کرنا اور زنا و بے حیائی پر ابھارنا ہے اس لیے شریعت کی نگاہ میں عزت وآبرو اور نسب کی حفاظت کی خاطر اس کا دیکھنا اور سننا حرام ہے۔ اور اسی لیے اس کا رکھنا بھی ناجائز ہے اس لیے کہ یہ ان کے دیکھنے اور سننے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

ب: امام مالک اور ابن ماجہ اور دار قطنی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا ضرر ولا ضرار)). نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ۔

اور اس لحاظ سے کہ ٹیلیویژن اپنے پروگراموں میں بے حیائی اور آزادی پھیلاتا اور معاشرہ کے مخفی شہوانی اور جنسی جذبات کو بھڑکاتا ہے (جیسا کہ اس کا مشاہدہ عام ہے) اس لیے مسلمان کا اس کو خریدنا اپنے گھر لے جانا حرام ہے تاکہ خاندان کے عقیدے، اخلاق اور صحت کو محفوظ رکھ سکے، اور اس سے جو برائیاں وجود میں آتی ہیں انکی بیخ کنی ہو اور حدیث "لاضرر ولاضرار" پر عمل ہو سکے۔

ج : اکثر وہ تفریحی پروگرام جو ٹیلیویژن کی اسکرین پر پیش کیے جاتے ہیں ان کے ساتھ ساز د باجا اور بے ہودہ گانے اور فحش عریاں ڈانس و رقص ہوتے ہیں۔ اور چوں کہ یہ امور حرام ہیں (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) تو ان ادلہ کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ٹیلی ویژن کا رکھنا حرام ہے اس لیے کہ اس میں پیش کردہ تفریحی پروگراموں میں ساز وآواز اور موسیقی اور بے ہودہ گندے گانے اور عریاں وگندے فحش رقص ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پروگراموں کا دیکھنا بھی حرام ہے اس لیے کہ ان کی وجہ سے تربیت واخلاق کے ستونوں کے گرنے کا بہت زبردست خطرہ ہے۔[1]

۴ — ہیجڑہ پن اور عورتوں سے مشابہت کی ممانعت

بخاری ومسلم میں حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ مدینہ منورہ آئے اور ہم سے خطاب کیا اور بالوں کا ایک جوڑا[2] (وِگ) نکالا اور فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ اسے یہود کے سوا کوئی شخص استعمال کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تھی تو آپ نے اسے جھوٹ کا نام دیا۔ مسلم میں یوں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن فرمایا: تم لوگوں نے برائی کا پہناوا ایجاد کر لیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ سے منع فرمایا ہے۔

امام بخاری وابوداؤد اور ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لعن الله المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء».

اللہ نے ان مردوں پر لعنت بھیجی ہے جو ہیجڑے بنتے ہیں اور ان عورتوں پر بھی جو مرد بنتی ہیں (یعنی مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں)۔

اور مسند احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں:

«لعن الله المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهين من الرجال بالنساء».

اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں، اور ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

اور ابوداؤد اسنادِ حسن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے

---

[1] علماء کی طرف سے ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا "ٹیلیویژن رکھنے کے بارے میں اسلام کا حکم" یہ حصہ وہیں سے لیا گیا ہے۔ اور جو صاحب اس موضوع پر اس سے زیادہ تفصیل چاہیں تو وہ ہماری کتاب "حکم الإسلام فی وسائل الاعلام" کا مطالعہ کریں۔ اس میں ان شاء اللہ بہت کافی وشافی تفصیل ملے گی۔

[2] بالوں کو باہم ملا کر بعض مرد اور عورتیں اپنے سر پر لگا لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے ریشم کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اپنے دائیں ہاتھ میں تھام لیا اور سونا اٹھا کر بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا:

((إن هٰذين حرام على ذكور أمتي)). یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

اور امام ترمذی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((حرم لباس الحرير والذهب على ذكور أمتي وأحل لإناثهم)). ریشم کا لباس اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام کر دیا گیا ہے اور عورتوں کے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔

لہٰذا وگ (یعنی مصنوعی بال یا دوسرے کے بال لگانا اور مردوں کے لیے سونا اور ریشم اور عورتوں کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنا اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا اور عورتوں کا ایسا لباس پہننا جسے پہننے کے باوجود وہ عریاں نظر آتی ہوں تو یہ سب کے سب ہیجڑے پن اور بے حیائی کے مظاہر ہیں اور مردانگی کے ختم کرنے والے اور شخصیت کو رسوا و ذلیل کرنے والے، اور شرافت و اخلاق کے لیے گہرا زخم ہیں، بلکہ اس کے ذریعہ سے امت کو گندی آزادی اور ناپسندیدہ اختلاط و میل جول اور نابالغوں اور نوجوانوں کو برائی اور بے حیائی اور بد اخلاقی کی طرف ڈھکیلنا ہے۔

۵ — بے پردگی، بن سنور کر نکلنے اور مرد و زن کا اختلاط اور اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کی ممانعت

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ احزاب (آیت - ۵۹) میں فرماتے ہیں:

((يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝)).

الاحزاب - ۵۹

اے نبی آپ کہہ دیجیے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی، اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لیے انہیں ستایا نہ جائے گا اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

اور سورۂ نور (آیت ۳۰ و ۳۱) میں فرماتے ہیں:

((قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَ يَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَزۡكٰى لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ ۞ وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَيَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اٰبَآئِهِنَّ)).

سورۂ نور - ۳۰ و ۳۱

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور آپ کہہ دیجیے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے۔ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر اور اپنے باپ پر۔

لیکن کیا شرعاً عورت کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے چہرے کو ڈھانپے ؟

اس کے لیے پہلے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین میں سے علماء تفسیر کے وہ اقوال سُننا چاہیے جو ان سے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر کے ضمن میں منقول ہیں:

((يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ يُدۡنِيۡنَ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ جَلَابِيۡبِهِنَّ ؕ)).

سورۂ الاحزاب - ۵۹

اے نبی آپ کہہ دیجیے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادر تھوڑی سی۔

ابنِ جریر طبری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:
اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام یا ضرورت سے گھر سے نکلیں تو اپنے چہروں کو چادر کے اوپر سے ڈھانپ لیا کریں اور صرف ایک آنکھ کھولیں۔

اور ابنِ جریر علامہ ابنِ سیرین سے ان کا یہ قول روایت کرتے ہیں کہ: میں نے عبیدۃ بن الحارث حضرمی سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ((يُدۡنِيۡنَ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ جَلَابِيۡبِهِنَّ)) کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اپنے کپڑے سے اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھلایا۔ اور وہ اس طرح کہ انہوں نے اپنا سر اور چہرہ چھپا لیا اور ایک آنکھ پر سے کپڑا ہٹا دیا۔

علامہ ابنِ جریر طبری مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ يُدۡنِيۡنَ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ جَلَابِيۡبِهِنَّ ؕ)).

سورۂ الاحزاب - ۵۹

اے نبی آپ کہہ دیجیے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادر تھوڑی سی۔

لباس میں ان باندیوں سے مشابہت اختیار نہ کرو جو گھروں سے کام کاج کے لیے اپنے بال اور چہرے کو کھول کر نکلتی ہیں بلکہ انہیں چاہیے کہ چادر اوڑھ لیا کریں تاکہ اگر کوئی فاسق انہیں دیکھے تو یہ سمجھ لے کہ یہ آزاد و شریف عورتیں ہیں اور ان سے کسی قسم کی بات وغیرہ نہ کرے۔

اور علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ اجنبی مردوں سے جوان عورت کو اپنا چہرہ چھپانے، اور باہر نکلنے کے وقت پردہ کرنے اور پاکدامن رہنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ فاسق و بدکرداران کے سلسلہ میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔

اور قاضی بیضاوی اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک ((یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ)) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی اگر کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو اپنے چہرے اور جسم کو چادر سے ڈھانک لیں۔

اور علامہ نیسابوری آیت ((یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ)) کے تحت لکھتے ہیں:

ابتداءِ اسلام میں عورتیں اپنی زمانۂ جاہلیت کی عادت کے مطابق عام کپڑوں میں رہتی تھیں، اور قمیص اور اوڑھنی پہن کر باہر چلی جاتی تھیں خواہ باندی ہو یا آزاد عورت، پھر انہیں چادر کے اوڑھنے اور سر اور چہرے کے ڈھانپنے کا حکم دے دیا گیا۔

ان اقوال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو سب کے سب اہلِ علم و اہلِ تفسیر تھے) سب اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان عورت کو آیت ((یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ)) کے مطابق یہ حکم دیا گیا ہے کہ چادر اوڑھے اور اجنبی مردوں سے اپنے چہرے کو چھپائے۔

اور آئیے دوسرے نمبر پر مسلمان عورت کے چہرے کے چھپانے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو صحیح احادیث اور صحابیات رضی اللہ عنہن سے جو اقوال مروی ہیں انہیں سنتے ہیں:

ابو داؤد اور ترمذی اور مؤطا امام مالک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے والی عورت کو حالتِ احرام میں یہ حکم دیا کہ وہ نہ نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے، ابو داؤد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حالتِ احرام میں دستانے پہننے اور نقاب ڈالنے سے منع کیا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت میں عورتیں چہرہ ڈھانپنے اور دستانے پہننے کی عادی تھیں، اسی لیے حالتِ احرام میں انہیں اس سے روکا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم علی الاطلاق نہیں ہے جیسا کہ آئندہ آنے والی وہ احادیث جنہیں ہم ابھی ذکر کریں گے وہ خود اس بات پر دلالت کر رہی ہیں۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ قافلے ہمارے پاس سے

گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالتِ احرام میں ہوتے تھے، چنانچہ جب وہ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم میں سے ہر عورت اپنی چادر کو اپنے چہرے پر ڈال لیتی اور جب وہ ہم سے آگے بڑھ جاتے تو ہم چہرہ کھول لیا کرتے تھے۔

موطأ امام مالک میں حضرت فاطمہ بنت المنذر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم حالتِ احرام میں اپنے چہرے کو چھپایا کرتے تھے اور ہم حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے لیکن چہرہ چھپانے پر وہ ہم پر کوئی اعتراض نہیں کرتی تھیں۔

فتح الباری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ عورت اپنی چادر سر کے اوپر سے اپنے چہرے پر لٹکائے گی۔

صحیح احادیث میں آتا ہے کہ ایک مسلمان باپردہ عورت کسی کام سے بنی قینقاع کے بازار گئیں۔ ایک یہودی نے ان سے چھیڑ چھاڑ کی اور اس بدبخت نے یہ چاہا کہ انہیں چہرہ کھولنے پر مجبور کردے، لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور مدد کے لیے لوگوں کو پکارنا شروع کر دیا، چنانچہ ایک مسلمان نے اس یہودی پر حملہ کر کے اسے اس کے کرتوت کی سزا کے طور پر قتل کر ڈالا۔

ان صحیح احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیویاں کسی کام سے اگر باہر نکلتی تھیں تو منہ کو چھپایا کرتی تھیں خواہ حالتِ احرام میں کیوں نہ ہوں اور وہ یہ سمجھتی تھیں کہ پردہ فرض ہے اور شریعتِ مطہرہ نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور تیسرے نمبر پر عورت کے چہرہ کھولنے کے موضوع پر ائمۂ مجتہدین کے اقوال سنتے ہیں:

جمہور ائمۂ مجتہدین جن میں امام شافعی و احمد و مالک شامل ہیں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ عورت کا چہرہ بھی عورت ہے اور اس کا چھپانا واجب ______ اور اس کا کھولنا حرام ہے، اور ان حضرات کا مستدل وہ ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین سے آیت «يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ» کے سلسلہ میں ثابت ہے اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ چھپانا ضروری ہے، اور اس کی مزید تاکید ان صحابیات رضی اللہ عنہن کے فعل سے ہوتی ہے جو بعض ضروریات کے لیے چہرہ ڈھانک کر نکلا کرتی تھیں، نقاب ان کے چہرے پر پڑا ہوتا تھا، اور اس طرح ان صحابہ اور تابعین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے جو آیت «يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ» کے ذیل میں ابھی گزر چکے ہیں۔ اور اس کا تذکرہ تفصیلی ادلۂ قطعیہ کے ساتھ ہو چکا ہے۔

ائمۂ حنفیہ اوران کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ عورت کا چہرہ عورت نہیں ہے، اوراگرچہرہ کھولنے سے کوئی فتنہ نہ مرتب ہوتواس کا کھولنا جائز ہے لیکن اگرکسی فتنہ کا احتمال ہوتو فتنہ کے سدباب اور فساد کو دُور کرنے کے لیے اس کا کھولنا حرام ہوجائے گا۔

ان حضرات نے اپنے مذہب کی تائید میں جو ادلہ پیش کیے ہیں ان میں سے زیادہ واضح ظاہر یہ ہیں:

حضرت فضلِ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری میں سوار تھے اور ان کے قریب سے کچھ عورتیں احرام کی حالت میں گزریں حضرت فضل ان کی طرف دیکھنے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک حضرت فضل کے چہرے پر رکھ دیا اور پھر حضرت فضل نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیرلیا۔

یہ صحیح حدیث ہے جس کو مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اور اس سے استدلال اس طرح سے ہے کہ اگر عورت کو چہرہ چھپانے کا حکم ہوتا اور اس کا چہرہ عورت ہوتا تو عورتیں اپنا چہرہ نہ کھولتیں اور حضرت فضل ان کی طرف نہ دیکھتے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث، ولید سعید بن بشیر سے اور وہ قتادہ سے اور وہ خالد بن دریک سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور انھوں نے باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور یہ فرمایا کہ:

((یا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحیض لم یصلح أن یرى منها إلا هذا وهذا وأشار علیه الصلاة والسلام إلى وجهه وکفیه)).	اے اسماء عورت جب بالغ ہونے کے قریب ہو تو یہ درست نہیں ہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر ہو سوائے اِس کے اور اِس کے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔

لیکن جمہور فقہاء ان مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا یہ جواب دیتے ہیں:

۱۔ حضرت فضلِ بن عباس کی حدیث میں اس بات کی دلالت نہیں پائی جاتی کہ عورت کے لیے اجنبیوں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے، اس لئے کہ وہ عورتیں جن کی طرف حضرت فضل نے دیکھا تھا وہ حج کا احرام باندھے ہوئے تھیں، اور محرم عورت کے لیے چہرہ کھولنا جائز ہے اگر چہرہ کھولنے سے فتنہ کا احتمال نہ ہو۔ اس لیے کہ عورت کا احرام یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ اور چہرہ کو کھلا رکھے، اس لیے کہ حدیث مذکورہ بالا میں یہی حکم دیا گیا ہے فرمایا:

((لا تنتقب المرأة ولا تلبس القفازين)). (محرم) عورت نہ نقاب ڈالے گی اور نہ دستانے پہنے گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر احرام کی حالت نہ ہو تو عورت نقاب ڈالے گی اور دستانے پہنے گی۔

۲۔ حضرت اسماء کی جس حدیث سے چہرے کھولنے پر استدلال کیا گیا ہے وہ حدیث مرسل ہے یعنی اس کی سند میں انقطاع ہے، حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۳، ۲۸۳) میں لکھتے ہیں: ابوداؤد اور ابوحاتم رازی کہتے ہیں کہ وہ (یعنی حضرت اسماء کی حدیث) مرسل ہے، اس لیے کہ خالد بن دریک کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُننا ثابت نہیں ہے۔

اکثر اہلِ علم حدیث مرسل پر ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اور اگر حدیث ضعیف ہو تو اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اور نہ استنباطِ احکام کے سلسلہ میں اس کا اعتبار ہوگا۔

ائمہ مجتہدین نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے یہ صاف واضح ہوگیا کہ عورت کا چہرہ بھی ستر کے حکم میں ہے اور اس کا چھپانا واجب اور کھولنا حرام ہے۔ حتیٰ کہ فقہاء حنفیہ جو چہرہ کھولنے کے جواز کے قائل ہیں وہ بھی اس کی اجازت اس وقت دیتے ہیں جب فتنہ کا خوف نہ ہو۔

آج ہمارے اس معاشرے میں ہم حیوانوں کی طرح رہ رہے اور زندگی گزار رہے ہیں کیا اس میں کوئی شخص فتنہ و فساد کے پھیلنے سے انکار کرسکتا ہے؛ لہٰذا جب صورت حال یہ ہے تو غیرت مند باپ کو چاہیے کہ اپنی بیوی اور بچیوں کو چہرے پر نقاب ڈالنے کا حکم دے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری اور پاکباز و پاک دامن صحابیات رضی اللہ عنہن کی پیروی اور محترم ائمہ مجتہدین کے فیصلہ کی اتباع کے لیے ان کو منہ چھپانے کا حکم دے۔

اے تربیت کرنے والو مسلمان اگر قیامت میں ان لوگوں کی رفاقت چاہتا ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین ہیں، جن کی رفاقت بہت اچھی ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے دین اور عزت و آبرو کا خیال رکھے، اس سلسلہ میں محتاط رہے اور ہمیشہ تقویٰ اور ورع کے پہلو پر عمل کرے۔

بناؤ سنگھار اور عورتوں کے محاسن ظاہر نہ کرنے کے حکم کے سلسلہ میں جو آیات واحادیث وارد ہیں وہ یہ ہیں:

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((صنفان من أهل النار لم أرهما: قوم معهم سياط كأذناب

دوزخ والوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا: ایک وہ لوگ جن کے ساتھ گائے کی دم کی طرح

البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مائلات مميلات، رءوسهن كأسنمة البخت، لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة خمسمائة عام))۔

کے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہوں گے، اور دوسری وہ عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی، ناز و نخرے سے مٹک مٹک کر چلنے والیاں اپنے ناز و انداز سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنیوالیاں ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹ کے کوہان (یعنی سر پر بالوں کا جوڑا بنا کر رکھیں گی اور وہ اونچا ہو کر کوہان کی طرح معلوم ہوگا) ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی حالاں کہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کے فاصلے سے محسوس ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلَىٰ)). الاحزاب-۳۳

اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں۔

اور اللہ تعالیٰ سبحانہ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝)). النور-۶۰

اور جو گھروں میں بیٹھ رہی ہیں تمہاری عورتوں میں سے جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگھار اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ سب باتیں سنتا اور جانتا ہے۔

مردوزن کا اختلاط ممنوع ہونے کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل ادلہ وارد ہوئے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ)). النور-۳۰، ۳۱

کہہ دیجیے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں یہ انکے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے بیشک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور کہہ دیجیے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو۔

بھلا بتائیے کہ اگر ایک جگہ مرد وزن اکٹھے ہوں تو وہاں نگاہ نیچی رکھنے کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس لیے اس آیت کے مدلول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد وزن کے اختلاط کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے حرام کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک اور آیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ)). الأحزاب۔۵۳

اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ کام کی چیز تو پردہ کے باہر سے مانگ لو اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل اور ان کے دل کو۔

اور امام ترمذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((لا يخلون رجل وامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما)).

کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت و تنہائی اختیار نہیں کرتا مگر یہ کہ شیطان ان کے ساتھ ان کا تیسرا (ساتھی) ہوتا ہے۔

اور بخاری و مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((إياكم والدخول على النساء فقال رجل: يا رسول الله! أفرأيت الحمو؟ (أي قريب الزوج) قال: الحمو الموت)).

تم عورتوں کے پاس جانے سے بچو، تو ایک صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول جیٹھ و دیور (شوہر کی طرف سے عورت کے رشتہ دار) کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا دیور تو موت (کی طرح نقصان دہ) ہے۔

بخاری و مسلم ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

((لا يخلون أحدكم بامرأة إلا مع ذي محرم)).

تم میں سے کوئی شخص بھی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں یکجا نہ ہو سوائے اس رشتہ دار کے جو محرم (جس سے نکاح کرنا حرام) ہو۔

❖

اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کی حرمت پر دلالت کرنے والی نصوص درج ذیل ہیں:

سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ)).

کہہ دیجیے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں۔

اور سورۂ اسراء میں فرماتے ہیں:

((إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا))۔ الاسراء - ۳۶

بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی۔

اور امام مسلم حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اچانک پڑ جانے والی نگاہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اصرف بصرك))۔

اپنی نگاہ کو پھیر لو (ہٹا لو)۔

اور ابوداؤد اور ترمذی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے، اور یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا:

((احتجبا منه))۔

ان سے پردہ کرلو۔

تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ تو نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچان سکتے ہیں؛ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أفعمياوان أنتما، ألستما تبصرانه؟!))۔

تو کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم دونوں ان کو دیکھ نہیں سکتی ہو؟

اور امام بخاری ومسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إياكم والجلوس في الطرقات))۔

تم لوگ راستہ میں بیٹھنے سے بچو۔

لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجلسوں میں بیٹھنے کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں، وہاں بیٹھ کر ہم آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فإذا أبيتم إلا المجلس فأعطوا الطريق حقه))۔

پھر جب تم انکار کرتے ہو اور بیٹھنا ہی چاہتے تو تم راستہ کا حق ادا کرو۔

لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول راستہ کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا:

((غض البصر وكف الأذى ورد السلام والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر))۔

نگاہ کا پست رکھنا۔ اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے بچنا، اور سلام کا جواب دینا، اور اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا۔

چنانچہ یہ بات بداہۃً معلوم ہے کہ اگر تمام معاشرے اور سب قومیں خواہ وہ بوڑھے ہوں یا نوجوان، مرد ہوں یا

عورتیں، حکام ہو یا محکومین، اگر سب کے سب ان لازوال بنیادی احکامات پر عمل کریں۔ اور ان شاندار رہنمائیوں کے مطابق چلیں، اور ان تمام چیزوں سے دور رہیں جو عزت وشرافت اور اخلاق کو بٹہ لگانے والی ہیں۔ مثلاً بے پردگی، بناؤ سنگھار اور زیب وزینت کا اظہار، اور اختلاطِ مردوزن، اور اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنا، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے معاشرے اور قومیں پاکیزگی اور شرافت وعزت کے باغوں میں شان سے اکڑ کر چلیں گی، اور امن واستقرار کے سایہ میں مزے کریں گی، اور عزت وبزرگی اور فضل وکمال کی چوٹی پر پہنچ جائیں گی۔ اس لیے کہ وہ اس راستے پر چلے جو اللہ نے ان کے لیے مقرر کر دیا تھا، اور انہوں نے اس نظام کو نافذ کیا جو اسلام نے ان کے لیے طے کیا تھا۔ اللہ جل شانہ بالکل درست فرماتے ہیں:

﴿ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ	اور حکم کیا کہ یہ میری سیدھی راہ ہے سو اس پر چلو اور
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ	اور راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے
ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ الانعام ۱۵۳	جدا کر دیں گے یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم بچتے رہو۔

گذشتہ صدیوں میں امتِ مسلمہ کو یہ سب کچھ ہر دور میں حاصل رہا۔ جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے ان قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے لیے بشارت دینے اور ڈرانے والا، اور آئندہ آنے والے تمام معاشروں اور قوموں کے لیے ہدایت اور نور بنا کر بھیجا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ عظیم کلام پاک میں بالکل بجا فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَ	یہ قرآن وہ راہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور
يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ	ان ایمان والوں کو خوشخبری سناتا ہے جو اچھے عمل کرتے ہیں
أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴾ الاسراء ـ ۹	کہ ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔

اے والدین اور مربیو! یہ اہم تربیتی قواعد اور وہ عملی نظام ہے جو اسلام نے بچے کے اخلاق کی حفاظت، اور اس کی شخصیت ممتاز بنانے، اور اس کو حقیقت اور مردانگی اور مکارم اخلاق کا عادی بنانے کے لیے مقرر کیا ہے اس لیے آپ لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ لوگ اپنے بچوں کی تربیت ان کے مطابق کریں اور اس کی رہنمائی اور نظام پر عمل کریں، تاکہ بچے اخلاق وفضائل اور ذاتی مکارم اور معاشرتی آداب حاصل کرتے ہوئے نشوونما پائیں، اور لوگوں میں یکتا ومنفرد شخصیت کے حامل ہوں۔ اور کیا اسلام کے مقرر کردہ اصولوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں کے علاوہ تربیت کے کوئی بنیادی ایسے اصول پائے جاتے ہیں جو بچے کی صحیح شخصیت سازی کر سکیں اور زندگی میں اس پر جو ذمہ داریاں عائد ہونے والی ہیں ان کے لیے اسے تیار کر سکیں؟

کون یہ کہتا ہے کہ عیش و عشرت میں مستغرق ہونا اور خوشحالی میں غرق ہونا بچے کی شخصیت کو نقصان نہیں پہنچاتا؟
اور یہ کون کہتا ہے کہ شہوات ولذات کے پیچھے پیچھے چلنا بچے کی شخصیّت کے لیے نقصان دہ نہیں؟
اور کون یہ کہتا ہے کہ گندے و فحش گانے سننا اور بھڑکانے والی موسیقی ورقص وسرود بچے کی شخصیت کو مضرت نہیں پہنچاتا؟
اور کون یہ کہتا ہے کہ بے پردگی زیب وزینت کی نمائش اور اختلاطِ مرد وزن بچے کی شخصیت کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے؟
اور کون یہ کہتا ہے کہ ہجڑاپن اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا اور فحش گوئی بچے کی شخصیّت کو نقصان نہیں پہنچاتا؟
تربیت کے ماہرین اور علماءِ نفس واخلاق قریب قریب سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ یہ چیزیں حافظہ کو کمزور کرنے، اور شخصیّت کو ختم کرنے، اور اخلاق کو بگاڑنے، اور مردانگی کا جنازہ نکالنے، اور بیماریوں کے پھیلانے اور عزت وشرافت وپاک دامنی کے ختم کرنے کے لیے خطرناک ترین دباؤں میں سے ہیں
ڈاکٹر الکس کاریل اپنی کتاب "الإنسان ذلك المجهول" میں لکھتے ہیں کہ:
انسان میں جب جنسی داعیہ حرکت کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایک ایسا مادہ جدا ہوجاتا ہے جو خون کے ساتھ مل کر دماغ تک پہنچتا ہے اور اسے مدہوش کردیتا ہے، اور پھر انسان صحیح سوچنے پر قادر نہیں رہتا۔
جارج بالوشی اپنی کتاب "الثورة الجنسية" میں لکھتے ہیں:
۱۹۶۲ء میں کینیڈی نے صراحۃً کہا کہ امریکہ کا مستقبل سخت خطرے میں ہے، اس لیے کہ وہاں کے نوجوان بے راہ روی کا شکار ہوگئے ہیں۔ اور شہوات میں ایسے مستغرق اور ڈوبے ہوئے ہیں کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر قادر ہی نہیں رہے جن کا بوجھ ان کے کاندھوں پر ہے۔ اور فوج میں بھرتی کے لیے پیش ہونے والے سات نوجوانوں میں سے چھ بھرتی کے نااہل ہوتے ہیں، اس لیے کہ جن غلط حرکتوں میں وہ گرفتار رہے ہیں انہوں نے انکی نفسیاتی اور جسمانی صلاحیت کو خراب کرکے رکھ دیا ہے۔
لبنانی اخبار "الأحد" اپنے شمارہ نمبر ۶۵۰ میں معاشرے کی تربیت کرنے والی مارگریٹ سمتھ کی مندرجہ ذیل گفتگو لکھتا ہے:
اسکول یا کالج کی لڑکی کو صرف اپنی خواہشات اور ان اسباب ووسائل کی فکر ہوتی ہے جو اس کے خیالات و خواہشات میں مددگار ثابت ہوں، ساٹھ فیصد سے زیادہ طالبات امتحان میں ناکام ہوگئیں، اور ناکامی کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ تعلیم اور اسباق حتیٰ کہ خود اپنے مستقبل سے بھی زیادہ جنسیات اور جنس کے چکر میں پڑی رہتی تھیں۔

اس لیے تربیت کرنے والے حضرات اور والدین وغیرہ مسئولین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بے راہ روی اور آزادی کے مظاہر ومواقع سے بچائیں اور یہ کوشش کریں کہ ان کی نفوس میں عزت وکرامت اور شخصیت کی اہمیت اور عظیم اخلاق کی حقیقت اور روح جاگزین ہو۔

اخیر میں ہماری یہ ذمہ داری بھی ہے کہ ہم بچے کے اخلاق کی درستگی اور اس کی اصلاح اور شخصیت کے نکھار کے لیے دقیق نگرانی اور اپنی عظیم مسئولیت کے فریضہ سے قطعاً غافل نہ ہوں۔

اور اگر ہم ان اسباب کی تفتیش کرنا چاہیں جو بچے میں اخلاقی بے راہ روی اور کردار میں انحراف پیدا کر دیتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ اس کا اصل سبب والدین کا بچوں کی نگرانی میں غفلت برتنا اور انکی تربیت و رہنمائی سے دور رہنا اور اس میں کوتاہی برتنا ہے۔

بچّوں کے اخلاقی انحراف اور کردار میں آزادی و بے راہ روی کے کچھ اسباب درج ذیل ہیں :

- جو باپ اپنے بچّوں کو برے ساتھیوں اور بدکرداروں سے ملنے کی کھلی چھٹی دے دے گا کہ وہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں ان سے ملیں، اور وہ ان سے نہ باز پرس کرے، اور نہ کوئی نگرانی، تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ بچے ان کی صحبت سے متاثر ہوں گے اور ان کی کجی و انحراف اور برے اخلاق ان بچوں میں بھی پیدا ہوں گے۔
- جو باپ اپنے بچوں کو ایسی عشقیہ فلموں کے دیکھنے کی اجازت دے گا جو آوارگی و بے حیائی و آزادی کی طرف لے جاتی اور ان کا ذریعہ بنتی ہیں یا مار دھاڑ پر مشتمل ایسی فلمیں جو جرم اور انحراف پر ابھارتی ہیں اور بچوں کو تو کیا بڑوں تک کو خراب کر دیتی ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا باپ چاہے محسوس کرے یا محسوس نہ کرے لیکن وہ اپنی اولاد کو ایک گہرے گڑھے میں دھکیل رہا ہے جو لازمی طور سے ان بچوں کو یقینی ہلاکت اور لازمی تباہی تک پہنچا دے گا۔
- جو باپ اپنی اولاد کو یہ موقعہ فراہم کرے گا کہ وہ ٹیلی ویژن کی اسکرین پر بھڑکانے والے مناظر اور گندے ڈرامے اور بے ہودہ عریاں اشتہارات دیکھیں تو بلا شبہ ایسی صورت میں بچے آوارگی و بے حیائی میں نشو و نما پائیں گے اور آہستہ آہستہ آوارہ و آزاد بنیں گے اور مردانگی اور عظمت اور بہترین اسلامی آداب ان میں ختم ہوتے چلے جائیں گے۔
- جو باپ اپنے بچّوں کو فحش رسالوں کے خریدنے اور عشقیہ کہانیوں کے پڑھنے اور ننگی تصاویر جمع کرنے کی اجازت دے گا تو لازمی طور سے اولاد بے حیائی اور گناہ کے راستہ پر چلے گی اور گندی و آزاد زندگی اور فحش و ناجائز جنسی تعلقات کا سبق حاصل کرے گی۔

✿ جو باپ اپنی بیوی اور لڑکیوں کو پردہ کرانے کے سلسلہ میں تساہل برتے گا اور ان کی بے پردگی اور زیب و زینت کی نمائش پر چشم پوشی کرے گا اور ان کی دوستیوں اور آزادانہ اختلاط سے تغافل برتے گا اور انہیں یہ موقعہ فراہم کریگا کہ وہ بھڑکیلا لباس پہن کر اور اپنے جسم کو عریاں کر کے باہر نکلیں تو ظاہر بات ہے کہ ایسی لڑکیاں گناہ اور بے حیائی کی زندگی کی عادی بنیں گی، اور تباہی و گمراہی اور فسق و فجور کے جال میں گرفتار ہوں گی، اور بسا اوقات ایسا بھی ہوگا کہ آخر کار وہ عزت و آبرو بھی گنوا بیٹھیں گی، اور شرافت و عزت کو بٹہ لگالیں گی، اور پاک دامنی کے دامن کو تار تار کر دیں گی لیکن اس وقت نہ ندامت کا فائدہ ہوگا اور نہ رونے پیٹنے سے کچھ حاصل:

أتبکی علی لبنیٰ وأنت قتلتها	لقد ذهبت لبنیٰ فما أنت صانع؟
کیا تم لبنیٰ کے لیے روتے ہو حالانکہ تم نے خود ہی اسے قتل کیا ہے	لبنیٰ تو چلی گئی بتلاؤ اب تم کیا کرو گے؟

✿ جو باپ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے اسکول جانے آنے کی نگرانی نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ اس عدم توجہی کی وجہ سے بچے یہ فائدہ اٹھائیں گے کہ اسکول کے نام سے خراب و بے کار اور گناہ کی جگہوں میں وقت گزاریں گے، اور ہم نے کتنی ہی ایسی لڑکیوں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ بے حیائی اور زنا کے جال میں پھنس گئیں، اور ان کی شرافت اور نام و نمود کو بٹہ لگا، لیکن ان کے خاندان والوں کو صورت حال اس وقت معلوم ہوئی جب رسوائی ہو چکی اور جرم و گناہ کی نشانیاں و آثار کھل کر سامنے آگئے؟!

✿ جو باپ اپنے بچوں کی کتابوں کی الماریوں اور بستروں کی طرف توجہ نہیں کرے گا، اور ان کو منہمک و مستغرق دیکھنے کے باوجود ان کی نگرانی نہیں کرے گا تو بلاشبہ ایسی صورت میں اگر اولاد انحراف و کجی کے راستہ پر چل رہی ہوگی تو وہ اپنے اندر یہ داعیہ پائیں گے کہ وہ پسندیدہ ننگی تصویریں خریدیں، اور فحش و گندے رسالے پڑھیں، اور اپنی محبوباؤں کو جس طرح کے خطوط چاہیں لکھیں اور نہ کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہوگا اور نہ سرپرستوں میں کوئی محاسبہ کرنیوالا۔

ایسی صورت حال میں ظاہر ہے کہ اولاد تدریجاً آزادی بے راہ روی کی طرف گامزن ہوگی اور نہ ان کے لیے کوئی دینی مانع و رکاوٹ ہوگی اور نہ ان کا ضمیر ان کا حساب کتاب کرے گا، ایسی صورت میں ان کو راہ راست پر لانا ان کی اصلاح اور علاج کرنا مشکل ہو جائے گا۔

وہ بنیادی اخلاقی باتیں جن کا والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کو خوب اہتمام کرنا چاہیئے اور ان کا بہت خیال رکھنا چاہیئے اور اپنے بچوں میں وہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے وہ یہ ہیں کہ انہیں حسنِ اخلاق، نرم مزاجی اور لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کا عادی بنائیں۔

والدین اور سرپرستوں کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند وہ احادیث پیش کی جاتی ہیں جو مکارمِ اخلاق اور

خوش خلقی اور اچھے برتاؤ کی طرف رہنمائی کرتی ہیں :

امام احمد اور حاکم اور بیہقی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق)). — مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

اور ابن مردویہ سندِ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسنِ اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک تلاوت فرمایا :

((خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝)). الاعراف - ۱۹۹ — درگزر کی عادت بنائیے اور نیک کام کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((هو أن تصل من قطعك وتعطي من حرمك وتعفو عمن ظلمك)). — وہ یہ ہے کہ تم اس شخص کے ساتھ صلہ رحمی کرو جس نے تمہارے ساتھ قطع رحمی کی، اور تم اس شخص کو دو جس نے تمہیں محروم کیا اور اس سے درگزر کرو جس نے تم پر ظلم کیا ہو

اور ابو داؤد اور ترمذی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((أثقل ما يوضع في الميزان يوم القيامة تقوى الله وحسن الخلق)). — سب سے بھاری وہ چیز جو قیامت کے روز میزان (ترازو) میں رکھی جائے گی وہ اللہ کا خوف (ڈر) اور حسنِ اخلاق ہے۔

اور امام ترمذی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیجیے تو آپ نے ارشاد فرمایا :

((اتق الله حيثما كنت)). — تم جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔

انہوں نے کہا کچھ اور نصیحت فرما دیجیے تو آپ نے فرمایا :

((أتبع السيئة بالحسنة تمحها)). — برائی کے بعد اچھائی کر لیا کرو جس سے تم اس (برائی) کو مٹا دو گے۔

انہوں نے عرض کیا اور نصیحت فرما دیجیے، تو آپ نے ارشاد فرمایا :

((خالق الناس بخلق حسن)). — لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

اور ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم أخلاقا)). مؤمنوں میں کامل اخلاق والا وہ شخص ہے جو ان میں بہترین اخلاق کا مالک ہو۔

اور محمد بن نصر مروزی ذکر کرتے ہیں کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول: دین کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: حسنِ اخلاق، وہ صاحب پھر آپ کی دائیں جانب سے آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول دین کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: حسنِ اخلاق، وہ صاحب پھر آپ کی بائیں جانب سے حاضر ہوئے اور پوچھا کہ دین کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: حسنِ اخلاق، پھر وہ صاحب پیچھے کی جانب سے آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول دین کیا ہے؟ تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم سمجھتے نہیں ہو، دین یہ ہے کہ تم غصہ اور ناراض نہ ہو۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور حقوق کا خیال رکھنے اور چال چلن کی درستگی اور حسنِ اخلاق وحسنِ معاملہ کے سلسلہ میں جو رہنمائی کی ہے اور ارشادات بیان فرمائے ہیں اس کے ذخیرہ میں سے یہ چند نمونے ہیں۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کریں۔ اور اپنے آپ کو ان پر قائم رکھیں تاکہ بچوں کے لیے بہترین نمونہ پیش کرسکیں۔ اور جو اہل وعیال بیوی بچے وغیرہ ان کے ساتھ رہتے ہیں ان کے لیے بہترین مقتدیٰ بنیں۔ اور ساتھ ہی اپنی اولاد کو چال چلن کے اسلامی آداب اور حسنِ اخلاق کی تربیت دیں، تاکہ وہ ظلم کرنے والوں سے درگزر سے کام لیں اور قطع تعلق کرنے والوں سے صلہ رحمی کریں، اور جو انہیں نہ دے یہ اسے دیں، اور جو ان کے ساتھ برا سلوک کرے یہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں تاکہ لوگوں میں بے نظیر اور دریکتا بنیں، اور یہ زمین پر چلنے والے فرشتے بن جائیں، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل مبارک فرامین کو نافذ کیا جائے۔

((خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝)). الاعراف - ۱۹۹

درگزر کی عادت ڈالیے اور نیک کام کرنے کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔

اور فرمایا:

((وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝)). الم سجدہ ۳۴

اور برابر نہیں نیکی اور نہ بدی، جواب میں وہ کہیے جو اس سے بہتر ہو پھر آپ دیکھ لیں گے کہ جس میں اور آپ میں دشمنی تھی گویا وہ دوست ہے قرابت والا۔

اور فرمایا:

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ آل عمران ۱۳۴

اور دبا لیتے ہیں غصے کو اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

اور ہم جہاں نفسیاتی اور معاشرتی تربیت کے موضوع پر بحث کریں گے وہاں ہم ان شاء اللہ ان نفسیاتی اور اخلاقی فضائل پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے جن کا بچے میں پیدا ہونا ضروری ہے اور وہاں قراءِ کرام کو تشفی بخش شافی وکافی بحث ملے گی۔

اس لیے اے والدین اور سرپرستو اور مربیو: بچوں کی اخلاقی لحاظ سے تربیت کرنے کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہتمام کیا ہے اسے پڑھنے کے بعد۔

اور یہ جان لینے کے بعد کہ آپ کے بچوں کی کجی کی اصلاح کیلیے اخلاق ایمان راسخ کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے۔

اور آپ نے ابھی جو خراب اور گندی عادات پڑھی ہیں جن سے اپنے جگر گوشوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ اخلاق اور عمدہ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں جو وصیتیں کی ہیں انہیں سن لینے کے بعد۔

اس سب کے بعد آپ لوگوں کے سامنے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ آپ لوگ عزم مصمم کریں اور ہمت سے کام لیں تاکہ تربیت تعلیم اور دیکھ بھال کا جو فریضہ آپ پر ہے اسے آپ لوگ مکمل طریقہ سے ادا کرسکیں۔

اور آپ لوگ یہ خوب سمجھ لیں کہ اگر آپ نے اپنی اولاد اور شاگردوں کے حق میں اخلاقی جہت سے کوتاہی کی تو یاد رکھیے کہ جن کا آپ پر حق تربیت ہے وہ بلاشک وشبہ آزادی وبے راہ روی اور بے حیائی میں نشوونما پائیں گے۔ اور فساد اور بد اخلاقی کی تربیت پائیں گے۔

اور پھر امن واستقرار کے لیے خطرہ کی گھنٹی اور معاشرہ کی عمارت کے گرانے اور ڈھانے کا ذریعہ بنیں گے بلکہ قوم کے افراد ان کے مجرمانہ اعمال اور اخلاقی اور معاشرتی برائیوں سے پناہ مانگیں گے۔

اس لیے اپنی اولاد کی نگرانی کیجیے اور خدا نے تربیت کی جو ذمہ داری آپ کو سونپی ہے اسے پورا کیجیے، اور اپنے فریضہ کو بحسن وخوبی ادا کیجیے، اور جتنی کوشش اور جدوجہد کرسکتے ہوں اسے بروئے کار لائیے، اور اپنی مفوضہ مسئولیت کو اچھی طرح سے پورا کیجیے، اس لیے کہ اگر آپ حضرات نے صحیح طریقے سے امانت ادا کردی تو آپ اپنے بچّوں کو گھر میں خوشبو دار مہکتا ہوا پھول اور معاشرہ میں پرنور وروشن چاند اور ایسے فرشتے پائیں گے جو پرسکون وآرام سے زمین پر چلتے ہوں گے۔

﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ التوبہ - ۱۰۵

اور آپ کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ پھر آگے دیکھ لے گا اللہ تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان۔

فصلِ ثالث

۳ــــ جسمانی تربیت کی ذمہ داری

وہ بڑی ذمہ داریاں جو اسلام نے تربیت کرنے والے والدین اور اساتذہ کو سونپی ہیں ان میں سے جسمانی تربیت کی ذمہ داری بھی ہے تاکہ بچے بہترین جسمانی قوت، سلامتی، چستی و نشاط اور تندرستی وصحت کے مالک ہوں۔

اے مربی حضرات! آپ حضرات کے سامنے وہ عملی طریقہ کار پیش کیا جاتا ہے جو بچوں کی جسمانی تربیت کے سلسلہ میں اسلام نے مقرر کیا ہے. تاکہ آپ لوگوں کو اُس امانت کی عظمت واہمیت معلوم ہو جائے جو آپ کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے. اور آپ اس مسئولیت و ذمہ داری کے بنیادی واہم نقاط کو سمجھ لیں جو اسلام نے آپ پر فرض کی ہے:

۱ــــ بیوی بچوں کے خرچ واخراجات کا واجب ہونا

اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

«وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ» البقرہ-۲۳۳

اور لڑکے والے یعنی باپ پر کھانا اور کپڑا ہے ان عورتوں کا دستور کے موافق.

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس فرمانِ مبارک کی وجہ سے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے:

«دينار أنفقته في سبيل الله ودينار أنفقته في رقبة ودينار تصدقت به على مسكين ودينار أنفقته على أهلك، أعظمها أجرًا الذي أنفقته

ایک دینار وہ ہے جسے تم نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جسے تم نے کسی غلام کے آزاد کرنے کے لیے خرچ کیا. اور ایک دینار وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے کسی غریب پر صدقہ کیا اور ایک دینار وہ ہے جسے تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا. ان سب میں زیادہ اجر و ثواب والا وہ دینار

علی أهلك))۔ | ہے جسے تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا ہو۔

اور جس طرح باپ کو اہل وعیال پر خرچ کرنے اور ان پر وسعت وفراخی کرنے پر اجر وثواب ملتا ہے۔ اسی طرح گر وہ ان پر خرچ نہ کرے یا باوجود قدرت کے اہل وعیال پر تنگی کرے تو اسے گناہ بھی ہوگا۔ وہ لوگ جو اپنے اہل وعیال کی حق تلفی کرتے ہیں اور انہیں لاوارث چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اپنے اہل وعیال پر خرچ نہیں کرتے، ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سنیے۔ ابو داؤد وغیرہ اس درج ذیل حدیث کے راوی ہیں:

((کفی بالمرء إثماً أن يضيع من يقوت))۔ | انسان کے گناہگار ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کر دے جن کی نان نفقہ کی ذمہ داری اس پر ہو۔

اور مسلم کی روایت میں آتا ہے:

((کفی بالمرء إثماً أن يحبس عمن يملك قوته))۔ | انسان کے گناہگار ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ ان لوگوں پر خرچہ کرنے سے رک جائے جن کے خرچ کا وہ مالک ہے۔

اہل وعیال پر نفقہ وخرچ واخراجات میں یہ بھی شامل ہے کہ باپ اپنی بیوی بچوں کے لیے صحیح غذا اور قابلِ رہائش مکان اور قابلِ استعمال لباس مہیا کرے، تاکہ وہ لوگ بیمار نہ پڑ جائیں اور ان کے جسم وباؤں اور بیماریوں کا نشانہ نہ بنیں۔

۲ — کھانے پینے اور سونے میں طبی قواعد اور صحت کے لیے ضروری باتوں کا خیال رکھنا

تاکہ یہ چیزیں بچوں کی عادت اور فطرت بن جائیں، کھانے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی یہ ہے کہ پیٹ بھرنے سے بچا جائے اور ضرورت سے زیادہ کھانے پینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ امام احمد وترمذی وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما ملأ آدمي وعاءً شرًّا من بطنه، بحسب ابن آدم لقيمات يقمن صلبه، فإن كان لا بدّ فاعلاً فثلث لطعامه، وثلث لشرابه، | کسی آدمی نے اپنے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرا آدمی کے لیے وہ چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی رکھ سکیں پس اگر انسان زیادہ کھانا ہی چاہے تو یہ کرلے کہ ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے رکھے اور ایک تہائی

وثلث لنفسه))۔ — پانی کے لیے اور ایک تہائی حصہ سانس لینے کے لیے خالی رکھے۔

٭ ٭ ٭

پانی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ تین سانس یا دو میں پانی پینا چاہیئے اور برتن میں سانس نہیں لینا چاہیئے، اور کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہیئے۔

امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((لا تشربوا واحداً كشرب البعير ولكن اشربوا مثنى وثلاث، وسموا إذا أنتم شربتم، واحمدوا إذا أنتم رفعتم)). — اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیو بلکہ دو یا تین سانسوں میں پانی پیو، اور جب پانی پیو تو اللہ کا نام لیا کرو (بسم اللہ پڑھ کر پیو) اور جب پی چکو تو اللہ کی حمد وتعریف بیان کرو (الحمد للہ کہو)۔

٭

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ: برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے۔

اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((لا يشربن أحدكم قائماً، فمن نسي فليستقئ)). — تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر ہرگز پانی نہ پیئے، اور جو بھول کر کھڑے ہو کر پی لے تو اسے چاہیئے کہ قی کرے۔

سونے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی یہ ہے کہ انسان دائیں کروٹ پر لیٹے، اس لیے کہ بائیں کروٹ پر لیٹنا دل کو نقصان پہنچاتا اور تنفس کو روکتا ہے، امام بخاری ومسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ———— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((إذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلاة، ثم اضطجع على شقك الأيمن وقل: اللهم أسلمت نفسي إليك، ووجهت وجهي إليك، وفوضت أمري إليك وألجأت ظهري إليك، رغبة ورهبة إليك، — جب تم اپنے بستر پر آؤ تو پہلے نماز والا وضو کر لو اور پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ، اور یہ دعا پڑھو: اے اللہ میں نے اپنی نفس وجان آپ کے سپرد کر دی، اور اپنا چہرہ آپ کی طرف پھیر دیا۔ اور اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا۔ اور اپنی پشت آپ کی طرف جھکا دی۔ آپ

لاملجأ ولامنجأ إلا إليك، آمنت بكتابك الذی أنزلت، ونبيك الذی أرسلت. واجعلهن آخر ماتقول))۔

سے امید ورغبت اور آپ کے خوف وڈر کے ساتھ، نہ کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ کوئی نجات کی جگہ سوائے آپ کے، میں آپ کی اس کتاب پر ایمان لایا جسے آپ نے نازل کیا اور اُن نبی پر جنہیں آپ نے بھیجا، اور ان کلمات کو تم اپنی آخری گفتگو بنالو۔

۳۔ متعدّی اور سرایت کرنے والے امراض سے بچنا

اس لیے کہ مندرجہ ذیل احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں؛

امام مسلم وابن ماجہ وغیرہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ثقیف کے وفد میں ایک صاحب جذام کے مرض میں گرفتار تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ؛

((ارجع فقد بايعناك))۔ تم واپس چلے جاؤ اس لیے کہ ہم نے تمہیں بعیت کرلیا ہے۔

اور امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

((فرّمن المجذوم فرارك من الأسد))۔ تم جذامی سے ایسے دور بھاگو جیسا تم شیر سے دور بھاگتے ہو۔

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

((لا يورِدنّ ممرض على مصح))۔ کوئی بیمار آدمی تندرست آدمی کے پاس نہ جائے۔

اس لیے مربیوں اور خصوصاً ماؤں کو چاہیئے کہ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی بچہ کسی متعدی مرض میں مبتلا ہوجائے تو اسے دوسرے بچوں سے الگ تھلگ اور دور رکھیں، تاکہ مرض نہ پھیلے اور وبا نہ پھوٹ پڑے، دیکھیے بدن کی نشو ونما اور صحت کی حفاظت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رہنمائی کتنی عظیم ہے۔

۴۔ مرض وبیماری کا علاج اور دوا دارو

اس لیے کہ بیماری کو دور کرنے اور شفا حاصل کرنے میں دوا کا بہت اثر ہوتا ہے اور بہت سی احادیث میں علاج ودوا دارو کا حکم دیا گیا ہے۔ جن میں سے ہم مندرجہ ذیل پر اکتفا کرتے ہیں؛

امام مسلم واحمد وغیرہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے

ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لکل داء دواء، فإذا أصاب الدواء الداء برأ بإذن اللہ عزوجل)).

ہر بیماری کی ایک دوا ہوتی ہے چنانچہ بیماری کے مطابق دوا پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے شفا حاصل ہو جاتی ہے۔

مسند احمد اور نسائی وغیرہ میں حضرت اسامۃ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کچھ دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا ہم علاج کیا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

((نعم یا عباد اللہ تداووا فإن اللہ عزوجل لم یضع داء إلا وضع له شفاء غیر داء واحد، قالوا: وما ھو؟ قال: الھرم)).

ہاں اے اللہ کے بندوں دوا کیا کرو، اس لیے کہ اللہ جل شانہ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی مگر یہ کہ اس کے لیے دوا بھی اتاری ہے سوائے ایک بیماری کے۔ لوگوں نے پوچھا: وہ بیماری کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: بڑھاپا۔

اور امام احمد و ترمذی وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: بتلائیے کیا وہ منتر جو ہم پڑھتے ہیں۔ اور وہ دوا جس سے ہم علاج کرتے ہیں، اور احتیاطی تدابیر جن کے ذریعہ ہم بچاؤ اختیار کرتے ہیں۔ کیا یہ چیزیں کسی ایسی چیز سے بچا سکتی ہیں جس کا اللہ نے فیصلہ کر دیا ہو؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ھی من قدر اللہ)).

یہ چیزیں بھی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہی ہیں۔

اس لیے والدین اور مربیوں کو چاہیے کہ بچوں کی بیماری کی صورت میں ان کے علاج معالجہ کا خیال رکھیں اور کسی آفت و بیماری میں گرفتار ہونے پر اس کے تدارک کا اہتمام کریں، اور اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائیوں اور ارشادات کے مطابق عمل کریں، اس لیے کہ اسباب اور مسببات کا اختیار کرنا فطری تقاضوں اور اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

۵ــــ نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان اٹھاؤ کے اصول کو نافذ کرنا

اس لیے کہ امام مالک اور ابن ماجہ اور دارقطنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا ضرر ولا ضرار)).

نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔

اس حدیث شریف کو فقہا اور اہل اصول نے ایک شرعی قاعدہ بنالیا ہے جو ان اہم قاعدوں میں سے ایک ہے جسے اسلام نے مقرر کیا ہے۔ اور افراد اور معاشرے کی حفاظت اور لوگوں سے ضرر و تکالیف دور کرنے کے سلسلہ میں اس پر بہت سے امور متفرع ہوتے ہیں۔

اس قاعدہ کی رو سے مربیوں اور خصوصًا ماؤں پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان طبی تعلیمات اور ہدایات کا پابند بنائیں جو صحت کے لیے ضروری ہیں۔ اور وہ حفاظتی تدابیر سکھائیں جو بچوں کی صحت کی حفاظت کی ضمانت اور جسمانی نشوونما کی گارنٹی ہوں، اسی طرح ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بیماریوں اور متعدی امراض سے محفوظ رکھنے کے لیے جن اسپیشل وخصوصی معالجین کی مدد درکار ہو ان سے مدد لیں۔

چونکہ کچے پھل کا کھانا جسم کو نقصان پہنچاتا ہے اور بیماری کا سبب ہے اس لیے مربیوں کا فریضہ ہے کہ وہ بچوں کو اس بات کا عادی بنائیں کہ وہ پکے ہوئے پھل کھائیں۔

اور چونکہ پھلوں اور سبزیوں کو دھوئے بغیر کھانا بیماری کا ذریعہ بنتا ہو اس لیے تربیت کرنے والوں کا فریضہ ہے کہ وہ بچوں کی اس جانب رہنمائی کریں کہ وہ پھل وسبزیاں دھوکر کھایا کریں۔

اور کھانے پر کھانا کھانا (بھرے پیٹ پر کھانا) امراضِ معدہ کا سبب بنتا ہے اور تنفس کے نظام اور نظام ہضم کو خراب کردیتا ہے اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ وہ اولاد کو اس بات کا عادی بنائیں کہ وہ صرف مخصوص اوقات ہی میں کھانا کھایا کریں۔

اور چونکہ ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کھانا مرض پھیلانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ وہ بچوں کو یہ بتلائیں کہ وہ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کے اسلامی طریقے پر عمل کریں۔

اور چونکہ برتن یا چمچے میں گرم کھانے کو پھونک کر ٹھنڈا کرنا جسمانی تکالیف کا سبب بنتا ہے، اس لیے مربیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کو اس مضر ونقصان دہ عادت سے روکیں۔

اور اس طرح سے جب مربی ان طبی تعلیمات ورہنمائیوں پر عمل کریں گے، اور صحت سے متعلق ان ارشادات کا بچوں کو پابند بنائیں گے، تو بلاشک وشبہ اولاد تندرست وتوانا، صحیح وسالم، طاقتور بدن کی مالک اور چست وچالاک اور مستعد پلے بڑھے گی۔

۶ ــــ بچوں کو ریاضت، ورزش اور شہسواری وغیرہ کا عادی بنانا

کہ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک پر عمل ہو:

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ ﴾ انفال ۶۰۔ اور تیار کرو ان سے لڑائی کے لیے جو کچھ جمع کرسکو قوت سے۔

اور تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو نافذ کیا جا سکے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ:

((المؤمن القوی خیر و أحب إلی اللہ من المؤمن الضعیف)). طاقتور مؤمن بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے اس مؤمن کی بنسبت جو کمزور ہو۔

اسی لیے اسلام نے تیرنے اور تیراندازی اور گھڑسواری سیکھنے کی دعوت دی ہے اور وہ مندرجہ ذیل ارشادات نبویہ مبارکہ ہیں:

امام طبرانی سندِ جید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((کل شئ لیس من ذکر اللہ فھو لھو أو سھو إلا أربع خصال: مشی الرجل بین الغرضین وتأدیبہ فرسہ، وملاعبتہ أھلہ، وتعلیمہ السباحۃ)). ہر وہ چیز جو اللہ کے ذکر میں سے نہیں ہے وہ کھیل کود یا غفلت ہے سوائے چار چیزوں کے: (تیراندازی کے لیے) انسان کا دونوں نشانوں کے درمیان چلنا۔ اور گھوڑے کو سدھانا، اور اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا اور تیرنا سکھانا۔

اور امام مسلم اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک تلاوت کیا:

((وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ)) ثم قال: ألا إن القوۃ الرمی ألا إن القوۃ الرمی، ألا إن القوۃ الرمی)). اور تم تیار کرو ان سے لڑائی کے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے، اور پھر آپ نے فرمایا: سن لو قوت تیراندازی ہے سن لو قوت تیراندازی ہے، سن لو قوت تیراندازی ہے۔

اور بزار و طبرانی سندِ جید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((علیکم بالرمی فإنہ من خیر لھوکم)). تم تیراندازی سیکھو اس لیے کہ یہ تمہارے کھیل کود میں سے بہترین کھیل ہے۔

اور امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے تیراندازی کے حلقوں کے پاس سے گزر رہے تھے تو آپ نے انہیں مزید ابھارا اور فرمایا:

((ارموا وأنا معکم کلکم)). تم لوگ تیراندازی کرتے رہو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

اور بخاری و مسلم میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ حبشہ کو یہ اجازت دی کہ وہ آپ کی مسجد مبارک میں اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلیں اور حضرت عائشہ کو یہ اجازت دی کہ وہ ان کے کھیل کو دیکھیں، اور آپ ان حبشیوں سے یہ کہہ رہے تھے:

((دونکم یا بنی أرفدۃ[1])). اے بنو ارفدہ لے لو۔

---

[1] ارفدہ کنیت ہے جس کے ذریعہ سے اہلِ حبشہ کو پکارا کرتے تھے۔

ابھی یہ اہلِ حبشہ مسجد میں اپنے نیزوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل ہی رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور کنکر اُٹھا کر ان کو مارنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دعهم یا عمر))[1]. — اے عمر ان کو چھوڑ دو۔

اصحابِ سنن (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور امام احمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

((لا سبق إلا فی خف أو حافر أو نصل)). — ریس اور مسابقت و مقابلہ سوائے اونٹوں اور گھوڑوں اور تیر اندازی کے کسی اور میں جائز نہیں۔

اس لیے کہ اس مقابلہ[2] کا جنگ اور جہاد کی تیاری میں بڑا اثر پڑتا ہے۔

٭ ٭ ٭

۷ــــ بچے کو سادگی اور عیش و عشرت میں نہ پڑنے کا عادی بنانا

تاکہ جب بالغ ہوا اور بڑا ہو جائے تو فریضۂ جہاد کو ادا کر سکے اور دین کی دعوت خوبی اور عمدگی سے دے سکے اور سادگی اور موٹا جھوٹا پہننے کی ترغیب بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے:

امام احمد اور ابونعیم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ:

((إیاکم والتنعم فإن عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین)). — تم ناز و نعمت میں پڑنے سے بچو اس لیے کہ اللہ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں پڑتے۔

اور طبرانی اور ابن شاہین اور ابونعیم حضرت قعقاع بن أبی حدرد سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں:

((تمعددوا[3] واخشوشنوا وانتضلوا)). — اپنے جد امجد معد بن عدنان کی نسبت پیدا کرو (سادگی و فصاحت و بلاغت میں) اور سادگی اور معمولی زندگی اختیار کرو اور تیر اندازی اختیار کرو۔

٭ ٭ ٭

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ کریمانہ فراخدلی تھی کہ آپ نے اپنی مسجدِ مبارک میں اس جیسی مشق کرنے کی اجازت دی، تاکہ ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے مسجد عبادت اور جہاد، دونوں کی تیاری کے لیے ہے اور مسجد میں افراد کی تربیت اور اسلام کی مصلحت دونوں کے لیے کام ہوتا ہے۔

[2] وہ مقابلہ اور مسابقت و ریس جائز ہے جس میں انعام یا تو شرکاءِ ریس کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہو یا دونوں ریس لگانے والوں میں سے صرف ایک کی طرف سے ہو، لیکن اگر گھڑ دوڑ میں دونوں شرکاء کی طرف سے انعام مقرر کیا گیا ہو تو وہ ناجائز اور قمار و جوے میں داخل ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ بالفرض گھڑ دوڑ میں دونوں مقابلہ کرنے والے میں سے ایک دوسرے سے کہے کہ اگر تم مجھ سے سبقت لے گئے تو میں تمہیں اتنا مال یا انعام دوں گا اور اگر میں تم سے آگے بڑھ جاؤں تو تم مجھے اتنا روپیہ یا انعام دینا، یہ صورت ناجائز اور حرام ہے۔

[3] یعنی اپنے جدِ امجد معد بن عدنان جیسی سادہ زندگی اختیار کرنے والے اور فصیح و بلیغ بننے کی کوشش کرو۔

سادہ زندگی اختیار کرنے اور معمولی لباس استعمال کرنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بہترین نمونہ داعلیٰ ترین مقتدیٰ ہیں. آپ نے کھانے پینے لباس اور رہائش سب میں سادگی کو اختیار کیا، تاکہ مسلم معاشرہ اور امت آپ کی اقتدا کرے، اور آپ کی سنت اور طریقہ پر چلے اور ان تمام حوادث کے لیے جوان کے راستے میں پیش آنے والے ہیں یا ان کے اوپر جو مصیبتیں نازل ہونے والی ہیں ہمیشہ ہمیشہ مکمل تیار اور مستعد اور چاق وچوبند رہیں

یہ بات صاف مشاہد ہے کہ جب امتِ مسلمہ نعمتوں میں مست اور کھانے پینے میں مستغرق ہو جائے گی. اور ریشم اور دیباج پر سوئے گی. تو مادی ترقی و تمدن اپنی چمک دمک اور ظاہری آب وتاب سے اسے دھوکہ میں ڈال دے گا. اور پھر وہ بہت جلد اپنے مقام سے گر جائے گی اور دشمن کے سامنے گردن جھکا دے گی، اور اس کے نوجوانوں کے دلوں سے صبر اور جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے لیے مصائب برداشت کرنے کی روح ماند پڑ جائے گی. اور سقوطِ اندلس کا جو واقعہ تاریخ کے صفحات میں مذکور ہے یہ کوئی زیادہ دور کی بات نہیں ہے.

۸ــــ بچے کو حقیقت پسندانہ اور مردانہ زندگی گزارنے کا عادی بنانا اور اس کو لاابالی پن، سستی اور آزادی و بے راہ روی کی زندگی سے بچانا

اس لیے کہ مندرجہ ذیل فرامینِ نبویہ اس کی جانب رہنمائی کرتے ہیں:

امام مسلم اپنی صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((احرص علی ما ینفعك واستعن باللہ، ولا تعجز)).	ایسی چیزوں کے حریص بنو جو تمہیں فائدہ پہنچانے والی ہو اور اللہ سے مدد مانگتے رہو اور عاجز ودرماندہ نہ بنو.

طبرانی سندِ جید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((كل شئ ليس من ذكر الله، فهو لهو أو سهو إلا أربع خصال: مشي الرجل بين الغرضين وتأديبه فرسه، وملاعبته أهله وتعليمه السباحة)).	ہر وہ چیز جو اللہ کے ذکر میں سے نہ ہو وہ کھیل کود یا غفلت ہے سوائے چار چیزوں کے: انسان کا (تیراندازی کے) دو نشانوں کے درمیان چلنا، اور گھوڑے کو سدھانا اور اپنی بیوی سے دل لگی کرنا، اور تیرنا سیکھنا.

اور امام بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا یزني الزاني حین یزني وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن، ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن)).	زنا کرنے والا ایمان کی حالت میں زنا نہیں کرتا اور چور ایمان کی حالت میں چوری نہیں کرتا اور شرابی ایمان کی حالت میں شراب نہیں پیتا.

امام نسائی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی بڑھائے ہیں :

فإذا فعل ذلك فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه »۔

جب وہ ایسا کر لیتا ہے تو اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکا ۔

اور امام مسلم وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« صنفان من أهل النار لم أرهما : قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات، مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة، لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا »۔

دوزخیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا : ایک وہ قوم جن کے پاس گائے کی دم کی طرح کے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہوں گے ۔ دوسری وہ عورتیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی (مردوں کو) اپنی طرف مائل کرنے والی (اور خود مردوں کی طرف) مائل ہونے والی ہوں گی ۔ ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے (خراسانی) بختی اونٹوں کے کوہان نہ وہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی حالاں کہ اس کی خوشبو اتنے اتنے فاصلہ سے آتی ہوگی۔

* * *

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی جانب رہنمائی کی ہے اس کے سمندر ناپیدا کنار سے یہ چند قطرے ہیں اور جیسا کہ آپ نے دیکھا یہ نہایت قیمتی رہنمائی واعلی توجیہات ہیں جو انسان کو مردانہ اور پُرحقیقت زندگی اپنانے کی دعوت دیتی ہیں ۔ اور بے راہ روی و آزادی سے ڈراتی ہیں ۔ اور یہ بات بداہۃً معلوم ہے کہ بچہ اگر آزادی و بے راہ روی کی زندگی میں نشو ونما پائے گا اور گناہوں اور فسق وفجور میں تربیت پائے گا اور لاپرواہی کا شکار اور کھیل میں پڑنے کا عادی ہوگا تو اس کی شخصیت تباہ ہوجائے گی اور اس کی نفس الجھ کر رہ جائے گی اور اس کا جسم خطرناک امراض اور بیماریوں کا نشانہ بن جائیگا

ان تمام باتوں کی وجہ سے مربیوں اور خاص طور سے ماؤں پر لازم ہے کہ وہ بچپن سے ہی بچوں کی دیکھ بھال رکھیں ، اور ان کی نفوس میں مردانگی اور سادگی اور خودداری اور رفعت اور عظیم اخلاق کی برتری اور اہمیت پیدا کر دیں ۔

اسی طرح ان کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ بچوں کو ہر اس چیز سے دور رکھیں جو ان کی مردانگی اور شخصیت کو تباہ اور اخلاق وشرافت کو برباد اور عقل وجسم کو کمزور کر دے ، اس لیے کہ اس طرح سے ان کی تفکیر وسوچ درست وصحیح اور

جسم طاقتور اور اخلاق ٹھیک رہیں گے اور ارواح میں بلندی اور مطلوب و مراد کے حاصل کرنے کا ان میں قوی داعیہ ہوگا۔

اے مربیو یہ وہ اہم بنیادی باتیں ہیں جنہیں دین اسلام نے بچوں کی جسمانی تربیت کے سلسلہ میں متعین و بیان کیا ہے۔

اگر آپ لوگوں نے ان کو اہمیت دی اور ان کی طرف پوری توجہ کی تو جس معاشرہ اور قوم کی تربیت و رہنمائی کا کام آپ انجام دے رہے ہیں وہ قوت و صحت نشاط اور زندگی سے مستفید ہوگی، اور اس کے ساتھ ساتھ آپ اس امانت کے حق کو بھی پورا کردیں گے جو آپ کے ذمہ ہے۔ اور اس مسؤلیت کو ادا کردیں گے جو اللہ نے آپ کے ذمہ لگائی ہے۔ اور قیامت میں آپ لوگ اللہ سے سرخروئی کے ساتھ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے مجمع میں مل سکیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کی رفاقت بہت ہی اعلیٰ و عمدہ ہے۔

ہمیں بہت سی خطرناک عادتیں بچوں بڑوں اور جوانوں اور قریب البلوغ لڑکوں میں نظر آتی ہیں۔ جن کی طرف مربیوں اور خصوصاً والدین کو توجہ کرنا چاہیئے، اور اس کے نقصانات اور خطرناکی کا احساس کرنا چاہیئے۔ اور جن کی تربیت کے یہ مسئول ہیں انہیں ان کی قباحت، ضرر اور نقصانات بتلانا چاہیئے تاکہ وہ ان کے دام میں گرفتار نہ ہوں، اور ان کی آگ میں نہ جلیں، اور اس کی دلدل اور وادیوں میں سرگرداں و پریشان نہ ہوں۔

میرے اندازے کے مطابق بچوں قریب البلوغ لڑکوں اور نوجوانوں میں پائی جانے والی یہ عادات بالعموم مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہیں:

۱ - سگریٹ نوشی کی عادت۔

۲ - مشت زنی کی عادت۔

۳ - منشیات اور نشہ آور چیزوں کا استعمال۔

۴ - زنا اور لواطت کی عادت۔

خدا نے چاہا تو میں ان چاروں میں سے ہر عادت پر تفصیل سے روشنی ڈالوں گا۔

۱ - سگریٹ نوشی کی عادت

ہمارے موجودہ پر آشوب معاشرہ میں جو چیز وبائی شکل میں بہت زیادہ مشاہدہ میں آتی ہے وہ سگریٹ نوشی کی عادت ہے جو اور تمام عادات سے زیادہ عام اور چھوٹوں بڑوں میں پھیلی ہوئی ہے، چنانچہ انسان جہاں بھی نظر ڈالتا ہے اس مذموم عادت کو معاشرے کے افراد میں باوجود تفاوتِ مراتب کے تمام طبقات میں چھوٹوں بڑوں مردوں عورتوں جوانوں بوڑھوں میں انتہائی عام اور منتشر پاتا

ہے، اور اس لعنت سے صرف وہی شخص محفوظ رہا ہے جس نے خواہشات پر قوتِ ارادہ کو، اور جذبات پر عقل کو اور فساد پر اصلاح کو فوقیت و ترجیح دی ہے۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

اس لعنت پر مکمل روشنی ڈالنے اور اس کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے کلام کرنے کے لیے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کے تین نقاط پر گفتگو کریں:

۱ - سگریٹ نوشی سے پیدا ہونے والے نقصانات۔

۲ - سگریٹ نوشی کے بارے میں شریعت کا حکم۔

۳ - سگریٹ نوشی کا علاج۔

سگریٹ نوشی سے جو نقصانات پیدا ہوتے ہیں ان کو ہم دو اہم چیزوں میں محدود کر سکتے ہیں:

الف۔ صحت اور نفسیات سے متعلق نقصانات

اطبار کے فیصلہ کے مطابق یہ بات یقینی اور قطعی طور سے ثابت ہو چکی ہے جس میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سگریٹ نوشی مورثِ سل ہے اور پھیپھڑوں میں سرطان پیدا کرتی ہے، حافظہ کو کمزور کرتی اور اشتہا کو کم کرتی ہے، اور چہرہ اور دانتوں کو زرد کرتی اور ضیقِ تنفس کی موجب ہے۔ اور اعصاب میں ہیجان پیدا کرتی ہے۔ اور جسم میں عمومی انحطاط کا ذریعہ ہے۔ اخلاق کو بگاڑتی اور قوتِ ارادی کو کمزور کرتی ہے اور سستی اور کاہلی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

سگریٹ نوشی کے صحت پر جو نقصانات مرتب ہوتے ہیں۔ ان کے سلسلہ میں اس فن کے ماہر و خصوصی اطبار کی رپورٹیں درجِ ذیل ہیں:

جرمنی کا مجلہ "اشبیکل" لکھتا ہے کہ امریکہ کے دس اسپیشلسٹ ماری لینڈ امریکہ کے شہر "بیویزدا" کے ادارۂ تحقیقات میں جمع ہوئے، اور تمباکو نوشی کے جو اثرات لوگوں کی صحت پر پڑتے ہیں اس پر بحث مباحثہ کیا، اور متفقہ طور سے مندرجہ ذیل نقصانات پر سب نے اتفاق کیا:

۱ - جو مرد سگریٹ نوشی کرتے ہیں ان میں ان لوگوں کی بنسبت جو سگریٹ نوشی نہیں کرتے شرحِ اموات اڑسٹھ فیصد زیادہ ہے۔

۲ - جو لوگ تمباکو نوشی کے مرتکب ہیں ان میں مندرجہ ذیل امراض سے مرنے کی تعداد ان لوگوں کی بنسبت زیادہ ہے جو تمباکو نوشی نہیں کرتے: پھیپھڑوں کا سرطان (۸ ر ۱۰) گنا زیادہ، ناک، گلے اور سانس کی نالی میں التہاب اور سوزش اور ان جگہوں کا متورم ہونا اور پھول جانا (۱ ر ۶) گنا زیادہ، گلے کا سرطان (۴ ر ۵) گنا زیادہ، منہ کے اندر سرطان (۱ ر ۴) گنا زیادہ غذا کی نالی کا سرطان (۴ ر ۳) گنا زیادہ، معدے کے امراض (۴ ر ۲) گنا زیادہ، دوسرے باری والے امراض (۶ ر ۲) گنا زیادہ، دل پر چربی وغیرہ کے امراض (۷ ر ۱) گنا زیادہ۔

۳ - اس کا مطلب یہ ہے کہ کان اور دل پر چربی چھا جانے کا مرض (جو ولایاتِ متحدہ امریکہ میں عام طور سے موت کا سبب بن جاتا ہے) تمباکو نوشوں میں بنسبت غیر تمباکو نوشوں کے ستر فیصد زیادہ ہے، اور تھوک کی نالی کی جھلی اور تنفس کے نظام میں سوزش والتہاب پانچ سو فیصد زیادہ ہے، رہا پھیپھڑوں کا سرطان جو سرطان کی دوسری تمام اقسام سے زیادہ منتشر ہونے والا اور عام ہے تو اس کا شکار ہونے کا احتمال تمباکو نوشوں میں بنسبت غیر تمباکو نوشوں کے ہزار فی صد زیادہ ہے[1]۔

سل کے تدارک اور روک تھام کے سلسلہ میں قائم شدہ ملک شام کی ایک کمیٹی نے ایک بیان جاری کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ:

سالوں کی تحقیق اور علمی بحث ومباحثہ سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئی ہیں کہ جب کوئی شخص سگریٹ پیتا ہے تو وہ دھوئیں کو نگلتا ہے اور اسی سے نوے فی صد اس دھوئیں کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ جیسا کہ تمباکو کے جلنے سے جو سیاہی اور کالک بنتی ہے وہ بھی سانس کی نالیوں میں جم جاتی ہے، اور یہ سیاہی کیمیاوی قسم کے مجموعۂ مرکبات کی ایک قسم ہے جن میں سے بعض اقسام سرطان پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جب کہ دوسرے باقی ماندہ عناصر واجزار خراش پیدا کر دیتے ہیں، اور پھیپھڑے کو سل اور دوسرے خطرناک، مہلک جراثیم کے حملہ کے لیے بہترین جگہ بنا دیتے ہیں۔

وہ لوگ جو سگریٹ نوشی کرتے ہیں وہ سل اور سرطان کا ان لوگوں کی بنسبت زیادہ نشانہ بنتے ہیں جو سگریٹ نوشی نہیں کرتے، اور ساتھ ہی سگریٹ نوشی کی عادت کی وجہ سے پھیپھڑوں میں دوسرے لاعلاج قسم کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً حلق کی نالی میں التہاب وسوزش اور پھیپھڑوں کا پھول جانا اور سانس لینا دشوار ہو جانا۔ اور دق وسل۔ سگریٹ نوشی امراضِ قلب کا راستہ ہموار کر دیتی ہے اس لیے کہ نکوٹین دل کی دھڑکن کو بڑھاتی ہے اور خون کی نالیوں کو نقصان پہنچاتی ہے، چنانچہ بہت سے سگریٹ نوش اپنی زندگی کے خاتمہ کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کرتے ہیں۔ اس لیے آپ کو سگریٹ نوشی سے بچنا چاہیے، اور اپنی صحت کی حفاظت کے لیے اس سے بچنا نہایت ضروری ہے[2]۔

اور اس کے علاوہ دوسرے اور بہت سے بڑے بڑے نقصانات اور خطرناک امراض جو سگریٹ نوشی کی وجہ سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔

ب۔ مالی نقصانات: یہ یقینی بات ہے کہ ایک محدود آمدنی والا شخص روزانہ سگریٹ نوشی پر اپنی تنخواہ کا چوتھائی حصہ یا

---

[1] ماخوذ از مجلہ "الحضارۃ" بارہویں سال کا عدد - ۳ و ۴ (ص - ۱۵۸)

[2] مذکورہ مضمون جو "تعاونوا للقضاء علی مرض السل" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اس کا صفحہ نمبر ۱۵ و ۱۶ ملاحظہ ہو۔

اس سے بھی زیادہ خرچ کر ڈالتا ہے۔ اور اس طرح سے مال کا جو ضیاع اور گھر بار کا نقصان اور خاندانوں میں اختلاف ہوتا ہے وہ کوئی مخفی چیز نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مستقل سگریٹ نوش اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی خوراک سے پیسے بچاتا ہے تاکہ سگریٹ نوشی کر سکے، اور بسا اوقات وہ راہ راست سے بھی ہٹ جاتا ہے مثلاً سگریٹ کے لیے پیسے اکٹھا کرنے اور اسے خریدنے کے لیے وہ رشوت خوری یا چوری جیسی لعنت میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا صحت اخلاق اور معاشرہ کے لیے سگریٹ نوشی کی لعنت سے بڑھ کر بھی کوئی زیادہ نقصان دہ چیز پائی جاتی ہے۔ لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔
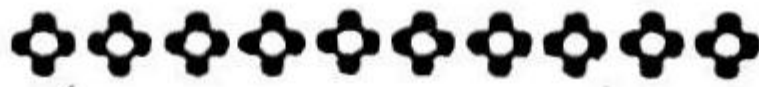
سگریٹ نوشی کے بارے میں شریعت کے حکم کے سلسلہ میں خلاصہ کے طور پر یہ ذکر کردینا کافی ہے کہ

الف : فقہاء وائمہ مجتہدین کے یہاں یہ بات متفق علیہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تباہی تک پہنچائے اور ہلاکت میں ڈال دے اس سے بچنا واجب اور اس کو اختیار کرنا حرام ہے۔ اس لیے کہ امام احمد اور ابن ماجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((لا ضرر ولا ضرار))۔ نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل عمومی فرمانِ مبارک کی وجہ سے کہ :

((وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ))۔ البقرہ۔ ۱۹۵ اور اپنی جان کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

اور فرمایا :

((وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا))۔ النساء۔ ۲۹ اور آپس میں خون نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔

اور اس لحاظ سے کہ سگریٹ نوشی کا جسمانی لحاظ سے نقصان دہ ہونا ثابت اور صحت کے لیے خطرناک ہونا متحقق ہوچکا ہے (جیساکہ ابھی گزرا ہے اسلیے اس سے بچنا واجب اور اس کا استعمال کرنا حرام ہے۔

ب : صحیح عقل وسمجھ اور ذوقِ سلیم کے مالک حضرات کے یہاں یہ بات مسلم اور طے شدہ ہے کہ سگریٹ خبیث اور گندی چیزوں کے زمرہ میں شامل ہے اس لیے کہ وہ جسم کے لیے مضر ہے اور منہ میں گندی بدبو پیدا کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پاکیزہ اور اچھی چیزوں کو حلال کیا ہے، اور اس پر خبیث اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے تاکہ اس کے جسم کی حفاظت ہو۔ اور اخلاق وقوت تفکیر محفوظ رہے، اور معاشرہ میں انسان پسندیدہ اور اچھی شکل وصورت میں جاسکے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ» ۔ النساء۔۲

اور بدل نہ لو برے مال کو اچھے مال سے۔

نیز فرمایا:

«وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ» ۔ الاعراف۔۱۵۷

اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پہ ناپاک چیزیں۔

اور فرمایا:

«قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ» ۔ المائدہ۔۱۰۰

آپ کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں اگرچہ آپ کو ناپاک کی کثرت بھلی لگے۔

ج: اس کے ساتھ ساتھ تمباکو نوشی عقل میں خلل اور جسم میں فتور پیدا کرتی ہے۔ اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی ظاہر چیز ہے جسے اس کے پینے کا اقدام کرنے والا اور اس کا پینا شروع کرنے والا اور تدریجاً اس کا عادی بننے والا اور خصوصاً اگر زیادہ افراط سے سگریٹ نوشی کرے تو اسے بہت نمایاں محسوس کرتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فتور پیدا کرنے والی چیز کے استعمال سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ ہر نشہ آور اور مخدر سے بھی روکا ہے، چنانچہ امام احمد اپنی مسند میں اور ابو داؤد اپنی سنن میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور فتور پیدا کرنیوالی مخدرات سے منع کیا ہے۔

یہ تمام نصوص اپنے مدلول اور منطوق ومفہوم کے لحاظ سے اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ سگریٹ نوشی حرام ہے اور اس سے بچنا واجب ہے۔ اس لیے کہ اس کا نقصان بہت زیادہ اور اس کی گندگی وخباثت کھلی ہوئی ہے یہ اس کے علاوہ ہے کہ سگریٹ نوشی مال کے ضیاع کا سبب بنتی ہے جس کا اثر افراد خاندان اور معاشرہ سب پر پڑتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

گذشتہ ادوار میں جن فقہاء نے سگریٹ نوشی کی اباحت یا کراہت کا فتویٰ دیا تھا ان کے لیے یہ بات کچھ عذر بن سکتی ہے کہ اس وقت تک طبی لحاظ سے اس کے مضر ونقصان دہ اثرات ان کے سامنے نہ آئے تھے، اس لیے انہوں نے اس قاعدہ پر مدار رکھ کر کہ ہر چیز میں اصل اباحت ہے اس کے مباح ہونے کا حکم دے دیا، لیکن جب علم طب نے اس کے جسمانی اور نفسیاتی نقصانات کھول کر بیان کر دیئے اور خصوصی واسپیشلسٹ اطباء نے وہ مضر اثرات صاف صاف بتلا دیے جو اس کی وجہ سے افراد اور معاشرے پر پڑتے ہیں، تو پھر اب اس کی حرمت یا اباحت میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں رہی، بلکہ اس کے استعمال کا حرام ہونا ظاہر ہے اور اس کے عادی بننے پر گناہگار ہونا یقینی ہے۔ واللہ

مذکورہ بیماری کا علاج :

اس بیماری کا علاج پہلے درجہ میں حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اخبارات اور رسالوں اور ریڈیو
یلی ویژن میں غرضیکہ ہر جگہ اس کے خلاف جنگ کی جائے۔ اور اس کے نقصانات کو نشر کیا جائے، اور سگریٹ نوشی
ڈرایا جائے۔ اور امت کے افراد اور نوجوانوں کے سامنے مستقل طور سے اس کے عظیم نقصان اور بڑے خطرے کو
ن کیا جائے۔ اور اس سلسلہ میں اس فن کے ماہرین اور ارباب اختصاص اور مفکرین اور اصحاب قلم سے مدد لی جائے
طرح حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس پر ٹیکس زیادہ کر دے، اور اس کی قیمت بڑھا دے، اور عمومی مقامات اور
م جگہوں میں اس سے حتمی طور پر روک دیا جائے۔

یہ اقدامات گویا ابتدائی و تدریجی قدم کے طور پر صرف اس لیے ہیں کہ مستقبل میں اس سے بالکل روکا جا سکے جیسا کہ آج
امریکہ و یورپ وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے ملکوں میں ہو رہا ہے۔

جو بڑے حضرات سگریٹ نوشی کے عادی ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ اللہ کے سامنے جانے اور پیش ہونے کا خیال کریں
یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ حاضر ناظر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔ اور ان میں اتنا خوفِ الٰہی پیدا ہونا چاہیئے جو انہیں محرمات
۔ استعمال کرنے سے روک دے جن میں سگریٹ نوشی بھی داخل ہے، اور اسی طرح ان میں اتنی قوتِ ارادی اور ایسا
معصمم ہونا چاہیے جس کے ذریعہ وہ نفس وخواہشات پر غالب آسکیں، اور ان میں اتنی عقل وسمجھ اور حکمت وتدبیر ہونا
ہیے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ایسے سیدھے راستے پر چلیں جس میں نہ کسی قسم کی کجی ہو نہ موڑ توڑ، اور یہ ایک
بقت ہے کہ انسان جب ایسے ایمان سے آراستہ ہو جو اسے ممنوع چیزوں سے روکے اور ایسے ارادہ کا مالک ہو جو
ری چیزوں پر غالب آسکے اور ایسی عقل رکھتا ہو جو اس کی رہنمائی کرے تو لامحالہ ایسا شخص کمال سے متصف ہوگا۔
انتہائی پرسکون اور عمدہ زندگی گزارے گا۔

رہے وہ بچے جو اپنے والدین و مربیوں کی غفلت کی وجہ سے سگریٹ نوشی کی گندی عادت کے شکار ہو گئے ہیں
کے معاملہ میں غفلت بہت خطرناک ہے، اور اگر ان کو اسی حالت پر چھوڑ دیا گیا تو معاشرہ پر ان کا بہت برا اور خطرناک
پڑے گا،

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ اپنی اولاد کے حالات پر پوری نظر رکھیں، اور ان کے چال
ن اور نشست و برخاست پر مطلع رہیں۔ اور ان کی کجی وانحراف کا علاج کریں، تاکہ انہیں راہِ راست پر لا سکیں اور
ستی وعافیت کے کنارہ تک پہنچا دیں۔

کوئی بھی دو آدمی اس میں اختلاف نہیں کر سکتے کہ اگر بچہ شروع ہی سے سگریٹ نوشی کا عادی بن جائے گا تو تدریجاً

آہستہ آہستہ وہ اس سے زیادہ قبیح چیز کا بھی ارتکاب کرے گا، جو زیادہ فساد اور انحراف کا سبب بنے گی اس لیے سگریٹ نوشی ذلت ورذالت کی قاصد اور برائیوں اور فواحش کا راستہ ہے۔ اس لیے عقلمندوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔

۲۔ مُشت زنی کی لعنت

یہ لعنت قریب البلوغ لڑکوں اور نوجوانوں میں بہت عام اور منتشر ہے۔ اور اس کے پھیلنے اور عام ہونے کا اصل سبب سڑکوں بازاروں تفریح گاہوں اور ہر جگہ عورتوں کا فتنہ انگیز بھڑکیلا چست دعُریاں لباس اور بے ہودہ چال ڈھال اور ہیجان خیز زیب وزینت وحشر سامانی کے ساتھ مَردوں کے سامنے بے دھڑک نکلنا اور گھومنا پھرنا ہے اور جوانوں کو دعوتِ نظارہ دینا ہے۔

یہ تو عام معاشرہ کے حد تک ہے لیکن اس سے زیادہ آگے بڑھ کر جو چیز سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے وہ ان نوجوانوں کا ڈراموں اور فلموں میں مختلف ہیجان خیز مناظر کا دیکھنا ہے جو اور زیادہ مہلک اور خطرناک بنتا ہے... آپ کو معلوم وہ کیا کچھ دیکھتے ہیں؛ وہ اپنی کھلی آنکھوں سے ہر وہ چیز دیکھتے ہیں جو جنسی شہوت کو بھڑکائے اور پاک دامنی اور عزت شرافت کو ختم کر ڈالے اور غیرت نخوت اور حمیت کا جنازہ نکال دے۔

اس کے علاوہ کتابوں اور مجلات میں جو عشقیہ مضامین اور جنسی خواہش بڑھانے والے واقعات پڑھتے ہیں وہ ان نوجوانوں کی نفسیات اور اخلاق اور عقل پر اثر انداز ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

جذبات وشہوانی خیالات کو بھڑکانے والے صرف یہ اسباب ہی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو تدریجاً زنا اور بے حیائی کے راستہ پر چلانے اور فساد اور ذلت کے بیابانوں میں سرگرداں پھرانے کے لیے بہت کافی ہیں۔

قریب البلوغ نوجوان شخص میں اگر اللہ کے دیکھنے اور حاظر وناظر ہونے کا وہ تصور نہ پایا جائے جو اسے گناہوں سے روک دے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا وہ خوف نہ ہو جو اسے گناہوں سے بچائے، اور انجام اور نتیجہ کے بارے میں وہ اندازہ اور سوچ وتفکیر نہ ہو جو اسے مفاسد سے دور رکھے تو ظاہر بات ہے کہ وہ دو باتوں میں سے کسی ایک میں ضرور گرفتار ہوگا

یا تو وہ حرام کاری کے ذریعہ اپنی جنسی بھوک مٹائے گا۔

یا وہ مشت زنی کے ذریعہ سے اپنی اس بھوک کی شدت کو کچھ کم کرے گا۔

دونوں باتوں میں سے جو اخف اور کم تر ہے اس کا نقصان بھی بہت اور یقینی ہے۔ اس کا اثر جسم، نسل، عقل اور نفسیاتی صحت پر بہت برا پڑتا ہے۔

اس لعنت کے سلسلہ میں بھرپور بحث اور جامع ترین مضمون لکھنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ اس کو تین امور پر تقسیم کر کے پھر اس کے سلسلہ میں کلام کیا جائے:

۱: وہ نقصانات جو اس مشت زنی کی لعنت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

۲ : اس کے بارے میں شریعت کا حکم۔
۳ : اس کا علاج اور اس کے ختم کرنے کا طریقہ۔
اس گندی عادت کی وجہ سے جو نقصانات وجود میں آتے ہیں انہیں مندرجہ ذیل امور میں منحصر کر لیتے ہیں :

لف - جسمانی نقصانات طبی نقطۂ نظر سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص اس عادت میں گرفتار ہو جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔

طاقت و قوی کا کمزور ہونا، جسم کی لاغری، اعضاء میں ارتعاش وکپکپی، دل کی دھڑکن، نگاہ اور حافظہ کی کمزوری، نظامِ ہضم کی خرابی، پھیپھڑوں میں التہاب وسوزش کا پیدا ہونا جو بالعموم دق وسل کا ذریعہ بنتا ہے اور اخیر کار دورانِ خون پر اثر پڑتا ہے اور خون کی کمی کی شکایت ہو جاتی ہے۔

ب - جنسی نقصانات ان نقصانات میں سے اہم ترین نقصان نامردی کا مرض ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نوجوان آدمی شادی کے قابل نہیں رہتا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے بیمار شخص سے عورت نفرت ہی کرے گی، اور ایسی صورت حال میں جب مرد عورت پر قادر ہی نہ ہو تو ازدواجی سلسلہ برقرار نہیں رہ سکتا۔

اور اس کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ مرد و زن دونوں میں سے ہر جنس دوسرے سے بیزار رہے گی، اس لیے کہ مرد اس گندی ناجائز وقبیح عادت کے ذریعہ اپنی جنسی شہوت پورا کرنے کا عادی ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ شادی کے بعد مرد سے جو پاک دامنی عورت حاصل کرتی ہے وہ اس بیمار شخص سے حاصل نہ کر سکے گی، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو جدائی ہو جائے گی یا عورت اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے درپردہ دوسرے مردوں سے دوستیاں پیدا کر لے گی۔

ج - نفسیاتی اور عقلی نقصانات نفسیات کے علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس عادت میں مبتلا شخص بہت سے نفسیاتی اور خطرناک عقلی و دماغی امراض کا شکار ہو جاتا ہے جن کی ترتیب حسبِ ذیل ہے :

ذہول اور نسیان، قوتِ ارادی کی کمزوری، حافظہ کی کمزوری، تنہائی اور گوشہ نشینی کی طرف میلان، حیاء و شرم کا غلبہ، ضعف وسستی کا احساس، غم واندوہ کی کیفیت کا اظہار، جرائم اور خودکشی کے ارتکاب کے بارے میں سوچنا وغیرہ وغیرہ وہ نقصانات جو فکر و سمجھ کو شل اور ارادہ کو ڈانوا ڈول اور شخصیت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اور اس موضوع پر اہلِ اختصاص نے نہایت کافی شافی بحث کی ہے۔

اس کے ارتکاب کا شرعی حکم یہ ہے کہ ایسا کرنا حرام اور موجبِ گناہ ہے، اور اس کے ادلہ یہ ہیں:

الف : اللہ تعالیٰ سورۂ مومنین میں فرماتے ہیں:

((وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝)). المؤمنون - ۵ تا ۷	اور جو لوگ اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سو ان پر کچھ الزام نہیں، پھر جو کوئی اس کے سوا ڈھونڈے سو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

اس آیت ((فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ)) کے عموم میں شہوت رانی کے تمام وہ طریقے داخل ہیں جو نکاح وشادی اور باندی کے استعمال کے علاوہ ہیں جیسے کہ زنا، لواطت اور مشت زنی۔

حضرت عطاء (جو کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اصحاب میں سے ہیں) ان سے یہ ثابت ہے انہوں نے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ ایک قوم کو میدانِ حشر میں ایسی حالت میں جمع کیا جائے گا کہ ان کے ہاتھ حاملہ گے میرا یہ خیال ہے کہ اس سے یہی لوگ مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو استمنا بالید اور مشت زنی کرتے ہیں، اور حضرت سعید بن جو تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو اس لیے عذاب دیا کہ وہ لوگ اپنے اعضائے سے کھیلتے تھے، اس طرح یہ بھی آتا ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں جن کی طرف (اللہ تعالیٰ) نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے، ان میں اس شخص کو بھی شمار کیا جو مشت زنی کرتا ہو[1] یہ تمام نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عادت اختیار کرنا حرام وناجائز ہے۔

ب : سگریٹ نوشی کے بارے میں شرعی حکم کی بحث میں ہم یہ پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جو چیز ضرر ونقصان کیطرف لے جائے اور ہلاکت میں ڈال دے اس سے بچنا واجب اور اس کا کرنا حرام ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے گزری ہو حدیث کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے:

((لا ضرر ولا ضرار)). — نہ نقصان اٹھانا جائز ہے اور نہ نقصان پہنچانا۔

اور یہی اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک کے عموم سے معلوم ہوتا ہے:

((وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ)). — اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

اور چونکہ مشت زنی کے ارتکاب سے جسمانی، جنسی، نفسیاتی اور عقلی نقصانات مترتب ہوتے ہیں اس لیے یہ عا

---

[1] یہ تمام نصوص کتاب "ردود علی اباطیل" مصنفہ مرحوم شیخ محمد الحامد (ص - ۴۰) سے نقل کی گئی ہیں۔

((لا ضرر ولا ضرار)) اور آیت ((ولا تلقوا بأیدیکم إلی التهلکة)) کی وجہ سے حرام ہے۔

ایک قابلِ توجہ سؤال اگر استمناء بالید و مشت زنی حرام ہے تو شریعت ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتی ہے جس پر شہوت کا غلبہ اور جنسی بھوک کی حکومت ہو اور جو یہ سمجھتا ہو کہ وہ عنقریب بدکرداری اور زنا میں واقع ہو جائے گا؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان جب مفاسد کے درمیان موازنہ اور مقارنہ کرتا ہے اور اگر مجبور ہو جائے تو ان میں سے جس میں ضرر کم اور جس کا شر معمولی ہو اسے اس اصولی قاعدہ کے مطابق اختیار کر لیتا ہے جس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ:

یختار أخف الضررین وأهون الشرین۔ — دو ضرروں میں سے کم ضرر والا اور دو شروں میں سے کم شر والے کا انتخاب کرے گا۔

٭ ٭ ٭ ٭

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مشت زنی بری چیز ہے لیکن زنا اور لواطت میں اس سے زیادہ برائی اور شر پایا جاتا ہے، اس لیے کہ زنا سے عزت و شرافت کی عمارت گر جاتی ہے، اور پاک دامنی اور شرافت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس سے نسب میں اختلاط اور خونریزی اور بغض و حسد جیسے مفاسد وجود میں آتے ہیں۔ اس لیے ایسی صورت میں زنا کے بجائے مشت زنی کو ہی اختیار کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ وہ دونوں ضرروں میں سے اخف اور دونوں شروں میں سے اہون ہے۔

اسی لیے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ اگر طبیعت پرسکون ہو اور استمناء بالید اور مشت زنی شہوت رانی یا شہوت کو بھڑکانے کے لیے ہو تو یہ حرام ہے لیکن اگر شہوت اس قدر غالب ہو کہ انسان کو پریشان کر دے اور ہر وقت دل اسی میں مشغول رہے اور طبیعت پریشان ہو جائے اور نفس برائی کے دروازے پر کھڑا کر دے، تو اس کی تسکین کے لیے مشت زنی ہی کو اختیار کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ معاملہ فی نفسہ جائز بن جائے گا اور اس میں ایک کی تلافی دوسرے سے ہو جاتی ہے۔ اور ایسا کرنے والا برابر سرابر چھٹکارا پا لے گا، یعنی نہ اسے ثواب ملے گا اور نہ اسے گناہ ہوگا نہ اجر ملے گا اور نہ عقاب و سزا۔[1]

اس عادت کے خاتمہ کے لیے کامیاب اور مفید ترین علاج مندرجہ ذیل وسائل اختیار کرنا ہے:

---

[1] یہ فقہی عبارت کتاب "ردود علی أباطیل" مصنفہ علامہ محمد الحامد (ص ۔ ۴۲) سے لی گئی ہے۔

۱۔ ابتدائی جوانی کی عمر میں شادی کر دینا اس لیے کہ شادی اس خطرناک عادت کی بیخ کنی کرنے کا کامیاب ومفید ترین طریقہ ہے، بلکہ شہوت کے اس بے لگام حملے کو پسپا کرنیکا یہی ایک واحد طبعی راستہ ہے، اور ساتھ ہی اس شادی سے دیگر اخلاقی معاشرتی نفسیاتی اور صحت سے متعلق ایسے فوائد حاصل ہوں گے جن کے یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے[۱]۔

۲۔ نفل روزے اور اگر کہیں ایسے سخت ناساز گار حالات پائے جاتے ہوں جن کی وجہ سے نوعمری میں شادی نہ ہو سکے تو اسلام نے ایسے لوگوں کی روزے کی جانب رہنمائی کی ہے جو نکاح نہیں کر سکتے اس لیے کہ روزہ شہوت کی زیادتی کو کم کرتا اور جنسی بھوک کی حدت کو توڑ دیتا ہے، اور روزہ سے اللہ کے مراقبہ وحضور اور خوف وخشیت میں قوت پیدا ہوتی ہے، یہ رہنمائی اس حدیثِ نبوی سے ملتی ہے جسے اصحابِ صحاح ستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء».

اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص نکاح کے اخراج کو برداشت کر سکتا ہو تو اسے چاہیئے کہ شادی کرے اس لیے کہ شادی نگاہ کو پست اور فرج کو محفوظ رکھنے والی ہے۔ اور جو شخص نکاح کے اخراجات کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے اس لیے کہ روزہ اس کے لیے وجاء یعنی شہوت کو ختم کرنے والا ہے۔

٭ ٭ ٭

شریعتِ مطہرہ نے کئی قسم کے نفل روزوں کی ترغیب دی ہے جن میں سے مثال کے طور پر ہم چند کو ذکر کرتے ہیں: حضرت داؤد کے روزے جو ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے، اور پیر اور جمعرات کا روزہ، اور شوال کے مہینے میں چھ روزے، اور محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ، اور اسی قبیل سے وہ روزے ہیں جنہیں شہوت کو تسکین پہنچانے کے لیے رکھا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ومن لم یستطع فعلیه بالصوم».

اور جو اس (شادی) کی قوت نہ رکھے تو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے۔

٭ ٭ ٭

۳۔ جنسی جذبات بھڑکانے والی چیزوں سے دوری اختیار کرنا کوئی بھی دو آدمی اس میں اختلاف نہیں کر سکتے کہ وہ معاشرہ جس میں ہم رہ رہے ہیں

---

[۱] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "عقبات الزواج" جہاں آپ کو کافی شافی بحث ملے گی۔

وہ مفاسد اور بھڑکانے والی چیزوں سے بھرا پڑا ہے، اور آزادی وفسق وفجور میں الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جب نوجوان ان بھڑکیلی اور فتنہ انگیز چیزوں کے پیچھے چلے گا اور رذیل کاموں اور فواحش کی کیچڑ میں پھرے گا تو بلاشبہ وہ اخلاقی طور پر متاثر اور چال چلن کے اعتبار سے منحرف اور غلط راستہ پر پڑ جائے گا اور وہ شہوات کے پیچھے چلنے میں بے زبان جانوروں کی طرح بن جائے گا۔

اس لیے مربیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ نصیحت کے فریضہ کو ادا کریں اور تنبیہ کریں اور ان لوگوں کو ڈراتے اور متنبہ کرتے رہیں جن کی رہنمائی اور تربیت ان کے ذمہ ہے۔ اور یہ بات ان کے کان میں ڈالتے رہیں کہ ایسی عورتوں کی طرف دیکھنا جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوتی ہیں اور اپنے محاسن و جمال کی نمائش کرتی، اور عشقیہ قصے کہانیوں اور ان فحش مجلات ورسائل کا پڑھنا جن کو عزت وآبرو اور شہوات وجذبات سے کھیلنے والے تاجر رواج دیتے ہیں۔ اور ان بے ہودہ فحش گانوں کا سننا جو ریڈیو کے مختلف بینڈ پر ہر جگہ نشر کیے جاتے ہیں۔

یہ سب کچھ غیرت کو مدہوش، اور شرافت کو ملوث، اور اخلاق کو خراب اور عزت کرامت کو ختم اور جسم کو کمزور اور عقل وسمجھ کو معطل اور حافظہ کو کمزور کر دیتا ہے، اور جنسی جذبات کو ابھارتا اور شخصیت کو ختم کرتا ہے۔ اور مروءت وشرافت اور اخلاق کو دفن کر دیتا ہے، مربیوں کو نوجوانوں کے کان میں یہ آواز ڈالتے رہنا چاہیئے ہوسکتا ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ یہ نصیحت سن لے، اور ان نتائج کا پورا حساب کتاب کر لے، اور اس وعظ ونصیحت تنبیہ اور یاددہانی کے بعد ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو کہ وہ اپنی قوت ارادی کو متوازن رکھیں اور نفسیاتی اور اخلاقی دائرہ کو سنبھالیں اور عقلی وجسمانی صحت کی حفاظت کریں اور پھر پاکباز صالحین اور نیک مؤمنوں کے زمرے میں شامل ہو جائیں۔

۴۔ فراغت کو نفع بخش امور میں صرف کرنا

علماء نفس وتربیت لکھتے ہیں کہ اگر بچہ خالی اوقات میں تنہائی میں بیٹھے گا تو اس کے ذہن میں مختلف قسم کے خیالات اور افکار اور برانگیختہ کرنے والے جنسی تخیلات پیدا ہوں گے۔ پھر اگر وہ بچہ قریب البلوغ ہے یا بالغ ہے تو وہ اپنے جنسی جذبات کو متحرک اور ان افکار وخیالات اور تخیلات کی وجہ سے اپنی شہوت اور جنسی خیالات میں ہیجان پائے گا، اور ایسی صورت میں وہ اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں پائے گا کہ شہوت کے جوش اور جنسی بھوک کو مٹانے کے لیے اس گندی عادت کی طرف متوجہ ہو۔ اس لیے یہ سوچنا چاہیئے کہ ان پراگندہ خیالات اور منتشر افکار سے بچنے کا علاج اور طریقہ کیا ہے تاکہ اس برے نتیجہ اور دردناک انجام میں گرفتار نہ ہو۔

علاج

علاج یہ ہے کہ ہم قریب البلوغ لڑکوں کو یہ سمجھائیں کہ وہ اپنا وقت کس طرح گزاریں، اور وقت کس طرح پاس کریں وقت گزارنے اور فراغت کو پر کرنے کے بہت سے طریقے اور مختلف میدان ہیں۔ اور وہ یہ کہ یا تو انسان جسمانی ریاضت میں لگ جائے جس سے جسم کو قوت حاصل ہو، یا ایسی پاکیزہ سیر وتفریح میں مشغول ہو جس میں قابل اعتماد ساتھی

ساتھ ہوں، اور اس طرح سے دماغی بوجھ ہلکا کرے، یا کسی ایسے مطالعہ میں منہمک ہو جائے جو اسے علمی میدان میں فائدہ پہنچائے، یا کسی دست کاری وغیرہ میں مشغول ہو کر اپنے رجحانات کو جلا بخشے، یا کسی دینی درس میں شریک ہو جائے جس سے اس کے اخلاق درست ہوں، یا کسی ثقافتی وعلمی مقابلہ میں شریک ہو جس سے عقل میں تیزی آئے، یا تیراندازی وغیرہ دوسرے وسائل جہاد وغیرہ کی مشق کرے تاکہ جہاد کی تیاری کر سکے، اور اس کے علاوہ دوسرے اور وہ فائدہ بخش میدان اور وسائل جو فکر کو غذا پہنچائیں اور روح کو بالیدگی اور جسم کو قوت اور اخلاق کو رفعت وبلندی۔

۵۔ اچھے ساتھی قریب البلوغ نوجوانوں کی تربیت کے سلسلہ میں مربی کو جس چیز کا سب سے زیادہ خیال رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ان کے لیے نیک صالح قابلِ اعتماد ایسے ساتھیوں کا انتخاب کرے کہ اگر وہ بھول جائے تو یہ اسے یاد دلائیں، اور اگر اس میں انحراف وکجی آئے تو وہ اس کے ساتھ خیر خواہی کریں۔ اور اگر راہِ راست پر چلتا رہے تو اس کی امداد کریں اور اگر اسے کوئی آفت وپریشانی پیش آگئی ہے تو اس کے ساتھ غم خواری وہمدردی کریں۔

اور کہا جاتا ہے کہ ایسے مطلوبہ رفقا بہت کم ہوتے ہیں خاص طور سے ہمارے اس زمانے میں جس میں مخلص دوست اور قابلِ اعتماد ساتھی کا ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے ساتھی کم ہیں لیکن ایسے لوگ پھر بھی ہر جگہ کثرت سے موجود ہیں جو اپنے چہرے وپیشانی پر سجدے کے نشانات سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور اپنے بلند اخلاق اور راہِ راست پر چلنے کی وجہ سے ممتاز ہیں، اس لیے نوجوانوں کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کریں، اور جب ایسے لوگ مل جائیں تو ان کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں تاکہ پریشانی کے وقت وہ اس کے معاون اور زندگی میں درپیش مسائل اور فتنوں میں مددگار ہوں اور ایسے منتخب جگری دوست ہوں جن پر بھروسہ کیا جا سکے اور ان کی طرف رجوع اور ان پر اعتماد کیا جا سکے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اپنے دوست کا ہم مذہب ہوتا ہے اور ساتھی ساتھی ہی کی اقتدا کرتا ہے، اور پرندے اپنے ساتھیوں کے پاس ہی اترتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی بالکل سچ فرمایا ہے جسے امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

«المرء علی دین خلیله فلینظر أحدکم من یخالل»۔

انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ دیکھ لے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

* * * * *

اور اتنی بات یقینی طور سے معلوم ہے کہ جو شخص گناہگاروں فاسقوں فاجروں اور برے کام کرنے والوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تو وہ اس کو لازمی طور سے گمراہی ہی کی طرف لے جائیں گے، اور فسق وفجور کی طرف ہی ڈھکیلیں گے۔ اور شخصی منافع اور دنیوی اغراض کی وجہ سے ہی اس کی دوستی اختیار کریں گے۔

اس لیے اگر ہمارے نوجوان یہ چاہیں کہ ان کا ایمان مضبوط اور راسخ ہو اور ان کے اخلاق پاکیزہ و بلند ہوں اور ان کا جسم صحیح سالم و طاقتور ہو تو ان کو چاہیئے کہ وہ برے ساتھیوں اور گندے دوستوں سے بچیں۔

انہیں چاہیئے کہ نیک ساتھیوں اور مؤمن جماعت کو تلاش کریں، تاکہ دونوں جہان کی سعادت حاصل ہو۔ دنیا میں عزت و شرافت اور آخرت میں نجات حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں بالکل سچ فرماتے ہیں:

((اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ)) ۔ الزخرف ـ ۶۷

جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر جو لوگ ڈرنے والے ہیں۔

۶ ـ طبی تعلیمات پر عمل کرنا

علماء طب وصحت شہوانی خیالات کی روک تھام اور جنسی طغیانی اور سرکشی کی تیزی کم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی نصیحت کیا کرتے ہیں:

۱ : گرمی کے موسم میں ٹھنڈے حماموں میں جانا اور دوسرے موسم میں عضو تناسل پر ٹھنڈا پانی ڈالنا۔

۲ : ریاضت، کھیل کود اور جسمانی ورزشیں کثرت سے اختیار کرنا۔

۳ : ایسے کھانوں سے بچنا جو گرم مصالحوں وغیرہ پر مشتمل ہوں اس لیے کہ یہ چیزیں جذبات ابھارنے اور برانگیختہ کرنے والی ہوتی ہیں۔

۴ : ان چیزوں کو کم استعمال کرنا جو پٹھوں میں حرکت و چستی پیدا کرتی ہیں جیسے کافی اور چائے۔

۵ : گوشت اور انڈے کا کم استعمال کرنا۔

۶ : چت یا اوندھے منہ نہ سونا بلکہ سنت یہ ہے کہ انسان دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹے۔

۷ ـ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خوف کو محسوس کرتے رہنا

یہ بالکل مسلم بات ہے کہ نوجوان آدمی جب اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا اور اس کی نگرانی کر رہا ہے، اور اس کے ظاہر و باطن سے واقف ہے، اور آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے بھید تک کو جانتا ہے، اور اگر اس نے کوتاہی یا زیادتی کی تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا، اور اگر انحراف اختیار کیا یا راہ راست سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ سزا دے گا۔ ظاہر ہے اگر یہ سب کچھ محسوس کر لیا تو مہلک چیزوں گناہوں اور برے کاموں سے رک جائے گا اور منکرات و فواحش سے دور رہے گا۔

یہ بات بالکل یقینی ہے کہ علم و ذکر کی مجالس میں حاضر ہونا۔ اور فرض و نفل نماز پر مداومت کرنا، اور قرآن کریم کی تلاوت پر مواظبت اختیار کرنا، اور جب سب لوگ رات کو سوئے ہوئے ہوں تو اس وقت تہجد پڑھنا، اور مندوب و نفل روزوں پر مداومت اختیار کرنا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و صالحین رحمہم اللہ کے واقعات سننا، اور نیک لوگوں کی رفاقت اختیار کرنا، اور مؤمن جماعتوں کے ساتھ تعلقات رکھنا، اور موت اور موت کے بعد جو کچھ پیش آئے گا اسے یاد کرنا مؤمن میں اللہ کی

خشیت کے پہلو اور اس کے مراقبہ اور اس کی عظمت کے احساس کو تقویت بخشتا ہے۔

اس لیے مسلمان نوجوانوں کو چاہیے کہ ان وسائل کو اختیار کریں جو ان کی نفوس میں اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے اور اس کے تقویٰ و خشیت کے عقیدہ کو قوی کریں، تاکہ جذبات برانگیختہ کرنے والی چیزیں اسے اپنی طرف مائل نہ کرسکیں اور دنیاوی زندگی کی فتنہ سامانیاں اسے امتحان میں نہ ڈالیں، اور وہ کسی ممنوع یا حرام میں گرفتار نہ ہوجائے، اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کو اپنے سامنے رکھنا چاہیئے:

((فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝)).

النازعات۔ ۳۷ تا ۴۱

سو جس نے شرارت کی ہوا ور بہتر سمجھا ہو دنیا کا جینا سو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے اور جو کوئی ڈرا ہو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اس نے نفس کو خواہش سے سو بہشت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

۳: نشہ آور اور مخدرات استعمال کرنے کی وبا:

یہ ایک نہایت خطرناک اور تکلیف دہ وبا ہے جو ان معاشروں میں عام ہے جن میں اچھے اخلاق کی کوئی قدر وقیمت اور اسلامی تربیت کا کوئی احترام نہیں ہے۔

یہ وبا عام طور سے ہم ان بچوں میں کثرت سے پاتے ہیں جو در بدر پھرتے اور ان کا کوئی سرپرست اور اس کی تربیت ورہنمائی کرنے والا نہیں ہوتا، یا وہ بچے جو والدین و سرپرستوں کی غفلت اور عدم توجہی کی وجہ سے بے راہ روی کا شکار ہوجاتے اور برے راستہ پر چل پڑتے ہیں۔ اور گندے لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور بدکرداروں کی صحبت اختیار کرتے ہیں، اور ان کی رفاقت کی وجہ سے ہر برائی اور گندے کام کو اپنا لیتے ہیں۔

اس بیماری پر پوری طرح سے بحث کرنے کے لیے تین امور پر گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔ اس کی وجہ سے جو نقصانات پیدا ہوتے ہیں ان کا بیان۔
۲۔ اس کے بارے میں اسلام کا حکم۔
۳۔ اس کی بیخ کنی اور خاتمے کے لیے مؤثر علاج۔

نشہ آور اشیاء اور مخدرات کے استعمال سے جو نقصانات وجود میں آتے ہیں وہ یہ ہیں:

الف: صحت وعقل سے متعلق نقصانات

اطباء اور علماءِ صحت کے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ نشہ آور اور مخدرات کا استعمال کرنا جنون، حافظہ کی کمزوری کا سبب بنتا ہے، اور بہت سے دوسرے اعصابی اور معدے اور آنتوں کے امراض پیدا کرتا ہے اور فکر وذہن کی تیزی کو شل کر دیتا ہے اور نظامِ ہضم میں

خرابی پیدا کرنا اور کھانے کی خواہش کو ختم کر دیتا ہے اور بھوک نہ لگنے کمزوری لاغری اور جنسی ضعف کا ذریعہ ہے اور رگوں اور پٹھوں کو سخت کر دیتا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سے خطرناک امراض بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس وبا کے نقصانات کے سلسلے میں ہمارے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ فرانس کے قومی اعداد و شمار کے ادارہ نے یہ لکھا ہے کہ شراب سے ہلاک ہونے والے فرانسیسیوں کی تعداد ان سے زیادہ ہے جو دق وسل کی بیماری کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں، اس لیے کہ ۱۹۵۵ء میں شراب نوشی کی وجہ سے سترہ ہزار فرانسیسی لقمۂ اجل بنے جب کہ اسی سال دق وسل کے مرض سے صرف بارہ ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔

ب: اقتصادی نقصانات

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جو شخص شراب اور نشہ آور چیزیں استعمال کرتا ہے وہ ان گندی چیزوں کے لیے اپنے مال کو بلا حساب کتاب بلا دریغ آسانی سے ضائع کر دیتا ہے۔ اور اس طرح پیسہ خرچ کر کے مال کا جو ضیاع اور خاندان کی بربادی اور فقر و فاقہ کو دعوت دیجاتی ہے۔ وہ کوئی مخفی بات نہیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان چیزوں کا عادی پیداواری صلاحیت میں کمزور اور اقتصادی حالت میں ڈھیلا ڈھالا اور ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جاتا ہے اس لیے کہ شراب نوشی اور مخدرات کے استعمال کی وجہ سے وہ شخص کمزوری گمنامی اور دوسرے جسمانی اور نفسیاتی امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔

قاہرہ سے نکلنے والا اخبار "الاہرام" اپنے ۳/۵/۱۹۶۵ء کے شمارے میں لکھتا ہے کہ:

بہتّر ملین امریکی شراب نوشی کرتے ہیں، جن میں سے بیس ملین وہ امریکی ہیں جو حکومت کو ہر سال دو بلین ڈالر کا نقصان پہنچاتے ہیں اس لیے کہ وہ اپنے کام د ڈیوٹی سے غائب رہتے ہیں۔

ج: نفسیاتی، اخلاقی اور معاشرتی نقصانات

نشہ آور اور مخدرات استعمال کرنے والا شخص بہت سی گندی صفات سے متصف ہوتا ہے، اور بہت سی قبیح اور بری عادتوں کا عادی بن جاتا ہے جیسے کہ جھوٹ اور بزدلی اور اخلاقی اقدار اعلیٰ کارناموں کو معمولی و حقیر سمجھنا، اور ایسا شخص جرائم کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے مثلاً چوری و بے حیائی کے کام اور دوسروں پر ظلم و زیادتی کرنا اور اخلاق کے بگڑنے۔ ارادہ کے کمزور ہونے اور فرض کے احساس نہ کرنے کا شکار ہو جاتا ہے۔

یہ نقصان اس کے علاوہ ہے جو وہ اپنے وقت کو بدقماش ساتھیوں اور بدکردار دوستوں کے ساتھ مل کر برائی کے اڈوں میں تباہ کن گناہوں اور حرام کاری وغیرہ میں مشغول ہو کر اپنی آخرت خراب کرتا ہے۔

یہ ایک واقعی بات ہے کہ استعماری حکومتیں نشہ آور اور مخدر اشیاء کو رائج کر کے دوسری قوموں کی شان و شوکت ختم کرنے اور امت کے اخلاق بگاڑنے اور جہاد اور مقابلہ و مدافعت کی روح کو ختم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور مصر اب تک برابر مخدرات اور نشہ آور اشیاء کی اس جنگ کو جھیل رہا ہے جو وہاں پھیلا دی گئی تھی۔ اور برطانوی استعمار نے اس

کے بیچ گذشتہ ربع صدی میں ہوئے تھے، جیسے کہ انگلینڈ نے اس چین پر حملہ کیا تھا جس نے افیم کی تجارت پر پابندی لگا دی تھی اور اسے افیم کی جنگ کہا جاتا ہے۔

رہا نشہ آور اشیاء اور مخدرات کے استعمال کے بارے میں شرعی حکم تو وہ یہ ہے کہ اسلام اسے بالاجماع ناجائز وحرام قرار دیتا ہے اور وہ مندرجہ ذیل ادلہ کی وجہ سے:

اللہ تبارک وتعالیٰ شراب کی حرمت کے بارے میں فرماتے ہیں:

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝»[1]. المائدہ - ۹۰ و ۹۱

اے ایمان والو یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب شیطان کے گندے کام ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں دشمنی اور بیر ڈالے، شراب اور جوئے کے ذریعہ، اور تم کو روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو تم اب بھی باز آؤ گے۔

اس کی حرمت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک کو ابوداؤد اس طرح روایت کرتے ہیں:

«لعن الله الخمر وشاربها وساقيها ومبتاعها وبائعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه».

اللہ کی لعنت ہو شراب پر اور اس کے پینے والے اور پلانے والے اور خریدنے والے اور بیچنے والے اور نچوڑنے والے اور نچوڑوانے والے اور اس کے اٹھانے والے پر اور اس پر جس کے لیے اسے اٹھا کر لے جایا جا رہا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

---

[1] بعض مریض القلب لوگ یہ کہتے ہیں کہ لفظ "فاجتنبوہ" میں حرام ہونے پر دلالت نہیں پائی جاتی، اور اگر بالفرض شراب حرام ہوتی تو قرآن کریم میں یوں آتا: "فحرموہ" حالانکہ یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ شراب کی حرمت پر دلالت کرنے والے سات ادلہ یہاں موجود ہیں: ۱۔ شراب کو جوے اور بتوں اور فال کے تیروں کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ ۲: شراب کو رجس وگندگی قرار دیا گیا۔ ۳۔ شراب کو عمل شیطان سے تعبیر کیا گیا۔ ۴۔ فاجتنبوہ امر کا صیغہ ہے جو رکنے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ ۵۔ شراب عداوت اور بغض میں گرفتار کرتی ہے۔ ۶ شراب اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک «فهل أنتم منتهون» میں استفہام انکاری کا صیغہ لایا گیا۔ لہٰذا حرام ہونے پر کیا اس سے زیادہ بھی کوئی قطعی ادلہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ ظالم اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔

فتور پیدا کرنے والی اور نشہ آور اشیاء کی حرمت پر بے شمار ادلہ دلالت کرتے ہیں، جن میں چند آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں

الف۔ ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کے عموم میں شامل ہونا:

((وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ))۔ الاعراف۔ ۷، ۱۵۷

اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

((لا ضرر ولا ضرار))۔ مسند احمد وابن ماجہ

نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہنچانا۔

ب۔ یہ چیزیں اس نہی کے ضمن میں داخل ہیں جسے امام احمد اپنی مسند اور ابو داؤد اپنی سنن میں سندِ صحیح سے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور فتور پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے، اور مخدرات بھی اس نہی کے تحت داخل ہیں اس لیے کہ وہ بھی فتور پیدا کرنیوالی ہیں۔

ج۔ یہ چیزیں بھی شراب کی حرمت پر دلالت کرنے والا ' ادلہ کے ضمن میں داخل ہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ اور اس کو اس کی طبیعتِ اصلیہ جس میں ادراک اور حکومت کی شان ہوتی ہے اس سے نکال دیتی ہیں چنانچہ امام بخاری ومسلم روایت کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ: الخمر ما خامر العقل شراب وہ ہے جو عقل کو مدہوش کردے، یہ جملہ شراب کے مفہوم کو متعین کرتا ہے تاکہ اشتباہ میں پڑنے والوں کے سوالات زیادہ نہ ہوں، چنانچہ ہر وہ چیز جو عقل میں فتور پیدا کرے اور اس کو اس کی اس طبیعت سے نکال دے جو ادراک اور حکومت کی اسے دی گئی ہے تو وہ چیز قیامت تک کے لیے حرام اور شراب میں داخل ہوگی۔

انہی میں سے وہ چیزیں بھی ہیں جو مخدرات کے نام سے پہچانی جاتی ہیں جیسے کہ حشیش کو نین اور افیم وغیرہ اس لیے کہ یہ چیزیں عقل پر بہت زیادہ اثر کرتی ہیں اور ان کا استعمال کرنے والے دور کو قریب اور قریب کو دور محسوس کرنے لگتا ہے، اور جو چیز واقعۃً نہیں ہوتی اسے اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ واقع ہوگئی ہے، اور خیالات اور توہمات کے سمندر میں غوطے لگانے لگتا اور خیالات کی وادی میں گھومنے لگتا ہے، اور اپنے آپ کو اور دین و دنیا کو بھول جاتا ہے۔ اور قرافی اور ابن تیمیہ نے حشیش (بھنگ) کے حرام ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، اور حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: جس نے اس حشیش کو حلال سمجھا وہ کافر ہوگیا۔

یہاں ایک پہلو تشنہ رہ گیا ہے جس کے بارے میں بعض لوگ کبھی سوال کرتے ہیں اور وہ ہے دوا کے طور پر شراب کا

استعمال کرنا ؛ اور اس کا جواب وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دیا تھا جسے امام مسلم واحمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ سے ایک صاحب نے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کو اس سے روک دیا تو ان صاحب نے کہا کہ میں تو اسے دواءً استعمال کرتا ہوں تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے فرمایا :

((إنه ليس بدواء ولكنه داء)) یہ دوا نہیں ہے بلکہ یہ تو بیماری ہے ۔

اور ابوداؤد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :

((إن الله أنزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام)) ۔ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں نازل فرمائی ہیں ۔ اور ہر بیماری کے لیے دوا مقرر کی ہے اس لیے علاج کرو لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرنا ۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اور امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نشہ آور چیز کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((إن الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم)) ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں ۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

یہ تمام نصوص اس بات پر قطعی دلالت کرتی ہیں کہ دوا کے طور پر صرف تنہا شراب کا استعمال کرنا ناجائز و حرام ہے اس کا پینے والا گنہگار ہوگا ۔

لیکن بعض دواؤں میں ایک مقرر مقدار میں ضرورت کی وجہ سے جو الکحل ملایا جاتا ہے تاکہ مثلاً اسے خراب ہونے سے بچایا جاسکے ، تو اگر یہ معلوم ہو کہ شفایابی کے لیے اسی دوا کا استعمال ضروری ہے اور اس دوا کا تجویز کرنے والا طبیب مسلمان اور ماہر ہو اور اللہ سے ظاہراً و باطناً ڈرتا ہو تو اس دوا کا استعمال کرنا درست ہے ، اس لیے کہ شریعت کے بنیادی احکامات کا مدار یسر و آسانی پر رکھا گیا ہے اور تکلیف و مشقت سے بچایا گیا اور لوگوں کے مصالح کو محقق و آسان بنایا گیا ہے اور اس سلسلہ میں اصل بنیاد اللہ تبارک وتعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک ہے :

((فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ)) البقرة ۱۷۳ پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں ۔

★ —— **اس لعنت کا مفید و حقیقی علاج مندرجہ ذیل وسائل کے استعمال میں ہے :**

الف - اچھی و نیک تربیت ۔

ب ۔ ان کے اسباب کی روک تھام ۔
ج ۔ اس کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا دینا ۔

الف ۔ نیک واچھی تربیت اس طرح سے ہوتی ہے کہ شروع ہی سے بچے کی صحیح تربیت کی جائے، اور اس میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کا خوف وخشیت، اور ظاہراً و باطناً اس کے دیکھنے اور حاضر وناظر ہونے کے عقیدہ کو مضبوط کیا جائے، اس لیے کہ اس کے ضمیر کے سنوارنے اور نفس کی اصلاح اور اخلاق کی بلندی میں اچھی تربیت کا بڑا اثر پڑے گا۔ اور تاریخی اعتبار سے یہ بات معروف ہے کہ جب اہل عرب نے اسلام کو پا لیا اور ایمان قبول کر لیا اور اس میں داخل ہو گئے اور ان کی ضمیر نے اللہ کے مراقبہ کی تربیت حاصل کر لی، اور ان کی نفوس میں اللہ کا خوف بیٹھ گیا، اور اسی سے مدد مانگنے اور اس پر اعتماد کرنے لگے تو انہوں نے تمام وہ گندی عادتیں چھوڑ دیں جن میں زمانۂ جاہلیت میں بخوشی و رضا مشغول تھے۔

چنانچہ مثال کے طور پر ہم اسلام لانے سے قبل عرب کے جاہلوں کے شراب سے تعلق ہی کو لے لیں کہ وہ اس کے کیسے گرویدہ اور مداح تھے، اور کس طرح مختلف انداز میں اس کی توصیف بیان کرتے تھے، دیکھیے شراب سے تعلق کو ان کا ایک شاعر کس انداز سے بیان کرتا ہے:

إذا مت فادفنّي إلى جنب كرمة	تروّي عظامي بعد موتي عروقها
جب میں مر جاؤں تو مجھے انگور کے درخت کے پہلو میں دفن کر دینا	جس کی جڑیں میرے مرنے کے بعد میری ہڈیوں کو سیراب کرتی رہیں گی

اور انہوں نے شراب کے کتنے نام اور لقب گھڑ رکھے تھے انہیں سنیئے: مدامۃ، سلافۃ، راح، صہباء، ابنۃ العنقود ابنۃ الکرم، بنت الدنان، بنت الحان ... وغیرہ وغیرہ وہ نام اور لقب جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود جب ان کو یہ اطلاع ملی کہ شراب حرام قرار دے دی گئی ہے تو ان سب نے بیک زبان کہا: اے ہمارے رب ہم اس سے رک گئے۔ اور ان کے پاس مٹکوں میں جو بھی شراب کا ذخیرہ تھا اسے مدینہ منورہ کی سڑکوں اور گلیوں میں بہا دیا، ایمان کا نور اور بشاشت جب دل میں داخل ہو جائے اور اس کی جڑیں ضمیر ونفس میں مضبوط ہو جائیں تو ایمان اسی طرح کے عجائبات پیش کرتا ہے۔ بلکہ اصلاح وتہذیب کے سلسلہ میں ایسا بڑا کارنامہ انجام دیتا ہے جو حکومتیں بھی انجام نہیں دے سکتیں، اور اس کو وجود میں لانے میں عظیم بڑے بھی ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آپ سوچ لیجیے کہ انسانی معاشرے سے اس جیسے ایمان اور اس جیسی اچھی تربیت کے کس قدر محتاج ہیں۔

ب۔ رہا اس لعنت کے اسباب کی روک تھام کرنا تو وہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو حکومت کے مالک اور اور نفاذ کی طاقت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر حکومت بازاروں اور تمام جگہوں میں شراب اور اس کی تمام انواع واقسام پر پابندی لگا دے، اور اس کی بیخ کنی کرنے اور ختم کرنے کے لیے تمام اسباب کو بروئے کار لائے تو پھر اس کے

دلدادہ اور پینے والوں پر اس کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اور اسے کوئی نوجوان بھی نہیں پی سکے گا اور نہ کوئی فاسق وفاجر کسی طریقے سے اس کو حاصل کر سکے گا۔

ج۔ اسے استعمال کرنے والوں کی سزا: اسلام نے ہر اس شخص کے لیے شدید سزا مقرر کی ہے جو اسے استعمال کرتا ہے۔ اس سزا کی مقدار چالیس سے اسی کوڑوں تک ہے[1]۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو لوگ اسے فروخت کرتے ہیں اس کا کاروبار کرتے ہیں یا اسے ادھر ادھر پہنچاتے ہیں انکو اس کے علاوہ کوئی تعزیری سزا قید جرمانہ یا ملک بدری وغیرہ نہیں دی جا سکتی۔

اگر حکومتیں واقعی ان برائیوں کا سدباب کرنا چاہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ سزا دینے کے لیے ایسے ادارے وجود میں لائیں جو نشاط اخلاص اور تدبر وحزم اور استقامت میں معروف ہوں تاکہ وہ اپنا کام بہترین طریقے سے انجام دے سکیں جس کی بدولت ممکن ہے کہ معاشرہ شراب کی تباہی اور مخدرات کے مضر اثرات ونقصانات سے بچ جائے۔

◉◉◉◉◉◉◉◉

۴۔ زنا اور لواطت کی لعنت

قریب البلوغ لڑکوں اور نوجوانوں میں پائی جانے والی یہ نہایت خطرناک معاشرتی بیماری ہے۔ ہمیں کتنے ہی ایسے لڑکوں کے بارے میں اطلاعات ملی ہیں جو اب تک بالغ بھی نہیں ہوئے لیکن اپنے والدین اور رشتہ داروں کی غفلت کی وجہ سے برائی اور گندگی کے راستہ پر چل پڑے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اخلاقی بے راہ روی اور بے حیائی کی دلدل میں پھنس گئے اور ہلاکت وتباہی کے گڑھوں میں دفن ہو گئے۔

والدین اور سرپرستوں کے لیے یہ بات نہایت تکلیف دہ ہوتی ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ ان بچوں اور جن کے وہ کفیل ہیں ان کی فطرت مسخ ہو گئی اور اخلاق پست ہو گئے اور رذالت اور بے حیائی کی دلدل میں پھنس گئے ہیں لیکن جب والدین و مربی اپنے جگر گوشوں اور دل کے ٹکڑوں کو برائیوں کی دلدل میں پھنسا ہوا اور فساد و بے حیائی کے تالابوں میں ڈوبتا ہوا دیکھ لیں تو کیا اسی وقت ان کو آہوں یا حسرت کے اظہار سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔؟!

اگر یہ لوگ ان کو اچھے اخلاق سکھاتے، اور ان کے چال چلن اور اٹھنے بیٹھنے اور حرکات وسکنات کی مکمل نگرانی کرتے، اور ان کے دوستوں اور اٹھنے بیٹھنے والوں کو پہچان لیتے تو ان کے بچے اس تکلیف دہ صورت حال اور اس رسوا کن انجام تک ہرگز نہ پہنچتے۔

بچوں کے اخلاقی بگاڑ اور معاشرتی انحراف کا والدین اور سرپرستوں کے علاوہ اور کون مسؤل اول اور حقیقی ذمہ دار ہوگا؟

---

[1] حنفیہ کے یہاں شراب نوشی کی سزا اسی کوڑے مقرر ہیں۔

ان کے کرتوتوں اور تصرفات وحرکات وسکنات پر والدین و سرپرستوں کے علاوہ کون نظر رکھ سکتا ہے ؛ والدین اور سرپرستوں کے علاوہ کون شخص ہے جو ان بچوں کی مکارم اخلاق اور شرافت و فضیلت کے بنیادی اصولوں کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے، اور کون ان کے سامنے برائیوں اور منکرات کی قباحت بیان کر سکتا ہے ؛

اس لیے باپ اور ماں ہی بچے کی تربیت کے پہلے اور آخری مسئول اور ذمہ دار ہیں۔ پھر ان کے بعد یہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد یہ معاشرہ کی مسئولیت ہے۔

اس توجیہی نوٹ کے بعد اب ہم اس لعنت کے سلسلہ میں تین امور پر بحث کرتے ہیں :

۱۔ اس لعنت سے جو نقصانات وجود میں آتے ہیں ان کا بیان۔

۲۔ اس کے بارے میں اسلام کا فیصلہ۔

۳۔ اس کی بیخ کنی اور خاتمہ کے لیے مؤثر علاج۔

وہ نقصانات جو زنا اور لواطت کی بیماری کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں وہ بہت خطرناک ہیں جو ترتیب وار درج ذیل ہیں

الف ۔ صحت اور جسم کو پہنچنے والے نقصانات :

زنا اور لواطت کی وجہ سے مندرجہ ذیل امراض پیدا ہوتے ہیں :

۱۔ آتشک کی بیماری جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اعضاء تناسل یا ہونٹ یا زبان یا پپوٹوں پر زخم یا ورم آجائے، اور جسم کے مختلف حصوں پر سفید داغ پڑجاتے ہیں۔ اور اس بیماری کی وجہ سے خطرناک مرض شل ہونا اور اندھے پن اور رگوں و شرایین میں سختی، اور سینے میں درد اور جسمانی بناوٹ میں خرابی اور زبان کا سرطان اور بعض اوقات دق وسل کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی یہ بیماری بیوی یا بچوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے اور یہ بیماری متعدی بیماریوں میں سے ہے۔ اور جسم کے لمس اور لعابِ دہن کے ذریعہ بھی سرایت کر جاتی ہے۔

۲ ۔ سیلان یا سوزاک اس بیماری کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ پیشاب کے وقت درد یا سخت جلن ہونا اور مردوں کو پیشاب کے راستہ سے پیپ آنا اور عورتوں کو رحم اور پیشاب کی نالی سے پیپ آنا یا درد محسوس ہونا۔ اور سیلان کی وجہ سے مردوں کے خصیتین اور مثانہ میں سوزش ہو جاتی ہے۔ اور پیشاب کی نالی کا تنگ ہو جانا اور عورتوں کے رحم اور بیضتین اور گردوں میں سوزش و درد اور جلن ہوتی ہے۔ اور سوزاک کی بیماری کی وجہ سے کبھی کبھی مرد و عورت بانجھ بھی ہو جاتے ہیں اور مرد کی پیشاب کی نالی میں زخم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے عام طور سے پیشاب بند ہو جاتا ہے، اور اس پیشاب کے رکنے سے کبھی کبھی جان بھی نکل جاتی ہے۔

۳۔ متعدی امراض کا پھیل جانا

زنا اور لواطت کی وجہ سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ان میں سے بہت سے خطرناک متعدی امراض کا پیدا ہونا بھی ہے اس لیے کہ مہلک جراثیم مریض سے تندرست کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں اور جماع کے دوران جو گندگی وجود میں آتی ہے وہ بھی اس کا باعث بنتی ہے۔

اس قسم کے متعدی امراض بہت زیادہ ہیں جو نہایت خوفناک شکل اختیار کر گئے ہیں۔ اور جن معاشروں میں زنا و لواطت عام ہے اور جس سرزمین میں بے حیائی اور اخلاق سوز حرکتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں وہاں یہ خطرناک صورت اختیار کر گئے ہیں۔

صادق و مصدوق نبی اکرم محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بتلایا تھا کہ جب کسی قوم میں زنا عام ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسی بیماریوں اور امراض میں مبتلا کر دیتے جو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں نہیں پائے جاتے تھے واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کتنی سچی اور درست بات فرمائی تھی، چنانچہ ابن ماجہ اور بزار اور بیہقی روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((یامعشر المهاجرین: خمس خصال إذا ابتلیتم بهن وأعوذ بالله أن تدرکوهن عددمنها:... ولم تظهر الفاحشة قط یعمل بها علانیة إلا فشا فیهم الطاعون والأوجاع التی لم تکن فی أسلافهم ...))

اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا ہوگئے اور میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تم ان میں مبتلا ہو اور پھر آپ نے انہیں شمار کرایا، اور نہیں ظاہر ہوتی فاحشہ (بے حیائی کا کام زنا وغیرہ) کسی قوم میں کہ اسے کھلم کھلا کیا جائے مگر یہ کہ ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے اسلاف میں نہیں پائی جاتیں۔

اس لیے سمجھداروں اور عقلمندوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔

ب۔ معاشرتی، اخلاقی اور نفسیاتی نقصانات

اس لعنت کے نقصان دہ اور خطرناک ہونے کیلیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس سے نسب میں اختلاط اور نسل کا ضیاع ہوتا اور عزت و آبرو کی پائمالی اور شہامت و مروت کا جنازہ نکل جاتا ہے اور معاشرہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ اور مرد و زن کے تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ اور خاندان کی وحدت پارہ پارہ ہوجاتی ہے اور آدمی بے حیائی اور گندگی کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ اور مردانگی اور عزت و کرامت کھو بیٹھتا ہے۔

اور اس کی قباحت شر اور برائی و فساد کے اظہار کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس کی وجہ سے معاشرہ میں ایسے بچوں کی بہتات ہوجاتی ہے جن کا نہ کوئی نسب ہوتا ہے نہ عزت و کرامت، اور آزادی و بے راہ روی کا سیلاب قوم کے جوانوں

اورعورتوں سب کو بہا کرلے جاتا ہے۔ اور جب یہ صورت حال ہوتو ظاہر ہے کہ نہ اخلاق کی کوئی قدر ہوگی اور نہ عزت وشرافت کی کوئی قیمت واعتبار۔

آپ ہی بتائیں کہ اس معاشرہ کی کیا حیثیت ہوگی جس کے اخلاق تباہ، حیا ختم۔ اور وحدت وتشخص پارہ پارہ ہوگیا ہو ایسے معاشرہ کی کیا قیمت ہوگی جس کے بچے آزاد بے سر وسامان ہوں اور عورتیں آبرو باختہ اور مرد بدکردار ہوں ایسے معاشرہ کی کیا قیمت ہوگی جس پر شہوات رانی اور جنسی جذبات کی حکومت اور شہوانی خیالات کا غلبہ ہو اور وہ سوائے جنس اور حرام کاری کے کوئی اور کام نہ جانتا ہو، اور جنسی خواہش اور شہوت رانی کے علاوہ اس کا کوئی مقصود نہ ہو۔

ظاہر بات ہے کہ ایسا معاشرہ ڈھیلا ڈھالا، بے کار، ٹکڑے ٹکڑے اور ہر لمحہ زوال وتباہی کا نشانہ بنا رہے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآنِ کریم میں بالکل سچ فرمایا ہے:

((وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا))۔ الإسراء - ۱۶

اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے اس میں نافرمانی کی تب ثابت ہوگئی ان پر بات پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر۔

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

رہا زنا اور لواطت کے بارے میں اسلام کا فیصلہ اور حکم، تو وہ باتفاق فقہاء ومجتہدین قطعی طور سے حرام ہے جسکی دلیلیں درج ذیل ہیں:

زنا اس لیے حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَلَا تَقْرَبُوا۟ ٱلزِّنَىٰٓ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا))۔ الإسراء ۳۲

اور زنا کے پاس نہ جاؤ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔

اور فرمایا:

((وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۞ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا))۔ الفرقان - ۶۸، ۶۹

اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو اللہ نے منع کردی مگر جہاں چاہیے اور بدکاری نہیں کرتے، اور جو کوئی یہ کام کرے وہ جا پڑا گناہ میں، دگنا ہوگا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہوکر۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں جسے امام بخاری ومسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

((لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ...)). نہیں زنا کرتا زانی جب کہ وہ زنا کر رہا ہو اور پھر مؤمن بھی ہو۔

اور طبرانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إن الزناة تشتعل وجوههم نارا)). زنا کاروں کے چہروں پر آگ بھڑک رہی ہوگی۔

اور حاکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إذا ظهر الزنى والربا في قرية فقد أحلوا بأنفسهم عذاب الله)). جب کسی بستی میں زنا اور ربا عام ہوجائے تو اس بستی والوں نے اپنی اوپر اللہ کا عذاب نازل کرلیا۔

اور ابن ابی الدنیا اور خرائطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((الزاني بحليلة جاره لا ينظر الله إليه يوم القيامة ولا يزكيه ويقول: ادخل النار مع الداخلين)). اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے والے کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت میں نہ نظر فرمائیں گے نہ اس کو پاک صاف کریں گے اور فرمائیں گے: دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوجا۔

* * * *

رہا لواطت کا حرام ہونا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ ۝ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُونَ ۝)).

الشعراء۔ ۱۶۵ و ۱۶۶

تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو بات یہ ہے کہ تم حد سے گزر جانے والے ہی لوگ ہو۔

اور فرمایا:

((وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعٰلَمِينَ ۝ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۝)).

العنکبوت۔ ۲۸ و ۲۹

اور لوط کو (بھی ہم نے پیامبر بنا کر بھیجا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم تو ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں کسی نے نہیں کیا۔ ارے تم تو مردوں سے فعل کرتے ہو اور تم رہزنی کرتے ہو اور تم بھری مجلس میں ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہو۔ سو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ ہم پر عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اس حدیث میں جسے حاکم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے

فرماتے ہیں:

«ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوط...»۔

ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والی حرکت کرے، ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا کام کرے، ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا کام کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا، اور ابن ماجہ اور ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

«أخوف ما أخاف على أمتي من عمل عمل قوم لوط»۔

مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ وہ شخص ہے جو قوم لوط والا کام کرے۔

اور طبرانی و بیہقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

«أربعة يصبحون في غضب الله ويمسون في سخط الله»۔

چار آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«المتشبهون من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال، والذي يأتي البهيمة والذي يأتي الرجال»۔

وہ مرد جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں، اور وہ شخص جو چوپایے کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے، اور وہ شخص جو مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے۔

∴ ∴ ∴

شریعت نے زنا اور لواطت میں سے ہر ایک کیلئے مندرجہ ذیل سزا مقرر کی ہے

۱۔ زنا کی سزا:

شریعت نے زنا کی دو سزائیں مقرر کی ہیں:

الف: کوڑے مارنا اور شہر بدر کرنے کی سزا۔

ب: رجم وسنگسار کرنے کی سزا۔

کوڑوں اور شہر بدر کرنے کی سزا اس زانی کو دی جائے گی جو غیر شادی شدہ ہو، چاہے زنا کرنے والا مرد ہو یا عورت، لہٰذا اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

«اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

زنا کار عورت اور زنا کار مرد سو (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے

مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾))۔

النور - ۲

ہر ایک کے سو سو درے مارو ، اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ اور چاہیے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے۔

شہر بدر کرنے کی سزا حنفیہ کے یہاں تعزیر کے باب سے ہے۔ لہٰذا اگر امام کو اس میں فائدہ محسوس ہو تو اس کو شہر بدر کر دے گا، اور باقی ائمہ کے یہاں کوڑے لگانے کے بعد زانی کو شہر بدر کیا جائے گا اور اس کو اتنی دور بھیجا جائے گا جس میں نماز قصر نہ ہوتی ہو، اور شہر بدر کرنے کا فیصلہ خلفاءِ راشدین نے بھی کیا تھا۔ اور یہی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔

۲۔ رجم کی سزا اس زانی کے لیے ہے جو شادی شدہ ہو اس لیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں جسے امام بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

((لا یحل دم امرئ مسلم یشھد أن لا إله إلا الله و أنی رسول الله إلا بإحدی ثلاث: الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارك لدینه المفارق للجماعة))۔

جو مسلمان یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کا خون بہانا سوائے تین باتوں میں سے ایک بات کے کسی صورت میں حلال نہیں۔ ایسا زانی جو کہ شادی شدہ ہو۔ اور قتل کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور وہ شخص جو دین بدل دے اور جماعتِ مسلمین سے الگ ہو جائے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ اور غامدیہ عورت کے رجم کا حکم دیا تھا، اس لیے کہ ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زنا کا اعتراف کر لیا تھا اور وہ دونوں شادی شدہ تھے۔

۲۔ لواطت کی سزا

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ لواطت زنا کے حکم میں ہے لیکن اختلاف اسمیں ہے کہ سزا کیا دی جائے گی؟ علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ: لواطت کرنے والے کی سزا کے بارے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے کی سزا وہی ہے جو زنا کی سزا ہے اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے رجم کر دیا جائے گا اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کے دونوں قولوں میں سے مشہور قول ہے، اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے کو رجم کیا جائے گا چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اور امام مالک اور امام احمد یہی فرماتے ہیں۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے

کہ ایسا کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو قتل کر دیا جائے گا[1]۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسے مجرم کو روکنے اور سزا دینے کے لیے امام اور حاکم جو سزا مناسب سمجھے وہ دے، اور اگر کوئی شخص یہ حرکت بار بار کرے اور اس سے باز نہ آئے تو سزا کے طور پر اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

ذیل میں وہ نصوص پیش کی جاتی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایسا کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ جمہور فقہاء مجتہدین کا مذہب ہے

امام ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ))۔

جس شخص کو تم قوم لوط والا کام کرتے ہوئے پاؤ تو اس کام کے کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو قتل کر دو۔

٭ ٭ ٭

اور بیہقی وغیرہ مفضل بن فضالۃ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن جریج سے وہ عکرمہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا:

((اقتلوا الفاعل والمفعول بہ والذی یأتی البھیمۃ))۔

ایسا کرنے والے اور کروانے والے اور اس شخص کو جو چوپایے سے بدفعلی کرے قتل کر ڈالو۔

اس لعنت کی بیخ کنی کا طریقہ اور علاج بالکل وہی ہے جو مشت زنی کی بیخ کنی کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں بیماریوں اور ان کے علاج کی حالت ایک دوسرے سے بالکل مشابہ ہے لہٰذا اس سلسلہ میں دوبارہ لکھنے اور کلام دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

محترم قارئینِ کرام! میں آپ کو ایک علاج اور بتائے دیتا ہوں اور وہ یہ کہ اس امت کے آخر والوں کی بھی انہیں چیزوں سے اصلاح ہوگی جس سے ان کے پہلوں کی ہوئی ہے۔ چنانچہ جیسے گذشتہ ادوار میں ہماری امت کی اصلاح اسلام کے نظام اور شریعت مطہرہ سے ہوئی ہے اور اسے قبول کر کے امت مسلمہ نے عزت وقوت اور شان وشوکت حاصل کی، اور اس کے قوانین واحکام پر چل کر ترقی حاصل کی۔ اس طرح آج ہماری امت کی اصلاح بھی اس سے ہی ہوگی، اگر ہم نے اسے اپنا لیا تو اس امتِ مسلمہ کی چھینی ہوئی عزت اور شان وشوکت اور بے نظیر قوت اور مضبوط حکومت اور قابلِ ذکر استقرار واستحکام واپس لوٹ آئے گا اور یہ امت پھر سے

---

[1] یہ عبارت کتاب الترغیب والترہیب (۳/۲۲۵ - ۳۲۵) باب الترہیب من اللواط سے لی گئی ہے۔

پہلے کی طرح وہی بہترین امت بن جائے گی جس کو لوگوں کے لیے ہادی ومقتدیٰ اور مرکزِ جود وسخا اور قوت وطاقت کا مرکز بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو خلیفۂ راشد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جو یہ فرماتے ہیں کہ: ہم ایک ایسی قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کی بدولت عزت بخشی ہے۔ لہٰذا جب بھی ہم اس کو چھوڑ کر جس کے ذریعہ اللہ نے ہمیں عزت دی ہے کسی اور سے عزت چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔[1]

اور اللہ رحم کرے علامہ اقبال پر وہ فرماتے ہیں:

إذا الإيمان ضاع فلا أمان	ولا دنيا لمن لم يحي دينا
جب ایمان ضائع ہو جائے تو امن وامان نہیں رہتا	اور جو دین کے احیاء کیلیے کوشش نہ کرے اس کا جینا ہی کیا جینا ہے
ومن رضی الحياة بغير دين	فقد جعل الفناء له قرينا
جو بغیر دین کے زندگی پسند کرتا ہے	اس نے فناء کو اپنا ساتھی بنالیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا ضرر ولا ضرار" کا جو بنیادی قانون مقرر فرمایا ہے اس کی روشنی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک:

﴿ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾. اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

کی تعمیل ارشاد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض کردہ اس مسئولیت پر عمل کرنے کے لیے مربیوں اور خاص طور سے والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے ضروری اسباب اختیار کریں، اور اپنے جگر گوشوں کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کریں تاکہ وہ ان مصائب کا نشانہ نہ بنیں جو ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، اور نہ ان دردناک حوادث کا جو ان پر اچانک حملہ آور ہوتے ہیں، اور عام طور سے انہیں موت یا شکل وصورت کے بگڑنے یا بیماری یا زخمی ہونے تک پہنچا دیتے ہیں۔

اے مربی حضرات آپ کے سامنے وہ اہم احتیاطی تدابیر واسباب پیش کیے جاتے ہیں جو حوادث کو کم کرتے اور ان سے بچاتے ہیں:

ڈاکٹر نبیہ الغبرۃ کی کتاب المشكلات السلوكية (ص ۱۷۷) سے کچھ تصرف کے ساتھ خلاصہ پیش خدمت ہے:

اپنے بچوں کے لیے معتدل متناسب جوڑ کھانے والا جو منطقی نظام ہم مقرر کرتے ہیں وہ ان کی سلامتی کیلیے بہت ضروری ہے جیساکہ اس کا وجود اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ وہ اطمینان وسکون محسوس کریں۔ بچے کی عمر کے پہلے

---

[1] مستدرک حاکم۔

سال اس حفاظت کی ذمہ داری ساری کی ساری اس کے اہلِ خانہ۔ پر ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی کی صورت میں وہ اس کے مسئول ہیں، دوسرے سال میں بچوں کو خطرناک چیزوں سے بچنے کی تعلیم دینا چاہیئے، اور وہ اس طرح سے کہ اسے نہایت لطیف طریقے سے سمجھا دیا جائے۔ تاکہ چولھے، ہیٹر آگ یا گرم برتن کو چھو کر وہ زخمی نہ ہو جائے یا اس میں گر کر جل نہ جائے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ یا تو ہم اس سے کہہ دیں یا اس کو متنبہ کر دیں کہ یہ گرم چیز ہے جو چھونے سے تکلیف دیتی ہے بلکہ خطرناک ہے۔ اور ہم اس کو آہستہ سے اس طرح سے چھونے کا موقعہ دے دیں جس سے اسے اذیت و تکلیف نہ پہنچے اور اس طرح سے وہ اس سے ڈرنے اور بچنے لگے گا۔

اور جب ہم بچے کو کرسی سے گرنے کے قریب دیکھیں اور اس کے ہاتھ میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اسے ایذا پہنچائے اور زمین پر بھی کوئی ایسی چیز نہ پڑی ہو جس پر گرنے سے بچے کو تکلیف کا اندیشہ ہو تو ایسے موقعہ پر بچے کو احتیاط کے ساتھ گرنے دینا چاہیے۔ اور اس موقعہ سے یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ اسے اس سے بچنے کی تعلیم دی جائے بہر حال تعلیم اور حفاظت دونوں میں توازن رہنا چاہیے۔ اور گھر والوں کو چاہیے کہ وہ ان چیزوں پر نظر رکھیں جن سے کھیل کود کے دوران بچے کو نقصان پہنچ سکتا ہو اور اس سلسلہ میں لازمی احتیاطی تدابیر ضرور اختیار کرنا چاہییں

ڈاکٹر غبرہ کے بیان کے مطابق بعض عملی اقدامات ذیل میں ذکر کیے جا رہے ہیں جن کے اختیار کرنے سے تکلیفوں اور پیش آنے والے حوادثات کو کم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ زہریلی چیزوں کو بند الماری میں رکھنا چاہیئے اور اس کی چابی کسی محفوظ جگہ میں رکھی جائے، اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ شیشی پر اس زہریلی چیز کا نام واضح طور سے لکھ دیا جائے اور جہاں کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہوں وہاں اس شیشی کو ہرگز نہ رکھا جائے، یہ زہریلی چیزیں مختلف کاموں کے لیے مختلف طریقوں سے استعمال میں آیا کرتی ہیں جن میں سے سب سے اہم کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض کو مارنے والے زہریلے مواد اور تیزاب ہے۔

۲۔ جو دوائیں ضرورت سے زائد ہوں انہیں پھینک دینا چاہیے اور ان کو بچوں کی دسترس سے دور رکھنا چاہیئے اور جب ان دواؤں کو استعمال کیا جائے تو اچھا یہ ہے کہ اس جگہ بچے موجود نہ ہوں، اس لیے کہ بچے نقل اتارنے اور پیروی کرنے کے شوقین ہوتے ہیں، اور اس طرح کی زہریلی چیزوں سے بچوں کے ہلاک ہونے کے حادثات بہت پیش آتے رہتے ہیں۔ اس لیے جب کسی بچے کو ہم کوئی اس طرح کی چیز دیں تو اسے سمجھا دینا چاہیئے کہ یہ دوا ہے پینے کی چیز نہیں ہے

لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر بچوّں پر بھروسہ نہ ہو تو اس کو کسی ایسی جگہ رکھا جائے جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔

۳ ۔ چولہے وغیرہ جلانے والے آلات اور گرم برتنوں اور کھانے پکانے کے سامان اور کرچھے وغیرہ کے پاس اگر گھٹنوں چلنے والے یا چلنے پھرنے والے بچے کے پہنچنے کا احتمال ہو تو اس کو بچوں کی دسترس سے دور رکھنا چاہیے ۔ ورنہ حادثات پیش آ سکتے ہیں، کتنی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ بچے چولہوں اور پانی گرم کرنے کے آلات وغیرہ سے جل چکے ہیں

اسی طرح بچوّں کو بھڑکنے والی چیزوں مثلاً ماچس کی تیلی وغیرہ سے کھیلنے کی اجازت نہیں دینا چاہیئے ۔ بلکہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم انہیں ایسی اونچی جگہ پر رکھیں جہاں بچوں کا ہاتھ نہ پہنچ سکے ۔

چائے دانیاں یا کھانا پکانے کے برتن بھی ان گرم چیزوں کی وجہ سے جو ان میں موجود ہوتی ہیں، بچوّں کے لیے خطرے کا سامان بن جاتے ہیں ۔ چنانچہ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ناسمجھ ماں کی غفلت کی وجہ سے کھانے پکانے یا بھوننے اور تلنے والے برتنوں میں کھولتے ہوئے گھی یا تیل وغیرہ میں ان کا جگر گوشہ گر کر شدید زخمی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بدشکل اور بدمنظر ہو جاتا ہے ۔

اور کتنی ہی احمق مائیں میز کے کنارے یا زمین یا کرسی پر چائے دانی رکھ دیتی ہیں بچہ اس چائے دانی پر گر جاتا ہے یا چائے دانی اس پر گر جاتی ہے، جس سے سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے ۔

مختلف موسموں اور مناسبتوں میں آتش بازی وغیرہ سے بھی بچنا چاہیئے تاکہ اس سے نقصان نہ اٹھانا پڑ جائے ۔

اس طرح بجلی کے سامان اور تاروں سے بھی دور رکھنا چاہیئے تاکہ پریشانی نہ اٹھانا پڑے ۔

۴ ۔ دھاردار آلات مثلاً قینچیاں، چھریاں، بلیڈ، پن اور شیشے کے برتن بھی بچوں کی پہنچ سے دور رکھنا چاہیئے ۔

۵ ۔ بچوں کو ایسے کھیل کود کی اجازت نہیں دینا چاہیئے جو خطرے کا سبب بن سکتے ہوں جیسے کہ رسی سے کھیلنا اور اس کو گردن کے ارد گرد لپیٹنا یا پلاسٹک کی تھیلی سے کھیلنا اور اسے سر اور منہ پر چڑھا لینا اس لیے کہ اس سے کبھی دم بھی گھٹ سکتا ہے، اسی طرح بچے کو منہ میں کھانے کی چیز رکھ کر دوڑنے اور نمکین اشیاء مثلاً بھنے چنے اور پستے وغیرہ ہوا میں اچھال کر منہ میں لینے سے بھی روکنا چاہیئے ۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کھانا یا یہ چیزیں ہوا کی نالی میں چلی جائیں اور دم گھٹ جائے

۶ ۔ ماں کو چاہیئے کہ بچے کو اپنے پلنگ پر اپنے ساتھ نہ سلائے ۔ اس لیے کہ ایسی صورت میں اس کے دم گھٹنے کا ڈر ہوتا ہے اس قسم کے کتنے ہی واقعات ہمارے سننے میں آئے ہیں کہ ماں سو گئی اور بچہ بھی پستان (چھاتی) منہ میں لیے لیے سو گیا اور پھر ماں جیسے ہی ذرا سی بچے کی طرف جھکی بچے کا دم گھٹ گیا ۔

۷ ۔ اوپر کی منزلوں کے مکانات کی کھڑکیوں کے صحیح سالم ہونے کا یقین کر لینا بھی ضروری ہے ۔ اور کھڑکیاں ایسی ہونا چاہیے کہ جنہیں بچہ پھلانگ کر باہر نہ نکل سکے، اور منزل کے اوپری حصے میں اس طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنا چاہیئے کہ جن سے بچہ نیچے کا منظر تو دیکھ سکے لیکن وہاں سے پھسل نہ سکے، یا کم از کم اتنا ہو کہ اگر وہاں سے پھسل بھی جائے تو

اس کے گرنے کا ڈر نہ ہو۔ ورنہ کتنے ہی ایسے دردناک واقعات پیش آئے ہیں جن میں احتیاط نہ کرنے اور تغافل کی وجہ سے اچھی عمر کے بچے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

۸۔ مشینری اور میکانیکی آلات اور بجلی کا سامان استعمال کرتے وقت ہوشیار رہنا چاہیے خصوصاً کپڑے دھونے اور قیمہ پیسنے اور کباب بنانے والی مشین وغیرہ کے استعمال کرتے وقت، اس لیے کہ کپڑے دھونے کی مشین میں بچوں کے ہاتھ آجانے یا قیمہ وغیرہ کی مشین سے انگلیاں کٹنے کے واقعات کچھ کم نہیں ہیں۔

۹۔ گھر کے بیرونی دروازے کے بارے میں خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کھلا نہ رہے کہیں ایسا نہ ہو کہ دروازہ کھلا رہ جائے اور بچہ چپکے سے نکل جائے اور ماں باپ کو پتہ بھی نہ چلے اور باہر کوئی حادثہ پیش آجائے۔

۱۰۔ دروازہ بند کرتے وقت بھی بہت خیال رکھنا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بچے نے انگلیاں رکھی ہوئی ہوں اور دروازہ بند کرنے سے اس کی انگلیاں دب جائیں اور تکلیف و پریشانی کا سبب بنے۔ اور اس کے علاوہ دوسری وہ احتیاطی تدابیر جو کسی بھی ذی عقل و صاحبِ بصیرت پر مخفی نہیں ہیں۔

بچوں کی جسمانی تربیت کے سلسلہ میں یہ وہ اہم وسائل ہیں جنہیں اسلام نے مقرر کیا ہے اور جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ وسائل لازمی و ضروری ہیں اور یہ احتیاطی تدابیر ہیں۔ اور اگر مربیوں نے ان تعلیمات پر عمل کیا اور والدین و اساتذہ اس طریقے کے مطابق چلے تو ہم دیکھیں گے کہ اس قوم کے بچے صحت کے وسیع میدانوں میں دوڑتے ہوں گے اور قوت کی نعمت سے مالا مال ہوں گے اور امن و امان اور استقرار و سکون کی زندگی گزارتے ہوں گے۔

یہ یقینی بات ہے کہ امتِ مسلمہ اگر عقلِ سلیمہ اور طاقتور جسم اور مضبوط ارادہ اور قوی عزم اور اعلیٰ ترین شجاعت اور کامل سوجھ بوجھ کی مالک ہو تو وہ ترقی و پیداوار کے ہر میدان میں سبقت لے جانے والی اور عظمت و فتح کے اسباب کو بروئے کار لانے والی ہوگی۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے دائمی عزت و غلبہ دلانے کے لیے کوشش و محنت کرنے والی ہوگی۔ اور اس دن مومن اللہ کی نصرت و مدد پر خوش ہوں گے، اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہی بڑا غلبہ والا اور حکمتوں والا ہے۔

اس لیے اے مربیوں ماؤں اور باپوں اور اساتذہ ...

صرف یہی حیاتِ دنیاوی کا کامیاب طریقہ ہے — صرف یہی قوت و طاقت کے حصول کا راستہ ہے

صرف یہی مجد و بزرگی کا زینہ ہے ... — صرف یہی ایک طریقہ ہے ہمیشگی اور دوام کے حاصل کرنے کا

آج کا معاشرہ اور قوم آپ کے پاس ایک امانتِ خداوندی ہے وہ ان بلند و بالا تعلیمات کی تطبیق اور اپنے جسم کو تندرست و توانا رکھنے والے زندۂ جاوید بنیادی اصولوں اور اپنی صحت و نفسیات کی اصلاح کی بہت زیادہ محتاج

ہے، تاکہ اپنے اندر ذمہ اٹھانے کی قوت پیدا کر سکے اور عالم میں اسلام کے پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری کو اسی طرح عمدگی سے ادا کر سکے جس طرح اس سے قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین اور ان کے بعد میں آنے والے ادوار کے لوگوں نے اس ذمہ داری کو بخیر و خوبی اور عمدگی سے انجام دیا تھا۔

ممکن ہے اس طریق سے آج کا ہمارا معاشرہ الحاد آزادی اور جاہلیت کی تاریکیوں سے ایمان کے نور اور مکارمِ اخلاق اور اسلام کی ہدایت کی طرف منتقل ہو سکے!! اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔
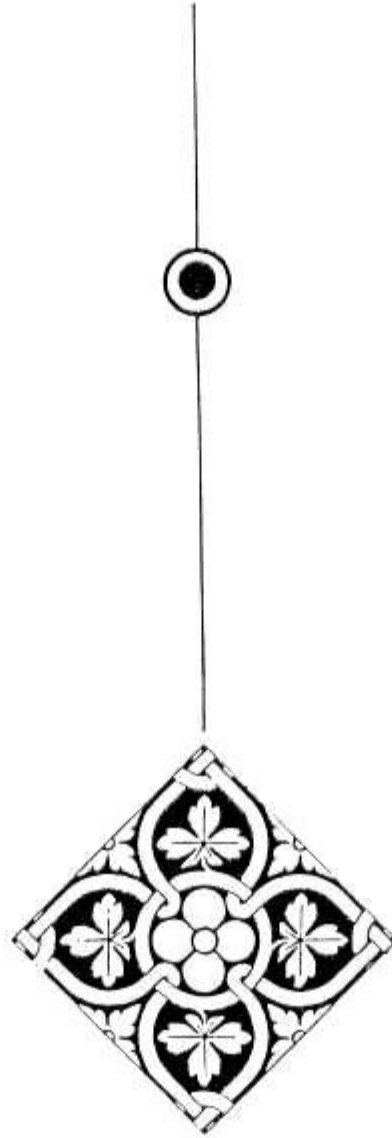
فصلِ رابع

۴۔ دینی اور عقلی تربیت کی ذمہ داری

ذہنی وعقلی تربیت سے مراد یہ ہے کہ علومِ شرعیہ اور علمی اور عصری تہذیب وثقافت اور فکری ونفسیاتی سوجھ بوجھ پر مبنی ایسی نفع بخش چیزوں سے بچے کے ذہن کو آراستہ کیا جائے جو بچے کے افکار میں پختگی پیدا کردیں اور ا سے علمی وثقافتی لحاظ سے کامل ومکمل بنادیں۔

اہمیت کے لحاظ سے یہ ذمہ داری بھی ان ایمانی اخلاقی اور جسمانی تربیت کی ذمہ داریوں سے کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہے جو پہلے گزر چکی ہیں۔ اس لیے کہ ایمانی تربیت بنیاد رکھنے کے قائم مقام ہے، اور جسمانی تربیت اس کو بنانا اور تیار کرنا ہے، اور اخلاقی تربیت عادی بنانا اور اس پر ڈھالنا ہے، اور عقلی تربیت کے ذریعے اس کو سمجھدار ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ بنانا ہے۔

یہ چاروں ذمہ داریاں اور فرائض اور اس کے علاوہ دوسری وہ ذمہ داریاں جن کا بعد میں تذکرہ آئے گا یہ سب کی سب بچے کی شخصیت کی تکمیل اور اس کو فرائض وواجبات ادا کرنے کے قابل بنانے اور اپنے مفوضہ پیغام کو ادا کرنے اور مسئولیت کا بوجھ اٹھانے کے لیے صحیح انسان بنانے میں ایک دوسرے سے متصل مربوط اور ایک دوسرے کا سہارا ہیں ایمان اس وقت کتنی اعلیٰ وعمدہ چیز ہوتی ہے جب فکر کے ساتھ اس کا جوڑ پیدا ہوجائے۔

اور اخلاق کتنی عمدہ چیز ہے جب کہ صحت سے اس کا ارتباط پیدا ہوجائے اور ایسا بچہ کتنا عظیم ہوتا ہے جو عملی زندگی میں جب قدم رکھتا ہے۔ تو ایسی حالت میں کہ اس کے مربیوں نے ہر پہلو سے اس کی دیکھ بھال کی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ہر گوشہ سے اس کی رہنمائی تربیت اور تکمیل کی ہوئی ہوتی ہے۔

بچوں کے سلسلہ میں مربیوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کے مختلف مراحل کو بیان کرنا ضروری ہے تاکہ تربیت کرنے والے ان پر مرحلہ وار چلتے رہیں اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ عقلی تربیت کے سلسلہ میں ان کی مسئولیت مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہے:

۱۔ تعلیمی ذمہ داری۔
۲۔ فکری سوجھ بوجھ پیدا کرنا۔
۳۔ ذہنی تندرستی۔

★★★★★★★

تعلیمی ذمہ داری و مسئولیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی نظر میں یہ مسئولیت نہایت اہم اور نازک ہے۔ اس لیے کہ اسلام نے والدین اور مربیوں پر بچوں کی تعلیم علم وثقافت کے چشمہ سے ان کو سیراب ہونے کے قابل بنانے اور ان کے اذہان کو صحیح سوچ سمجھ اور معرفت وادراک اور علمی محاکمہ وموازنہ اور صحیح ادراک کے قابل بنانے کے سلسلہ میں بڑی ذمہ داری ڈالی ہے، اور اس سے خداداد صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ اور فضل وکمال میں اضافہ اور عقل میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور کمال ظاہر ہوتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو آیات نازل ہوئی تھیں وہ درج ذیل ہیں:

((اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝))۔

علق۔ ۱ تا ۵

آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے آپ (قرآن) پڑھا کیجیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی ہے (جس نے) انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دے دی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔

اور یہ اس لیے تاکہ علم اور پڑھنے پڑھانے کی حقیقت اور عظمت وبڑائی کا اظہار ہو۔ اور یہ بتلا دیا جائے کہ فکر و عقل کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اور ساتھ ہی علم وثقافت کے دروازے کو مکمل طور سے کھولنا بھی مقصود تھا۔

اگر ہم ان قرآنی آیات اور نبوی احادیث کو پیش کرنا چاہیں جو علم پر ابھارتی اور علماء کی قدر ومنزلت کی بلندی کو بیان کرتی ہیں۔ تو وہ ہمیں بہت کثرت سے ملیں گی جنہیں چھوٹے بڑے سب نے ہی یاد کیا ہوا ہے۔ اور جنہیں عالم و طالبِ علم دونوں ہی بیان کرتے ہیں۔

ان آیاتِ قرآنیہ میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک ہے:

((قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ))۔ الزمر۔ ۹

آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر بھی ہوتے ہیں۔

اور ارشاد ہے:

«وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا» طٰہٰ - ۱۱۴ — آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار میرے علم کو بڑھا دیجیے۔

اور فرمایا:

«يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ» المجادلہ - ۱۱ — اللہ تعالےٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا۔

اور فرمایا:

«نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ» القلم - ۱ — نون، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ (فرشتے) لکھتے ہیں۔

اور ان احادیثِ نبویہ میں سے چند احادیث یہ ہیں:

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

«... ومن سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهّل الله له طريقاً إلى الجنة» — ... اور جو شخص کسی ایسے راستہ پر چلے جس میں علم کو تلاش کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

٭ ٭ ٭

اور امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الدنيا ملعونة ملعون ما فيها إلا ذكر الله تعالىٰ، وما والاه، وعالماً أو متعلماً» — دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے، اور ہر وہ چیز جس کا اللہ سے تعلق ہو اور عالم اور متعلم۔

٭ ٭ ٭

اور امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع» — جو شخص طلبِ علم کے لیے نکلتا ہے۔ وہ اللہ کے راستہ میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک واپس نہ آجائے۔

اور امام ترمذی حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم.. إن الله وملائكته وأهل السماوات والأرض حتى النملة في جحرها، وحتى الحوت ليصلون على معلمي الناس الخير» — عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری تم میں سے معمولی آدمی پر... بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں لوگوں کو خیر سکھانے والے کے لیے دعا کرتی ہیں۔

اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له». جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو یا نیک لڑکا جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔

قرآنِ کریم کی اس رہنمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد والے زمانوں میں مسلمان حضرات علوم کونیہ کے پڑھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے میں لگ گئے۔ اور انہوں نے ہر علم نافع کے سیکھنے کو فرض یا واجب قرار دیا۔ اور عالم میں موجود دوسری قوموں کے تمدن وثقافت سے فائدہ اٹھایا اور اس میں جدت پیدا کی، اور اس کو اپنا تابع بنا کر اس کو اسلام کے ممتاز اسلامی سانچے میں ڈھال لیا، اور پھر ایک طویل عرصہ اور صدیوں تک سارا جہاں ان کے علوم سے خوشہ چینی کرتا اور ان کی ثقافت سے مستفید ہوتا رہا اور مشرق ومغرب میں مادی ترقی کو جو اس جدید دور میں چمک دمک وشان وشوکت نصیب ہوئی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے صقلیہ اور اندلس اور دیگر صلیبی جنگوں کی بدولت مسلمانوں کے علوم اور ان کی ثقافت سے فائدہ اٹھایا اور گم کردہ راہ عالم اور پریشان انسانیت کے لیے اسلامی سلطنت بجا طور پر ایک استاذ ومعلم اور امام ورہنما بنی۔

تاریخ کے ایک طویل عرصے میں مسلمانوں نے جو علمی وثقافتی عظمت وبلندی حاصل کی اس کے ثبوت کے لیے ذیل میں اہلِ مغرب کے انصاف پسند فلاسفہ کی شہادت پیش کی جاتی ہے:

فنِ اسلامی کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے شریستی کہتے ہیں: ایک ہزار سال تک یورپ فنِ اسلامی کی طرف اس طرح دیکھتا رہا گویا کہ وہ زمانے کے عجائبات میں سے کوئی اعجوبہ ہو۔

ہالینڈ کے مستشرق دوزی کہتے ہیں کہ: پورے اندلس میں ایک بھی اَن پڑھ شخص موجود نہ تھا۔ جب کہ یورپ میں ابتدائی لکھنا پڑھنا بھی سوائے اعلیٰ درجہ کے پوپوں میں سے بعض کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

اور لین پول اپنی کتاب "العرب واسبانیا" میں لکھتے ہیں: ان پڑھ پسماندہ یورپ میں جہالت اور محرومی ٹھاٹھیں مار رہی تھی جب کہ اندلس علم میں امام اور ثقافت کا علمبردار تھا۔

اور بری وولٹ اپنی کتاب "تکوین الإنسانیة" میں لکھتے ہیں کہ: علم سب سے بڑی وہ چیز ہے جسے عربی تہذیب وتمدن نے جدید عالم کے لیے پیش کیا ہے، اور باوجود اس بات کے کہ یورپی ترقی کے کسی بھی شعبہ میں کوئی ایسا گوشہ نظر نہیں آتا جس میں فعال اسلامی ثقافت کا اثر نہ ہو۔ مگر پھر بھی اسلام کا سب سے بڑا اور خطرناک اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان میں ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جو اسے جدید عالم میں ایک ممتاز ابدی مؤثر عامل بنا دیتی ہے، اور اس کی کامیابی کے لیے ایک عظیم

ذریعہ مہیا کر دیتی ہے اور وہ ہے طبیعی علم اور علمی روح۔۔ ان حقائق کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام ایک فعال ترقی وتعمیر پسند دین ہے۔

اور ابوشبکہ اپنی کتاب" روابط الفکر والروح بین العرب والفرنجۃ "میں لکھتے ہیں: عربی تمدن وثقافت کا زوال اسپین اور یورپ کے لیے بدفالی اور نحوست تھا۔ اس لیے کہ اندلس کو عربوں کے سایہ میں ہی سعادت ونیک بختی نصیب ہوئی تھی، اور جب وہاں سے عرب چلے گئے تو تونگری جمال وسرسبزی کی جگہ وہاں تباہی وبربادی چھاگئی۔

اور ایچ آر جیپ اپنی کتاب" الاتجاھات الحدیثۃ فی الاسلام "میں اس تجرباتی مذہب کے پیش کرنے کے سلسلہ میں کہ جس پر تمام یورپی علم کی بنیاد ہے اور جو اصلی اور حقیقی اسلامی میراث ہے۔ اس کے بارے میں مندرجہ ذیل الفاظ لکھتے ہیں: میرا خیال ہے کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ وہ دقیق تفصیلی ملاحظات جنہیں مسلمان محققوں نے پیش کیا ہے۔ وہ علمی معرفت وفنون کی ترقی میں زبردست نمایاں بھرپور مادی امداد کا ذریعہ ہیں، اور انہی نکات کے راستے سے درمیانی صدی میں یورپ تک تجرباتی نظام ومنہج پہنچا ہے۔

اور ڈاکٹر" وکٹر رابن سن" اندلس میں اسلامی ترقی وتمدن اور قرون وسطی میں یورپ کی ثقافت کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کافی طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں: ۔۔۔ یورپ کے معززین کو دستخط تک کرنا نہیں آتے تھے جبکہ قرطبہ میں مسلمانوں کے بچے تک مدارس میں جایا کرتے تھے، اور یورپ کے راہب کنیسہ کی کتاب پڑھنے میں غلطیاں کرتے تھے جب کہ قرطبہ کے اساتذہ ومعلمین نے ایک ایسا زبردست مکتبہ وکتب خانہ قائم کیا تھا جو اپنی ضخامت وبڑائی میں اسکندریہ کے عظیم مکتبہ کا مقابلہ کر رہا تھا۔

یہ اور اس کے علاوہ دوسرے اور بہت سے اقوال نہایت وضاحت سے اس بات کی تاکید وصراحت کرتے ہیں کہ اسلام ہی تمدن کو ترقی دینے والی عظیم قوت اور علم کی نورانی چمک دمک پائی جاتی تھی جب کہ قرون وسطی میں یورپ میں علماء کو ان کی علمی وفکری جرأت کی وجہ سے دن دہاڑے سرِعام کھلے میدانوں میں قتل کیا جاتا تھا۔

لیکن اس ثقافتی ترقی اور علمی بلندی وچمک دمک کا اصل سبب اور راز کیا تھا؟

اس کا راز ان بنیادی اصولوں میں مضمر ہے جن پر اسلام کی ابدی شریعت مشتمل ہے

الف۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اسلام روح اور مادیت اور دین اور دنیا دونوں کا نام ہے چنانچہ اسلامی عبادت اور معاملات اور سماجی قانون اور دنیوی احکام کا انسانی ثقافت وتمدن کے تعمیر کرنے میں نہایت واضح اثر پایا جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اسلام کا شعار اللہ تعالٰے کا مندرجہ ذیل فرمان مبارک ہے۔

«وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا»۔ القصص۔۷۷

اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کرو اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ فراموش مت کرو۔

اور فرمایا:

«فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ»۔ الجمعہ۔۱۰

پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔

ب۔ اور اس لیے کہ اسلام مساوات اور انسانیت کی دعوت دیتا ہے۔ تاکہ ہر وہ شخص جو اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہے خواہ کسی جنس اور رنگ اور زبان کا بولنے والا ہو، سب کے سب مل کر انسانی تمدن و ثقافت کی تعمیر میں اپنا فرض ادا کریں اور اسلام کا اس سلسلہ میں شعار اللہ تعالیٰ کا فرمانِ ذیل ہے:

«اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ»۔ الحجرات۔۱۳

بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔

ج۔ اور اس لیے کہ دین ہر قوم و امت سے تعارف و تعلقات پیدا کرنے کی دعوت دینے والا دین ہے اور اسلام کا شعار اس سلسلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمانِ ذیل ہے:

«يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا»۔ الحجرات۔۱۳

اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

اور اس آواز پر لبیک کہنے کے لیے مسلمان دوسروں سے گھل مل گئے اور دوسری قوموں کی ثقافت سے فائدہ اٹھایا۔ اور اس طرح سے ان کے پاس مختلف صنعتی، تجارتی، زراعتی اور فنی میدانوں میں نہایت وسیع معلومات و تجربات جمع ہو گئے چنانچہ انہوں نے ان سب کو اسلام کی بھٹی میں ڈال کر جلایا اور اس کے بعد وہ تہذیب و ثقافت اسلام کے سانچے میں ڈھل گئی اور اس پر اسلام کی مہر لگ گئی۔

د۔ اسلام چونکہ ایک نیا دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ایسا دین ہے جو نظاموں، احکامات اور بنیادی اصولوں کی اس عظیم بلندی کو پہنچا ہوا ہے جس سے اونچی بلندی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کی شرافت ابدی ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ اللہ رب العالمین جل شانہ کا نازل کردہ اور احکم الحاکمین کا بنایا ہوا دین ہے۔ اور ہر زمانے اور ہر جگہ تمام انسانی ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اور وہ قیامت تک کامل و مکمل قانون و تشریحات سے انسانیت کی اعانت کرتا رہے گا اور اس سلسلہ میں اسلام کا شعار اللہ تعالیٰ کا درجِ ذیل فرمان مبارک ہے:

«وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ

اور اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے یقین کرنے والوں

يُوْقِنُوْنَ ۞))۔ المائدہ-۵۰ کے واسطے۔

اور اسلام کے افتخار وابدی ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس کی عظمت اور اس کے قوانین کے زندہ وفعال ہونے کی مغرب کے بڑے بڑے اہل علم گواہی دیں، لیجیے انگریز فلسفی برناڈشا کا جملہ پڑھیے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہایت عظیم اور بلند مرتبے کا مالک ہے اس لئے کہ اس میں حیران کن قوت پائی جاتی ہے اور اسلام ہی ایک ایسا منفرد دین ہے جس میں زندگی کے مختلف اطوار و حالات کو ہضم کرنے کی صلاحیت اور ملکہ ہے اور میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو انسانیت کے نجات دہندہ کے نام سے پکارا جائے اور اگر ان جیسا کوئی آدمی موجودہ دور کی سربراہی کا بیڑہ اٹھائے تو وہ آجکل کی تمام مشکلات حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اور ڈاکٹر ایزکو انسا باٹو کہتے ہیں کہ: اسلامی شریعت اپنی بہت سی ابحاث میں یورپی قانون پر فوقیت رکھتی ہے۔ بلکہ شریعتِ اسلامیہ ایک ایسی شریعت ہے جو تمام عالم کو مضبوط و پائیدار ترین قانون عطا کرتی ہے۔

اور دینا یونیورسٹی کے کلیۃ الحقوق کے عمید علامہ شبرل سنہ ۱۹۲۷ء کی حقوق کانفرنس میں کہتے ہیں کہ: انسانیت اس بات پر فخر کرتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسی ہستی اس سے منسوب ہیں۔ اس لیے کہ وہ باوجود ظاہری پڑھے لکھے نہ ہونے کے دس سے کچھ زیادہ صدی قبل اس بات پر قادر ہو گئے کہ ایک ایسا قانون اور ایسی شریعت پیش کریں کہ اگر ہم یورپین دو ہزار سال کے بعد بھی اس کی چوٹی تک پہنچ سکیں تو ہم خوش بخت ترین انسان ہوں گے۔

جاء النبیون بالآیات فانصرمت	وجئتنا بجدید غیر منصرم
انبیاء کرام علیہم السلام نشانیاں اور معجزات لے کر آئے اور پھر وہ معجزات ختم ہو گئے	اور آپ ہمارے پاس ایسی نئی نشانی لائے جو کبھی ختم ہونیوالی نہیں ہے
آیاتہ کلما طال المدی جدد	یزینهن جمال العتق والقدم
زمانہ خواہ کتنا بھی طویل ہو جائے ان کے معجزے ہمیشہ نئے رہیں گے	جنہیں قدامت اور جدت کا جمال زینت بخش رہا ہے

۵۔ اور اس لیے کہ اسلام ایک ایسا منفرد دین ہے جس نے بچپن سے ہی تعلیم کو لازمی اور مفت بنایا ہے جس میں نہ علومِ شریعت کا امتیاز ہے اور نہ علوم کونیہ کا، ہاں البتہ حاجت، کفایت اور اختصاص کو ضرور مدنظر رکھا جائے گا۔

دینِ اسلام نے تعلیم کو لازمی اور جبری بنایا ہے جس کی دلیل مندرجہ ذیل احادیث ہیں:

ابن ماجہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((طلب العلم فریضة علی کل مسلم))۔ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس حدیث میں "مسلم" کا لفظ عام ہے جو عورتوں اور مردوں دونوں کو برابر سے شامل ہے۔

طبرانی "معجم کبیر" میں علقمہ سے وہ اپنے والد کے واسطے سے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کی اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی تعریف کی اور پھر فرمایا :

((ما بال أقوام لا يفقهون جيرانهم ولا يعلمونهم ولا يعظونهم ولا يأمرونهم ولا ينهونهم وما بال أقوام لا يتعلمون من جيرانهم ولا يتفقهون ولا يتعظون، والله ليعلمن قوم جيرانهم ويفقهونهم ويعظونهم ويأمرونهم وينهونهم، وليتعلمن قوم من جيرانهم ويتفقهون ويتعظون أو لأعاجلنهم بالعقوبة)).

ان قوموں کو کیا ہوگیا ہے جو اپنے پڑوسیوں کو سمجھ کی باتیں نہیں سکھاتیں نہ تعلیم دیتی ہیں اور نہ ان کو نصیحت کرتی ہیں اور نہ روکتی ہیں۔ اور کیا ہوگیا ہے ان قوموں کو جو اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل نہیں کرتیں۔ نہ ان سے سمجھ کی باتیں اخذ کرتی ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتی ہیں۔ خدا کی قسم لوگ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں اور سمجھ کی باتیں تبلائیں۔ اور ان کو نصیحت کریں اور حکم کریں اور روکیں، اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں سمجھ حاصل کریں نصیحت پکڑیں ورنہ میں ان پر جلدی عذاب نازل کردوں گا اور سزا دوں گا۔

٭ ٭ ٭

اور ابن ماجہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

((من كتم علماً مما ينفع الله به الناس في أمر الدين ألجمه الله يوم القيامة بلجام من نار)).

جو شخص کسی ایسے علم کو چھپائے گا جس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو دین کے معاملہ میں نفع پہنچاتے ہوں تو قیامت کے روز اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

٭ ٭ ٭

لہٰذا جب اسلام کی نظر میں طلبِ علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اور علم کے سیکھنے سکھانے سے اعراض کرنے والے کو شریعت نے سخت تنبیہ و تہدید کی ہے اور عذاب سے ڈرایا ہے۔ اور علمِ نافع کے چھپانے والے کو قیامت کے روز آگ کی لگام پہنائی جائے گی تو کیا یہ سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو علم کے سیکھنے سکھانے کو لازمی اور فرض قرار دیتا ہے ؟!

رہا یہ کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو تعلیم کو ہر شعبے میں مفت اور بلا عوض قرار دیتا ہے تو وہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے تمام مراحل میں تعلیم کو بلا عوض اور مفت رکھا اور اپنے صحابہ کو تعلیم دینے پر اجرت لینے سے سختی کے ساتھ منع کیا۔

چنانچہ تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوت وتعلیم کے سلسلہ میں کسی شخص سے اجر ومعاوضہ نہیں لیا کرتے تھے۔ اور آپ کا اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا بنیادی قول اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ذیل تھا:

((قُلْ لَآ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا)). الأنعام - ۹۱ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں مانگتا۔

نیز فرمایا:

((إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللهِ)). یونس - ۷۲ میری مزدوری اللہ پر ہے۔

اس طرح تاریخی طور سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ وہ حضرت مصعب بن عمیرؓ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داعی اور معلم بنا کر مدینہ منورہ بھیجا تھا۔ اور وہ حضرت معاذؓ جنہیں آپ نے یمن بھیجا تھا۔ اور وہ حضرت جعفر بن أبی طالبؓ جنہیں آپ نے حبشہ بھیجا تھا، اور ان کے علاوہ دوسرے دسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان میں سے کوئی بھی شخص کسی سے بھی معاوضہ نہیں لیا کرتا تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجرت اور عوض لینے سے ڈرایا کرتے تھے اس سلسلہ میں ابو داؤد ابو شیبۃ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اہلِ صفہ کے کچھ آدمیوں کو لکھنا اور قرآنِ کریم پڑھنا سکھایا، تو ان میں سے ایک صاحب نے مجھے ایک کمان دے دی۔ میں نے اسے یہ سوچ کر قبول کر لیا کہ یہ تو مال نہیں ہے۔ اس سے اللہ کے راستہ میں تیر اندازی کروں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں دریافت کرلوں گا، چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک صاحب کو میں لکھنا پڑھنا سکھاتا اور قرآنِ کریم پڑھایا کرتا تھا انہوں نے مجھے ایک کمان ہدیہ کی ہے جو کہ مال نہیں ہے اور میں اس سے اللہ کے راستہ میں تیر اندازی کیا کروں گا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن كنت تحب أن تكون طوقًا من النار فاقبلها)). اگر تم یہ پسند کرتے ہو کہ وہ تمہارے لیے آگ کا ایک طوق بنے تو تم اس کو قبول کر لو۔

اور یہ بات تاریخی طور سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کی وہ اولادیں جو مساجد یا مدارس کا تعلیم وتعلم کے لیے رخ کیا کرتے تھے وہ علم کے حصول کے لیے کچھ مال ودولت خرچ نہیں کیا کرتے تھے بلکہ بعض ادواریں حکومت کے خرچ پر تعلیم حاصل کیا کرتے تھے، اور علماءِ سلف اس شخص کو جو پڑھائے اور دعوت وارشاد کے کام میں لگے تعلیم کے سلسلہ میں اجرت ومعاوضہ لینے سے منع کیا کرتے اور ڈراتے تھے۔ امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: معلم واستاذ کو چاہیے کہ صاحبِ شریعت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کرے اور علم سکھانے پر کوئی معاوضہ نہ لے، اور نہ اس سے بدلہ واجرت حاصل کرنا یا شکریہ ادا کرانا مقصد ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا اور اس کے قرب کو حاصل کرنے کے لیے تعلیم دے، اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء

میں سے ایک نبی کی زبانی فرماتے ہیں :

((وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ))۔ ہود۔ ۲۹

اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کچھ مال نہیں مانگتا میری مزدوری نہیں ہے مگر اللہ پر۔

اس سب کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام نے تعلیم کے مفت و بلامعاوضہ ہونے کا رواج ڈالا ہے چاہے وہ تعلیم حکومت کی سطح پر ہو یا افراد کی سطح پر، اس لیے کہ تعلیم کے خواہشمندوں کا مقصد بھی اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے، جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ لوگوں نے تعلیم و تعلم کی جانب اس طرح توجہ کی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی ، ایک مفکر کہتے ہیں :

اسلامی حکومت اس بات میں تمام عالم پر سبقت لے گئی ہے کہ اس نے تمام شہریوں کے لیے بلاکسی امتیاز اور رعایت کے تعلیم کو مفت رائج کیا، چنانچہ تمام شہریوں کے لیے مدارس مکمل طور سے کھلے ہوئے تھے مساجد میں بھی اور معہدوں اور مدرسوں میں بھی اور عام جگہوں میں بھی، اور اسلام نے یہ طریقۂ کار تمام ان علاقوں میں اختیار کیا جہاں اسلام داخل ہوا۔ اور اس آزاد مفت تعلیم کے باقیاتِ صالحات میں سے جامع ازہر اور کلیۃ دار العلوم اور دوسرے تمام دینی شرعی مدارس ہیں جہاں طلبہ کو دینی غذا مہیا کرنے کے لیے طلبہ کو مالی امداد دی جاتی ہے اور اب حکومت اس کو ملک کے تمام اطراف میں عام کرنے کی کوشش میں ہے[1]

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی استاذ اپنے آپ کو تعلیم و تدریس کے لیے فارغ کر دے اور اس کے پاس کمائی و آمدنی کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو تو کیا اس کو تعلیم دینے پر اجرت لینا جائز ہے ؟

بلاشبہ اگر معلم و استاذ علم و تعلیم کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر دے اور اس کے پاس ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے اور کوئی اسباب نہ ہو۔ اور حکومت تساہل و غفلت سے کام لے ، یا معاشرہ اس کی ضروریات پوری کرنے اور کفالت کرنے میں تساہل سے کام لے ، تو ایسی صورت میں معلم کے لیے پڑھانے اور تعلیم پر اُجرت لینا درست ہے جس سے اس کی کرامتِ نفس باقی رہے اور ضروریاتِ زندگی پوری ہو سکیں۔ اسی جانب امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں اشارہ کرتے ہیں فرماتے ہیں : اسی طرح مدرس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اتنا مال و معاوضہ لے لے جو اس کی کفالت کر سکے تاکہ وہ اپنے قلب کو کمائی کے دھندوں سے فارغ کر کے علم کے پھیلانے کے لیے یکسو ہو جائے ، اور اس کا مطمحِ نظر صرف نشرِ علم اور آخرت کا ثواب ہو۔ اور معاوضہ وہ اتنا لے جو اس کی کفایت کر سکے اور ضروریات پوری ہو جائیں۔

قابسی روایت کرتے ہیں کہ ابو الحسن نے فرمایا : میں نے ایک حکایت پڑھی ہے جو ابن وہب کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں امام مالک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک مدرسے کے معلم آئے اور

---

[1] ملاحظہ ہو مجلہ تمدنِ اسلامی میں استاذ محمود مہدی استنبولی کا مقالہ بعنوان "التربیۃ الاسلامیۃ" (ص ۔ ۴۲۲)۔

انہوں نے امام مالک سے کہا: اے ابوعبداللہ! میں بچوں کو پڑھاتا ہوں اور مجھے ایسی روایت پہنچی ہے جس کی وجہ سے میں اجرت طے کرنے کو برا سمجھتا ہوں، اور لوگ بخیل ہو گئے ہیں جتنا پہلے دیا کرتے تھے اب اتنا نہیں دیتے، اور میں اپنے اہل وعیال کی وجہ سے مجبور ہوں، اور میں سوائے پڑھانے کے اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔ تو امام مالک نے ان سے کہا: جاؤ پہلے سے طے کر لیا کرو۔ وہ صاحب چلے گئے تو امام مالک سے ان کے بعض حاضرین نے کہا: اے ابوعبداللہ آپ نے انہیں یہ حکم دیا ہے کہ تعلیم کے سلسلہ میں اجرت طے کر لیں؟! تو امام مالک نے ان سے فرمایا: جی ہاں، ورنہ پھر ہمارے بچوں کی اصلاح کون کرے گا؟ انہیں تعلیم کون دے گا؟ اگر معلمین واساتذہ نہ ہوتے تو آج ہم نہ معلوم کیا چیز ہوتے؟

اور اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ ہم ایک ایسے زمانے میں ہیں جس میں برائی اور شر بہت زیادہ عام ہے۔ اور استعماری منصوبے اور سازشیں اسلام کے اثرات وامتیازات کو مٹانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ اس لیے والدین اور مربیوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کی خوب کوشش کریں خاص طور سے علم توحید وعقیدہ اور تلاوتِ قرآن اور دیگر تمام علوم شرعیہ، اس لیے کہ جس چیز کے بغیر فرض پورا نہ ہو سکتا ہو وہ بھی فرض ہوتی ہے۔ اگر اپنی اولاد کے لیے معلمین (خواہ وہ معاوضہ پر ہی کیوں نہ ہوں) کا انتخاب نہ کیا تو اولاد الحاد، جہالت اور آزادی اور بے راہ روی میں نشو ونما پائے گی۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود پہلے ہی فرما چکے ہیں (جیسا کہ ابن سحنون سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں) کہ: لوگوں کے لیے تین چیزوں کا ہونا لازمی اور ضروری ہے: ایسا امیر جو ان کے درمیان فیصلہ کرے ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو لوگ ایک دوسرے کو کھا جائیں گے، اور لوگوں کے لیے قرآن کریم کا خریدنا اور بیچنا ضروری ہے ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو اللہ کی کتاب ختم ہو جائے گی اور لوگوں کے لیے ایسا معلم بھی ہونا چاہیے جو ان کے بچوں کو تعلیم دے اور اس پر اجرت لے ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو لوگ ان پڑھ بن جائیں گے۔

جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں اس کی مناسبت سے ہم ایک اور چیز کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ لوگوں کے لیے ایسے معلم واستاذ کا وجود بھی بہت ضروری ہے جو ان کی اولاد کو عقیدہ کے مسائل اور اخلاق کی بنیادی باتیں اور تاریخی واقعات اور قرآنِ کریم کی تلاوت سکھلائے خواہ معاوضہ اور تنخواہ لے کر یا بلا تنخواہ واجرت کے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو اولاد ملحد و گمراہ بن جائے گی۔

اجرت ومعاوضہ لینے کے جواز کے سلسلہ میں ہم اس واقعہ سے استشہاد کرتے ہیں جو ایک صحابی کے ساتھ ایک سفر میں پیش آیا تھا۔ ہوا یوں کہ یہ حضرات سفر کر رہے تھے کہ عرب کے کسی قبیلہ کے یہاں اترے اور ان سے مہمان بننے کی درخواست کی لیکن انہوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا، اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا انہوں نے اس سردار کا ہر قسم کا علاج کیا لیکن اسے کسی چیز سے فائدہ نہ ہوا تو ان میں سے کسی شخص نے کہا: اگر تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جو تمہارے یہاں آکر ٹھہرے ہیں اور ان سے ذکر کرو تو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کے پاس اس کا علاج ہو۔

چنانچہ وہ لوگ ان حضرات صحابہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: اے جماعت والو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے اور ہم نے اس کا ہر طرح سے علاج کر لیا لیکن اسے کسی چیز سے فائدہ نہیں ہو رہا ہے، تو کیا آپ میں سے کسی کے پاس کوئی علاج ہے؟ تو ان میں سے کسی نے کہا: جی ہاں میں بخدا اس کے لیے دم کیا کرتا ہوں، لیکن بات یہ ہے کہ ہم نے تمہارا مہمان بننا چاہا تو تم نے ہماری میزبانی قبول نہ کی اس لیے میں اب اس وقت تک تمہارے لیے دم نہ کروں گا، جب تک ہمیں اس کا معاوضہ نہ دو، چنانچہ بکریوں کے ایک ریوڑ پر صلح ہوگئی۔ اور وہ صاحب گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھکر اس پر دم کرنے لگے، اور پھر دم کے بعد ایسا معلوم ہوا گویا کہ اس مریض کو رسیوں سے آزاد کر دیا گیا اور وہ چلنے پھرنے لگا اور اس پر بیماری کا ذرہ برابر بھی اثر باقی نہ رہا، وہ کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے وہ مال ان کے حوالے کر دیا جس پر صلح واتفاق ہوا تھا۔ ان کے ساتھیوں میں سے بعض حضرات نے کہا: اس کو تقسیم کر لو۔ جس نے دم کیا اور پڑھ کر پھونکا تھا اس نے کہا: ایسا اس وقت تک نہ کرنا جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر آپ سے اس کا تذکرہ نہ کر دیں اور یہ نہ دیکھ لیں کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«وما يدريك أنها رقية»۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ اس کا علاج ہے۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا، اس مال کو آپس میں تقسیم کر لو اور اپنے ساتھ ساتھ میرا حصہ بھی لگا دینا، اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله»۔ سب سے زیادہ احق ترین وہ چیز جس پر تم اجر لو وہ اللہ کی کتاب ہے۔
صحیح بخاری

اس حدیث سے اجرت لینے کا جو جواز معلوم ہوتا ہے اس کی متعدد وجوہ ہیں:

۱۔ اس سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھوک کا شکار تھے اور کھانے کے محتاج تھے جس پر ان کا اس عرب قبیلے سے میزبان بننے کی درخواست کرنا دلالت کرتا ہے جسے اس قبیلہ والوں نے منظور نہیں کیا۔

۲۔ حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ عرب قبیلہ مسلمان نہیں تھا، اس لیے کہ ان لوگوں نے ان حضرات کی میزبانی نہیں کی، اور دار الحرب کے احکام دار الاسلام کے احکام سے مختلف ہوتے ہیں[1]

۳۔ جس اجرت پر صحابہ نے صلح کی تھی وہ اجرت اس قبیلہ والوں نے اپنے سردار کے علاج اور شفاء کے سلسلہ میں طے

---

[1] اس لیے کہ دار الحرب میں کفار کا مال ان کی رضامندی سے جس ذریعہ سے بھی ہو لینا جائز ہے۔

کی تھی تو صحابہ نے یہ اجرت علاج کی لی نہ کہ تعلیم قرآن کی۔

ان تمام وجوہات کی وجہ سے رسول اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اجرت لینے کو جائز قرار دیا بلکہ ان کے اعزاز اور شفقت کے لیے یہ بھی فرمایا:

«أحق ما أخذتم عليه أجرا کتاب الله»۔ سب سے زیادہ احق ترین وہ چیز جس پر تم اجرت لو وہ اللہ کی کتاب ہے۔

یعنی اس مارگزیدہ شخص کے علاج ودم کرنے کے سلسلہ میں تم نے جو اللہ کے کلام سے دم کیا اس علاج معالجہ پر اجرت لینا درست ہے۔

گذشتہ بحث سے خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ اصولی طور سے تعلیم پر اجرت لینے کو جائز قرار نہیں دیتی ہے الا یہ کہ کوئی ایسی وجہ اور عذر ہو جس کی وجہ سے اجرت لینا درست ہو جائے جیسے کہ استاذ علم کے لیے وقف ہیں اور تعلیم کے سوا اس کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہو، یا بچوں کی حالت کا تقاضہ یہ ہو کہ ان بچوں کے سرپرست ان کے لیے ایسے اساتذہ کو فارغ کردیں جو ان کے بچوں کی الحاد وکفریہ عقائد سے حفاظت کریں، اور اسلام کے بنیادی اصولوں اور عمدہ واعلیٰ تربیت میں ان کی پرورش کریں ان وجوہات وغیرہ کی وجہ سے شریعت نے تعلیم پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے خواہ تعلیم شرعی ہو یا دنیاوی اور کائنات سے متعلق ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور اس لیے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو فریضۂ تعلیم کو فرضِ عین اور فرضِ کفائی کی جانب تقسیم کرتا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

اگر تحصیلِ علم کا تعلق مسلم فرد کی روحانی، عقلی اور جسمانی واخلاقی شخصیت سازی سے ہو تو ایسا علم بقدرِ ضرورت وحاجت فرض ہے۔ اور اتنا علم حاصل کرنا سب پر فرض ہے چاہے مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا، ملازم ہو یا مزدور، غرضیکہ امتِ مسلمہ کے ہر طبقہ پر فرض ہے۔

اور اس اعتبار سے تلاوتِ قرآنِ کریم کا سیکھنا اور عبادات کے احکام اور بلند بنیادی اخلاق کے اصول و بنیادی باتیں اور حرام وحلال کے مسائل اور عمومی صحت سے متعلق قواعد اور تمام وہ چیزیں جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اپنے دین ودنیا کے معاملات کے لیے پڑتی ہے دنیاوی زندگی میں ان سب کا سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرضِ عین ہے۔

اور اگر اس علم کا تعلق زراعت، صناعت، تجارت، طب، انجینئرنگ، بجلی، ایٹم، اور دفاع سے متعلق وغیرہ دیگر علوم نافعہ سے ہو تو ایسا علم فرضِ کفایہ ہے اگر بعض آدمی اس کو حاصل کرلیں تو سب سے گناہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اسلامی معاشرہ میں سے کوئی شخص بھی اسے حاصل نہ کرے تو سب کے سب گناہگار اور اس سلسلہ

میں مسئول ہوں گے

◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉◉

ثقافتی اور علمی ترقی اور انسانی ثقافت کی تعمیر کا یہ راز ہے جو اسلام کی عظمت کی علامت ہے، اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام زمانہ کی روح اور ترقی میں برابر کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ابدیت تجدد اور استمرار کے اسباب مہیا کرتا ہے۔

لیکن ہم آج جو علمی کمزوری اور ثقافتی میدان میں پسپائی دیکھ رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان اس عظیم الشان اسلام کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں اپنا نظام نافذ کرنے سے دور کر دیا گیا ہے۔ اور اعداء اسلام نے اسلام کی ترقی اور اس کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے سازشوں کا جال بچھا رکھا ہے، اور دین کو حکومت سے دور کر دیا ہے اور اسلامی نظام کو صرف عبادت سے متعلق امور اور اخلاقی مسائل میں محصور کر دیا ہے۔

لیکن مسلمان جس روز بھی اسلام کی حقیقت کو سمجھ لیں گے اور جس دن بھی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط اسلامی نظام کو زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کر دیں گے، اور جس دن بھی ان سازشوں کو سمجھ لیں گے جن کا جال اعداء اسلام اور ان کے کارندے بچھاتے ہیں، اسی دن مسلمان دن دہاڑے اپنی کھوئی ہوئی عزت و دبدبہ دوبارہ حاصل کر لیں گے اور لوگوں کے لیے ہادی و رہنما بلکہ وہ بہترین امت بن جائیں گے جسے لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔

«وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾» الانعام ۱۵۳	اور حکم کیا کہ یہ میری سیدھی راہ ہے سو اس پر چلو، اور اور راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے جدا کر دیں گے۔ یہ تم کو حکم کر دیا ہے تاکہ تم بچتے رہو۔

◐◐◐◐◐◐◐◐◐◐◐◐

مربیوں معلموں اور والدین پر جو تعلیمی ذمہ داری اور فریضہ عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں چاہیے کہ بچے جب سن شعور کو پہنچیں تو بنیادی طور پر ان کو قرآن کریم پڑھنے اور سیرت نبویہ اور دوسرے علوم شرعیہ اور ادبی قصائد اور عرب کی ضرب الامثال کی تعلیم دینا چاہیے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل ہو جائے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے:

«أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حب نبيكم وحب آل بيته، وتلاوة القرآن، فإن حملة القرآن في ظل عرش الله يوم لا ظل	اپنے بچوں کو تین چیزیں سکھاؤ: اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اور ان کے اہل بیت کی محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت، اس لیے کہ قرآن کریم کے حاملین اللہ کے عرش

الاظلہ))- جس روز اس عرش کے سایہ میں اس دن ہوں گے جس روز اس عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اس امرِ نبوی کی تعمیل میں تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں نے اپنے بچوں کو ان بنیادی علوم اور ضروری فنون کی تعلیم دینے کی بہت کوشش کی۔

ان حضرات کی اس حرص اور توجہ پر دلالت کرنے والے ان حضرات کے چند اقوال اور نمونے آپ کے سامنے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

عتبۃ بن ابی سفیان نے اپنے لڑکے کے استاذ عبدالصمد کو یہ وصیت کی کہ وہ اس کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیں۔ اور پاکیزہ اشعار یاد کرائیں اور عمدہ احادیث و باتیں سکھلائیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو مندرجہ ذیل فرمان جاری کیا:

حمد و ثنا کے بعد آپ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو تیرنے اور شہسواری کی تعلیم دیں، اور ان کو مشہور **ضرب الامثال** اور بہترین و عمدہ اشعار یاد کرائیں۔

ایک مرتبہ المفضل بن زید نے ایک مسلمان دیہاتی عورت کے بچے کو دیکھا، تو وہ انہیں بہت اچھا معلوم ہوا۔ انہوں نے اس عورت سے اس بچے کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا: جب یہ بچہ پانچ سال کا ہوگیا تو میں نے اسے معلم کے حوالہ کردیا جنہوں نے اسے قرآن کریم پڑھایا اور یاد کرایا، اور شعر سکھائے اور پڑھائے اور اس کو قوم کے قابلِ فخر کارناموں کے اختیار کرنے کی رغبت دلائی۔ اور اپنے آباء واجداد کے کارنامے اپنے اندر پیدا کرنے کا اس سے مطالبہ کیا پھر جب وہ بالغ ہوگیا تو میں نے اسے گھوڑے پر سوار کرایا اور اس کی مشق کرائی چنانچہ وہ ماہر شہسوار بن گیا اور ہتھیار استعمال کرنا سیکھ لیے، اور جوان مردوں کی طرح قبیلہ میں چلنے پھرنے لگا، اور امداد کے لیے پکارنے والے کی آواز پر اس نے اپنے کان لگالیے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جو شخص قرآنِ کریم سیکھ لیتا ہے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اور جو فقہ میں غور و خوض کرتا ہے۔ اس کی قدر و منزلت بلند ہوجاتی ہے۔ اور جو احادیث لکھتا ہے اس کی قوتِ دلیل مستحکم ہوجاتی ہے۔ اور جو شخص لغت کا مطالعہ کرتا ہے اس کی طبیعت میں لطافت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور جو حساب میں محنت کرتا ہے اس کی رائے میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں یہ وصیت کی ہے کہ بچوں کو قرآنِ کریم اور احادیث و واقعات اور نیک لوگوں کی سیرت و حالات و کہانیاں سکھائی و پڑھائی جائیں اور پھر بعض دینی احکام اور ایسے اشعار پڑھائے اور یاد کرائے جائیں جن میں عاشق و معشوق کا تذکرہ نہ ہو۔

ابن سینا نے کتاب السیاستہ میں بچوں کی تربیت سے متعلق بڑے قیمتی مشورے دیے ہیں اور یہ نصیحت کی ہے کہ جیسے ہی بچے میں جسمانی اور عقل کے لحاظ سے پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو اسے قرآن کریم کی تعلیم دینا چاہیے۔ اور ساتھ ساتھ وہ حروف تہجی اور لکھنا پڑھنا بھی سیکھتا رہے اور دین کی بنیادی باتیں پڑھتا رہے پھر اشعار پڑھے اور اشعار میں رجزیہ اشعار پڑھے پھر قصائد کا مطالعہ کرے۔

علامہ ابن خلدون نے بچوں کو قرآن کریم حفظ کرانے کی اہمیت بیان کی ہے۔ اور یہ واضح کیا ہے کہ تمام مختلف اسلامی ملکوں میں قرآن کریم کی تعلیم ہی تمام تعلیمی نظاموں میں تعلیم کی بنیاد ہے۔ اس لیے کہ قرآن دین کے شعائر میں سے ایک ایسا شعار ہے جو ایمان کے رسوخ تک پہنچاتا ہے۔

اور عجیب واقعات میں سے وہ واقعہ ہے جسے ابن قتیبہ اپنی کتاب "عیون الاخبار" میں لکھتے ہیں کہ: قبیلہ ثقیف کا ایک آدمی ولید بن عبدالملک کے پاس گیا تو ولید نے اس سے پوچھا: کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟

اس اعرابی نے جواب دیا کہ: نہیں اے امیر المؤمنین مجھے اس سے بہت سے امور اور اسباب نے روکے رکھا۔

ولید نے پوچھا: کیا تم فقہ جانتے ہو؟

اعرابی نے کہا: جی نہیں۔

ولید نے پوچھا: کیا اشعار میں سے کچھ اشعار پڑھے ہیں؟

اعرابی نے کہا: جی نہیں۔

تو ولید نے اس اعرابی کی طرف سے منہ پھیر لیا، تو حاضرین میں سے ایک صاحب (عبداللہ بن معاویہ) نے کہا: اے امیر المومنین، اور انہوں نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا)۔

ولید نے کہا: خاموش ہو جاؤ اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی موجود نہیں ہے۔[1]

ولید نے جو یہ کہا کہ خاموش ہو جاؤ ہمارے پاس کوئی شخص نہیں ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جس شخص نے قرآن کریم نہ پڑھا ہو اور جو فقہ کو نہ جانتا ہو اور جسے اشعار یاد نہ ہوں اور جس نے دین نہ پڑھا ہو تو ایسا شخص نہ ہونے کے برابر ہے۔ نہ اس کے موجود ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ اس کا کوئی اعتبار رہے خواہ وہ بذات خود اپنے جسم کے ساتھ وہاں موجود کیوں نہ ہو۔

بچے کی تعلیم کے سلسلہ میں جو قواعد اسلام نے وضع کیے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے زمانۂ طفولیت کی ابتداء ہی سے اس کی تعلیم کی ابتداء ہو جانا چاہیے۔ اس لیے کہ اس وقت بچے کا ذہن نہایت صاف ستھرا اور حافظہ بہت قوی اور تعلیم میں خوب نشاط ہوتا ہے۔

---

[1] قصہ مختصر کر کے کچھ تصرف کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اسی جانب معلم اول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمانِ مبارک میں اشارہ فرمایا ہے جسے بیہقی اور طبرانیؒ معجم اوسط" میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں :

((العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر)). بچپن میں علم حاصل کرنا ایسا ہے جیسے کہ پتھر پر نقش کر دینا۔

اس بات کی جدید علمِ تربیت نے بھی تائید و تاکید کی ہے۔ اور بعض حضرات نے اس سلسلہ میں درجِ ذیل بڑے عمدہ اشعار کہے ہیں :

أرانیَ أنسی ما تعلمت فی الکبر ولست بناس ما تعلمت فی الصغر

میں اپنے آپکو دیکھتا ہوں کہ میں ان چیزوں کو بھول جاتا ہوں جو میں نے بڑی عمر میں پڑھی ہیں لیکن جو چیزیں بچپن میں پڑھی ہیں انہیں ہرگز نہیں بھولتا

وما العلم إلا بالتعلم فی الصبا وما الحلم إلا بالتحلم فی الکبر

اور علم حاصل نہیں ہوتا مگر بچپن میں سیکھنے سے اور حلم و بردباری نہیں شمار ہوتی مگر جب کہ بڑی عمر میں بردباری کیجائے

ولو فلق القلب المعلّم فی الصبا لأصبح فیه العلم کالنقش علی الحجر

اگر بچپن میں علم حاصل کرنے والا دل چیر کر دیکھا جائے تو اس میں علم اس طرح کھدا ہوا ہوگا جیسے کہ پتھر پر نقش و نگار

وما العلم بعد الشیب إلا تعسف إذا کلّ قلب المرء والسمع والبصر

بڑھاپے کے بعد علم حاصل کرنا بڑی مشقت کا کام ہے جبکہ انسان کا دل کان اور آنکھیں سب کے سب تھکے تھکے ہوتے ہیں

وما المرأ إلا اثنان عقل ومنطق فمن فاته هذا وهذا فقد دمر

انسان دو چیزوں سے عبارت ہے ایک عقل اور ایک گویائی جسکی یہ دونوں چیزیں ختم ہوجائیں تو وہ تو ہلاک ہوگیا

ان علوم کے حاصل کرنے میں عورت کا کیا حصہ اور حکم ہے ؛

متقدمین اور متاخرین دونوں علماء و فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جتنا علم حاصل کرنا فرض کے درجہ میں ہے اس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ ان علوم کے حاصل کرنے کا عورت کو بھی بالکل اسی طرح حکم ہے جس طرح مرد کو اور اس کے دو سبب ہیں۔

۱۔ شرعی اور دینی احکامات میں عورت مرد کی طرح ہے۔

۲۔ آخرت میں جزاء و سزا کے اعتبار سے عورت مرد کی طرح ہے۔

رہی یہ بات کہ شرعی احکام و فرائض میں عورت مرد کی طرح ہے تو وہ اس لیے کہ اسلام نے عورت پر تمام وہ فرائض لازم کیے ہیں جو مرد پر لازم کیے ہیں اور مرد کی طرح عورت کو بھی اُن کا مکلف بنایا ہے جیسے نماز، روزہ، حج ، زکاۃ، اور

نیکی وطاعت اور عدل وانصاف اور حسنِ سلوک واحسان اور خرید وفروخت اور رہن اور وکیل بنا بنانا، اور اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا۔ اور ان کے علاوہ اور دوسری ذمہ داریاں اور فرائض، لیکن بعض خصوصی حالات میں اسلام نے عورت سے وہ فرائض اٹھا لیے ہیں :

یا تو اس خوف سے کہ عورت مشقت وتکلیف میں گرفتار نہ ہوجائے یا اس کی صحت کی خرابی کے ڈر سے مثلاً حالتِ حیض ونفاس میں عورت سے نماز وروزہ معاف کرنا۔

اور یا اس وجہ سے کہ وہ کام اور ذمہ داریاں عورت کی جسمانی وضع اور نسوانی طبیعت سے جوڑ نہیں کھاتیں مثلاً یہ کہ وہ میدانِ جنگ میں قتل وغارت میں شریک ہو یا یہ کہ وہ معماری یا لوہار کا کام کرے۔

اور یا اس لیے کہ جو کام وہ کر رہی ہے وہ اس کی فطری اور ان پیدائشی ذمہ داریوں سے متعارض ہو جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ کام اسے خاندان کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے روکنے کا ذریعہ بنے یا بچوں کی تربیت اور گھر کی دیکھ بھال میں رکاوٹ بنتا ہو۔

اور یا کوئی ایسا کام ہو جس کے کرنے سے کوئی خطرناک معاشرتی فساد مرتب ہوتا ہو مثلاً اس کا کسی ایسے کام یا ملازمت کو اختیار کرنا جہاں مرد وزن میں باہمی اختلاط ہوتا ہو۔

لیکن اس کے علاوہ اور کام کاج اور ذمہ داریاں اور فرائض تو ان میں عورت مرد کے بالکل مساوی ہے۔

اور میری نظر اور اصحابِ بصیرت وعقل وسمجھ رکھنے والوں کے خیال میں ان کاموں سے عورت کو دور رکھنا اور اس سے یہ ذمہ داریاں اٹھا لینا درحقیقت عورت کی عزت اور اس کی قدر ومنزلت وکرامت کو بڑھانا ہے۔

ورنہ آپ ہی بتلائیے کہ کون یہ پسند کرتا ہے کہ عورت کو ایسے کاموں میں پھنسا دے جو کام اسے اس کی ان ذمہ داریوں سے روک دیں جو اس کے شوہر اور گھر اور اس کے بچوں کے سلسلہ میں اس پر لاگو ہوتی ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ رحم کرے شوقی پر کیا ہی خوب کہا ہے :

لیس الیتیم من انتھی أبواہ من	ھم الحیاۃ وخلفاہ ذلیلا ؟ ؟ ؟ !
وہ شخص یتیم نہیں ہے جس کے والدین زندگی کے غم سے	آزاد ہوگئے ہوں اور انہوں نے اسے بے یار ومددگار چھوڑ دیا
إن الیتیم ھو الذی تلقی لہ	أماً تخلت أو أباً مشغولاً ! !
بلکہ یتیم تو وہ ہے جسے ایسی ماں ملے جو	اس سے دور رہے یا ایسا باپ ملے جو مشغول رہتا ہو !

اور ہم میں سے کون یہ پسند کرے گا کہ عورت کو ایسے تکلیف دہ اور سخت کاموں میں لگا دے جو اس کے جسم کو مشقت میں ڈال دیں اور اس کی نسوانیت کو ختم کر دیں اور اس کو مختلف امراض وتکالیف میں ڈال دیں ؛

اور ہم میں سے کون شخص ہے جو یہ پسند کرے گا کہ عورت کو ایسی مخلوط ملازمت میں لگا دے جو اس کی عزت

و آبرو کے برباد ہونے اور عزت و شرافت کو بٹہ لگنے کا ذریعہ ہو؟

اور کیا عورت کے لیے عزت و آبرو سے بڑھ کر اور کوئی چیز قیمتی ہو سکتی ہے؟ اور بتلائیے کہ اگر عورت برائی کے راستہ پر چلنے لگے اور گندے راستہ کو اختیار کرلے تو پھر بچوں کی تربیت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اللہ رحم کرے اس شاعر پر جس نے درج ذیل شعر کہے ہیں:

وليس النبت ينبت فى جنان	كمثل النبت ينبت فى الفلاة
وہ گھاس جو باغ میں اگتی ہے وہ:	اس گھاس کی طرح ہرگز نہیں ہو سکتی جو جنگل و بیابان میں اگتی ہے
وهل يرجى لأطفال كمال!	إذا ارتضعوا ثدى الناقصات
اور کیا ان بچوں سے کمال کو پہنچنے کی امید اس وقت رکھی جا سکتی ہے	جب کہ انہیں ناقص عورتوں کے پستان سے دودھ پلایا گیا ہو

عورت کے گھر سے نکلنے اور گھر سے باہر کام کرنے اور ملازمت اختیار کرنے کے سلسلے میں اہلِ مغرب کے فلاسفہ کے کلام کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

انگریز عالم سموئیل سمائلیس اپنی کتاب "الاخلاق" میں لکھتے ہیں:

وہ نظام جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ عورت کارخانوں اور دکانوں میں کام کاج کرے اس سے خواہ کتنی ہی دولت حاصل ہو جائے لیکن اس کا نتیجہ گھریلو زندگی کو تباہ کرنے کی شکل میں نکلتا ہے اس لیے کہ اس نظام کا گھر کے نظام سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے خاندان کے ارکان ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ اور معاشرتی روابط پاش پاش ہو جاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی حقیقی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گھر کی ذمہ داری پوری کرے اور اس کو سنبھالے، مثلاً گھر کو ترتیب دینا، بچوں کی تربیت کرنا، اور معیشت کے وسائل میں درمیانہ روی اختیار کرنا، اور ساتھ ساتھ عائلی و خاندانی ذمہ داریوں کو پورا کرنا، لیکن کارخانوں وغیرہ نے عورت کو ان تمام ذمہ داریوں سے دُور کر دیا ہے۔ اور نتیجہ یہ نکلا ہے کہ گھر گھر نہ رہے، اور بچے صحیح تربیت میں نشو و نما نہیں پاتے۔ اس لیے کہ ان کی طرف سے بے توجہی برتی جاتی ہے، اور ان کارخانوں کی وجہ سے میاں بیوی کی محبت اجڑ گئی، اور عورت سمجھدار و عقلمند اور شوہر سے محبت کرنے والی بیوی ہونے کے بجائے کام کاج اور کمائی کی ذمہ داری میں اس کی ساتھی بن گئی ہے۔ اور وہ ان چیزوں کا نشانہ بن گئی جو عام طور سے اس کی فکری اور اخلاقی ان صفات کو نیست و نابود کر دیتی ہیں جن پر عزت و آبرو کی حفاظت کا دار و مدار ہوتا ہے۔

"شَجَرَةُ الدُّرِّ" نامی ماہنامے کے پہلے سال کے چھٹے پرچے میں انگریز مقالہ نگار مس انی رو ڈ لکھتی ہیں:

ہماری بیٹیاں گھروں میں خادمائیں یا خادماؤں کی طرح بن کر رہیں یہ اس سے بہتر اور کم نقصان دہ ہے کہ وہ کارخانوں میں ملازمت اختیار کریں۔ جہاں جا کر لڑکی ایسے گند و خرابی میں ملوث ہو جاتی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی کی رونق

کو ختم کر دیتا ہے، اور کاش کہ ہمارے شہر اور ملک بھی مسلمانوں کے ان ملکوں اور شہروں کی طرح بن جاتے جہاں حشمت، پاک دامنی اور عفت پائی جاتی ہے، جہاں عورت نہایت عمدہ وخوش گوار زندگی گزارتی ہے اور اس کی عزت و آبرو بھی محفوظ رہتی ہے...

جی ہاں انگریزوں اور یورپی ملکوں کے لیے یہ بڑے عار کی بات ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو مردوں کے ساتھ کثرتِ اختلاط و میل جول کے ذریعہ بے حیائی اور برائیوں کے لیے نمونہ ومثال بنا دیں۔ ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم وہ راستہ کیوں نہیں اختیار کرتے جو ہماری لڑکیوں کو اس طرح ڈھال دے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنی فطری طبیعت کے مطابق کام کرنے لگیں (جیسا کہ آسمانی مذاہب نے بھی یہی فیصلہ کیا ہوا ہے) اور وہ ہے عورت کا گھر میں رہنا اور مردوں کے کاموں کو مردوں کے لیے چھوڑ دینا، اور اس میں عورت کی عزت و شرافت محفوظ رہتی ہے۔

رہی یہ بات کہ اخروی جزاء وسزا میں عورت مرد کی طرح ہے، تو اس سلسلہ میں ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ہم قرآن کریم کا مطالعہ کریں تاکہ ہم ان بے شمار آیات کا مشاہدہ کر سکیں جو اجر و ثواب کے حاصل کرنے میں عورت کو مرد کے مساوی قرار دیتی ہیں، لیجیے ان آیات میں سے چند ملاحظہ فرمائیے:

((فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾)). آل عمران۔۱۹۵

پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت کو مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو، پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے البتہ میں ان سے دور کر دوں گا ان کی برائیاں، اور ان کو داخل کروں گا ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کے یہاں سے بدلہ ہے اور اللہ کے یہاں اچھا بدلہ ہے۔

٭

((وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾)). النساء۔۱۲۴

اور جو کوئی اچھے کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور تل بھر ان کا حق ضائع نہ ہو گا۔

((إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ

بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار

وَالصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا))۔

الأحزاب - ۳۵

عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور خشوع والے اور خشوع والیاں اور صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان (سب) کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اجر وثواب کے حاصل کرنے میں بلاکسی امتیاز عورت کے مرد کے برابر ہونے پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الاستیعاب" میں اور امام مسلم نے "صحیح مسلم" میں روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا کہ میں ان مسلمان عورتوں کی جماعت کی قاصد ہوں جو پیچھے رہ گئی ہیں (اور یہاں آپ کے پاس حاضر نہ ہوسکیں) وہ سب عورتیں وہی بات کہہ رہی ہیں جو میں کہہ رہی ہوں، اور ان کی بھی وہی رائے ہے جو میری ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کیطرف بھیجا ہے، ہم بھی آپ پر ایمان لائے ہیں، اور ہم نے بھی آپ کی پیروی کی ہے۔ اور ہم عورتوں کی جماعت گھروں میں مقیم اور باپردہ رہتے ہیں۔ گھروں میں بند رہتے ہیں۔ اور مردوں کو جمعہ وعیدین کی نماز اور نمازِ جنازہ اور جہاد میں شرکت کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے، مرد جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے مال و دولت کی حفاظت اور ان کے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ تو اے اللہ کے رسول کیا اجر وثواب میں ہم بھی ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرۂ مبارک اپنے صحابہ کی طرف پھیرا اور فرمایا:

((هل سمعتم مقالة امرأة أحسن سؤالاً عن دينها من هذه؟)) فقالوا: بلى يا رسول الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انصرفي يا أسماء وأعلمي من وراءك من النساء أن حسن تبعّل إحداكن لزوجها وطلبها المرضاته واتباعها لموافقته يعدل كل ما ذكرت))۔

کیا تم نے کسی عورت کی گفتگو جو وہ اپنے دین کے بارے میں کر رہی ہو اس عورت سے زیادہ بہتر انداز میں سنی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسولؐ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسماء جاؤ اور جو عورتیں یہاں موجود نہیں ہیں ان کو یہ بتلا دو کہ تم میں سے کسی عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ اچھا برتاؤ اور اس کی رضا مندی حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور اس کی بات ماننا ان تمام چیزوں کے برابر ہے جن کا تم نے تذکرہ کیا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

حضرت اسماء خوشی خوشی لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھتی ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک سے خوشخبری حاصل کرتی ہوئی وہاں سے واپس ہوئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ عورت گھر کی دیکھ بھال، کام کاج، اور شوہر کی فرمانبرداری اور بچّوں کی تربیت پر جو اجر حاصل کرتی ہے وہ اجر وثواب اس اجر کے برابر ہے جو مرد کو جہاد اور دیگر کاموں پر ملتا ہے۔

اسلام لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بھی توجّہ دیتا ہے، اور اس کا حکم بھی دیتا ہے اس سلسلہ میں درجِ ذیل صحیح احادیث ملاحظہ ہوں:

ترمذی اور ابوداؤد روایت کرتے ہیں اور الفاظِ حدیث سننِ ابی داؤد کے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من كان له ثلاث بنات أو ثلاث أخوات أو بنتان أو أختان فأدبهن وأحسن إليهن وزوجهن فله الجنة)).

جس کی تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ انہیں ادب سکھائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کی شادی کردے تو اس کو جنت ملے گی۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے:

((وأيما رجل كانت عنده وليدة (أي أمة) فعلمها فأحسن تعليمها وأدبها فأحسن تأديبها ثم أعتقها وتزوجها فله أجران)).

جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو اور وہ اسے تعلیم دے اور اچھی طرح سے پڑھائے اور اسے ادب سکھائے اور خوب اچھی طرح سے ادب سکھائے اور پھر اسے آزاد کرکے اس سے شادی کرے تو اس کو دو اجر (دوہرا ثواب) ملتے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

صحیح بخاری ومسلم میں یہ آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے لیے کچھ دن مخصوص فرمایا کرتے تھے اور ان میں ان کو وہ باتیں سکھلایا کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلائی تھیں، اور آپ نے یہ اس لیے کیا تھا کہ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول مرد تو آپ کی احادیث سن لیتے ہیں۔ آپ ہمارے لیے بھی ایک دن مقرر فرما دیجیے جس میں ہم آپ کے پاس حاضر ہوا کریں اور آپ ہمیں وہ باتیں سکھایا

کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلائی ہیں، تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اجتمعن یوم کذا وکذا)). فلاں فلاں دن اکٹھا ہوجایا کرو۔

چنانچہ وہ عورتیں حاضر ہوگئیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے اللہ کی تعلیم کردہ باتیں ان کو سکھلا اور بتلا دیں۔

اور بلاذری کی کتاب " فتوح البلدان " میں لکھا ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا زمانۂ جاہلیت میں ایک عورت "شفاء عدویہ" سے لکھنا سیکھتی تھیں، پھر جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے شادی کرلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاء سے فرمایا: کہ انہیں تحریر وخط کی باریکی اور صفائی اور نوک پلک بھی اسی طرح سکھادو جس طرح انہیں لکھنا سکھایا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث وروایات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام نے لڑکی کو نافع علم اور مفید ثقافت سکھانے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر گذشتہ ادوار میں بعض علماء سے عورتوں کو تعلیم دینے کی ممانعت ملتی ہے۔ تو اس کی وجہ وہ تعلیم ہے جو گندی وفحش شعر وشاعری اور بے ہودہ باتوں اور بازاری ادب اور نقصان دہ علم پر مشتمل ہو لیکن یہ کہ اگر عورت وہ علوم پڑھے جو اس کو دین ودنیا میں فائدہ پہنچائیں اور پر مغز صاف ستھرے اچھے اشعار کہے اور عمدہ پر معنیٰ نثر لکھے تو اس سے نہ کوئی روکنے والا ملتا ہے اور نہ کوئی منع کرنے والا۔

ابن سحنون کی کتاب المعلمین کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ متقی وپرہیزگار قاضی عیسیٰ بن مسکین اپنی بچیوں اور پوتیوں کو پڑھایا کرتے تھے، قاضی عیاض کہتے ہیں: عصر کے بعد وہ اپنی دونوں بچیوں اور بھتیجیوں کو بلاتے تھے تاکہ انہیں قرآن کریم اور علم پڑھائیں، اور ان سے قبل صقلیہ کے فاتح اسد بن فرات بھی اپنی بیٹی اسماء کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے تھے جو نہایت بڑے درجہ کی عالم بنی، اور خُشَنی روایت کرتے ہیں کہ حاکم محمد بن اغلب کے محل میں ایک استاذ تھے جو دن میں بچّوں کو پڑھایا کرتے تھے اور رات کو بچیوں کو۔

اور تاریخی طور سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ عورت اسلام کے زیر سایہ علم وثقافت کے نہایت بڑے درجہ تک پہنچی اور اسلام کے شروع کے دَور میں عورت نے تعلیم وتربیت کا بہت بڑا حصّہ حاصل کیا تھا۔

چنانچہ مسلمان عورتوں میں مقالہ نگار وانشاپرداز بھی تھیں اور شاعرات بھی جیسے علیۃ بنت المہدی اور عائشہ بنت احمد بن قادم اور خلیفہ مستکفی باللہ کی بیٹی ولّادہ۔

ان میں بڑی بڑی طبیبائیں بھی تھیں جیسے کہ بنی اود کی طبیبہ زینب جو آنکھوں کے علاج کی ماہر تھیں۔ اور ابوجعفر طنجالی کی صاحبزادی ام الحسن جو اپنے زمانے کی نہایت زبردست اور مشہور طبیبہ تھیں۔

عورتوں میں بڑی بڑی محدثہ بھی تھیں جیسے کہ کریمہ مروزیہ اور سیدہ نفیسہ بنت محمد، حافظ ابن عساکر (جو رواۃِ حدیث

میں سے ہیں وہ) لکھتے ہیں کہ ان کے استاذ مشایخ میں اسّی سے زیادہ عورتیں تھیں۔

اور بے شمار عورتیں علم کے نہایت رفیع و بلند مرتبہ پر فائز تھیں، چنانچہ بعض ان میں سے حضرت امام شافعی و امام بخاری و ابن خلکان و ابن حبان کی استانیاں اور پڑھانے والیاں بھی تھیں، اور یہ سب حضرات فقہاء علماء اور مشہور ادیبوں میں سے گزرے ہیں۔ جو اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اسلامی تربیت علم اور فکری ارتقاء کا بہت خیال رکھتی ہے اور اسلامی ثقافت نہایت متنوع و جامع ہے۔

شریعت نے جب عورت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ایسے علوم حاصل کرے جو اسے دین و دنیا میں فائدہ پہنچائیں، تو اس میں یہ امر ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ تعلیم لازمی طور سے مردوں سے الگ تھلگ اور دُور ہو تاکہ لڑکیوں کی عزت و کرامت اور آبرو محفوظ رہے، اور لڑکی ہمیشہ اچھی شہرت اور بہترین و پاکیزہ اخلاق کی مالک ہو اور قابلِ احترام شخصیت سمجھی جاتی رہے۔

اور غالباً علم تربیت کے وہ قلم پرداز جنہوں نے تعلیم وغیرہ کے میدان میں دونوں جنسوں کو الگ الگ رکھنے کا سب سے پہلے نعرہ بلند کیا وہ امام قابسی ہیں۔ چنانچہ تعلیم کے سلسلہ میں ان کے رسالہ میں لکھا ہے کہ "اچھی صورت یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک جگہ جمع نہ کیا جائے" اور جب حضرت ابن سحنون سے لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ تعلیم دی جائے، اس لیے کہ یہ لڑکیوں کے بگاڑنے اور خراب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، غور فرمائیے کہ جب ابن سحنون اور قابسی جیسے حضرات کی رائے یہ ہے کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے دور رکھا جائے تاکہ اخلاقی خرابیاں نہ پھیلیں، اور یہ بدیہی بات ہے کہ ان دونوں کی رائے درحقیقت شریعت سے ہی ماخوذ ہے۔ اور دنیا میں شریعت کا حکم ہر حکم اور فیصلہ پر فوقیت رکھتا ہے اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

((وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴿﴾)). الاحزاب-۳۶

اور کسی مؤمن یا مؤمنہ کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔

اور ہم نے یہ جو کہا کہ علامہ ابن سحنون اور قابسی کی رائے شریعت سے ماخوذ ہے وہ ان مندرجہ ذیل نصوص و آیات کی وجہ سے ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((واِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ)). الاحزاب۔۵۳

اور جب تم ان (رسول کی ازواج) سے کوئی چیز مانگو تو ان سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔

یہ آیت مسلمانوں کی ماؤں ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اصولیین کے قاعدے کے مطابق اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ سبب کا، اور جب وہ امہات المؤمنین جن کی پاکیزگی وعفت یقینی اور قطعی ہے جب انہیں پردے کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ وہ اجنبیوں کے سامنے نہ آئیں تو مسلمان عورتوں کو تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہے کہ وہ پردہ کریں اور کسی اجنبی کے سامنے قطعاً نہ آئیں، علماء اصول وفقہاء کے یہاں اسے مفہوم اولوی کا نام دیا جاتا ہے۔

اور اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ)). النور۔۳۰ و ۳۱

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور آپ کہہ دیجیے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اور اپنا سنگھار ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے۔ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔ اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر۔

اس آیت میں جب یہ حکم دیا گیا ہے کہ نگاہ نیچی رکھیں اور دوپٹہ اوڑھیں، سینہ کو ڈھانکیں اور زیب وزینت اور خوبصورتی کو محارم کے علاوہ کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں، تو کیا یہ سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ مسلمان عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ پردہ میں رہے اور پاکبازی اور پاکدامنی کے دامن کو مضبوطی سے تھامے اور عزت ووقار سے رہے اور اجنبیوں کے ساتھ میل جول اور اختلاط نہ رکھے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾.

الأحزاب - ۵۹

اے نبی آپ کہہ دیجیے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کرلیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی، اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لیے انہیں ستایا نہ جائے گا اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

اس آیت میں مسلمان عورت کو پردہ کرنے اور چادر اور برقعہ اوڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، تو پھر بھلا اس کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی عورت کسی اجنبی مرد سے اختلاط کرے؟

امام ترمذی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما خلا رجل بامرأة إلا وكان الشيطان ثالثهما)).

کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں اکٹھا نہیں ہوتا مگر یہ کہ شیطان ان کے ساتھ تیسرا فرد ہوتا ہے (یعنی ان کو بہکا کر گناہ میں گرفتار کرا دیتا ہے۔)

☆ ☆ ☆

اور امام بخاری و مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إياكم والدخول على النساء، فقال رجل: يا رسول الله! أفرأيت الحمو؟ قال: الحمو الموت)).

عورتوں کے پاس جانے سے بچو تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بتلائیے کہ کیا دیور وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ دیور تو موت (کی طرح خطرناک) ہے۔

☆ ☆ ☆

یہ قرآنی نصوص اور احادیث نبویہ قطعی طور سے مرد و زن کے اختلاط کو حرام قرار دے رہی ہیں ان نصوص و احادیث میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی بحث و تمحیص کی۔

لہٰذا جو لوگ مرد و زن کے اختلاط کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز کے لیے معاشرتی پروگراموں اور نفسیاتی معالجات اور شرعی دلیلوں کو بہانہ جواز و مہر بناتے ہیں، یہ لوگ درحقیقت شریعت پر بہتان باندھتے ہیں۔ اور فطری اور طبیعی جبلت سے غافل بننے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ لوگ اس تکلیف دہ حقیقت سے تغافل برتتے ہیں جس میں آج تمام انسانی معاشرے گرفتار ہیں۔

جو لوگ اختلاط کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے بارے میں ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ شریعت پر افترا پردازی کرتے ہیں یہ ان بے شمار نصوص کی بنا پر کہا ہے جو ابھی ذکر کی جا چکی ہیں۔

اور جبلت اور فطری طبیعت سے تجاہل سے کام لینے کا حکم ہم نے اس لیے لگایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مرد و زن کو پیدا کیا تو ان میں سے ہر ایک میں دوسرے کی طرف جنسی میلان وکشش ودیعت رکھدی ہے:

((فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ)). الروم۔۳۰ — اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔

اختلاط مرد و زن اور بے پردگی کی دعوت دینے والے کیا یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے نظام و مزاج اور انسان کی فطرت کو بدل ڈالیں، اور زندگی کے طریقوں کو پلٹ دیں اور خصوصًا ایسی صورت میں جب کہ اختلاط کی صورت میں مرد و عورت میں سے ہر ایک جنسی طور پر بھوکا اور اخلاقی طور سے بے لگام و بدکردار ہو۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں فتنہ اور شدید ہوگا اور برائی اور گناہ کی طرف رغبت اور زیادہ شدید ہوگی۔

اور اگر بچپن سے لڑکے لڑکیوں کا باہمی اختلاط اور زندگی کے تمام مراحل میں ان کا ایک ساتھ رہنا عورت کی طرف دیکھنے کو ایک ایسا طبیعی اور فطری مانوس امر بنادے جس سے مرد و عورت کے دل میں شہوت اور جنسی خواہش پیدا نہ ہو تو پھر تو میاں بیوی کے درمیان محبت عداوت سے بدل جائے گی۔ اور ان کے درمیان رحمت والفت ظلم سے بدل جائے گی اور پھر تو جنسی مواصلت واتصال میں برودت آجانا چاہیئے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک رہنے کو پسند نہیں کرنا چاہیئے حالاں کہ یہ بات بالکل غلط اور واقع اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔

اور ہم نے جو کہا کہ یہ لوگ اس تکلیف دہ حقیقت سے تغافل برتتے ہیں جس میں بہت سے انسانی معاشرے مرد و زن کے اختلاط کی آزادی دے کر گرفتار ہوئے ہیں۔ اور اس زہریلے تجربہ کی وجہ سے خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ وہ اس لیے کہ انہیں چاہیئے کہ یہ مغربی اور مشرقی ممالک کے ان معاشروں سے پوچھیں کہ ان کے یہاں عورت آزادی بے راہ روی و فساد اور گناہ کے کس انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہے حالاں کہ وہاں تمام طبقوں اور ہر معاشرے میں مرد و زن میں اختلاط عام ہے۔ سڑک ہو یا اسکول، بازار ہو یا دفتر، یونیورسٹی و کالج ہو یا تفریح گاہیں ہر جگہ مرد و عورت شانہ بشانہ پھرتے ہیں

لیجیے آپ کی خدمت میں ان کے معاشرہ کے چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں اور وہاں اس اختلاط کے جو نتائج برآمد ہوئے اور واقعات سامنے آئے ہیں، ان واقعات میں سے چند یہ ہیں:

- سید قطب شہید کی کتاب "الاسلام والسلام العالمی" میں لکھا ہے کہ: امریکہ میں ثانوی سطح کے اسکولوں کی حاملہ طالبات کی تعداد اڑتالیس فی صد تک پہنچ گئی ہے۔
- لبنانی اخبار "الاحد" اپنے شمارہ نمبر ۶۵۰ میں امریکی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جنسی جرائم کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ:

امریکی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلباء وطالبات کے درمیان جنسی جرائم روز بروز نئی نئی شکل میں روزافزوں ہیں۔ امریکہ کی یونیورسٹیوں میں طلباء نے ایک مظاہرہ کیا جس میں ان کا نعرہ یہ تھا کہ ہمیں لڑکیاں چاہیے ہیں ہم مزے اڑانا

اور عیش کرنا چاہتے ہیں۔

طالبات کے سونے کے کمروں پر رات کو اچانک طلبہ نے دھاوا بول دیا اور ان کے اندرونی مخصوص کپڑے چرا لیے۔

یونیورسٹی کا ذمہ دار حادثہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: اکثر طلباء وطالبات نہایت بھیانک جنسی بھوک کا شکار ہیں۔ اور اس میں ذرہ برابر کوئی شک وشبہ نہیں کہ موجودہ دور کے طرز زندگی کا طلباء کے اخلاقی بگاڑ میں سب سے زیادہ حصہ ہے۔

روزنامہ یہ بھی لکھتا ہے کہ: گذشتہ سال کے واقعات شمار کرنے اور تخمینہ لگانے سے یہ معلوم ہوا کہ ایک لاکھ بیس ہزار ناجائز بچے ان غیر شادی شدہ لڑکیوں نے جنم دیے ہیں جن کی عمریں بیس سال سے زائد نہیں ہیں اور ان میں سے اکثر کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طالبات ہیں۔

روزنامہ مزید لکھتا ہے کہ: ولایت بروڈیڈنس کی پولیس رپورٹ میں لکھا ہے کہ گذشتہ مئی کے اخیر ہفتہ کی چھٹیاں چھیاسٹھ طلبہ وطالبات نے روڈی لینڈ میں گزاریں، اور پھر وہ طلباء یونیورسٹی واپس نہیں لوٹے بلکہ ولایت کی جیل روانہ کر دیے گئے۔ اس لیے کہ انہیں مشکوک ومشتبہ حالت میں گرفتار کیا گیا تھا، اور ان میں سے بعض تو منشیات بھی استعمال کرتے تھے۔

قوم ومعاشرے کی مربیہ مارگریٹ سمتھ سے ایک بات چیت نقل کرتے ہوئے اخبار لکھتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ: طالبات کو صرف اپنے جذبات وخواہشات کی فکر ہی دامن گیر رہتی ہے، اور وہ ان وسائل کے درپے رہتی ہیں جو ان کی اس خواہش کو پورا کر سکیں، سو میں ساٹھ سے زیادہ طالبات امتحانات میں ناکام ہو گئیں، اور ناکامی کے اسباب میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے اسباق بلکہ مستقبل سے زیادہ جنس وجنسیات کے بارے میں سوچتی ہیں۔ اور ان میں سے صرف دس فیصد ایسی طالبات ہیں جو اپنے اسباق اور عزت وآبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔

✿ اور جارج بالوشی اپنی کتاب "الثورہ الجنسیۃ" میں لکھتے ہیں کہ:

کینیڈی نے ۱۹۶۲ء میں صاف صاف یہ کہا کہ امریکہ کا مستقبل خطرے میں ہے۔ اس لیے کہ امریکہ کے نوجوان اخلاق باختہ ہیں اور وہ بے راہ روی میں مبتلا ہیں۔ اور جنسی دھندوں میں ایسے غرق ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو ادا نہیں کر سکتے جو ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ اور ہر ان سات نوجوانوں میں سے جو فوج میں بھرتی کے لیے پیش ہوتے ہیں چھ نااہل ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جنسی بے راہ روی جس میں وہ غرق رہ چکے ہوتے ہیں اس نے ان کی صحت وطاقت اور نفسیات کو تباہ کر دیا ہوتا ہے۔

اور ۱۹۶۲ء میں خردشچیف نے بھی کینیڈی کی طرح یہ کہا ہے کہ روس کا مستقبل خطرہ میں ہے۔ اور روس کے نوجوانوں کا مستقبل غیر محفوظ ہے، اس لیے کہ وہ بے راہ روی اور شہوات وجنسیات میں غرق ہیں۔

✿ اور ڈیل ڈیورینٹ اپنی کتاب "مباہج الفلسفہ" میں لکھتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ ہم پھر اسی پریشانی اور مشکل کا شکار ہو گئے ہیں جس نے سقراط کو بے چین کر دیا تھا، ہماری مراد یہ ہے کہ ہم ان

فطری اخلاق تک دوبارہ کس طرح راستہ پائیں گے جوان قانونی سزاؤں اور دفعات کی جگہ لے لیں جن کا اثر لوگوں کے کردار و زندگی سے ختم ہو چکا ہے۔ ہم اس بے حیائی و بے راہ روی سے اپنے عظیم معاشرتی سرمایے کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔

مانعِ حمل اشیاء و ادویات کی ایجاد اور ان کا عام ہونا ہمارے اخلاق کے بگاڑنے کا ایک راست اور بڑا سبب بنا ہے، اس لیے کہ پہلے زمانے میں اخلاقی قانون جنسی ملاپ کو شادی کے ساتھ مقید رکھتا تھا۔ اس لیے کہ نکاح کا لازمی نتیجہ باپ بننے کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا جس سے کسی طرح مفر نہیں ہو سکتا تھا، اور باپ اپنے بچے کا مسئول و ذمہ دار صرف نکاح کے راستہ سے ہی بنتا تھا۔ لیکن آج یہ صورتحال نہیں ہے بلکہ آج جنسی ملاپ اور توالد و تناسل کے درمیان رابطہ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ اور ایک ایسا موقف وجود میں آگیا ہے جس کی ہمارے والدین کو ہرگز توقع نہیں تھی، اس لیے کہ اس سبب کی وجہ سے عورتوں اور مردوں کے درمیان تمام تعلقات بدل رہے ہیں۔

البتہ یہ بات نہایت رسواکن ہے کہ ہم پانچ لاکھ امریکی لڑکیوں کو اس بات کی خوشی خوشی اجازت دے دیں کہ وہ اپنے آپ کو آزادی، بے راہ روی اور اباحیت کی بھینٹ چڑھا دیں۔ جن کو ہمارے سامنے ڈراموں اور عریاں و فحش ادبی کتابوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ لڑکیاں جو یہ چاہتی ہیں کہ ان مردوں اور عورتوں میں جنسی جذبات و خواہش بھڑکا دی جائے جو شادی کے محفوظ قلعے اور اس کے ذریعے صحت کی حفاظت کرنے والی زندگی سے محروم ہیں۔

چنانچہ جو شخص بھی شادی میں تاخیر کرتا ہے تو وہ ان بازاری لڑکیوں کے ساتھ میل جول اختیار کر لیتا ہے جو کھلم کھلا برائی کی گھاٹی میں الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہیں اور مرد کو اس عرصہ میں اپنی جنسی خواہشات اور سفلی جذبات پورے کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ شادی مؤخر کر دیتا ہے۔ وہ ایسا بین الاقوامی آراستہ و پیراستہ نظام پاتا ہے جو نہایت جدید سے جدید لباس سے آراستہ ہوتا ہے اور مختلف اعلیٰ قسم کے اداروں کی تنظیم سے وابستہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا نے ہر وہ طریقہ ایجاد کر لیا ہے جس کا جنسی خواہشات کے بھڑکانے اور ان کے پورا کرنے کے سلسلہ میں تصور بھی کیا جا سکتا ہو۔

غالب گمان یہ ہے کہ لذتِ نفسانیہ کے حاصل کرنے کے لیے یہ نت نئے طریقے اختیار کرنے کا سب سے بڑا سبب اور عامل ڈارون کا دینی عقیدوں وغیرہ کی شدید مخالفت ہے۔ اس لیے کہ جب نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو یہ معلوم ہوا کہ دین ان کی ان جنسی شہوات و لذات کی مخالفت کرتا ہے تو انہوں نے علم ہی کے ذریعہ دین کو رسوا و بدنام کرنے کے ہزاروں اسباب تلاش کر لیے۔

اور اس سے کوئی راہِ فرار نہیں کہ جسم میں جنسی جذبات بھڑکیں، اور گذشتہ ادوار کے لوگوں میں جو اپنے نفس پر کنٹرول کا جو ملکہ اور قوت تھی وہ کمزور پڑ جاتے، اور وہ پاکدامنی و عفت کا جوہر جو پہلے عظمت و عزت کا ذریعہ تھی وہ مذاق کا

ذریعہ بن جائے۔ اور وہ حیا، جو خوبصورتی کو چار چاند لگایا کرتی تھی وہ نیست ونابود ہو جائے۔ اور لوگ اپنے گناہوں کو شمار کرکے فخر کرنے لگ جائیں، اور عورتیں اپنی غیر محدود آزادی اور ہر طرح کے گھومنے پھرنے کے حق کا اس بنیاد پر مطالبہ کریں تاکہ مردوں کے ساتھ برابری حاصل ہو جائے، اور شادی سے قبل ہی جنسی ملاپ ایک مانوس چیز بن جائے۔ اور پیشہ ور رنڈیاں پولیس کے خوف کے بجائے ان عورتوں کی وجہ سے سڑکوں سے غائب ہو جائیں جو اپنے جذبات ٹھنڈے کرنے کے لیے آوارگی کو اختیار کرتی ہے۔[۱]

✿ مصری روزنامہ "الیوم" نے ۲۴/۴/۱۹۶۵ء کی اپنی اشاعت میں یہ خبر چھاپی ہے کہ:

سویڈن کی عورتوں نے ایک ایسے مظاہرہ میں شرکت کی جس میں سویڈن کے مختلف اطراف کی عورتیں شامل تھیں، اور وہاں کے مختلف علاقوں میں مظاہرہ کرکے انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ کھلی جنسی آزادی پر پابندی لگائی جائے، اور اس مظاہرہ میں ایک لاکھ عورتوں نے شرکت کی تھی۔

یہی اخبار لکھتا ہے کہ اپریل ۱۹۶۴ء میں جب سویڈن میں ایک سو چالیس بڑے ڈاکٹروں نے بادشاہ اور پارلیمنٹ کو ایک یادداشت پیش کی جس میں انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ایسی دفعات نافذ کی جائیں جو اس جنسی انارکی اور آوارگی کی روک تھام کر سکیں جو درحقیقت لوگوں کی صحت و زندگی کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والی ہے۔ اور ڈاکٹروں نے یہ مطالبہ کیا کہ جنسی آزادی کے خلاف قانون وضع کیے جائیں، تو اس پر بہت لے دے ہوئی اور شور شرابہ کیا گیا۔

"بن لندسی" نامی جج اپنی کتاب "نئی نسل کی سرکشی" میں لکھتے ہیں کہ:

امریکہ میں لڑکیاں وقت سے پہلے بالغ ہونے لگی ہیں۔ اور چھوٹی عمر سے ہی ان میں جنسی شعور نہایت تیزی سے بیدار ہو جاتا ہے۔ موصوف جج نے آزمائشی طور پر تین سو بارہ لڑکیوں پر ریسرچ کی تو معلوم ہوا کہ ان میں سے دو سو پچاس لڑکیاں گیارہ سے تیرہ سال کی عمر میں بلوغ کو پہنچ گئی تھیں، اور اس چھوٹی عمر ہی میں ان کی جنسی خواہش اور جسمانی ساخت ایسی ہو گئی تھی جو عام طور سے اٹھارہ سال اور اس سے زیادہ عمر کی لڑکیوں کی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر ادیث ہاکر اپنی کتاب "القوانین الجنسیۃ" میں لکھتے ہیں کہ:

ترقی یافتہ اور متمدن طبقہ میں بھی اب یہ بات کوئی انوکھی یا تعجب خیز نہیں رہی ہے کہ سات یا آٹھ سال کی بچیاں بچوں سے یاری کریں اور بسا اوقات وہ ان کے ساتھ گناہ میں بھی مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور ڈاکٹر موصوف نے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے بہت سی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

برطانوی اخبارات نے ایک خبر شائع کی ہے کہ پچیس سال کی ایک نوجوان استانی قریب البلوغ لڑکوں کی ایک جماعت کو جنسی تجربہ کی عملی مشق کرایا کرتی تھی، چنانچہ وہ اپنے تمام طلباء و شاگردوں کے سامنے ایک ایک کرکے اپنے تمام کپڑے اتار دیا

---

[۱] مباہج الفلسفہ (۱-۶ تا ۱۳۴)۔

کرتی تھی اور مکمل طور سے بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ اس کام کی عملی تربیت دیا کرتی تھی !!

لندن کے اخبار "الشرق الاوسط" نے ۱۵/۷/۱۹۷۹ء کے شمارے میں لکھا ہے کہ یورپ میں پچھتر فی صد شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔ اور کم تعداد میں شادی شدہ عورتیں بھی یہی حرکت کیا کرتی ہیں۔ اور بہت سی مرتبہ شوہر کو اپنی بیوی کی اس خیانت کا علم بھی ہو جاتا ہے اور بیوی کو بھی اپنے شوہر کی خیانت معلوم ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی بسا اوقات میاں بیوی کے تعلقات صورۃً قائم رہتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی علیحدگی پیدا نہیں ہوتی۔

شادی سے قبل اسی سے پچاس فیصد تک مرد لڑکیوں سے دوستیاں رکھتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے پاس صرف ایک دوست لڑکی ہوتی ہے۔ اور اس کے علاوہ باقی ماندہ دوسرے وہ زانی غیر شادی شدہ مرد جن کی دوست لڑکیاں نہیں ہوتیں وہ اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لیے ایک سے دوسری عورت کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں !!

لبنان کے رسالے "الامان" نے اپنی اشاعت ۳۰/۱۱/۱۹۷۹ء میں لکھا ہے کہ ایک آزاد قسم کا عرب نوجوان ڈنمارک گیا، اور وہاں کے ایک تھیٹر میں اچانک اس نے کیا دیکھا کہ ایک ایکٹرس ایک ایک کر کے اپنے تمام کپڑے اتار رہی ہے پھر تمام لوگوں کے سامنے وہ مکمل برہنہ ہو کر کھڑی ہو گئی، اور پھر اس نے اپنے پالتو کتے کو بلایا تاکہ وہ سب کے سامنے اس کے ساتھ زنا کرے، اور پھر تھوڑی دیر بعد اس نے حاضرین کو چیلنج دیا کہ وہ بھی ساز و آواز و موسیقی کے شور و غل اور رنگا رنگ کو چکا چوند کر دینے والی روشنی میں اس کے ساتھ وہی کام کریں جو کتے نے کیا تھا، اور پھر اس عرب نوجوان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک مدہوش افریقی تھیٹر کے تخت پر اس کتے کی پیروی کرنے کے لیے اس عورت کی طرف بلا حاصل بڑھا لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا !!

کیا آپ نے فرانس کی "الجمعیۃ الوطنیۃ" کے سربراہ "لونز وکیہ" کی یہ بات سنی ہے کہ :

ایک ایسا بوڑھا جو چوہتر سال کی عمر کو پہنچ چکا تھا، باوجود اس بڑھاپے کے اس کو عمر کے وقار نے ——— اس بات سے باز نہ رکھا کہ وہ جنسی انارکی اور بے حیائی اور گناہ کے سمندر میں سر تا پا غرق ہو جائے۔ چنانچہ اس کا ذاتی ملازم سپاہی اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس نے چودہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر کی نوجوان لڑکیوں کی ایک جماعت تیار کر رکھی تھی۔ جو پیرس میں حکومت کے ایک محل اور پیرس کے ممتاز بڑے لوگوں کے شاندار بنگلوں میں ننگی اور مادر پدر آزاد محفلیں قائم کرتی تھیں، اور فرانس کے حکام کے لیے یہ ایک نہایت مشکل مسألہ ہے۔

شکاگو کی امریکی سی آئی اے کی رپورٹ جو تیرہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اس نے یہ لکھا ہے کہ اس تباہ کن آزادی اور حیوانوں کی سی ترقی و تہذیب نے امریکہ کے صرف خاندانوں ہی کے نظام کو خراب نہیں کیا ہے بلکہ اس نے امریکہ میں ایسی تہذیب کی بنیاد ڈال دی ہے جس کا تدارک نہ پولیس سے ہو سکتا ہے اور نہ عدالتوں سے۔

امریکی اخبار "ہیرالڈ ٹریبون" اپنی اشاعت ۲۹/۶/۱۹۷۹ء میں ان مباحث کا خلاصہ پیش کرتا ہے جو امریکہ کے اسپیشلسٹوں

نے اس گندی اور ناپسندیدہ صورتحال کے بارے میں پیش کی ہیں جو مغربی معاشروں میں عمومی طور سے اور امریکی معاشرہ میں خصوصی طور سے پھیل رہی ہے ۔اور وہ بیماری محرمات یعنی بیٹی اور بہن کے ساتھ حرامکاری کا ارتکاب کرنا ہے ۔

محققین لکھتے ہیں کہ یہ بات کوئی انوکھی اور نادر نہیں رہی ہے بلکہ یہ صورت حال اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اس کی تصدیق کرنا مشکل ہوگیا ہے ۔چنانچہ وہاں ہر دس خاندانوں میں سے ایک خاندان ایسا ضرور ہے جس میں اس بے حیائی کا ارتکاب کیا جاتا ہے !!

یہ صورت حال تو بہن بھائیوں اور دوسرے قریبی محرم رشتہ داروں میں ہے ۔پھر بھلا آپ ہی بتائیے کہ اسوقت کیا صورتِ حال ہوگی جب نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں ایک دوسرے کے ساتھ تعلیمی یا کام کاج اور ملازمت کے میدان میں جمع ہوں گے اور ان میں نہ تو نسب کا رابطہ ہوگا اور نہ رشتہ داری کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کا گناہ میں ملوث ہونا اور بے حیائی میں گرفتار ہونا زیادہ یقینی ہوگا !!؛

مغربی قوموں کی حقیقی زندگی اور اختلاط مرد وزن کا تجربہ کرنے کی وجہ سے وہ جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کے جو حقیقی اور سچے واقعات ہم نے پیش کیے ہیں یہ مشتے از خروارے ، سمندر سے چلّو بھرنے کے برابر ہیں ، اور یہ دراصل جنسی بے راہ روی اور اخلاقی کج روی اور انحراف کے اس سمندر کا ایک قطرہ ہے جس میں تمام عالم کے معاشرے گرفتار ہیں ۔جو دراصل آزادی و بے پردگی اور گمراہی اور انحطاط کے دَور میں اختلاط کے عام ہونے کا ایک دردناک و بھیانک نتیجہ ہے ۔یہ یاد رہے کہ اہلِ مغرب اور مشرق والوں کے یہاں مرد وزن کا باہمی اختلاط بچوں کی ابتدائی تعلیم گاہوں اعدادی ، ثانوی اور کالج و یونیورسٹی تک برقرار رہتا ہے ، بلکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ان معاشروں کی تمام معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل طور سے اختلاط موجود اور عام ہے ۔

اب آپ ہی بتلائیے کہ اس وضاحت و تفصیل کے بعد کیا کوئی صاحبِ بصیرت عقل مند آج کل کے اختلاط کے دعویداروں کی اس بات کو صحیح تسلیم کرسکتا ہے کہ مرد وزن کا باہمی اختلاط فطری جذبات کو ٹھنڈا اور شہوت کی تیزی کو کم کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس کی وجہ سے دونوں جنسوں کا ایک دوسرے کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اکٹھا ہونا ایک مانوس و عام چیز بن جاتا ہے علامہ زاہد کوثری رحمہ اللہ نے اپنے مقالات میں جو لطائف بیان کیے ہیں ان میں سے ایک لطیفہ یہ بھی ہے ۔کہ دولتِ عثمانیہ کا ایک سفیر ایک مرتبہ انگریزوں کے ملک میں برطانوی حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ ایک محفل میں شریک ہوا ۔تو وہاں موجود لیڈروں میں سے ایک صاحب نے اس سے کہا :

آپ لوگ اس پر کیوں مصر ہیں کہ مشرق کی مسلمان عورت ترقی کی دوڑ میں مرد سے پیچھے اور مردوں سے الگ تھلگ اور نور و روشنیوں سے محجوب رہے ؟!! عثمانی حکومت کے سفیر نے ان صاحب سے فرمایا : اس لیے کہ مشرق کی ہماری عورتیں یہ پسند نہیں کرتیں کہ اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور سے بچے پیدا کریں یہ بات سن کر وہ صاحب بہت شرمندہ

ہوتے اور کوئی جواب نہ دے سکے، بتلائیے اب اس کے بعد اور کس بات پر وہ ایمان لائیں گے۔
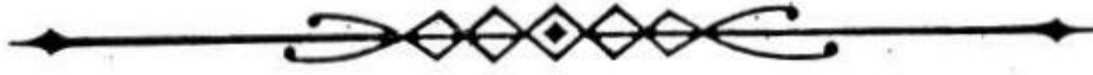
مرد وزن کے باہمی اختلاط اور اس کے نتائج کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کے سامنے میں یہ حقیقت کھول کر بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ صہیونیت اور استعمار و سامراجیوں اور مادیت اور اباحت پسندوں کے پروگراموں کا سب سے بڑا اور اولین مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان معاشرہ کو بگاڑ دیا جائے، اور اس کی حیثیت کو ختم کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے اور پراگندہ کر دیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اخلاقی اقدار کو ختم کر دیا جائے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے دلوں سے دینی مفاہیم و مذہب کی عظمت ختم کر دی جائے۔ اور مسلم معاشرہ میں ہر اعتبار اور ہر پہلو سے آزادی بے راہ روی اور برائیوں کو پھیلا دیا جائے، اباحیت و آزادی کی اس دعوت کے عام کرنے اور مکر و فریب کا جال پھیلانے کے لیے ان لوگوں کے یہاں عورت سب سے کارآمد اسلحہ اور اولین مقصود اور ہدف ہے۔ اس لیے کہ اباحیت کی دعوت کو عام کرنے اور سامراج کا پروگرام نافذ کرنے کے لیے عورت ہی سب سے ضعیف و کمزور اور جذباتی عنصر ہے جو ان کے مقاصد کے حصول کا بہترین ذریعہ بنتی ہے۔

سامراجیوں کا ایک پوپ کہتا ہے: شراب کا جام اور حسین وجمیل دوشیزہ امتِ محمدیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں وہ اثر رکھتی ہے جو ہزار توپیں نہیں رکھتیں، لہٰذا اس امتِ محمدیہ کو مادہ اور جنس و شہوت کی محبت میں غرق کر ڈالو۔

بدنام زمانہ فری میسن تنظیم کے لیڈروں میں سے ایک لیڈر کہتا ہے: عورت کو اعتماد میں لینا ہمارا فریضہ ہے اس لیے کہ جس دن بھی اس نے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھا دیا اسی دن ہم حرام تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور دین کی فتح و کامیابی کے لیے کوشش کرنے والوں کا لشکر تتر بتر ہو جائے گا۔

صہیونی حکماء کے پروٹوکول میں یہ لکھا ہے کہ: یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اس بات کی کوشش کریں کہ ہر جگہ اخلاقی حالت دگرگوں ہو جائے تاکہ ہر جگہ ہم غلبہ حاصل کر سکیں، "فرائڈ" ہماری جماعت کا آدمی ہے اور وہ کھلم کھلا جنسی تعلقات کے مناظر پیش کرتا رہے گا تاکہ نوجوانوں کی نظر میں کوئی چیز بھی مقدس نہ رہے اور ان کا سب سے بڑا مقصد اپنی جنسی خواہشات کی تسکین بن جائے اور اس صورت میں ان کے اخلاق کا جنازہ نکل چکا ہوگا۔

لہٰذا جو لوگ اسلامی ملکوں میں مرد وزن کے اختلاط کے دعویدار ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ اختلاط ہماری معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ میں عام ہو جائے یہ لوگ درحقیقت اسلام کے دشمن مادی الحادی اور اباحیت پسند مذاہب والوں کی سازشوں کو نافذ کرنے کا ذریعہ اور ان کے لیے پروپیگنڈہ کرنے کا آلہ بن رہے ہیں اور یہ لوگ سامراجی اور صہیونی اور ماسونی (فری میسن کے) افکار کی دعوت دینے والوں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ خواہ اس بات کو یہ لوگ سمجھ رہے ہوں یا نہ سمجھیں اور خواہ انہیں یہ حقیقت محسوس ہو رہی ہو یا محسوس نہ ہو رہی ہو۔

اس لیے والدین مربیوں اور مسؤلین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لڑکیوں کو لڑکوں سے مکمل طور دور رکھیں خواہ تعلیم کا میدان ہو یا اور کوئی دوسرا میدان، تاکہ لڑکیوں میں عزتِ نفس اور پاکدامنی کا جوہر پیدا ہو اور معاشرہ برائیوں اور آزادی کے مسموم اثرات سے محفوظ رہے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں جسمانی اور نفسیاتی لیاقت وصلاحیت پیدا ہو اور امتِ اسلامیہ اعداءِ اسلام کی ان سازشوں سے بچ سکے جو وہ مسلمان عورت کو خراب کر کے نقصان پہنچانے کے لیے کیا کرتے ہیں۔

عائشہ تیموریہ نے اپنے علم پاکدامنی وحجاب پر فخر کرتے ہوئے کتنے عمدہ اور بہترین اشعار کہے ہیں:

بيد العفاف أصون عز حجابي	وبهمتي أسمو على أترابي
پاکدامنی کے ذریعہ میں اپنے حجاب کی عزت محفوظ رکھتی ہوں	اور اپنی بلند ہمتی سے میں اپنے ہم عمروں پر فوقیت حاصل کرتی ہوں
ما ضرني أدبي وحسن تعلمي	إلا بكوني زهرة الألباب
میرے علم وادب اور تعلیم وتعلم نے مجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچایا	سوائے اس کے کہ مجھے عقلمندوں کی کلی اور پھول بنا دیا
ما عاقني خجلي عن العليا ولا	سدل الخمار بلمتي ونقابي
میری شرم وحیا نے مجھے بلندیوں تک پہنچنے سے نہیں روکا اور نہ	بالوں پر دوپٹہ ڈالنے اور نقاب کے لٹکانے نے
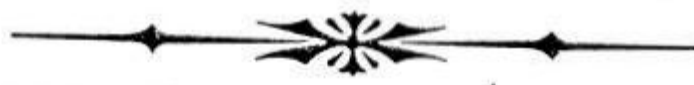
۲۔ فکری ذہن سازی کی ذمہ داری

دینِ اسلام نے بچوں کے سلسلہ میں والدین اور مربیوں پر جو نہایت عظیم ذمہ داری ڈالی ہے وہ یہ کہ بچوں کو بچپن اور شروع سے ہی فکری وذہنی طور سے تیار کیا جائے اور سمجھداری وعقل کی پختگی کے دور تک ان کی ذہنی وفکری تربیت کی جائے، اور فکری تربیت کا مقصد یہ ہے کہ مندرجہ ذیل چیزوں سے بچے کا ربط وتعلق ہو:

اسلام کے ساتھ دین وحکومت کے اعتبار سے۔

اور قرآنِ عظیم کے ساتھ نظام وقانون کے اعتبار سے۔

اور اسلامی تاریخ کے ساتھ عزت ومجد وعظمت کے لحاظ سے۔

اور عمومی اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ فکری اور روحانی طور پر۔

اور اسلامی دعوت کے ساتھ نہایت جرأت مندانہ فعال ربط ولگاؤ اور خصوصی تعلق وجذبہ۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ بچہ جب سمجھدار اور باشعور ہو جائے تو

بچے کو مندرجہ ذیل حقائق اسی وقت سے ذہن نشین کرادیں

الف۔ اسلام ایک ابدی اور دائمی مذہب ہے، اور وہ ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے پوری صلاحیت رکھتا ہے

اس لیے کہ اس میں اس بات کی پوری صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہر دور اور ہر ملک کی تمام ضروریات پوری کرے اور پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرے۔

ب ، ہمارے آباء واجداد عزت وقوت ترقی وتمدن کے جن عظیم الشان مراتب کو پہنچے تھے وہ صرف اس وجہ سے کہ انہیں اسلام کی دولت نے طاقت وعزت بخشی تھی اور انہوں نے قرآنِ کریم اور اس کے احکامات کو کلی طور سے نافذ کر رکھا تھا۔

ج ، اعداءِ اسلام سازشوں کا جو جال بچھاتے ہیں اسے بچوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کیا جائے جو مندرجہ ذیل راستوں سے مسلمانوں میں پھیلتے ہیں :

مکار صہیونیت کی سازشیں۔

ظالم سامراج کی سازشیں ۔

ملحد و بد دین شیوعیت وکمیونزم کی سازشیں ۔

بغض وحسد رکھنے والے عیسائیوں کی سازشیں ۔

یہ تمام سازشیں صرف اس مقصد کے لیے ہوتی ہیں تاکہ روئے زمین سے اسلامی عقیدہ کو ختم کر دیا جائے اور مسلمان معاشرے اور قوم میں الحاد کی تخم ریزی ہو، اور مسلمان خاندانوں اور مسلم معاشرے میں بے حیائی، آزادی وبے راہ روی کو عام کر دیا جائے ، اور اس سب کا اولین وآخری مقصد یہ ہے کہ مسلمان نوجوانوں سے جہاد اور مدافعت کی روح ختم کر دی جائے ، اور اپنی ذاتی اغراض ومقاصد کے لیے اسلامی ممالک کی دولت وثروت سے فائدہ اٹھایا جائے ۔ اور بالآخر اسلامی امتیازات اور خصوصیات کو دنیا کے ان تمام حصوں سے ختم کر دیا جائے جہاں کے رہنے والے اسلام کی طرف منسوب ہیں !!

د ، اسلام کی اس تہذیب وتمدن کو کھول کھول کر بیان کیا جائے جس سے ایک نہایت طویل عرصہ تک تمام دنیا سیرابی حاصل کرتی رہی ہے اور تاریخ کے صفحات میں وہ سب کا سب محفوظ ہے۔

ہ ، اور اخیر میں بچے کو یہ باور کرا دینا چاہیے کہ ہم ایک ایسی امت ہیں جو تاریخ میں ابوجہل ، ابولہب اور اُبی بن خلف کی وجہ سے نہیں پہچانے جاتے بلکہ ہمارا نام تاریخ کے زریں صفحات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی وجہ سے درج ہوا ہے۔

اور فتوحات کا دروازہ ہم نے جنگِ بسوس ، وداحس اور غبراء کے ذریعہ نہیں کھولا بلکہ ہم نے فتوحات کا دروازہ جنگِ بدر ، قادسیہ اور یرموک کے ذریعہ کھولا ہے۔

اور ہم نے سبع معلقات کے ذریعہ نہیں بلکہ قرآن مجید کے ذریعہ دنیا پر حکومت کی ہے ۔

اور ہم نے لوگوں کو لات وعزیٰ نامی بتوں کا پیغام نہیں پہنچایا بلکہ لوگوں کو ہم نے اسلام کی دعوت دی اور قرآنِ کریم کی تعلیمات سے روشناس کرایا[1]

فکری غذا بہم پہنچانے کے سلسلہ میں اصل وہ روایت ہے جسے امام طبرانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حب نبيكم ، وحب آل بيته ، وتلاوة القرآن)).	اپنے بچوں کو تین باتیں سکھاؤ: اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت، اور ان کے اہلِ بیت کی محبت، اور قرآن کریم کی تلاوت۔

اس قسم کا ذہن تیار کرنے کے لیے ہمارے سلفِ صالح بہت اہتمام کیا کرتے تھے اور نو عمری سے ہی بچے کو قرآنِ کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور بزرگوں اور بڑوں کے کارناموں کی تعلیم دینے کو ضروری سمجھتے تھے۔

اس سلسلہ میں ان حضرات کے چند فرمودات و وصایا درجِ ذیل ہیں:

◉ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعلیم بالکل اسی طرح دیا کرتے تھے جس طرح انہیں قرآنِ کریم کی سورتیں سکھایا کرتے تھے۔

◉ امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں یہ وصیت لکھتے ہیں کہ:

بچے کو پہلے قرآنِ کریم احادیثِ مبارکہ اور سلفِ صالحین کی کہانیاں اور کچھ دینی مسائل سکھانا چاہیئے۔

◉ علامہ ابن خلدون نے اپنی کتاب "مقدمہ" میں بچوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم دینے اور اس کے حفظ کرانے کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ مختلف اسلامی ملکوں میں قرآنِ کریم کی تعلیم ہی تعلیم کے تمام تدریسی مناہج اور نظامِ تعلیم کی اساس اور بنیاد ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم دین کے شعائر میں سے ایک ایسا عظیم شعار ہے جو ایمان میں رسوخ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

◉ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچے کے معلم کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور بہترین اشعار اور خطابت اور جنگوں کی تاریخ کی تعلیم دیں اور اس کو اخلاقِ حسنہ سکھانے کا اہتمام کریں اور لوگوں سے ملنے جلنے کے آداب کی مشق کرائیں۔

مندرجہ بالا اقوال اور اس کے علاوہ اور بہت سے اقوال ہمارے سامنے اس کامل و مکمل دینی سمجھ بوجھ کا نقشہ پیش

---

[1] یہ حصہ جناب عصام عطار کی ایک تقریر سے لیا گیا ہے۔

کرتے ہیں جو گذشتہ ادوار میں مسلمان معاشروں میں پائی جاتی تھی خواہ وہ حکام ہوں یا محکوم، علماء ہوں یا عوام، اساتذہ ہوں یا طالبِ علم۔

لیکن اس سمجھ بوجھ کے پیدا کرنے کا راستہ اور طریقہ کیا ہے؟

اس کو پیدا کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں:

۱۔ بھرپور توجہ و رہنمائی۔

۲۔ عمدہ بہترین عملی نمونہ پیش کرنا۔

۳۔ بھرپور مطالعہ۔

۴۔ اچھے اور سمجھدار ساتھیوں کا انتخاب۔

◉ بھرپور توجہ و رہنمائی سے مقصد یہ ہے کہ والدین اور مربیوں کو بچے کو اسلام کی حقیقت روشناس کرانا چاہیئے، اور بچوں کو وہ احکامات و قوانین اور بنیادی اصول بتلائے سمجھائے جائیں جن پر اسلام مشتمل ہے اور اسے یہ باور کرا دیا جائے کہ اسلام ہی ایک ایسا یکتا و منفرد دین ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا ملکہ اور باقی رہنے کی صلاحیت اور قیامت تک آنے والے ہر دور کے لیے رہنمائی کی پوری اہلیت موجود ہے، اور مربی اور خاص کر والد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نہایت اہتمام سے بچے کو یہ سمجھانے کی کوشش کرے کہ عزت صرف اور صرف اسلام میں مضمر ہے اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے بغیر کامیابی کا حصول ممکن نہیں، اور قوت و طاقت اور عزت و ترقی صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہی پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ساتھ ہی والد کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچے کو یہودی استعماری سامراجی اور کمیونزم اور عیسائیت کے جالوں اور فریب کاریوں سے بھی باخبر رکھے، جن کا مقصدِ اصلی اسلام کو ختم کرنا اور اس کے کھلے ہوئے حقائق اور بلند و بالا روشن کارناموں کی شکل بگاڑنا ہے۔ اور جن کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد اور دشمن سے مقابلہ کرنے کی روح نکال دی جائے اور دورِ حاضر کے معاشرہ کو گمراہی الحاد اور اباحیت و آزادی کی تربیت دی جائے۔

باپ کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ بچے کو اسلام کی وہ روشن اور بلند و بالا تہذیب و ثقافت سکھلائے جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی تمام انسانیت پر نورِ حق اور تہذیب و تمدن اور انسانیت اور علم و عرفان کے انوارات کی بارش کر رہی ہے۔ اور باوجود صدیاں گزرنے کے ایک طویل عرصہ تک پورا کا پورا یورپ اس کے چشمۂ صافی سے فیضیاب ہوتا رہا اور اس کی روشنی و نور سے ہدایت حاصل کرتا رہا۔

بلا شبہ اگر بچے کو اس طرح کی بھرپور توجہ و رہنمائی سے نوازا گیا تو واقعۃً اس کا تعلق اسلام کے ساتھ مضبوط ہوگا. دین و حکومت کے اعتبار سے اور قرآن کریم سے نظام و قانون کے لحاظ سے اور تاریخِ اسلامی سے مقتدیٰ ہونے اور فخر و

اعزاز کے لحاظ سے، اور جہاد و اسلامی تحریکوں سے عملی و جذباتی تعلق مستحکم ہوگا۔

واقعی اس عظیم رہنمائی اور اس بھرپور توجہ اور اس صحیح و عمدہ تربیت کے بچے کتنے زیادہ محتاج ہیں!!

◉ عمدہ و بہترین عملی نمونہ پیش کرنے سے مراد یہ ہے کہ بچے کا ایسے مخلص سمجھدار دیندار اور اسلام کے اسرار ورموز سے واقف استاذ سے تعلق جوڑ دیا جائے جو اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے والا، اس کے سلسلہ میں غیرت رکھنے والا ــــ دین کے لیے جہاد کرنے والا اور اس کے احکامات کو نافذ کرنے والا ہو جسے اللہ کے دین کے سلسلہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہ ہو۔

آج سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ جو حضرات بچوں کی تعلیم وارشاد کے منصب پر فائز ہیں وہ اپنے طلبہ اور متعلقین کے سامنے اسلام کو بگاڑ کر اس کی الٹی تصویر پیش کرتے ہیں سوائے ان گنے چنے چند لوگوں کے جن کے حال پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ایسے لوگ بہت ہی کم پائے جاتے ہیں۔

بعضے اساتذہ و مرشد تو ایسے ہوتے ہیں جو اپنی پوری توجہ نفس کی اصلاح اور اس کے تزکیہ پر ہی منحصر کر دیتے ہیں، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حکام کو نصیحت و خیر خواہی اور ظلم و ظالموں کے مقابلہ کے فریضہ کو بالکل بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

اور بعض وہ ہوتے ہیں جو سارا زور ان ظاہری چیزوں اور آداب پر خرچ کر دیتے ہیں جن کا اسلام نے حکم دیا ہے مثلاً داڑھی رکھنا، پردہ کرنا، اسلامی لباس پہننا، ٹوپی پہننا وغیرہ اور روئے زمین پر اللہ کا حکم نافذ کرنے کے سلسلہ میں عملی قدم اٹھانے اور اس سلسلہ میں مل جل کر کام کرنے سے دور رہتے ہیں۔

اور بعض حضرات وہ ہوتے ہیں کہ جو علوم شرعیہ کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول کر دیتے ہیں اور دعوت وارشاد اور تحریک جہاد کے پہلو سے توجہ ہٹا لیتے ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کی مدد کر رہے ہیں، اور ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ.... اور ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ.....

یہ بات یاد رہے کہ اسلام ایک ایسی حقیقت اور ایسی کلی ہے جو تجزی اور جزء جزء ہونے کو قطعاً قبول نہیں کرتی، لہٰذا کسی بھی مرشد و عالم اور کسی بھی ایسے فرد کے لیے جسے لوگوں نے اپنا مقتدا بنایا ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے کسی حکم کو چھپائے یا کسی امر منکر اور حرام کو ہوتے ہوئے دیکھے اور اس سے چشم پوشی کرے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا صاف اور کھلا ہوا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ	بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے صاف حکم اتارے اور ہدایت کی باتیں اس کے بعد کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں، ان پر اللہ لعنت

اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝))۔ البقرہ - ۱۵۹ و ۱۶۰

کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنے کام کو درست کیا اور حق بات کو بیان کر دیا، تو ان کو میں معاف کرتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہوں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں خبردار کیا ہے جیسا کہ اسے ابن ماجہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا:

((من کتم علماً مما ینفع اللہ بہ الناس فی أمر الدین ألجمہ اللہ یوم القیامۃ بلجام من نار))۔

جو شخص کسی ایسے علم کو چھپاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو دین کے سلسلہ میں فائدہ پہنچاتا ہو تو اس شخص کو قیامت میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

آج جو حضرات وعظ وارشاد کا کام کرتے ہیں ان میں سے بعض میں انحراف کی بعض عجیب عجیب نشانیاں پائی جاتی ہیں. چنانچہ وہ اپنے آپ کو بالکل معصوم سمجھتے ہیں. اور حق کو اپنی فانی شخصیت کے ساتھ مربوط سمجھتے ہیں، اور شریعت نے ان پر جو احکامات عائد وفرض کیے ہیں ان کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے، اور وہ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ وہ ایسے بلند مقام پر فائز ہو گئے ہیں جہاں پہنچ کر نہ ان سے غلطی صادر ہو سکتی ہے اور نہ کسی قسم کی لغزش، لہٰذا چاہے وہ غلطی پر کیوں نہ ہوں تب بھی کسی بھی شخص کو ان پر تنقید کرنے کا حق حاصل نہیں ہے. اور جب وہ کسی بات کا حکم دے دیں تو کسی مرید کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان سے اس سلسلہ میں مراجعت کرے، اس لیے کہ وہ معصوم اور غلطی سے محفوظ ہیں، حالاں کہ یہ بات یاد رہنا چاہیے کہ عصمت اور غلطی سے محفوظ رہنا یہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی خصوصیت ہے چنانچہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام مالک رحمہ اللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقدِ مبارک کے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس نے کسی پر تردید نہ کی ہو یا جس پر کسی نے تردید نہ کی ہو سوائے اس مرقد میں رہنے والی ذات کے. اور یہ کہہ کر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کیا۔

اور ان لافانی اور یادگار مواقف میں سے جنہیں مخلص اور بڑے علماء اختیار کیا کرتے تھے اپنے زمانے کے بڑے عالم اور مرشد شیخ سعید نورسی ترکی جن کو بدیع الزمان رحمہ اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے کا عظیم موقف ہے. جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے طلباء ومریدین میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو ان کی عزت واحترام میں بہت زیادہ غلو ومبالغہ کرتے ہیں اور حق کو انہی کی فانی ذات میں محصور سمجھتے ہیں تو انہوں نے ان حضرات کو نصیحت اور صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

میں آپ لوگوں کو جس حق کی طرف دعوت دیتا ہوں آپ لوگ اسے میری گناہگار فانی ذات کے ساتھ مرتبط نہ کریں بلکہ

آپ لوگوں کو چاہیے کہ آپ اس کا رابطہ اس کے مقدس چشمہ سے قائم کریں جو کہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میری حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ میں اللہ جل شانہٗ کے سامان کے دلال کی حیثیت رکھتا ہوں، اور آپ لوگ یہ سمجھ لیں کہ میں معصوم نہیں ہوں، مجھ سے کبھی گناہ بھی ہو سکتا ہے اور انحراف بھی. اس لیے مجھے ایسا درجہ نہ دیں کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی گناہ یا انحراف صادر ہو تو اس کی وجہ سے دینِ حق کا وہ منظر خراب ہو جائے جسے آپ لوگ میرے ساتھ مربوط کرتے ہیں. اس لیے کہ ایسی صورتِ حال دو چیزوں سے خالی نہ ہوگی یا تو یہ کہ اس انحراف اور گناہ کے کرنے میں مَیں دوسرے لوگوں کا مقتدا بن جاؤں گا، اور یا میرے اس انحراف اور گناہ کی وجہ سے حق و راہ راست پر جو دھبہ آیا ہے اس کی وجہ سے میں لوگوں کو حق سے دُور کرنے والا بن جاؤں گا۔

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ ایسے سمجھدار مخلص دیندار عالم سے اپنے بچوں کا تعلق جوڑ دیں جو انہیں اسلام کا ایک ایسا عام و کامل مکمل نقشہ پیش کرے جو عقیدہ و شریعت اور دین و حکومت سب پر محیط ہو، اور جس کا تزکیہ اور جہاد اور عبادت و سیاست دونوں سے ارتباط ہو،

اور وہ عالم و مرشد ان کی تربیت اور نفسیاتی اصلاح عمدگی اور صحیح طریقے سے کر سکے، اور ان کا تعلق حق اور شریعت اور سلفِ صالحین کی قیمتی توجیہات و رہنمائی سے قائم کرے نہ کہ اپنی فانی ذات اور گناہگار شخصیت کے ساتھ۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بچوں کا رابطہ صحیح سمجھدار مقتدیٰ سے اس مذکورہ شکل میں قائم ہو جائے گا تو انمیں تقویٰ اور جہاد کی روح پیدا ہوگی اور ان میں اللہ کے سامنے جھکنے اور گڑگڑانے اور حق کو جرأت سے بیان کرنے کی عادت پڑے گی، اور مسجد و محراب میں اللہ کی عبادت کرنے اور میدانِ جہاد میں دشمنوں سے ٹکرانے کا جذبہ پیدا ہوگا اور ایسی صورتِ حال میں وہ بالکل اسی طرح بن جائیں گے جیسا ان کے بارے میں کسی مسلمان شاعر نے کہا ہے:

شباب ذللوا سبل المعالی
ایسے نوجوان ہیں جنہوں نے عظیم کارناموں کے راستوں کو آسان کرلیا

وما عرفوا سوی الإسلام دینا
اور اسلام کے سوا کسی دین کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا

تعهدهم فأنبتهم نباتا
اللہ نے ان کی حفاظت کی اور ان کو ایسے عمدہ درخت کیطرح

کریماً طاب فی الدنیا غصونا
پیدا کیا جو دنیا میں بہترین ٹہنیوں والا ہوتا ہے

إذا شهدوا الوغی کانوا کماةً
جب وہ میدان جنگ میں ہوتے ہیں تو وہ ایسے مسلح

یدکون المعاقل والحصونا
جنگجو ہوتے ہیں جو پناہ گاہوں اور قلعوں کو پاش پاش کردیتے ہیں

وإن جن المساء فلا تراهم
اور جب رات چھا جائے تو آپ انہیں

من الإشفاق إلا ساجدینا
خوفِ خدا کی وجہ سے سجدہ کی حالت میں ہی دیکھیں گے

کذلك أخرج الإسلام قومی
شبابًا مخلصًا حرًا أمینا

اسلام نے میری قوم میں سے اسی طرح کے مخلص شریف اور دیانتدار نوجوان ہی پیدا کیے ہیں

وعلمه الكرامة كيف تبتني فيأبي أن يقيد أو يهونا

اور اسے یہ بتادیا کہ کرامت وعزت کس طرح قائم کی جاتی ہے لہٰذا وہ قید وبند وذلت ورسوائی سے دور رہتا ہے

اور جب ہمارے بچے اس طرح کے ہو جائیں گے تو پھر اسلام اور مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں ہر طرح کی عزت و کامیابی اور سیادت وسربراہی حاصل ہو جائے گی۔

اور بھرپور مطالعہ سے مراد یہ ہے کہ سن شعور کو پہنچتے ہی مربی بچے کیلیے ایک ایسا کتب خانہ (خواہ وہ چھوٹا ہی سا کیوں نہ ہو) مہیا کر دے جس میں مسلمانوں کے بہادر قائدین کے کارنامے واقعات اور سلف صالحین ونیک لوگوں کی حکایتیں در کہانیاں اور واقعات جمع کیے گیے ہوں۔

اور ساتھ ہی اس کتب خانے میں ایسی کتابیں بھی ہوں جو عقیدہ اخلاق اقتصادیات اور سیاست کے بارے میں سلامی نقطۂ نظر اور نظام کو فکری طور سے پیش کرنے والی ہوں، اور ایسی کتابیں بھی ہونا چاہییں جو کمیونسٹوں سامراجیوں یسائیوں اور یہودیوں اور دوسرے مادی مذاہب وغیرہ کی ان سازشوں کو بے نقاب کریں جو وہ اسلام کی مخالفت بس تیار کرتے رہتے ہیں۔

نیز اس مکتبہ میں ایسے اسلامی ماہنامے بھی ہونا چاہیئے جو اسلام کی صحیح ترجمانی کرتے ہوں، اور عالم اسلام کی خبریں قل کرتے ہوں اور پیش آمدہ مشکلات کا حل بیان کرتے ہوں، اور مختلف موضوعات پر نہایت عمدہ اور پیارے جاذب نداز سے قلم اٹھاتے ہوں۔

مربی کو چاہیے کہ ان کتابوں، رسالوں اور قصہ کہانیوں کی کتابوں میں سے ایسی کتابوں کا انتخاب کرے جو اس کی مر اور ثقافت اور معیار ودرجے کے مناسب ہو، تاکہ فائدہ پورا اٹھایا جا سکے، اور بچہ اس سے جو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ بخوبی حاصل کر سکے، اور ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک پر بھی عمل ہو جاتے جسے امام بخاری حضرت لی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

«حدثوا الناس بما يعرفون». لوگوں سے ایسی باتیں کرو جنہیں وہ سمجھ سکیں۔

اور دیلمی اور حسن بن سفیان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:

«أمرت أن أخاطب الناس على قدر عقولهم». مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے ان کی عقل وسمجھ کے مطابق گفتگو کروں۔

* * *

اور حقیقت یہ ہے کہ جب مربی حضرات اپنے بچوں کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کریں گے اور ان کے ساتھ اس راستہ پر چلیں گے تو وہ مکمل طور پر اسلامی ثقافت سے آراستہ وپیراستہ ہو جائیں گے اور صحیح ودرست اسلامی شعور اور ذہن ان میں

بتدریج پروان چڑھے گا۔

اور سمجھدار و اچھے ساتھیوں سے مراد یہ ہے کہ تربیت کرنے والے اپنی اولاد کے لیے ایسے ساتھیوں کا انتخاب کریں جو نیک صالح اور دیانت دار ہوں، اور پختہ اسلامی سمجھ اور فکری تیقظ اور کامل اسلامی تہذیب سے آراستگی میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر بچہ ادراک و شعور کی حدود میں قدم رکھتے ہی ذہنی اور فکری طور سے بے وقوفوں کے ساتھ رہے گا تو لازمی طور سے وہ بھی بے وقوف بن جائے گا، اور جب اس کا اٹھنا بیٹھنا ایسے لوگوں کے ساتھ ہوگا جو اسلام کی حقیقت اور مخلوق اور عالم دنیا اور انسان کے سلسلہ میں اسلام کے نظریہ سے بے خبر ہوں گے یا ان کا دائرہ اس سلسلہ میں ناقص یا محدود ہوگا تو بچہ بھی لاشعوری طور پر ان سے اُس قصور و کوتاہی کو اپنے اندر پیدا کرلے گا۔

لہٰذا صرف اتنی بات کافی نہیں کہ ساتھی نیک صالح اور نمازی ہو اور نہ صرف یہ کافی ہے کہ وہ تہذیب یافتہ اور تیز و طرار و ذکی ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ صلاح و تقویٰ کے ساتھ ساتھ اس میں عقلی پختگی اور معاشرتی امور کی سمجھ و ادراک اور اسلامی فہم میں پختگی بھی ہو تاکہ وہ برابر کا ساتھی اور متقی و پختہ رفیق بن سکے۔

پرانے زمانے کی ایک مثل مشہور ہے کہ: الصاحب ساحب ساتھی اپنے ساتھی کو اپنی طرف کھینچنے والا ہوتا ہے۔

اور اصحاب بصیرت و معرفت کہتے ہیں: مجھ سے یہ مت پوچھو کہ میں کون ہوں؟ بلکہ مجھ سے یہ پوچھو کہ میں کس کے ساتھ رہتا ہوں؟ اس کے ذریعہ سے تم پہچان لوگے کہ میں کون ہوں۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

عن المرء لا تسل وسل عن قرينه !!	فكل قرين بالمقارن يقتدي
کسی شخص کے بارے میں دریافت نہ کرو بلکہ اس کے ساتھی کے بارے میں پوچھو	اس لیے کہ ہر ساتھی اپنے ساتھی کی پیروی کیا کرتا ہے

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجِ ذیل فرمانِ مبارک کتنا صحیح اور درست ہے جسے امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ:

((المرء على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل)).	انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص یہ دیکھ لے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

٭ ٭ ٭

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ جب ان کے بچے سنِ شعور و امتیاز میں قدم رکھیں تو ان کے لیے ایسے نیک صالح اور سمجھدار ساتھیوں کا انتخاب کریں جو انہیں اسلام کی حقیقت سمجھائیں، اور اسلام کی ایسی بنیادی باتیں سکھلائیں جو ہر چیز پر محیط ہیں، اور انہیں اسلام کی ابدی تعلیمات سے روشناس کریں، اور ان کے سامنے اس دین کی سچی و صحیح تصویر

پیش کریں جس کے جھنڈے جرأت مند شریف بہادروں اور ان کے عظیم آباء واجداد نے بلند و بالا کیے تھے، اس تربیت کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ بچے واقعۃً ایسی بہترین امت بن جائیں کے جسے لوگوں کی خیر و بھلائی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

اخیر میں میں یہ چاہتا ہوں کہ مربیوں والدین اور سرپرستوں کے کان میں یہ حقیقت بھی کہہ دوں کہ:

کیا یہ صورتِ حال افسوسناک نہیں ہے کہ ہمارے نوجوان شعور اور سمجھداری کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسلام دین اور حکومت، قرآن و تلوار، اور عبادت و سیاست سب کا نام ہے۔ اور اسلام ہی ایک ایسا منفرد دین ہے جس میں تمام چیزوں پر محیط ہونے، دائمی ابدی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہنے، اور ترقی پذیر زمانے اور ترقی یافتہ زندگی کے ساتھ ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

کیا یہ بات تکلیف دہ اور افسوسناک نہیں کہ ہماری اولاد اسکولوں میں مغرب کے سرکردہ لوگوں اور مشرق کے فلاسفہ کے بارے میں تمام باتیں پڑھتی ہو اور ان کے افکار و آراء، اور ان کی زندگی کی تاریخ اور کارناموں وغیرہ کے بارے میں — تمام معلومات رکھتی ہو۔ اور اپنے مسلمان بہادروں اور تاریخ میں نام پیدا کرنے والے بڑے لوگوں اور اسلام کے بہادر جرنیلوں کی زندگی کے بارے میں ان کو بہت معمولی اور تھوڑا سا ہی علم ہو۔

اور پھر کیا یہ ذلت و رسوائی کی بات نہیں ہے کہ ہماری اولاد مدارس سے ایسی حالت میں فارغ ہو کر نکلے کہ اجنبی و غیر ملکی ثقافت و تہذیب اور مغربی و مشرقی تعلیمات اور نظریات نے ان کو اس طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہو کہ انہیں سے اکثریت دین، تاریخ و ثقافت اور تہذیب کی بھی دشمن بن گئی ہو۔

اور پھر کیا یہ بات دل و جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی نہیں ہے کہ مسلمان نوجوان طبقہ دعوت و ارشاد کے ایسے دعویداروں کے پیچھے چلنے لگ جائے جو ان کی قوتِ تفکیر کو معطل کر دیں اور اسلامی دینی ثقافت سے ان کا بالکلیہ تعلق منقطع کر دیں، اور مخلص، اور ہر ایسے مرشد عالم سے ان کا تعلق ختم کر دیں جو انہیں اسلام کی حقیقت سمجھا سکے اور اسلام کا محیط و شامل و کامل نظریہ ان پر واضح کر سکے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ کیا یہ ذلت و رسوائی اور عیب کی بات نہیں کہ ہماری اولاد ملحدانہ نظریات پر مشتمل کتابیں اور گندے اور عریاں رسالے اور عشقیہ قصے کہانیاں تو جمع کرلے، لیکن ان کا ایسی کتب سے قطعاً کوئی دُور کا واسطہ بھی نہ ہو جو اسلام کے نظام کو پیش کرتی ہوں اور دشمنوں کے اعتراضات کی تردید کرتی اور تاریخ کے قابلِ فخر کارناموں کو بیان کرتی ہوں؟!!

اس لیے اے والدین و مربیو آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ لوگ اپنے جگر گوشوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری

اور مسئولیت کو پورا کریں اور اگر ان کے نظریات و افکار دوسروں کی آراء و اجنبی خیالات اور غلط و گمراہ کن آرا پر مشتمل ہوں تو آپ ان کے افکار اور ذہنیت کی اصلاح کے لیے پوری جدوجہد اور محنت و کوشش کریں۔ اور ساتھ ہی آپ پر یہ بھی فرض ہے کہ آپ صبح و شام ان کو ملحدوں عیسائیوں کی مکاریوں فریبوں اور مادہ پرست مستشرقین کی بہتان طرازیوں کی تردید سے بھی باخبر کرتے رہیں۔

اگر آپ نے ایسا کیا تو واقعی اس طرح سے ان کی افکار کی صحیح آبیاری ہوگی اور ان کے عقیدے کو اس سے محفوظ کرلیا جائے گا کہ وہ منحرف عقاید اور تباہ کن نظریات اور فتنہ انگیز مکاریوں سے متاثر ہو۔

اگر آپ حضرات اس راستے پر چلے اور اس منہج و طریقے کو آپ نے اختیار کرلیا تو آپ کی اولاد اپنے دین کو عزت و افتخار کا ذریعہ سمجھے گی اور اپنے بزرگوں بڑوں اور تاریخ پر فخر کرے گی اور اسلام کے علاوہ کسی دین کو شریعت و عقیدہ، تلوار و قرآن، اور دین و حکومت، اور عبادت و سیاست نہیں سمجھے گی، اور وہ اس ابتدائی اولین دور کے افراد بن جائیں گے جن کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

خلفت جیلاً من الأصحاب سیرتهم	تضوع بین الوری روحًا وریحانًا
آپ نے اپنے پیچھے ساتھیوں کی ایک ایسی جماعت چھوڑی ہے جنکی سیرت	مخلوق میں تازگی و ریحان کی خوشبو پھیلا رہی ہے
کانت فتوحهم برًا ومرحمةً	کانت سیاستهم عدلاً وإحسانًا
ان کی فتوحات رحم و کرم اور حسنِ سلوک کا نام تھیں	ان کی سیاست عدل و انصاف اور احسان تھی
لم یعرفوا الدین أورادًا ومسبحةً	بل أشبعوا الدین محرابًا ومیدانًا
انہوں نے دین صرف اوراد و وظائف اور تسبیح کو نہیں سمجھا	بلکہ دین کو محراب اور میدان دونوں کا مجموعہ بنا دیا

۳- ذہنی صحت و تندرستی

اللہ تعالیٰ نے والدین اور مربیوں سب کی گردن پر جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں ان میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اولاد اور شاگردوں کی عقل کی اصلاح و درستگی کی بھی فکر کریں، اور ان کی خوب دیکھ بھال رکھیں اور جس طرح ان کی نگرانی کرنا چاہیے اس طرح انکی نگرانی رکھیں تاکہ ان کی فکر اور رائے درست رہے، اور ان کا حافظہ قوی، اور ذہن صاف اور عقول پختہ رہیں۔

لیکن بچوں کی عقل کو درست رکھنے کے سلسلہ میں والدین اور مربیوں کی ذمہ داری اور مسئولیت کی حدود کیا ہیں؟

یہ مسئولیت و ذمہ داری اس میں منحصر ہے کہ بچوں کو ان مفاسد سے دور رکھا جائے جو معاشرے میں اِدھر اُدھر منتشر

اور بکھرے ہوئے ہیں، جن کا عقل، حافظہ اور انسانی جسم پر عام طور سے اثر پڑا کرتا ہے۔ اور اس موضوع پر ہم اس کتاب میں "جسمانی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل کے ذیل میں تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔ اور یہاں اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اور سرسری سا اشارہ کرتے ہیں، تاکہ ہر وہ شخص جس پر تربیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ علی بصیرۃٍ دلیل وحجت کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کر سکے۔

تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں اور صحت وجسم سے تعلق رکھنے والے تمام افراد اس بات پر خبردار کرتے ہیں کہ وہ مفاسد وخرابیاں جو عقل وحافظہ پر اثر انداز ہوتی اور ذہن کو گندا اور انسان کی سوچ بچار کی قوت کو شل کر دیتی ہیں، اور جسم وبدن کے لیے نہایت زبردست نقصانات ———— کا سبب بنتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ شراب نوشی کی لعنت، خواہ کسی شکل میں ہو اور کسی قسم کی ہو، یہ ایک ایسی بیماری ہے جو صحت کو تباہ کر دیتی ہے اور جنون پیدا کرتی ہے۔

۲۔ مشت زنی کی عادت، اس پر مداومت دق وسل کو پیدا کر دیتی ہے، اور حافظہ کو کمزور اور ذہنی پس ماندگی اور عقلی تشتت وپراگندگی کا ذریعہ بنتی ہے۔

۳۔ تمباکو نوشی کی لت ایسی لعنت ہے کہ وہ عقل پر اثر انداز ہو کر اعصاب میں ہیجان پیدا کرتی اور حافظہ کو متاثر کرتی ہے اور ذہن کی قوتِ تفکیر اور یادداشت کو کمزور کر دیتی ہے۔

۴۔ جنسی جذبات کو بھڑکانے والی چیزوں کی آفت، جیسے کہ گندی فلموں کا دیکھنا اور فحش اور عریاں ڈراموں اور ننگی تصویروں کا دیکھنا، اس لیے کہ یہ ایک ایسی آفت ہے جو عقل کی ذمہ داری اور فریضہ کو معطل کر دیتی ہے۔ اور ذہنی پراگندگی پیدا کرتی ہے۔ اور قوتِ حافظہ اور یادداشت اور سوچ بچار کے ملکہ کو ختم کر دیتی ہے، اور ساتھ ہی اس میں قیمتی وقت کا ضیاع اور فرائض وذمہ داریوں سے غفلت بھی پیدا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر "الکیس کاریل" اپنی کتاب "الانسان ذلك المجهول" میں رقمطراز ہیں کہ:

جب انسان میں جنسی خواہش حرکت کرتی ہے تو اس کے غدود ایک خاص قسم کا مادہ پھینکتے ہیں جو خون کیساتھ مل کر دماغ میں سرایت کر جاتا ہے اور دماغ کو ماؤف کر دیتا ہے، اور پھر انسان صحیح سوچ اور تفکیر پر قادر نہیں رہتا۔

اور اس کے علاوہ دوسرے وہ خطرناک مفاسد وبرائیاں جو بچوں کی عقل کو نقصان پہنچاتی ہیں اور ان کے لیے بے شمار آفات اور خطرات کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اس فصل کے ضمن میں جو ابحاث پیش کی گئیں ان کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ:

تعلیمی ذمہ داری۔
فکری ذہن سازی۔
عقل کی صحت و آراستگی۔

یہ وہ اہم ذمہ داریاں ہیں جو بچوں کی عقلی تربیت کے سلسلہ میں مربیوں پر عائد ہوتی ہیں، اگر والدین اور مربی اور اساتذہ ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں کوتاہی کریں گے، اور ان مسئولیات کو پورا کرنے میں تقصیر سے کام لیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی اس تقصیر کا ان سے عنقریب حساب لے گا، اور ان کی اس لاپرواہی سے جو نتائج نکلیں گے ان سے باقاعدہ اس کی باز پرس ہوگی، یاد رکھیے اللہ کے دربار میں اس وقت کیسی زبردست شرمندگی اٹھانی پڑے گی جب حق بات مکمل کر سامنے آجائے گی اور اپنی کوتاہی کو بچشم خود دیکھ لیں اور عظیم اجتماع کے موقعہ پر ان کے لیے کیسی زبردست تباہی و ہلاکت ہوگی جب رب العالمین کے سامنے ان کے منہ سے یہ جواب نکلے گا:

«رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝». الاحزاب، ۶۷ و ۶۸	اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا سو انہوں نے ہمیں راہ سے بھٹکا دیا، اے ہمارے پروردگار انہیں دہرا عذاب دے اور ان پر بڑی ہی لعنت نازل کر۔

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے چنانچہ ابن حبان روایت کرتے ہیں:

«إن الله سائل كل راع عما استرعاه حفظ أم ضيّع».	اللہ تعالیٰ ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھیں گے کہ کیا اس نے انکی دیکھ بھال وحفاظت کی یا انہیں ضائع کر دیا۔

پروردگار ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دیجئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، وہ لوگ جن کے چہرے حساب وکتاب کے روز سفید وروشن وچمکدار ہوں گے، وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد اور گھربار کی دیکھ بھال کی ہوگی، ان کے سلسلہ میں اپنی مسئولیات وفرائض کو بہترین طریقے سے پورا کیا ہوگا۔ آپ ہی سے اچھی امید قائم کی جاسکتی ہے اور آپ ہی وہ کریم داتا ہیں جس سے سوال کیا جاتا ہے۔

پانچویں فصل

۵۔ نفسیاتی تربیت کی ذمہ داریاں

نفسیاتی تربیت سے مراد یہ ہے کہ بچہ جب عقلمند وہوشیار ہوجائے تو اسی وقت سے اس کو جرأت حق کے سلسلہ میں بے باکی وصداقت، اور شجاعت وبہادری کی تربیت دی جائے۔ اور کامل ومکمل ہونے کا شعور پیدا کیا جائے اور دوسروں کے لیے خیر وبھلائی پسند کرنے، اور غصہ کے وقت قابو میں رہنے، اور نفسیاتی اور اخلاقی فضائل وکمالات سے آراستہ ہونے کی تربیت دی جائے۔

اور اس تربیت کا مقصد بچے کی شخصیّت کو بنانا اور اس کی تکمیل وآراستگی ہے، تاکہ جب وہ بڑا ہو تو جو ذمہ داریاں اس پر ڈالی جائیں انہیں عمدگی اور خوبی کے ساتھ صحیح طریقے سے ادا کرسکے۔

اور چونکہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے مربیوں کے پاس ایک امانت ہوتا ہے، اس لیے اسلام مربیوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ بچے کے آنکھیں کھولتے ہی نفسیاتی صحت کے وہ اصول اس کی گھٹی میں ڈال دیں جو اس میں یہ صلاحیت پیدا کردیں کہ وہ پختہ عقل صحیح فکر اور عمدہ تصرفات اور بلند ارادے والا مثالی انسان بن سکے۔

اسی طرح ان مربیوں پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ بچے کو ان تمام عوامل سے دور رکھیں جو اس کی عزت وکرامت پر بٹہ لگاتے اور اس کے وقار وشخصیّت کو مجروح کردیتے ہیں۔ اور جو اسے ایسا انسان بنادیتے ہیں جو زندگی کی طرف حقد وحسد اور کراہیت ونحوست کی نظر سے دیکھتا ہے۔

میرے خیال میں وہ اہم عوامل جن سے مربیوں واساتذہ کو اپنے بچوں اور شاگردوں کو بچانا چاہیئے وہ مندرجہ ذیل عادات ہیں:

۱۔ شرمیلاپن اور جھینپنے کا مرض۔

۲۔ خوف و دہشت کی عادت۔
۳۔ احساس کمتری کا شعور۔
۴۔ حسد و بغض کی بیماری۔
۵۔ غیظ و غضب کی بیماری۔[1]

۱۔ شرمیلاپن اور جھینپنے کا مرض

یہ ظاہر سی بات ہے کہ بچوں میں فطری طور سے شرمیلاپن ہوتا ہے۔ اور اس کی ابتدائی علامات اس وقت سے شروع ہو جاتی ہیں جب بچہ چار مہینہ کا ہو جاتا ہے اور ایک سال کی عمر مکمل ہونے کے بعد تو شرمانے کی عادت بچے میں صاف اور کھلی ہوئی نظر آنے لگتی ہے چنانچہ اگر اسکے سامنے کوئی نیا یا اجنبی آدمی آجائے تو وہ فوراً منہ پھیر لیتا ہے یا اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے یا اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیتا ہے۔[2]

اور تین سال کی عمر میں بچہ شرم اور جھینپنے کو اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ کسی نئی جگہ جاتا ہے تو بسا اوقات وہ تمام وقت اپنی ماں کی گود میں یا اس کے پاس بیٹھ کر گزار دیتا ہے اور اپنا ہونٹ تک نہیں ہلاتا۔[3]

بچوں میں جھینپنے اور شرمیلے پن کا مرض موروثی اعتبار سے بھی اپنا رنگ دکھاتا ہے، جھینپنے کے کم و زیادہ ہونے یا اس کے اعتدال پر رہنے میں ماحول کا بہت بڑا اثر ہوا کرتا ہے، اس لیے کہ جو بچے دوسروں کے ساتھ میل جول رکھتے اور ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں وہ ان بچوں سے کم شرمیلے ہوتے ہیں جو دوسرے سے میل جول اور اٹھنا بیٹھنا نہیں رکھتے۔

اس مرض کا علاج اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ہم بچوں کو لوگوں کے ساتھ میل جول کا عادی بنائیں چاہے اس سلسلہ میں اپنے دوستوں کو گھر پر بار بار بلا کر میل جول کی عادت ڈالیں، یا جب والدین اپنے دوستوں یا عزیزوں سے ملنے جائیں تو بچوں کو بھی اپنے ساتھ لیجائیں، یا نرمی سے ان میں اس کی عادت پیدا کریں کہ وہ دوسروں سے بات چیت کیا کریں خواہ وہ لوگ جن سے بات کی جا رہی ہے وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔

بلاشبہ بچوں کو اس کا عادی بنانے سے ان کی نفوس میں شرمیلاپن کم ہو جائے گا اور ان میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور ان میں یہ جرأت پیدا ہوگی کہ وہ ہمیشہ بلا کسی ہچکچاہٹ اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کیے بغیر حق بات کہہ سکیں۔

---

[1] بعض ساتھیوں نے یہ تجویز پیش کی کہ میں ان امراض کے ساتھ "غفلت و تغافل اور لاپرواہی" کی بیماریوں کو بھی شامل کر دوں، لیکن یہ آراء مجھے اس وقت موصول ہوئیں جب میں اس کتاب کو طباعت کے لیے بھیج چکا تھا۔ خدا نے اگر توفیق دی تو انشاء اللہ اگلے ایڈیشنوں میں یہ اضافہ کر دیا جائے گا۔

[2] ڈاکٹر نبیہ غبرہ کی کتاب "المشکلات السلوکیۃ عند الأطفال" (ص۔ ۱۵۳) سے لیا گیا۔

[3] المشکلات السلوکیۃ (ص۔ ۱۵۳)۔

ذیل میں چند وہ تاریخی مثالیں اور احادیثِ نبویہ پیش کی جارہی ہیں جو تمام تربیت کرنے والے حضرات کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیں گی اور انہیں معلوم ہوگا کہ ہمارے سلفِ صالحین نے اپنے بچوں میں عمدہ تربیت کے ذریعے کس طرح جرأت پیدا کی اور شرمیلے پن اور جھینپنے کی بیماری کو ان سے نکال پھینکا:

الف - امام بخاری وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جو کہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے، یہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إن من الشجر شجرة لا يسقط ورقها وإنها مثل المسلم، فحدثوني ماهي؟». درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ (نفع پہنچانے میں) مسلمان کی طرح ہے، بتلاؤ وہ درخت کون سا ہے؟

(حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ) لوگ تو وادی کے مختلف درختوں کے بارے میں تبلانے اور سوچنے لگے اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ درخت کھجور کا ہے، لیکن شرم کی وجہ سے میں نے لب کشائی نہ کی، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کہ اے اللہ کے رسول آپ ہی ہمیں بتلا دیجیے کہ وہ کونسا درخت ہے؟

«قال: هي النخلة». آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے: کہ میں نے چاہا کہ میں یہ کہہ دوں کہ وہ درخت کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے یہ دیکھا کہ میں تو سب سے کم عمر ہوں (اس لیے بولنے کی جرأت نہ کی)۔

ایک اور روایت میں آتا ہے: کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما خاموش ہیں اس لیے میں نے بات کرنا مناسب نہ سمجھا، پھر جب ہم وہاں سے رخصت ہوئے تو میں نے اپنے والد ماجد سے اپنے دل میں آنے والا خیال ظاہر کیا، تو انہوں نے فرمایا: اگر تم یہ بات اس وقت کہہ دیتے تو مجھے سرخ اونٹوں کے حصول سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی۔

ب- امام مسلم حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مشروب لایا گیا، آپ نے اسے نوش فرمایا، اس وقت آپ کی دائیں جانب ایک نوعمر آدمی بیٹھے تھے اور بائیں جانب عمر رسیدہ حضرات بیٹھے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوعمر لڑکے سے فرمایا:

«أتأذن لي أن أعطي هؤلاء؟». کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ میں پہلے ان حضرات کو دے دوں؟

تو ان صاحب نے فرمایا: نہیں! بخدا ہرگز نہیں! آپ سے حاصل ہونیوالے متبرک حصے کے بارے میں ہرگز بھی میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

ج - امام بخاری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے (جو اس وقت تک بالغ نہ ہوئے تھے) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دور میں بدر کے مشایخ کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی مشورہ کیا کرتے تھے۔ کسی کو اس پر اعتراض ہوا کہ ہمارے بھی اس عمر کے بچے ہیں جب انہیں مشورہ میں شریک نہیں کرتے تو مجھے کیوں شریک کرتے ہیں ؟ اس پر حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ ان کے مرتبہ کو تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں[1]۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے مجھے بلایا اور ان حضرات کے ساتھ مجھ سے بھی مشورہ کیا ، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اس روز مجھے صرف اس لیے بلایا تھا تاکہ انہیں میرا مرتبہ و درجہ محسوس کرا دیں۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ آپ حضرات اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل مبارک کے بارے میں کیا کہتے ہیں :

((اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝)) - نصر - ۱   جب اللہ کی مدد اور فتح آگئی۔

تو بعض حضرات نے فرمایا کہ : جب ہماری امداد کر دی جائے اور فتح حاصل ہو جائے تو ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی تعریف بیان کریں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں ، بعض دوسرے حضرات بالکل خاموش رہے اور انہوں نے کچھ نہ فرمایا ، تو حضرت عمر نے مجھ سے فرمایا : اے ابن عباس ! کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے ؟ تو میں نے کہا : جی نہیں ، انہوں نے فرمایا : تم کیا کہتے ہو ؟ میں نے عرض کیا : اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے وقتِ مقررہ (یعنی وقتِ وفات) کی اطلاع دی ہے چنانچہ فرمایا کہ جب اللہ کی نصرت و فتح آجائے تو یہ آپ کے دنیا سے رحلت کرنے کی علامت ہے لہٰذا :

((فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝)) - نصر - ۳   تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کیجیے اور اس سے استغفار کیجیے بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں میرا بھی وہی خیال ہے جو آپ نے کہا۔

د - ایک مرتبہ مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا ، وہاں بچے کھیل رہے تھے جن میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو چھوٹے تھے اور کھیل رہے تھے ، اور بچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر خاموش کھڑے رہے وہاں سے بھاگے نہیں ، جب حضرت عمر ان کے پاس پہنچے تو ان سے فرمایا : اور بچوں کے ساتھ تم کیوں نہیں بھاگے ؟ تو انہوں نے فوراً فرمایا : میں کوئی مجرم تھوڑی ہوں کہ آپ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا اور نہ ہی راستہ تنگ ہے کہ میں بھاگ کر آپ کے لیے اسے کشادہ کر دوں ، واقعی بڑا اجرأت مندانہ اور بالکل درست جواب تھا۔

ہ - عید کے موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک بیٹے کو پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈبڈبا گئیں ، ان کے صاحبزادے نے انہیں دیکھ لیا اور ان سے پوچھا : اے امیر المؤمنین ! آپ کو کس چیز نے

---

[1] یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے دعا فرمائی اور فرمایا :

((اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التأویل)) -   اے اللہ انہیں دین کی سمجھ اور قرآنِ کریم کا علم عطا فرمایئے۔

رلا دیا ہے ؟

تو انہوں نے جواب دیا: میرے بیٹے! مجھے ڈر ہے کہ جب دوسرے لڑکے تمہیں ان پرانے کپڑوں میں دیکھیں تو اس سے تمہارا دل ٹوٹ جائے گا؟!!

تو اس لڑکے نے جواب دیا کہ: اے امیر المؤمنین! دل تو اس شخص کا ٹوٹتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو، یا جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہوا اور مجھے تو یہ امید ہے کہ آپ کی رضامندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے راضی ہوں گے

و۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں مختلف وفود اطراف عالم سے انہیں مبارک باد دینے آئے، چنانچہ اہلِ حجاز کے وفد میں سے جو شخص مبارک باد دینے آگے بڑھا وہ ایک چھوٹا لڑکا تھا جس کی عمر گیارہ سال بھی نہ ہوگی، وہ آگے بڑھا تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس سے کہا: تم واپس ہو جاؤ اور تمہارے بجائے کوئی عمر رسیدہ آدمی آگے آئے!!

تو وہ لڑکا یوں گویا ہوا: اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کا مددگار ہو. انسان اپنے جسم کی دو چھوٹی سی چیزوں سے عبارت ہے. ایک اس کا دل اور دوسری اس کی زبان، پس جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بولنے والی زبان اور محفوظ رکھنے والا دل عطا فرمادے تو وہ بولنے اور بات چیت کرنے کا حقدار ہو گیا، اور اے امیر المؤمنین اگر دار و مدار عمر پر ہی ہوتا تو اس وقت آپ سے زیادہ اس کرسی کے حقدار لوگ امّت میں موجود ہیں.

خلیفہ عمر اس کی بات سن کر بہت متعجب ہوئے اور یہ اشعار پڑھے:

تعلم فليس المرأ يولد عالما ... وليس أخو علم كمن هو جاهل

تم علم حاصل کرو اس لیے کہ انسان عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا ... اور عالم جاہل کی طرح نہیں ہوا کرتا ہے

وإن كبير القوم لا علم عنده ... صغير إذا التفت عليه المحافل

اور قوم کا ایسا بڑا شخص جو جاہل ہوا ... اسوقت چھوٹا ہوتا ہے جب اس کے ارد گرد مجلسیں قائم ہوں

ز۔ اَدب کی کتابوں میں جو واقعات مذکور ہیں ان میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک لڑکا خلیفہ مامون کے سامنے گویا ہوا اور اس نے خوب عمدہ جوابات دیے تو مامون نے اس سے پوچھا: تم کس کے بیٹے ہو؟

بچے نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین میں علمِ ادب کا بیٹا ہوں!!

مامون نے فرمایا: بہت عمدہ نسب ہے اور پھر یہ شعر پڑھے:

کن ابن من شئت واکتسب أدبًا ... یغنیك محموده عن النسب

تم جس کے چاہو بیٹے بن جاؤ اور علم وادب کو حاصل کرلو ... اسکا قابلِ افتخار مرتبہ و مکانت تمہیں نسب سے بے نیاز کردیگی

إن الفتى من يقول ها أنذا	ليس الفتى من يقول كان أبي
جوان وہ ہے جو یہ کہے کہ یہ لو میں سامنے موجود ہوں	وہ شخص ہرگز جوان و بہادر نہیں جو یہ کہے کہ میرے والد ایسے و یسے تھے

ح ۔ ایک مرتبہ خلیفہ مأمون اپنے دیوان گاہ میں تشریف لے گئے تو ایک نوعمر لڑکے کو کان پر قلم رکھے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا میں آپ کی حکومت کا پروردہ، آپ کی نعمتوں میں صبح وشام کرنے والا، آپ کی خدمت کا امیدوار حسن بن رجاء ہوں، خلیفہ مأمون اس کے حسنِ انداز وخوش بیانی سے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا: فی البدیہ عمدہ جواب دینے سے عقلوں کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اس لڑکے کو اس کے موجودہ عہدہ سے بڑے عہدے پر ترقی دے دو۔

ط ۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک کے دَورِ خلافت میں دیہات میں قحط پڑ گیا، وہاں کے عرب باشندے ان کے پاس حاضر ہوئے اور دربار میں پہنچ کر ان کے سامنے لب کشائی سے گھبرانے لگے، ان میں ورداس بن حبیب بھی موجود تھے جو اس وقت چھوٹے بچے تھے، ان پر جب ہشام کی نگاہ پڑی تو انہوں نے اپنے دربانوں سے کہا کہ: جو شخص بھی میرے پاس آنا چاہتا ہے آجاتا ہے حتیٰ کہ بچے بھی آجاتے ہیں؟

اس بچے نے یہ سن کر کہا: اے امیر المؤمنین! ہم پر تین سال سے قحط آرہا ہے، پہلے سال نے تو چربی کو پگھلا ڈالا اور دوسرے سال نے گوشت کھالیا، اور تیسرے سال نے ہڈیوں کا گودا تک نکال ڈالا۔ اور آپ حضرات کے پاس فالتو مال ہے اگر وہ مال اللہ کا ہے تو اسے اللہ کے بندوں پر تقسیم کر دیجیے، اور اگر وہ مال انہی لوگوں کا ہے تو پھر آپ ان کا مال ان سے کیوں روک کر رکھتے ہیں؟ اور اگر وہ مال آپ لوگوں کا ہے تو آپ دوسروں پر صدقہ کیجیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزاء دیتا ہے اور محسنین کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

خلیفہ ہشام نے فرمایا: اس لڑکے نے تو ہمارے لیے تینوں راستے بند کر دیے اور کوئی بھی گنجائش نہیں چھوڑی چنانچہ دیہات والوں کے لیے سو دینار اور اس لڑکے کے لیے ایک لاکھ درہم کا حکم دیا، تو اس بچے نے کہا: اے امیر المؤمنین اس کو اہلِ عرب کو انعام دینے کے لیے محفوظ رکھیے اس لیے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ ان کو بقدرِ ضرورت دینے سے عاجز نہ آجائیں تو ہشام نے فرمایا: کیا تمہیں ضرورت نہیں ہے؟ لڑکے نے جواب دیا: مجھے عام مسلمانوں سے ہٹ کر خصوصی منفرد الگ تھلگ کوئی حاجت وضرورت نہیں ہے، چنانچہ وہ بچہ ان کے یہاں سے اس حال میں رخصت ہوا کہ وہ قوم کا شریف ومعزز ترین فرد تھا،

سلفِ صالحین کے بچوں کی پیش کردہ مندرجہ بالا مثالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچے جھجک احساسِ کہتری اور بلا موقع ظاہری شرم وحیاء سے بالکل آزاد تھے جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ جرأت مندی وبہادری کے عادی بنائے گئے تھے۔ اور وہ اپنے والدین کے ہمراہ عمومی مجالس، اور ان کے دوستوں کی ملاقات وغیرہ میں شریک ہوا کرتے تھے، اور پھر بڑوں کے سامنے سلیقہ سے گفتگو پر ان کو داد دی جاتی تھی، اور سمجھداروں اور فصیح وبلیغ حضرات کو حکام وامراء وخلفاء سے

شرفِ ہم کلامی بخشا جاتا تھا، اور عمومی و علمی مسائل اور مشکلات کے حل کے سلسلہ میں منکرین و علماء کی محفلوں و مجلسوں میں ان سے مشورہ کیا جاتا تھا۔

ادبی و علمی جرأت اور یہ تمام چیزیں بچوں میں علم و سمجھ اور دانائی کے اعلیٰ ترین معانی پیدا کرتی ہیں اور سوجھ بوجھ بڑھاتی ہیں اور ان کو اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ کمال کے اعلیٰ ترین مراتب تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہیں اور اپنی شخصیت سازی کریں اور فکری و معاشرتی و پختگی پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف رہیں۔

اس لیے تربیت کرنے والوں اور خاص طور سے والدین پر آج یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس عظیم و شاندار تربیت کے اصول اپنائیں تاکہ ان کے بچے حق گوئی اور بے باکی اور ادب و احترام کے حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے کامل جرأت کا مظاہرہ کر سکیں، اور دوسروں کے احساسات و شعور کا بھی خیال رکھیں، اور ہر شخص کو اس کی شان کے مطابق درجہ دیں، ورنہ تو جرأت بے حیائی سے بدل جائے گی اور صراحت و بے باکی دوسروں کے ساتھ بے ادبی اور قلتِ ادب کی شکل اختیار کرے گی۔

ہماری ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ہم حیاء اور شرمندگی میں فرق کریں، اس لیے کہ یہ بہت واضح سی چیز ہے:

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ شرمندگی نام ہے بچے کے دوسروں کی ملاقات سے بھاگنے اور دور ہونے اور اس سے کنارہ کشی کرنے کا۔

اور حیاء نام ہے بچے کے اسلامی آداب اور فضل و کمال اور اخلاق کے طریقوں پر عمل کرنے کا۔

لہٰذا شرم اس کا نام نہیں ہے کہ ہم شروع سے ہی بچے کو اس کا عادی بنا دیں کہ وہ ناپسندیدہ چیزوں کے ارتکاب اور گناہوں کے کرنے سے شرم کرنے لگے۔

اور نہ یہ کہ ہم بچے کو بڑوں کے احترام کرنے اور محرمات سے نگاہ کو ہٹانے اور کانوں کو ناپسندیدہ باتوں کے چسکے سے سننے یا نامحرم کو دیکھنے کا عادی بنا دیں۔

اور نہ ہی شرم اس کا نام ہے کہ ہم بچے کو اس کی عادت ڈال دیں کہ وہ اپنی زبان کو باطل میں مشغول رکھنے سے بچائے اور اپنے پیٹ کو حرام غذا سے بچائے اور اپنے وقت کو اللہ کی طاعت و فرمانبرداری اور اس کی رضامندی کے حصول میں صرف کرے۔

حیاء کے یہ معنی ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمانِ مبارک میں مراد لیے ہیں جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

((استحیوا من اللہ حق الحیاء)). اللہ سے ایسی حیا کرو جو اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔

تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم تو الحمد للہ اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لیس ذلك: الاستحیاء من اللہ حق الحیاء أن تحفظ الرأس وما وعی، والبطن وما حوی وتذکر الموت والبلی، ومن أراد الآخرة ترك زینة الحیاة، وآثر الآخرة علی الأولی، فمن فعل ذلك استحیی من اللہ حق الحیاء)). رواہ الترمذی

یہ حیا نہیں ہے: اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا درحقیقت یہ ہے کہ تم سر اور اس میں جو اعضاء ہیں ان کی حفاظت کرو۔ اور پیٹ اور جس پر وہ مشتمل ہے اس کی حفاظت کرو اور موت اور بوسیدہ ہونے کو یاد رکھو، اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہوتا ہے وہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دیتا ہے، اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے، لہٰذا جو شخص ایسا کرے گا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے وہ حیا کی جو حیا کرنا چاہیئے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمانِ مبارک روایت کرتے ہیں:

((اللھم لا یدرکنی زمان لا یتبع فیه العلیم ولا یستحیی فیه من الحلیم)). اے اللہ مجھے ایسا زمانہ نہ پائے جس میں سمجھدار و عالم کی پیروی نہ کی جاتی ہو اور حلیم و بردبار سے حیا نہ کی جاتی ہو۔

اور امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن لکل دین خلقاً، وخلق الإسلام الحیاء)). ہر مذہب و دین کے کچھ اخلاق و اوصاف ہوتے ہیں اور اسلام کا وصف حیاء ہے۔

٢- خوف و ڈر

خوف و ڈر - ایک ایسی نفسیاتی حالت ہے جو بڑوں چھوٹوں عورتوں مردوں سب کو پیش آتی ہے اور کبھی کبھی یہ عادت قابل تعریف و مستحسن ہوجاتی ہے اگر وہ بچوں میں طبعی حدود کے دائرہ میں ہو اس لیے کہ یہ عادت بچے کو بہت سے حوادث سے بچانے کا ذریعہ اور بہت سے مشکلات و آفات سے دور رکھنے کا سبب بنتی ہے۔

لیکن اگر یہی خوف عام حد سے بڑھ جائے اور فطری حدود سے زیادہ ہوجائے تو اس سے بچے میں نفسیاتی بے چینی پیدا ہوجاتی ہے اور ایسے وقت میں یہ عادت ایک نفسیاتی مسألہ بن جاتی ہے جس کا دور کرنا اور اس کے بارے میں اہتمام کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

بچوں کی نفسیات کے خصوصی ماہر لکھتے ہیں کہ بچہ میں اس کی عمر کے پہلے سال کبھی کبھی خوف کی علامات ظاہر ہوتی ہیں اور یہ اس وقت جب اچانک شور و غل ہو یا کوئی چیز اچانک گر جائے اور اس طرح کی کوئی اور چیز پیش آجائے تقریباً چھٹے مہینہ

سے یہ ہوجاتا ہے کہ جب کوئی اجنبی اور نیا آدمی آجائے تو بچہ اس سے ڈرنے لگتا ہے پھر جب بچہ تیسرے سال میں داخل ہوتا ہے تو وہ بہت سی چیزوں سے ڈرنے لگتا ہے مثلاً حیوانات، گاڑیاں، پست و نشیبی جگہیں، پانی اور اس طرح کی دوسری اور چیزیں۔

عام طور سے بچوں کی بنسبت بچیاں زیادہ خوف کا اظہار کرتی ہیں اور عام طور سے یہ خوف و ڈر بچے کے تخیل پر زیادہ مبنی ہوتا ہے چنانچہ بچہ جتنا زیادہ سوچنے کا عادی ہوگا اتنا ہی زیادہ اس میں خوف کا مادہ ہوگا[1]

بچوں میں خوف و ڈر بڑھانے کے اہم اسباب و عوامل درج ذیل ہیں :

- ماں کا بچہ کو سایوں تاریکی اور بھوت چڑیل وغیرہ سے ڈرانا۔
- ماں کا زیادہ ناز و نخرے اٹھانا، اور ضرورت سے زیادہ بے چین ہونا اور شدتِ احساس۔
- بچے کو گوشہ نشینی یکسوئی اور گھر کی دیواروں کے پیچھے چھپنے کا عادی بنانا۔
- ان خیالی قصوں کا بیان کرنا جن کا تعلق جنوں اور بھوتوں و چڑیلوں سے ہے۔

اور اس کے علاوہ دیگر اور اسباب و عوامل۔

بچوں میں موجود اس مرض کا علاج کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور کی رعایت بہت ضروری ہے :

۱۔ بچے کو شروع ہی سے اللہ پر ایمان اور اس کی عبادت اور ہر پیش آمدہ چیز پر اللہ کے سامنے گردن جھکانے کی تربیت دینا۔ اور بلاشبہ اگر بچے کی تربیت ان ایمانی حقائق کے مطابق ہوا اور اس کو ان روحانی و بدنی عبادات کا عادی بنا دیا جائے تو وہ کسی بھی ابتلاء کے وقت نہ خوف زدہ ہوگا اور نہ کسی مصیبت پر جزع فزع کرے گا۔ قرآنِ کریم اسی جانب ہماری رہنمائی کرتا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

((اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝)). المعارج۔ ۱۹ تا ۲۳

انسان بے ہمت پیدا ہوا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے۔ اور جب اسے خوشحالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ہاں البتہ وہ نمازی (اس حکم میں داخل نہیں) جو اپنی نماز میں برابر لگے رہتے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر نبیہ الغبرہ کی کتاب المشکلات السلوکیۃ عند الاطفال (ص۔ ۱۵۰)۔

۲۔ بچے کو تصرفات کی آزادی دینا چاہیے، اور اس پر ذمہ داری ڈالنا چاہئیے، اور اس کی عمر کے مطابق مختلف کاموں کا اس پر بار ڈالنا چاہیے تاکہ وہ بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مندرجہ ذیل فرمانِ مبارک کے عموم میں داخل ہو جائے:

((کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ)).	تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص
بخاری ومسلم	سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

۳۔ بچوں کو جن بھوت، چڑیل، بجو، چور، ڈاکو، شیر، کتے وغیرہ سے نہ ڈرانا، اور خصوصاً رونے کے وقت تاکہ بچہ خوف وڈر کے سایے سے بھی دُور رہے اور شروع سے ہی بہادری جرأت پر پلے بڑھے، اور اس میں اقدام کی عادت ہو، اور اس بہترین جماعت میں شامل ہو سکے جس کی جانب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی کی ہے، چنانچہ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

((المؤمن القوی خیر وأحب إلی اللہ	کمزور وضعیف مؤمن کی بنسبت طاقتور مؤمن اللہ
من المؤمن الضعیف)).	کے یہاں زیادہ بہتر وزیادہ محبوب ہے۔

۴۔ بچہ جب سمجھدار وعقلمند ہو جائے تو اسے اسی وقت سے عملی طور سے دوسروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میل جول رکھنے اور ملاقات کرنیکا موقعہ دینا چاہیئے تاکہ وجدانی طور پر بچہ یہ محسوس کرے کہ وہ جس سے ملتا اور شناسائی پیدا کرتا ہے اس کی نظر شفقت ومحبت کے لائق اور قابلِ احترام ہے تاکہ وہ ان لوگوں میں شامل ہو جن کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے درجِ ذیل فرمانِ مبارک میں کیا ہے:

((المؤمن آلف مألوف، ولا خیر فیمن	مؤمن الفت رکھنے والا ہوتا ہے اور اس سے الفت
لا یألف ولا یؤلف وخیر الناس أنفعھم	رکھی جاتی ہے اور ایسے شخص میں کوئی خیر وبھلائی نہیں جو نہ
للناس)).	دوسروں سے الفت رکھے اور نہ دوسرے اس سے
حاکم وبیہقی	الفت رکھیں اور لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں
	کو زیادہ نفع رساں ہو۔

اور علماءِ نفس وتربیت کی نصیحتوں میں سے یہ بھی ہے کہ: اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بچہ جس چیز سے ڈرتا ہو اس سے ہم اس کو اور زیادہ متعارف کرائیں، چنانچہ اگر وہ اندھیرے سے ڈرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم اس سے اس طرح دل لگی کریں کہ پہلے بتی بجھادیں پھر جلادیں، اور اگر وہ پانی سے ڈرتا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہم اس کو یہ موقعہ فراہم کر دیں کہ وہ کسی چھوٹے برتن یا اور کسی چیز میں تھوڑے سے پانی سے کھیلے، اور اگر وہ بجلی کی کسی مشین وغیرہ مثلاً اگر صفائی کی بجلی کی مشین سے ڈرتا ہو تو ہم اس کے بعض اجزاء اس کو کھیلنے کے لیے دے دیں اور پھر پوری مشین اس کو کھیلنے کیلیے تھمادیں، اور اسی طرح دوسری چیزیں بھی...[۱]

---

[۱] عنبرہ کی کتاب مشکلات سلوکیہ ص ۱۵۲۔

۵۔ بچوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات وجنگوں کے واقعات اور سلفِ صالحین کے بہادری کے کارناموں سے واقف کرانا اور انہیں یہ تربیت دینا کہ وہ ان رہنماؤں اور فاتحین اور صحابہ وتابعین کے اخلاق وعادات اپنے اندر پیدا کریں تاکہ بے مثال شجاعت اور نادر بہادری اور جہاد کی محبت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے بھرپور کوشش ان میں رچی بسی ہو۔

آئیے اب ہم اس کلام کو سنتے ہیں جو اس بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ہم اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعلیم بالکل اسی طرح دیا کرتے تھے جس طرح قرآنِ کریم کی سورتوں کی تعلیم دیتے تھے۔

اور حضرت عمر بن الخطاب کی وہ وصیت پہلے گزر چکی ہے جو وہ بچوں کو شہسواری بہادری وجوانمردی اور وسائل جنگ وجہاد کے سکھانے کے سلسلے میں ان کے والدین کو کیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے فرمایا: اپنے بچوں کو تیراندازی اور تیرنا سکھاؤ اور انہیں حکم دو کہ وہ گھوڑوں کی پشت پر اچھل کر سوار ہوں۔

اور ایمانی تربیت کی مسئولیت وذمہ داری کے سلسلہ میں ہم اس حدیث کو بھی پہلے بیان کر چکے ہیں جسے طبرانی نے روایت کیا ہے کہ:

«أدبوا أولادكم على ثلاث خصال: حب نبيكم، وحب آل بيته، وتلاوة القرآن...».	اپنے بچوں کو تین خصلتوں کا عادی بناؤ: اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا، اور آپ کے اہلِ بیت سے محبت کا، اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا...

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ توجیہات ورہنمائی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اسلام اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ بچوں کو شجاعت وبہادری اور جرأت واقدام کی تربیت دی جائے تاکہ مستقبل میں وہ اسلام کا ایسا مضبوط معاشرہ اور قوم بنیں جو اسلام کی مضبوط وبلند وبالا عمارت تعمیر کرنے اور عالم میں اسلامی عزت کا منارہ بلند کرنے کا ذریعہ بنیں۔

◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎

اس مناسبت سے ذیل میں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کے بہادری وشجاعت کے وہ انمٹ عظیم کارنامے پیش کرتے ہیں جو تاریخ کے اوراق کی زینت اور بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ بنے، اور ان کے واقعات اب بھی ضرب المثل ہیں۔ اور ان کی سیرت وکارنامے قوموں کے لیے ذریعہ افتخار اور تاریخ کے تعجب خیز واقعات ہیں:

الف۔ جنگ احد میں مشرکوں سے لڑنے کے لیے جب مسلمان تیار ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لشکر کو پیش کیا گیا، آپ نے دیکھا کہ لشکر میں کچھ نوعمر ایسے لڑکے بھی ہیں جو ابھی تک بالغ نہیں ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے خود کو مردوں کے ساتھ ملا دیا ہے تاکہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے وہ خود بھی مجاہدین کے ساتھ شامل ہو جائیں، یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

پر رحم کھایا اور ان میں سے جس کو زیادہ چھوٹا محسوس کیا اسے واپس کر دیا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات کو واپس لوٹایا ان میں حضرت رافع بن خدیج اور حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہما بھی تھے، لیکن جب آپ سے یہ عرض کیا گیا کہ: رافع تیر انداز ہیں بہت اچھی تیراندازی کرتے ہیں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی، یہ دیکھ کر حضرت سمرہ رونے لگے اور اپنے سوتیلے والد سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع کو تو اجازت دے دی ہے اور مجھے واپس کر دیا ہے حالاں کہ میں تو رافع کو پچھاڑ دیا کرتا ہوں، یہ خبر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچی تو آپ نے ان دونوں کو لڑنے کا حکم دیا، اور حضرت سمرہ غالب رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اجازت دے دی۔

ب ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر کے جانے لگے اور غارِ ثور میں تین دن مقیم رہے، تو حضرت ابوبکر کی صاحبزادیوں عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہم نے دونوں حضرات کے لیے توشۂ سفر تیار کیا، اور حضرت اسماء نے اپنے ازار بند کو دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے سے کھانے کے اس برتن کے منہ کو باندھ دیا جسے وہ لیکر جاتی تھیں، اسی لیے انہیں ذات النطاقین (یعنی دو ازار بند والی) کہا جاتا ہے، اور حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ خبریں پہنچایا کرتے تھے، چنانچہ قریش دن میں جو کوئی منصوبہ بناتے اور ان دونوں حضرات کو نقصان پہنچانے کیلئے جو سازش بھی تیار کرتے تھے یہ اسے رات کو ان دونوں حضرات تک پہنچا دیا کرتے تھے، اور کچھ دیر ان حضرات کے پاس ٹھہرتے بھی تھے، اور سحر کے وقت واپس آجایا کرتے تھے، اور مکہ میں قریش کے ساتھ بالکل اسی طرح صبح کرتے تھے گویا کہ وہ مکہ میں ہی رات بھر سوئے ہوں، یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضرت عائشہ و حضرت عبداللہ دونوں اس وقت تک نابالغ بچے تھے واقعتًہ یہ بہادری کی ایک ایسی نادر مثال ہے جو بہت سے مردوں میں بھی نہیں مل سکتی۔

ج ۔ بخاری و مسلم حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں جنگِ بدر کے موقعہ پر صف میں کھڑا ہوا تھا، میں نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو کیا دیکھا کہ میں انصار کے دو نو عمر لڑکوں کے درمیان کھڑا ہوں (میرا دیکھنا ان بچوں نے تاڑلیا) اور ان میں سے ایک نے آنکھ کے اشارے سے مجھ سے کہا کہ چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! لیکن تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اس لڑکے نے کہا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میں اس سے اس وقت تک الگ نہ ہوں گا جب تک کہ ہم دونوں میں سے جس کو پہلے مرنا ہے وہ مر نہ جائے یہ بات سن کر مجھے بہت تعجب ہوا، دوسرے نے بھی مجھے اشارہ کیا اور اسی طرح کی بات کہی، کچھ دیر کے بعد ہی میری نظر ابوجہل پر پڑی وہ لوگوں کے درمیان چل رہا تھا۔
میں نے کہا: کیا تم دونوں دیکھ نہیں رہے ہو، یہی تو وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے ابھی پوچھ

رہے تھے۔ یہ سنا تھا کہ دونوں تلواریں لے کر اس پر جھپٹ پڑے اور اس سے لڑے یہاں تک کہ اسے قتل کر ڈالا اور پھر واپس آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی، تو آپ نے پوچھا: اسے تم دونوں میں سے کس نے قتل کیا ہے؟ دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ میں نے اسے مارا ہے، آپ نے پوچھا: کیا تم دونوں نے اپنی اپنی تلواروں کو پونچھ لیا ہے، ان دونوں نے عرض کیا: جی نہیں، راوی فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تلواریں دیکھیں اور فرمایا: تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے، اور ابوجہل کا چھوڑا ہوا سامانِ جنگ وغیرہ معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہما دونوں کو دینے کا فیصلہ کر دیا۔

د - ابن ابی شیبہ امام شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جنگِ احد کے موقعہ پر ایک عورت نے اپنے لڑکے کو تلوار تھمائی لیکن وہ اسے اٹھا نہ سکا، تو اس عورت نے وہ تلوار بٹے ہوئے چمڑے کے ذریعہ اس کے کاندھے پر باندھ دی اور پھر اس کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میرا یہ بچہ آپ کی طرف سے جنگ کرے گا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیٹے ادھر سے حملہ کرو، بیٹے ادھر سے حملہ کرو، لڑائی میں وہ زخمی ہو کر گر گیا تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: بیٹا شاید تم گھبرا گئے ہوگے، تو لڑکے نے عرض کیا: جی نہیں اے اللہ کے رسول۔

ہ - ابن سعد نے طبقات میں اور بزار اور ابن الاثیر نے الاصابۃ میں حضرت سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو جنگِ بدر کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنے سے گریز کرتے ہوئے دیکھا، تو میں نے ان سے پوچھا بھائی آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیں اور پھر مجھے واپس لوٹا دیں، حالاں کہ میں تو جنگ کے لیے جانا چاہتا ہوں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرما دیں، حضرت سعد فرماتے ہیں کہ پھر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کم عمری کی وجہ سے واپس لوٹا دیا، تو وہ رونے لگے یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ان کی نوعمری کی وجہ سے ان کی تلوار کا پٹہ میں باندھا کرتا تھا، اور وہ سولہ سالہ لڑکا شہید ہو گیا فرضی اللہ عنہ وأرضاہ۔

ان یادگار تاریخی مثالوں اور ان جیسی اور دوسری مثالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اولاد بہادری، شجاعت وجوانمردی اور جرأت واستقلال کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھی، اور اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ انہوں نے نبوی مدرسے، مسلمان گھرانے اور جواں مرد بہادر مسلم ومؤمن معاشرے میں صحیح واعلیٰ تربیت حاصل کی تھی!! بلکہ ان کی مائیں اپنے بچوں اور جگر گوشوں کو جہاد وکارزار کے میدان کی طرف بھیجا کرتی تھیں، اور جب انہیں ان کی شہادت

کی خبر اور موت کی اطلاع ملتی تو ان میں سے کوئی کہنے والی یہ یادگار جملہ کہتی: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے ان کی شہادت کا شرف بخشا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور مجھے قیامت میں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے گا۔

اس طرح ان کے والدین بھی بچپن سے ہی اپنی اولاد کو شہسواری بہادری شجاعت جوانمردی جرأت و اقدام اور خطرناک و نازک مقامات میں گھس جانے کی تربیت دیا کرتے تھے، اور پھر جب وہ کچھ بڑے ہو جاتے اور ہمت پیدا ہو جاتی (اور وہ ابھی بالغ بھی نہ ہوئے تھے) تو وہ آزادی، جہاد اور طلبِ رزق کے قافلوں کے ساتھ سچے داعی اور بہادر مجاہد اور محنت کش عامل بن کر نکل پڑتے تھے۔

مثال کے طور پر ہم ایک مؤمن لڑکے کا وہ شاندار موقف پیش کرتے ہیں جس میں اس نے اپنے والد سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اسے اطرافِ عالم کا دورہ کرنے کا موقعہ فراہم کر دیں تاکہ وہ اپنے لیے عزت و ترقی کے راستے تلاش کر سکے اور عزت و کرامت کی بلندیوں تک پہنچ سکے، بلکہ اس نے اپنے والد سے ایسے اشعار کے ذریعہ خطاب کیا تھا جو عزتِ نفس اور خودداری سے بھرپور ہیں:

اقذف السرج على المـ ... ـهر وقرّطه اللجاما

گھوڑے پر زین کس دیں ... اور اس کے منہ میں لگام ڈال دیے

ثم صب الدرع في رأ ... ـسي وناولني الحساما

پھر میرے سر میں زرہ ڈال دیں ... اور مجھے تیز قسم کی تلوار دیدیں

فمتى أطلب إن لم ... أطلب الرزق غلاما

بھلا میں اور کس وقت طلبِ ... رزق کروں گا اگر میں نوعمری ہی سے کمائی نہ کروں

سأجوب الأرض أبغيـ ... ـه حلالاً لا حراما

میں سفر کروں گا تاکہ حلال ... رزق کما سکوں نہ کہ حرام

فلعل الظعن ينفي الفـ ... ـقر أو يدني الحماما

شاید کہ کوچ کرنا فقر و فاقہ کو ... دور کر دے یا موت کو قریب کر دے

اس بے نظیر مثالی معاشرے نے ان شاندار خصلتوں میں نشو و نما پایا اور ان مکارمِ اخلاق میں ترقی کرتے رہے اور یہ صرف اس لیے کہ:

انہوں نے نوعمری ہی میں تیر اندازی شہسواری اور تیرنے کی تربیت حاصل کی تھی۔۔

اس لیے کہ انہوں نے غلط ناز و نخرے اور تباہ کن الگ تھلگ رہنے کی عادت نہ ڈالی تھی۔۔

اس لیے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے اور انہیں اپنے اوپر اعتماد تھا..
اس لیے کہ وہ سادہ زندگی شہسواری اور سفروں کے عادی تھے..
اس لیے کہ انہیں یہ سکھایا گیا تھا کہ وہ اپنے ہم عمر چچازاد بھائیوں اور خاندان والوں کے ساتھ میل جول رکھیں..
اس لیے کہ وہ بہادروں اور فتوحات و کامیابی حاصل کرنے والے سربراہوں کے حالات و سیرت سنا کرتے تھے..
اور اس کے علاوہ اور دوسری اچھائیاں جو ان کی گھٹی میں ڈال دی گئیں تھیں، اور ایسی عمدہ تربیت جو انہیں دی جاتی رہتی تھی!!..

وهل ينبت الخطي إلا وشيجه	وتغرس إلا في منابتها النخل
خطی نیزوں کو ان کا درخت ہی اگاتا ہے	اور کھجور اپنی جگہ پر ہی لگائی جاتی ہے

اور جس روز والدین اور تربیت کرنے والے اس عظیم طریقے کو اختیار کرلیں گے، جسے ہمارے بہادر اور عظیم آباء واجداد نے اختیار کیا تھا..
اور جس دن ہماری اولاد ان خصلتوں اور عادتوں اور ان مکارمِ اخلاق کی تربیت حاصل کرلے گی...
اور جس روز صحیح تربیت کے ان قواعد وضوابط کو اپنا لیا جائے گا جو بچوں کو خوف، بزدلی اور احساسِ کہتری سے آزادی دلادیں..
جس دن یہ سب کچھ کرلیا جائے گا اس روز معاشرہ بے چینی و پریشانی سے اطمینان و اعتماد اور خوف و ڈر سے بہادری و جرأت اور کمزوری سے طاقت اور ذلت و رسوائی سے عزت و کرامت کی جانب منتقل ہو جائے گا۔
اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کا مصداق بن جائے گا:

﴿ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾۔	حالاں کہ عزت تو بس اللہ ہی کی ہے اور اس کے پیمبر کی اور ایمان والوں کی البتہ منافقین (ہی اس کا) علم نہیں رکھتے۔
المنافقون-۸	

۳۔ احساس کمتری کی بیماری

کمی ونقص کا شعور ایک ایسی نفسیاتی حالت ہے جو بعض بچوں میں پیدائشی یا بیماری کی وجہ سے یا تربیت یا اقتصادی حالات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے...

نفسیاتی امراض میں سب سے خطرناک مرض یہ عادت ہے جو بچے کو جامد اور منحرف کردیتی ہے، اور اس کو رذالت بدبختی اور مجرمانہ زندگی کی جانب ڈھکیل دیتی ہے..
چونکہ ہر عادت اور اسلام کی روشنی میں اس کے علاج کو ہم موضوعِ بحث بنارہے ہیں اس لیے ہمارا فریضہ ہے

کہ ہم اس عادت پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالیں اور اس کا علاج بیان کریں اس لیے کہ یہ نہایت خطرناک اور اہم ہے. اور اس کے اثرات بڑے دور دور تک پہنچتے ہیں۔

یہ اس لیے ضروری ہے تاکہ والدین اور تربیت کرنے والے سب کے سب اس مرض سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کریں. اور علاج کے ان تمام وسائل کو اختیار کریں جو بچے کو کمتری اور نقص کے احساس اور نفسیاتی پیچیدگیوں سے بچائیں, تاکہ ان کے بچوں کی صحیح نفسیاتی تربیت ہو سکے, اور عمدہ و اچھے اخلاق کی ضمانت ہو!! . .

وہ عوامل و اسباب, جو بچے کی زندگی میں احساسِ کمتری اور کمی کا شعور پیدا کرتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ تذلیل و تحقیر اور اہانت آمیز سلوک۔

۲۔ ضرورت سے زیادہ ناز و نخرے برداشت کرنا۔

۳۔ بچوں میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا۔

۴۔ جسمانی امراض و بیماریاں۔

۵۔ یتیمی۔

۶۔ فقر و فاقہ و غربت۔

اللہ نے چاہا تو ان عوامل میں سے ہر عامل اور ہر باعث پر بحث کرتے ہوئے ہم تفصیل سے روشنی ڈالیں گے, اور اسلام نے اس کا جو علاج بیان کیا ہے اسے بھی ذکر کریں گے, درحقیقت اللہ ہی وہ ذات ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے اور اس سے ہم سیدھے راستے پر چلنے اور تائید و توفیق کی دعا مانگتے ہیں۔

۱۔ تحقیر و اہانت آمیز سلوک

ان عوامل میں سے ہے جو بچے کے نفسیاتی انحراف کے اسباب میں سب سے بدترین عامل ہے بلکہ بچوں میں احساسِ کمتری پیدا کرنے اور اس مرض کو راسخ کرنیکا یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے, چنانچہ لبا اوقات ہم سنتے ہیں کہ ماں یا باپ جب بچے کو صحیح راستے اور اعلیٰ اخلاق سے پہلی مرتبہ ہی ہٹتے دیکھتے ہیں تو فوراً اس کی تشہیر کر دیتے ہیں, چنانچہ اگر وہ ایک مرتبہ بھی جھوٹ بول دے تو ہم اسے ہمیشہ جھوٹے کے نام سے پکارتے ہیں. اور اگر وہ اپنے چھوٹے بھائی کو ایک مرتبہ بھی تھپڑ رسید کر دے تو ہم اسے شریر کہنے لگتے ہیں اور اگر اگر وہ اپنی چھوٹی بہن کے ہاتھ سے چالاکی سے سیب چھین لے تو ہم اسے مکار کہنے لگتے ہیں, اور جب وہ اپنے والد کی جیب سے قلم نکال لے تو ہم اسے چور کے نام سے پکارنے لگتے ہیں, اور اگر ہم اس سے پانی کا گلاس مانگیں اور وہ فوری طور سے نہ لائے تو ہم اسے سست کے نام پکارنے لگتے ہیں, اور اس طرح سے اس کی پہلی لغزش و غلطی کی وجہ سے اسے اس کے بہن بھائیوں اور سب گھر والوں کے سامنے مشہور کر دیتے ہیں (۱)۔

---

(۱) ملاحظہ ہو ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب "اخلاقنا الاجتماعیۃ" (ص۔ ۱۵۹)۔

اور ہمارے معاشرے میں تحقیر واہانت آمیز سلوک کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو اس کے بہن بھائیوں اور رشتہ داروں اور بعض اوقات بچے کے دوستوں کے سامنے بھی ناپسندیدہ کلمات اور برے الفاظ سے پکارا جاتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات تو ان اجنبی لوگوں کے سامنے بھی یہ کلمات دہرائے جاتے ہیں جنہیں بچے نے نہ پہلے کبھی دیکھا ہوتا ہے نہ اسے کبھی ان کے ساتھ اکٹھا ہونے کا موقعہ ملا ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس صورتحال کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بچہ اپنے آپ کو حقیر و ذلیل اور ایسا مہمل و نکما سمجھنے لگے گا جس کی نہ کوئی حیثیت ہے نہ عزت نہ قدر و قیمت۔ اور اس کی وجہ سے بچے میں ایسی نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دوسروں کو ناپسندیدگی اور حسد وکراہیت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے، اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے علیحدہ اور مسئولیات و ذمہ داریوں سے شکست خوردہ سمجھنے لگتا ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب ہم بچوں و بچیوں کے ساتھ ایسی غلط تربیت اور سخت گیر معاملہ کرتے ہیں تو ہم کتنی بڑی غلطی و زیادتی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بھلا بتائیے کہ جب ہم نے بچپن سے ہی بچوں کے دلوں میں انحراف اور نافرمانی اور سرکشی کے بیج بو دیے ہوں تو ایسی صورتحال میں ہم بچوں سے اطاعت و فرمانبرداری اور عزت واحترام اور استقامت و بردباری کی کیسے توقع کرسکتے ہیں؟

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت کرنے آئے تو حضرت عمرؓ نے لڑکے کو بلوایا اور والد کی نافرمانی پر اسے سرزنش کی، اور والد کے حقوق وغیرہ ادا نہ کرنے پر اسے تنبیہ کی تو لڑکے نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا لڑکے کے اپنے والد پر کچھ حقوق نہیں ہیں؟ تو حضرت عمر نے فرمایا: کیوں نہیں! لڑکے نے پوچھا: اے امیر المؤمنین وہ حقوق کیا ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے لیے اچھی ماں کا انتخاب کرے اور اس کا اچھا سا نام رکھے اور اس کو قرآن کریم کی تعلیم دلائے۔

لڑکے نے کہا: اے امیر المؤمنین! میرے والد نے تو ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کیا، اس لیے کہ میری ماں ایک مجوسی کی حبشی باندی ہے، اور میرے والد نے میرا نام جُعَل (جو ایک کیڑے کا نام ہے) رکھا ہے، اور میرے والد نے مجھے قرآن کریم کا ایک حرف بھی نہیں سکھایا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا کہ تم تو میرے پاس اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لے کر آئے تھے حالاں کہ اس کی نافرمانی سے قبل تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور تم نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا ہے اس سے قبل کہ وہ تمہارے ساتھ برا سلوک کرے۔

لطیفوں میں سے ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ ایک روز ایک باپ نے اپنے بیٹے کو اس کی ماں کے بارے میں طعنہ دیا اور کہا: تم ایک باندی کی اولاد ہو کر میری حکم عدولی کرتے ہو؟! یہ سن کر بیٹے نے اپنے باپ سے کہا:

اباجان میری ماں تو آپ سے بہتر ہے !! باپ نے پوچھا: وہ کیسے ؟ لڑکے نے کہا: اس لیے کہ اس نے نہایت عمدہ انتخاب کیا اور مجھے ایک آزاد مرد کے نطفے سے جنا اور آپ نے غلط انتخاب کیا اور مجھے ایک باندی کے ذریعہ پیدا کرایا۔

ہمیں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ والد کی طرف سے لڑکے کو جو سخت وسست یا قبیح القاب سے نوازا جاتا ہے وہ بچے کے کسی چھوٹے یا بڑے جرم یا گناہ یا غلطی کی وجہ سے ہی ہوتا ہے جن کا مقصد اصلاح وتربیت اور سزا دینا ہی ہوتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس گناہ کا علاج غصے وناراضگی اور ڈانٹ ڈپٹ کے طریقہ سے نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس سے بچے کے ذہن پر بہت خطرناک اثرات پڑتے ہیں، اور اس کا سخصی کردار مجروح ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گالم گلوچ کی زبان کا عادی ہو جاتا ہے، اور بے وقوفوں اور بدکرداروں کے طریقے اختیار کر لیتا ہے۔ اور ہم اپنی اس حرکت اور درشت وسخت معاملے کی وجہ سے بچے پر بڑا ظلم کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ہم اسے ایک ایسا سمجھدار باوقار آدمی بنائیں جو استقامت وبردباری اور عقل وبصیرت کے ساتھ زندگی گزارے اس کے بجائے ہم نفسیاتی واخلاقی طور پر اسے بالکل توڑ پھوڑ ڈالتے ہیں خواہ ہم اس بات کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

اگر بچے سے کوئی غلطی یا لغزش ہو جائے تو اس سلسلہ میں اسلام بچے کی اصلاح کا کیا طریقہ بتلاتا ہے یہ سوچنے کی بات ہے؟

علاج کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم نرمی وپیار سے اسے اس کی غلطی پر متنبہ کریں اور مضبوط دلیلوں سے اس کو ہم یہ باور اور ذہن نشین کرائیں کہ اس سے جو حرکت سرزد ہوئی ہے اسے کوئی بھی عقل مند اور صاحب بصیرت انسان اور عقل اور صحیح فکر کا مالک کبھی بھی پسند نہیں کرے گا۔

اس طرح اگر وہ سمجھ جائے اور مطمئن ہو جائے تو ہمارا مقصد یعنی اس کی اصلاح وہ ہمیں حاصل ہو گیا اور اس کی کجی کی اصلاح ہو گئی، ورنہ پھر اس کے علاج کا دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جسے ہم عنقریب اس کتاب تربیۃ الاولاد کی تیسری قسم میں سزا کے ذریعہ تربیت کے عنوان کے تحت ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

سزا دینے کا یہ نرم طریقہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، لیجیے ذیل میں نمونہ کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور حسنِ معاملہ اور بعض وصیتوں کا ذکر کرتے ہیں:

الف۔ امام احمد سندِ جید سے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی کیا آپ مجھے زنا کی اجازت دیں گے؟ یہ سن کر لوگ اس پر برس پڑے.. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے قریب کر دو اور آپ نے اس سے فرمایا: نزدیک آجاؤ.. وہ قریب آکر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ چیز اپنی ماں کے لیے پسند کرو گے؟

اس نوجوان نے جواب دیا: اللہ تعالی مجھے آپ پر قربان کر دے میں تو یہ پسند نہیں کروں گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی یہ چیز اپنی ماؤں کے لیے پسند نہیں کرتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم یہ اپنی بیٹی کے لیے پسند کرو گے؟ اس نے کہا: جی نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح اور لوگ بھی یہ چیز اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم یہ بات اپنی بہن کے لیے پسند کرو گے؟ اس نے عرض کیا: جی نہیں اللہ تعالی مجھے آپ پر قربان کر دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح اور لوگ بھی یہ بات اپنی بہنوں کیلیے پسند نہیں کرتے، پھر آپ نے اسکے سامنے چچی اور پھوپھی کا تذکرہ کیا... اور وہ ہر مرتبہ یہی کہتا رہا کہ جی نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے..

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا:

«اللّٰھم طھر قلبہ، واغفر ذنبہ، وحصن فرجہ». — اے اللہ اس کے دل کو پاک صاف کر دے، اور اس کے گناہوں کو معاف فرما دے۔ اور اس کی شرم گاہ کو محفوظ رکھ۔

* * *

چنانچہ جب وہ نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ان کی حالت یہ تھی کہ ان کو زنا سے زیادہ اور کوئی چیز مبغوض و ناپسندیدہ نہیں تھی۔

ب۔ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ کسی کو چھینک آگئی تو میں نے جواب میں: یرحمک اللہ کہہ دیا، تو لوگ مجھے گھورنے لگے، میں نے کہا: میری ماں مجھ پر روئے! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مجھے گھور رہے ہو؟ یہ سن کر وہ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے، جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھے بلایا، پس میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں میں نے آپ سے زیادہ اچھے طریقے سے تعلیم دیتے ہوئے نہ کسی معلم کو آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد، بخدا نہ آپ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا بھلا کہا بس صرف یہ فرمایا کہ:

«إن ھذہ الصلاۃ لا یصلح فیھا شيء من کلام الناس، إنما ھو التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن». — اس نماز میں باتیں کرنا درست نہیں ہے۔ نماز تسبیح وتکبیر اور قرآن کریم کی تلاوت کا نام ہے۔

* * *

ج۔ امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں

پیشاب کردیا، لوگ اس کو برا بھلا کہنے کے لیے کھڑے ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو، اس لیے کہ تم کو آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے نہ کہ مشکلات اور سختی پیدا کرنے کے لیے۔

نرمی اور رفق کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتوں میں سے بعض وصیتیں درج ذیل ہیں:

امام بخاری و مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إن الله رفيق يحب الرفق في الأمر كله».
اللہ تعالیٰ مہربان اور نرم ہیں اور ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔

اور امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إن الرفق لا يكون في شئ إلا زانه، ولا ينزع من شئ إلا شانه».
نرمی کسی چیز میں بھی اختیار نہیں کی جاتی مگر یہ کہ وہ اسے زینت بخش دیتی ہے۔ اور اس کو کسی بھی چیز سے دُور نہیں کیا جاتا مگر یہ کہ وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔

❊ ❊ ❊

اور امام مسلم حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

«من يحرم الرفق يحرم الخير كله».
جو شخص نرمی و رفق سے محروم کر دیا گیا ہو وہ تمام بھلائیوں سے محروم کر دیا گیا۔

❊ ❊ ❊

مندرجہ بالا کلام سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بچے کی تحقیر و تذلیل اور اس کو ہمیشہ ڈانٹنا اور جھڑکنا اور خصوصاً دوسروں کے سامنے، بچے میں احساسِ کمتری اور نقص و کمی کا شعور پیدا کرنے کا سب سے اہم سبب ہے اور بچے کے نفسیاتی و اخلاقی انحراف کی یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اور اس مرض کا بہترین علاج یہ ہے کہ اگر بچہ کوئی غلطی کرے تو اسے نرمی اور پیار سے تنبیہ کر دی جائے، اور ساتھ ہی اس کو ایسی طرح سمجھا دیا جائے جس سے آئندہ کے لیے وہ غلطی سے باز رہے۔ تربیت کرنے والے کو چاہیے کہ اگر وہ بچے کو ڈانٹنا اور سرزنش کرنا چاہے تو دوسروں کے سامنے ایسا نہ کرے۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ مربی بچے کی اصلاح اور اس کی کجی دور کرنے کے لیے شروع شروع میں نہایت نرم و اچھا طریقہ اختیار کرے جو اصلاح اور تربیت اور کجی دور کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔

۲ - ضرورت سے زیادہ ناز ونخرے برداشت کرنا

یہ بھی بچے کے نفسیاتی واخلاقی انحراف کے عوامل میں سے خطرناک عامل اور باعث ہے، اس لیے کہ عام طور سے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچہ اپنے اندر کمی ونقص کو محسوس کرتا ہے، اور زندگی سے بغض وحسد رکھنے لگ جاتا ہے۔

اور عام حالات میں اس کا نتیجہ شرمندگی، فروتنی وبدگمانی اور مردانگی اور بہادری کے فقدان اور اپنے اوپر عدمِ اعتماد اور بے راہ روی کی طرف بڑھنے اور ساتھیوں سے پیچھے رہنے کی شکل میں نکلتا ہے۔

ہم نے یہ جو کہا کہ ضرورت سے زیادہ ناز ونخرے برداشت کرنے کی وجہ سے بچے میں احساسِ کمتری ونقص کا احساس پیدا ہوتا ہے اور وہ زندگی سے بغض وحسد کرتا ہے اس کی وجہ درجِ ذیل ہے:

وہ دیکھتا ہے کہ اور لوگ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں اور وہ قافلہ کے آخری سرے پر ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ لوگوں میں شجاعت وبہادری اور اقدام کی جرأت ہے اور وہ بزدلی وخوف کا شکار ہے۔

وہ لوگوں کو حرکت ومزاحمت ومقابلے اور مجاہدے میں لگا ہوا دیکھتا ہے۔ اور وہ خود خاموشی جمود اور ایک جگہ پڑے رہنے کا شکار ہوتا ہے۔

وہ لوگوں کو ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور یکجا جمع ہوتے ہوئے دیکھتا ہے حالانکہ وہ خود گمنامی اور گوشہ نشینی کا مارا ہوا ہوتا ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ لوگ مصائب وآفات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہیں حالانکہ اگر ذرا سی بھی مصیبت وپریشانی اس پر آپڑے تو وہ آہ وبکا اور جزع فزع میں لگ جاتا ہے ...

آپ ہی بتلائیے کہ جس بچے کی یہ حالت اور یہ کیفیت ہو کیا وہ کامل ومکمل انسان ہو سکتا ہے؟ اور کیا وہ معاشرہ کے لیے فائدہ مند فرد بن سکتا ہے؟ اور کیا ایسا شخص زندگی کو پرامید اور اچھی نظروں سے دیکھ سکتا ہے؟ اور کیا ایسا آدمی ایسی شخصیت بن سکتا ہے جسے اپنی ذات پر اعتماد اور بھروسہ ہو؟

اور اگر اس کا جواب نہیں میں ہے!!!

تو پھر والدین بچے کے ناز اٹھانے میں غلو کیوں کرتے ہیں؟ اور ایسے ناز ونخرے میں اسے کیوں پالتے ہیں؟ اور ضرورت سے زیادہ بچے سے ایسا تعلق کیوں رکھتے ہیں؟ اور خاص کر ماں، اس لیے کہ ماں بچے کی ضرورت سے زیادہ رعایت کرتی ہے اور اگر یہ کہنا درست ہو کہ ماں وہم کا شکار ہوتی ہے جو اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو گلے سے لگائے اور اس انداز سے اس کے ناز اٹھائے جو عام لوگوں اور اعتدال کی حد سے زائد ہو۔

یہ نہایت خطرناک بات ہے جو ہم ان ماؤں میں بہت نمایاں پاتے ہیں جو بچے کی اسلامی تربیت کے قواعد د

ضوابط سے ناآشنا ہیں :

✿ ماں کی اس غلط تربیت کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بچے کو ان کاموں کے کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی جن کے کرنے پر وہ قادر ہے، اور وہ یہ سمجھتی ہے کہ اس کا یہ فعل بچے کے ساتھ شفقت اور اس پر رحم کے قبیل سے ہے۔

✿ اس غلط تربیت کے مظاہر میں سے بچے کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھنا بھی ہے، چنانچہ جب وہ فارغ ہوتی ہے تو اسے ذرا دیر کو بھی نہیں چھوڑتی خواہ گود میں لینے کی ضرورت ہو یا نہ ہو؟

✿ اس غلط تربیت کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ ماں اس خوف سے کہ کہیں بچے کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے اسے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

✿ اس کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ جب بچہ گھر کے سازوسامان کو خراب کردے یا میز پر چڑھ جائے یا قلم سے دیوار کو سیاہ کر ڈالے تو ایسی صورت میں بھی ماں اس سے بازپرس نہ کرے۔

ضرورت سے زیادہ نازونخرے اٹھانے کی بیماری والدین میں اس وقت اور بھی خطرناک شکل اختیار کرلیتی ہے جب ان کے یہاں کافی عرصے کے بعد اولاد پیدا ہو، یا چند مسلسل اسقاط ہونے کے بعد بچہ ہو۔ یا چند لڑکیوں کی پیدائش کے بعد لڑکا پیدا ہو، یا بچہ کسی ایسی بیماری میں گرفتار رہ چکا ہو جس سے اس کی جان کے لالے پڑ گئے ہوں اور پھر اس کو تندرستی نصیب ہوئی ہو۔

لیکن اس مرض کے کم کرنے کے لیے اسلام نے کیا علاج پیش کیا ہے؟ :

۱۔ والدین میں یہ عقیدہ مضبوط و عمیق ہو نا کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم و فیصلہ سے ہوتا ہے، تاکہ وہ یہ بات سمجھ لیں کہ انہیں یا ان کی اولاد کو صحت ہو یا بیماری نعمتیں و آسائشیں ہو یا تکالیف و تنگی، یا اللہ نے ان کے لیے جو اولاد مقرر و مقدر کر رکھی ہے یا بانجھ پن یا تونگری اور غربت و فقر و فاقہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیئت و حکم اور اس کے فیصلہ سے ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ)) الحدید - ۲۲ و ۲۳

کوئی سی بھی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر یہ کہ (سب) ایک رجسٹر میں (لکھی ہیں) قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں، یہ اللہ کے لیے آسان ہے (یہ بات بتا دی گئی ہے) تاکہ جو چیز تم سے لی جا رہی ہے اس پر (اتنا) رنج نہ کرو اور جو چیز اس نے تمہیں دی ہے اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

✧ ✧ ✧

اور اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں :

((لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝)).
الشوریٰ ۔ ۴۹ و ۵۰

اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے (اولاد) مادہ عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (اولاد) نرینہ عنایت کرتا ہے یا ان کو نر و مادہ (کی صورت میں) بھی جمع کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے لا ولد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا علم والا ہے بڑا قدرت والا ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے :

((وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝)). البقرہ ۔ ۱۵۵ تا ۱۵۷

اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور میوہ کے نقصان سے اور خوش خبری دیجیے اُن صبر کرنے والوں کو کہ ان کو جب پہنچے کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر اپنے رب کی عنایتیں ہیں اور مہربانی اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔

۲۔ بچے کو نصیحت کرنے میں مرحلہ وار قدم اٹھانا، چنانچہ اگر وعظ ونصیحت بچے پر کارگر ہو سکتی ہو تو مربی کے لیے درست نہیں ہے کہ اس سے قطع تعلق کر لے، اور اگر اس سے کنارہ کشی مفید ہو تو اس کو مارنے کی طرف قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔. لیکن اگر مربی اصلاح و تربیت اور ڈانٹ ڈپٹ کے طریقوں میں کسی سے بھی بچے کی اصلاح نہ کر سکے اور اس کی کج روی ختم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو اتنا مارنا چاہیئے کہ جس سے اسے بہت زیادہ اذیت نہ پہنچے۔

اس کتاب تربیۃ الاولاد فی الاسلام کی تیسری قسم کی اس فصل میں جس میں بچے پر اثر انداز ہونے والے تربیت کے وسائل کا ذکر ہے اس میں سزا کے ذریعہ تربیت کی بحث کے ذیل میں ہم ان شاء اللہ مفصل ومکمل بحث کریں گے۔

۳۔ بچے کو شروع ہی سے جفاکشی خود اعتمادی اور ذمہ داریوں کو نباہنے اور جرأت واقدام اور حق کے اظہار کی تربیت دینا تاکہ بچہ اپنی حیثیت اور وجود کو محسوس کرے اور اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کا احساس رکھے۔

بچے کو جفاکشی ومجاہدانہ زندگی کی تربیت اس لیے دینا چاہیئے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے امام احمد اور ابونعیم حدیث مرفوع نقل کرتے ہیں کہ :

((إياكم والتنعم فإن عباد الله ليسوا

عیش وعشرت اور تنعم کی زندگی سے بچو اس لیے کہ اللہ

بالمتنعمين))۔ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں پڑتے۔

رہا تربیت میں خود اعتمادی اور احساسِ واجبات و فرائض کا اہتمام تو وہ اس لیے کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے:

((كلكم راع وكل مسئول عن رعيته))۔ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

۞ ۞ ۞

یہ حدیث چھوٹے بڑے، عورت و مرد اور حاکم و محکوم سب کو شامل ہے۔

اور اس لیے بھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ رہنمائی بھی ہمارے سامنے ہے جسے بیہقی نے روایت کیا ہے کہ: اپنے بچوں کو تیرنا اور تیر اندازی سکھاؤ اور انہیں حکم دو کہ وہ شہسواری کیا کریں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب بچہ نوعمری ہی سے تیرنا، تیر اندازی اور شہسواری سیکھ لے گا تو اس میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور اسے اپنی شخصیت و وجود کا احساس ہوگا، اور پھر وہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور مشقتوں کے برداشت کرنے کا عادی بنتا جائے گا۔

رہا بچے کو حق گوئی اور اس سلسلہ میں بے باکی کی تعلیم تو وہ اس لیے کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کی کہ ہم خوشی و ناخوشی اور آسانی و تنگی ہر صورت میں اطاعت و فرمانبرداری کریں گے ... اور یہ کہ ہم جہاں کہیں بھی ہونگے حق بات کہیں گے، اور حق بات کہنے میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے ... اور ظاہر ہے کہ یہ بیعت چھوٹوں بڑوں مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے۔

اس سے قبل جسمانی تربیت کی ذمہ داری کی فصل میں ہم بچوں کی جسمانی تربیت کے سلسلہ میں اہم نبوی وصیتیں اور موٹی موٹی اسلامی تعلیمات ذکر کر چکے ہیں۔ اور بلاشبہ وہ سب کی سب بچوں کو خود اعتمادی اور مسئولیت و ذمہ داری کی ادائیگی کی عادی بناتی ہیں۔ اور ان میں یہ احساس پیدا کرتی ہیں کہ وہ ایک ایسا انسان ہے جس کی اپنی شخصیت کرامت اور ایک مخصوص دائرہ ہے۔

۴۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا آپ کے بچپن کے زمانے سے لے کر اس وقت تک کی زندگی کی جب آپ نوجوان ہوئے اور پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث فرمایا، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو تعلیم دی اور آپ کی بہترین تربیت کی اور آپ کو اپنی خاص نگرانی میں رکھا، اور اپنے سامنے آپ کو کامل و مکمل نمونہ بنایا۔

لیجیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام شعبوں اور مراحلِ زندگی کے کچھ نمونے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور خصوصاً آپ کے بچپن اور نوجوانی کے تاکہ مربیوں کے لیے راہنما اصول و ضوابط اور معیار اعلیٰ اور مؤمن معاشرے کے لیے مقتدیٰ و نمونہ بنیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں بکریاں چرایا کرتے تھے، چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بارے میں مروی ہے جیسا کہ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

((مابعث الله نبياً إلا رعى الغنم ، نعم كنت أرعاها على قراريط لأهل مكة))۔

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر یہ کہ اس نے بکریاں چرائیں ، جی ہاں میں بھی چند سکوں کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے ، چنانچہ ابن کثیر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قریش کے لڑکوں کے ساتھ میں بھی پتھر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہا تھا تاکہ کھیل کا سامان اکٹھا کریں ، ہم میں سے ہر ایک نے کپڑے اتار کر اپنی چادر اپنے کاندھے پر ڈال رکھی تھی اور اس پر پتھر رکھ کر لا رہا تھا ۔ میں بھی ان کے ساتھ اسی طرح آجا رہا تھا کہ کسی نے (جسے میں دیکھ نہیں رہا تھا) مجھے زوردار مکہ مارا اور کہا : اپنی چادر باندھ لیجیے ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً اپنی چادر لی اور اسے باندھ لیا اور پھر پتھر اپنی گردن پر لاد کر لانے لگا اور تمام لڑکوں میں صرف میں ہی چادر باندھے ہوئے تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تعمیرات کا کام بھی کیا کرتے تھے چنانچہ امام بخاری ومسلم روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہوئے اور کعبہ کی تعمیر ہونے لگی ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اشرافِ قریش کے ساتھ پتھر اٹھا کر لانے لگے ، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا پتھر اٹھانے کے لیے اپنی تہبند کاندھے پر رکھ لیجیے ، چنانچہ آپ نے حکم کی تعمیل کی ، لیکن فوراً ہی آپ گر پڑے اور آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا : میری تہبند میرے حوالے کر دو ، میری تہبند مجھے پہنا دو ، چنانچہ آپ کی تہبند آپ کے جسم پر کس دی گئی ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ننگے ہو کر چلوں پھروں ، آپ کے نبوت سے پہلے بھی معصوم ہونے پر یہ حدیث کھلی ہوئی دلیل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تجارت کے لیے سفر بھی کیا کرتے تھے چنانچہ ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے دو مرتبہ اس غرض سے سفر کیا ہے ۔ ایک مرتبہ بالغ ہونے سے قبل اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ، اور دوسری مرتبہ بالغ ہونے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں بہت زیادہ جری وبہادر تھے ، چنانچہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لات وعزیٰ نامی بتوں کی قسم دلائی گئی تو آپ نے قسم دلانے والے سے فرمایا : مجھ سے ان دونوں کے نام کے ذریعہ کسی چیز کا مطالبہ نہ کرو اس لیے کہ جتنا بغض مجھے ان دونوں سے ہے اتنا بغض اور کسی چیز سے نہیں۔

بالغ ہونے سے قبل ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شریک ہو چکے تھے ، چنانچہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ فجار نامی جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچاؤں کو تیر دے رہے تھے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عظیم عقل ورائے کے مالک تھے ، چنانچہ جوانی ہی میں آپ کے ذریعہ فیصلہ کرایا گیا اور آپ

کو حکم بنایا گیا، سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرِ اسود کے رکھنے کے لیے حکم بنایا تھا اور آپ کی رائے اور مشورے سے قریش بہت متعجب ہوئے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افتخار اور شرافت کے اظہار کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ آپ چھوٹے یتیم بچے تھے لیکن آپ نے نہایت زبردست و بہترین تربیت پائی۔ اچھی عادتیں، اعلیٰ اوصاف و اخلاق اور بہترین خصلتیں آپ میں جمع تھیں چنانچہ نہ تو آپ نے کسی بت کو سجدہ کیا۔ اور نہ زمانۂ جاہلیت کی برائیوں میں آپ دوسروں کے ساتھ شریک ہوئے اور نہ بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت آپ نے کبھی چکھا۔

آپ کا ان چیزوں کا اپنے اس رب کی طرف منسوب کرنا کوئی قابلِ تعجب نہیں جس نے آپ کی دیکھ بھال رکھی اور اپنے سامنے پرورش کی، اور بذاتِ خود آپ کی تربیت کی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((أدبني ربي فأحسن تأديبي)). رواه العسكري — میرے رب نے مجھے تربیت دی اور بہترین تربیت دی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کی زندگی کے یہ چند ______ لمحات و واقعات اور جوانی میں آپ کی عصمت و عالی اخلاق کے چند نمونے ہدایت کے لیے مشعلِ نور ہیں جس سے تربیت کرنے والوں کو اپنی اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں تربیت کا صحیح طریقہ معلوم ہوگا۔ مربیوں کو اسے اختیار کرنا چاہیئے، نیز اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام امت کے لیے بہترین نمونہ و مقتدیٰ ہیں۔ اپنے بچپن میں بھی اور جوانی میں بھی، پختہ عمر کے دور میں بھی اور بڑھاپے میں بھی، یہی وہ ہستیاں ہیں جن کی رہنمائی اللہ تعالیٰ نے خود کی ہے۔ لہٰذا ان کے نقشِ قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا چاہیئے۔

اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ زیادہ ناز و نخرے برداشت کرنے کی بیماری بچے کے نفسیاتی انحراف و کج روی کا سب سے بڑا عامل ہے، اس لیے کہ عام طور سے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچہ بچپن اور اس کے بعد کی عمر میں احساسِ کمتری اور اپنی خامی کا احساس کرنے لگتا ہے۔

لہٰذا والدین اور خصوصاً ماں کو چاہیے کہ وہ ان طریقے کو اختیار کریں جو اسلام نے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں مقرر کیے ہیں۔

جن میں سے بچے سے محبت اور اس کے ساتھ تعلق میں اعتدال اور درمیانہ روی بھی ہے۔ اور ہر پریشانی اور مصیبت کے وقت اللہ کے حکم کے سامنے گردن جھکانا بھی۔

جن میں سے یہ بھی ہے کہ بچہ جب سمجھ دار ہو جائے تو اس کو سزا دینے کی جتنی ضرورت ہو اتنی ہی سزا دینا چاہیئے۔

جن میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کی تربیت سادگی خود اعتمادی فرائض و واجبات کے احساس اور حق گوئی کی جرأت پیدا کرنے کی بنیاد پر قائم ہو۔

اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بچے تھے آپکی اس وقت کی شخصیت کو بھی نمونہ بنایا جائے اس لیے کہ آپ نبوت سے قبل بھی مقتدیٰ تھے اور اس کے بعد بھی۔

جب تربیت کرنے والے حضرات ان طریقوں کو اپنالیں گے۔ اور قواعد وضوابط کی پابندی کریں گے، تو وہ ان لوگوں کو جن کی تربیت کی ذمہ داری ان پر ہے ان عوامل واسباب سے محفوظ رکھ سکیں گے جو شخصیت کے ختم کرنے اور انسانی کرامت کے برباد کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور اس طرح سے وہ بچے کی نفسیاتی اخلاقی اور عقلی معیار کو بلند کرنے کا ذریعہ بنیں گے، اور پھر وہ بچہ دنیاوی زندگی میں ایک کامل ومکمل انسان بن جائے گا۔

۳۔ بچوں میں مساوات وبرابری نہ کرنا اور ایک دوسرے پر فوقیت وترجیح دینا

یہ بھی بچے میں نفسیاتی انحراف پیدا کرنے والے اسباب میں سے بڑا سبب ہے، یہ ترجیح دینا چاہے کچھ دینے کے سلسلہ میں ہو یا محبت یا کسی دوسرے معاملہ میں؟

اس تفاوت والے برتاؤ کا بچے کی نفسیات اور کردار پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور یہ اس میں انحراف پیدا کرنے کا بدترین ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے بچے میں رقابت وحسد کا مرض پیدا ہوتا ہے اور خوف وجھینپنے اور الگ تھلگ رہنے اور بلا وجہ رونے کا سبب بنتا ہے، اور اس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے، نافرمانی اور زیادتی وظلم پیدا ہوتا ہے اور بچہ رات کو ڈرنے لگتا ہے اور مختلف اعصابی امراض کا شکار ہوکر احساسِ کمتری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

مربی اول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے بڑے حکیم اور عظیم الشان معاشرتی مربی تھے کہ آپ نے والدین کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بچوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام لیں:

ابن حبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«رحم الله والدًا أعان ولده على برّه». — اللہ تعالیٰ ایسے باپ پر رحم کرے جو اپنے بچے کو نیک بنانے میں اس کی مدد کرے۔

⁂ ⁂ ⁂

اور طبرانی وغیرہ روایت کرتے ہیں:

«ساووا بين أولادكم في العطية». — اپنے بچوں میں لینے دینے کے معاملے میں مساوات وبرابری کیا کرو۔

⁂ ⁂ ⁂

اور امام بخاری ومسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام ہدیۃً دیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو ایسا ہی ہدیہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ

وسلم نے فرمایا کہ پھر اس کو بھی واپس لے لو۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اپنی سب اولاد کیساتھ ایسا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی نہیں۔ تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اتقوا الله واعدلوا في أولادكم)). اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف کیا کرو۔

٭ ٭ ٭

راوی فرماتے ہیں کہ میرے والد واپس لوٹے اور اس ہدیہ کو واپس لے لیا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بشیر! کیا اس لڑکے کے علاوہ تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم نے ان میں سے ہر ایک کو اس جیسا ہدیہ دیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لہٰذا پھر مجھے تو ہرگز اس کا گواہ نہ بناؤ اس لیے کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ وہ سب کے سب تمہارے ساتھ یکساں اچھا برتاؤ کریں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر ایسا نہ کرو (کہ ایک کو دو دوسروں کو محروم رکھو)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا بیٹا آگیا، تو انہوں نے اسے چوما اور اس کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ پھر ان کی بیٹی آئی تو انہوں نے اسے اپنے سامنے بٹھا دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے ان دونوں کے درمیان برابری کیوں نہیں کی؟

ان نبوی توجیہات وارشادات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اولاد میں عدل وانصاف، مساوات اور محبت میں برابری کرنا چاہیے تاکہ ان میں کسی قسم کی تفریق وامتیاز کا عنصر جگہ نہ پائے۔

جی ہاں کبھی کبھی بچے سے محبت نہ کرنے اور اس سے روگردانی کرنے کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں:

مثلاً یہ کہ وہ اس جنس سے تعلق رکھتا ہو جسے لوگ جہالت کی وجہ سے ناپسند کرتے ہیں یعنی وہ لڑکی ہو۔

یا یہ کہ خوبصورتی و سمجھداری میں دوسروں سے کم ہو۔

یا یہ کہ اس میں کوئی ظاہری جسمانی نقص پایا جاتا ہو یا... یا...

لیکن یہ تمام اخلاقی یا پیدائشی و جسمانی اسباب بچے کو ناپسند کرنے اور اس کے بھائیوں کو اس پر ترجیح دینے کے لیے شرعاً جواز کا سبب نہیں بن سکتے۔

والدین جب بچے کے ساتھ ایسا برا سلوک اور ایسا سخت معاملہ ورویہ اختیار کرتے ہیں تو وہ کتنے بڑے ظالم و ناانصاف ہوتے ہیں۔

آپ ہی بتلائیے کہ اگر بچہ لڑکی کی شکل میں وجود میں آیا ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟

اور اگر وہ بدصورت ہے تو اس میں اس کا کیا جرم ہے ؟

اور اگر اس میں ذکاوت واعلیٰ درجہ کی سمجھ داری نہیں تو اس میں اس کا کیا اختیار ہے ؟

اور اس نے کیا گناہ کیا ہے اگر وہ طبعًا پھرتیلا شوخ اور شور و شغب کرنے والا اور متحرک ہے ؟

اور اگر بچپن ہی میں کسی جسمانی نقص یا بیماری کا شکار ہونا اس کی تقدیر میں لکھا تھا تو اس میں اس کا کیا قصور ہے ؟

اگر تربیت کرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد نفسیاتی، پیچیدگیوں اور احساسِ کمتری اور بغض و حسد اور باطنی خبث کا شکار نہ ہو تو ان کے سامنے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو نافذ کریں جس میں یہ آتا ہے : اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان مساوات وعدل کرو، اور اللہ نے ان کے لیے جو بھی فیصلہ کر دیا ہے خواہ لڑکوں کا ہو یا لڑکیوں کا اس پر صابر و شاکر رہیں، اسی طرح ان کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ ان کی تمام اولاد میں محبت، اخوت، وچشم پوشی ومساوات کی روح جلوہ گر ہو تاکہ وہ عدل وانصاف الفت وپیار کی نظر اور سچی محبت اور عدل وانصاف سے پُرمعاملہ کے سایہ میں مزے کی زندگی گزار سکیں۔

واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کتنا بجا ارشاد فرمایا ہے جسے ابن حبان روایت کرتے ہیں :

«رحم الله والدًا أعان ولده على بره». — اللہ تعالیٰ اس باپ پر رحم کرے جو اپنی اولاد کی نیکی اور اچھا سلوک کرنے میں اعانت کرے۔

٭ ٭ ٭

۴۔ جسم کے کسی عضو کا نہ ہونا یا ماؤف ہونا

یہ بھی ان بڑے عوامل میں سے ہے جو بچے میں نفسیاتی انحراف کبھی پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ عام طور سے اس کا اثر احساسِ کمتری اور زندگی سے نفرت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس لیے کہ جب بچپن سے ہی بچے کو کوئی جسمانی نقص لاحق ہو جاتا ہے مثلاً بھینگا پن یا بہرا ہونا یا کم عقلی و پاگل پن یا تتلانا اور بولنے میں زبان کا صاف نہ ہونا، تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہوتا ہے کہ اس کے باپ، ماں، بہن، بھائی، رشتے دار پڑوسی، دوست اور اہل وعیال سب کے سب اس کے ساتھ محبت والفت ونرمی اور اچھے اخلاق اور شریفانہ برتاؤ کا اظہار کریں، تاکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی اس حدیث پر عمل ہو سکے جسے امام ترمذی وابو داؤد روایت کرتے ہیں :

«الراحمون يرحمهم الرحمٰن، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء». — رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے، تم ان لوگوں پر رحم کرو جو زمین پر بستے ہیں تم پر وہ ذات رحم کرے گی جو جو آسمان والی ہے۔

٭ ٭ ٭

اور آپ کا وہ فرمان جسے امام بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے :

((لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه)).

تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

اور آپ کا وہ ارشادِ مبارک جسے امام ترمذی و ابنِ حبان نے روایت کیا ہے:

((أكمل المؤمنين إيمانًا أحسنهم خلقًا)).

مؤمنوں میں کامل ترین مؤمن وہ ہے جو ان میں سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔

لیکن جب بھینگے پن کے شکار بچے کو اے بھینگے کہہ کر خطاب کیا جائے گا، اور بہرے پن کے شکار کو بہرے کے لفظ سے اور کم عقل والے کو بے وقوف، اور بولنے میں کمزور شخص کو گونگے کے لفظ سے پکارا جائے گا، تو بدیہی بات ہے کہ سمجھدار بچے میں اس کمی کا احساس پیدا ہوگا اور اس میں نفسیاتی الجھنیں پیدا ہوں گی، اور ایسی صورت میں اگر ہم اس کو ایسی حالت میں دیکھیں کہ جس میں وہ نفسیاتی ادھیڑبن اور معاشرتی طور پر حسد اور زندگی سے بیزاری کا شکار ہو تو اس میں ذرا بھی تعجب کی بات نہیں ہے۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کے امراض و آفات کا علاج عمدہ طریقے اور بہترین تربیت اور پرشفقت معاملے اور کامل نگرانی سے اس بنیاد پر کریں کہ انسان کی قدر و قیمت اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے نہ کہ اس کی شکل و صورت اور ظاہر کے اعتبار سے۔

o اس علاج کے سلسلہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ ایسے بچوں پر شفقت و محبّت کی نظر رکھنی چاہیے، اور ان کی خصوصی توجہ اور دیکھ بھال رکھیں، اور ان کو اپنے برتاؤ سے یہ بات ذہن نشین کرادیں کہ وہ ذکاوت، قدرتی صلاحیتوں علم و تجربہ اور چستی و چالاکی میں دوسروں سے ممتاز ہیں۔ ان پر پیار کی نظر اور اچھا برتاؤ ان کی نفوس سے اس مرض و خامی اور نقص کے احساس کو دُور کر دے گا۔ بلکہ وہ نہایت اطمینان و سکون اور پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ مفید کاموں اور فائدہ مند محنت میں لگ جائیں گے۔

o اس علاج کا دوسرا قدم یہ ہے کہ تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ ہر اس شخص کو جو اس آفت کے شکار بچے کے ارد گرد اور ساتھ رہنے والا ہو خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا دور کے ان سب کو نصیحت کریں اور سمجھائیں اور ان کو تحقیر اور اہانت کے انجام اور مذاق اڑانے اور دوسرے تذلیل کے نتائج سے آگاہ کرتے رہیں اور ان پر یہ واضح کریں کہ اس کا ان بچوں کی نفوس پر کتنا برا اثر پڑتا ہے۔ اور ان کی طبیعت پر ـــــ اس کا کتنا زبردست بوجھ اور اثر پڑتا ہے۔

تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ جب وہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کریں تو ہر اس شخص کو جو اس مصیبت زدہ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اس کے سامنے مربیِ اوّل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ بیان کریں جو آپ نے اس معاشرتی مضبوط و مستحکم اتحاد کی عظیم دعوت دیتے وقت اختیار کیا تھا جس کی اساس محبت و اخلاص تھی اور اس کی بنیادیں دوسروں کے احترام

وعزت پر قائم تھیں۔۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی کرامت وعزت اور مسلمان شخصیت کو نقصان پہنچانے اور مضبوط و مستحکم معاشرتی اتحاد میں ہر درازیں ڈالنے والی چیز سے روکنے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کی بنیادیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

زبان کے فتنے اور شر سے بچانے کے سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے فرمانِ مبارک کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طرح روایت کیا ہے:

((وإن العبد ليتكلم بالكلمة لا يلقي لها بالاً يهوي بها في جهنم)). — انسان منہ سے ایک بات نکال دیتا ہے اور اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا اس کی وجہ سے جہنم میں گر جاتا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن العبد ليتكلم بالكلمة ما يتبين فيها يزل إلى النار أبعد ما بين المشرق والمغرب)). — انسان ایک بات کرتا ہے اور اس کو سمجھتا بھی نہیں اور اس کی وجہ سے جہنم میں اتنا گہرا چلا جاتا ہے جو فاصلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔

٭ ٭ ٭

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونے سے ان الفاظ سے منع فرمایا ہے جنہیں ترمذی نے روایت کیا ہے:

((لا تظهر الشماتة لأخيك فيرحمه الله ويبتليك)). — اپنے بھائی کی مصیبت پر خوش نہ ہو کہ اللہ اس پر رحم کھالے اور تمہیں مصیبت میں مبتلا کر دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کے ذریعے بھی کسی کی تذلیل کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کے لیے صفیہ کا تو ایسا اور ایسا ہونا ہی کافی ہے (ان کے پستہ قد ہونے کی طرف اشارہ تھا) تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

((لقد قلت كلمة لو مزجت بماء البحر لمزجته)). — تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جاتا تو وہ اسے بھی خراب کر دیتی۔

٭ ٭ ٭

یہ تمام امور جن سے منع کیا گیا ہے یہ سب کے سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے تحت داخل ہیں:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا — اے ایمان والو نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر (ہنسنا چاہیے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب

«وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ». ــــ سے پکارو، ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے۔ اور جو (اب بھی) توبہ نہ کریں گے وہی ظالم ٹھہریں گے۔

• اس علاج کا تیسرا مرحلہ اور قدم یہ ہے کہ تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان بچوں کے لیے جو کسی آفت ومصیبت کا شکار ہیں ایسے ساتھیوں کا انتخاب کریں جو اچھے اخلاق وآداب اور پسندیدہ عادات کے مالک ہوں، تاکہ وہ جب ان کے ساتھ اکٹھا ہوں اور کھیلیں اور آپس میں پیار ومحبت کی باتیں کریں تو ایسا برتاؤ کریں جس سے قلبی طور سے ان کو یہ محسوس ہو جائے کہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کا خیال رکھتے ہیں اور ان سے ہمدردانہ برتاؤ کرتے ہیں، بچے کی شخصیت کے اجاگر کرنے اور اس میں میل جول کی عادت پیدا کرنے کے سلسلہ میں ابن سینا لکھتے ہیں کہ بچے کے ساتھ مدرسہ اور اسکول میں ایسے بچے ہونا چاہیئے جو اچھے اخلاق وعادات اور پسندیدہ اطوار کے مالک ہوں، اس لیے کہ بچہ اس کی زبان کو سمجھتا اور اسی کو اخذ کرتا ہے اور اسی سے مانوس ہوتا ہے۔

امام ترمذی نوادر میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عرامة الصبي في صغره زيادة في عقله في كبره». ــــ بچے کا بچپن میں چاق وچوبند، چست وچالاک اور میل جول رکھنے والا ہونا بڑے ہو کر اسی کی عقل وسمجھ کو بڑھانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

٭ ٭ ٭

گذشتہ تحریر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر مربی چاہے تو اپنے آفت زدہ ومعذور بچے سے معذوری کے احساس کو دور کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس اس کے تمام وسائل موجود ہیں، چاہے وہ محبت وشفقت اور پیار کی نظر سے تعلق رکھتے ہوں یا اس کی دیکھ بھال اور خصوصی توجہ سے، یا اس معاشرہ کو متنبہ وہوشیار کرنے سے جس میں وہ بچہ رہتا ہے تاکہ اس کی تذلیل وتحقیر واہانت نہ ہو، یا ان اچھے ساتھیوں کی جماعت کے انتخاب سے متعلق ہوں جو اس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور میل جول رکھتے ہوں، اور مربی اس اچھے معاملے کے ذریعہ سے بچے کے دل سے کمزوری اور نقص کا احساس دور کر کے اس کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ معاشرہ میں فائدہ مند عضو بن سکے، اور اپنی قوتِ بازو سے ترقی کا محل تعمیر کر سکے، اور اپنی قوتِ ارادی وعزم سے امت کی عزت کو بلند اور اپنے ملک کے مستقبل کو روشن کر سکے۔

۵۔ بچے کا یتیم ہونا یہ بھی بچے میں نفسیاتی انحراف پیدا کرنے کا ایک بہت خطرناک سبب ہے، خصوصاً اس صورت میں جب یتیم ایسے معاشرہ میں ہو جس میں یتیم کا خیال نہ رکھا جاتا ہو۔ اور اس کے غموں کا مداوا نہ کیا جاتا ہو۔ اور اس کی طرف شفقت ومحبت اور پیار کی نظر سے نہ دیکھا جاتا ہو۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے یتیم بچے کا بہت خیال رکھا ہے۔ اور اس کی تربیت اور اس کے ساتھ اچھے معاملہ

وبرتاؤ اور اس کی ضروریاتِ زندگی کے پورے کرنے کا بہت اہتمام کیا ہے، تاکہ معاشرہ میں وہ ایک ایسا فائدہ مند فرد بنے جو اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے، اور اپنے فرائض کو ادا کرے، اور دوسروں پر اس کے جو حقوق آتے ہیں اور اس پر دوسروں کے جو حقوق ہیں انہیں اچھے طریقے اور عمدگی سے ادا کرے،

قرآنِ کریم نے یتیم کے سلسلہ میں بہت اہتمام کیا ہے اور اس کو ڈانٹنے جھڑکنے سے منع کیا ہے، اور اس سے ایسے برتاؤ سے روکا ہے جو اس کی عزت و کرامت کے خلاف ہو ارشادِ باری ہے:

((فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ)). الضحیٰ - ۹ — تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے۔

نیز فرمایا:

((أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝)). الماعون - ۱ و ۲ — بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے، سو وہ شخص جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا بہت خیال رکھا ہے، اور اس کی کفالت پر ابھارا اور اس کی دیکھ بھال کو واجب قرار دیا ہے، اور اس کے اولیاء اگر اس کا خیال رکھیں اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کریں تو ان کو یہ بشارت سنائی ہے کہ وہ جنت میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے:

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((أنا وكافل اليتيم في الجنة وأشار بأصبعيه يعني السبابة والوسطى)). — میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی اور اس کے برابر کی انگلی سے اشارہ فرمایا:

٭ ٭ ٭

امام احمد و ابن حبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من وضع يده على رأس يتيم رحمة كتب الله له بكل شعرة مرت على يده حسنة)). — جو شخص اپنا دستِ شفقت یتیم کے سر پر پیار سے رکھے گا تو اللہ تعالیٰ ہر اس بال کے بدلے جس پر اس کا ہاتھ پھرا ہے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیں گے۔

اور امام نسائی سندِ جید کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اللهم إني أحرج حق الضعيفين: اليتيم والمرأة)). — اے اللہ میں دو ضعیفوں یعنی یتیم اور عورت کے حق کو ضائع کرنے والے کو گناہگار قرار دیتا ہوں۔

یتیم کی دیکھ بھال اور کفالت اس کے رشتہ داروں اور قرابت داروں پر واجب ہے، اس لیے اگر یہ لوگ یتیموں کے نفسیاتی اور اخلاقی حالات درست کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ ان کے ساتھ خصوصی شفقت، توجہ اور دیکھ بھال سے

کام لیں۔ اور اپنے عمل سے ان کو یہ محسوس کرادیں کہ محبت اور معاملات اور برتاؤ کے لحاظ سے وہ بھی ان کے لیے ان کی اولاد ہی کی طرح ہیں۔

اور اگر رشتہ داروں میں کوئی کفیل موجود نہ ہو تو پھر ان کی دیکھ بھال مسلمان حکومت کی ذمہ داری ہے اور حکومت کو چاہیے کہ ان کے معاملات نمٹائے، اور ان کی تربیت و رہنمائی کرے، اور زندگی و معاشرہ میں ان کی شخصیت و مقام کو بلند کرے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے جو مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی مملکت کی داغ بیل ڈالنے والے تھے آپ نے یتیم کے ساتھ کس طرح خصوصی اُلفت و محبّت و شفقت و پیار کا برتاؤ کیا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عید کے موقعہ پر ایک یتیم کو دیکھا تو اس کے ساتھ پیار کا برتاؤ کیا۔ اور اس سے بشاشت سے ملے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا۔ اور اس کو اپنے دولت کدہ پر لائے اور اس سے فرمایا:

((أما ترضى أن أكون لك أبًا وتكون عائشة لك أمًّا)). کیا تم کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ مَیں تمہارا باپ بن جاؤں اور عائشہؓ تمہاری ماں ہو جائیں۔

اسی طرح حکومت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ لاوارث بے سہارا و بے آسرا بچوں کی کفالت کرے، اور اگر کوئی لاوارث بچہ مل جائے تو اس کی دیکھ بھال کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب ایک شخص ایک لاوارث بچہ لایا تو انہوں نے بھی لاوارث بچے کے ساتھ یہی برتاؤ کیا۔ اور انہوں نے اس سے فرمایا: اس بچے کا نان نفقہ تو ہمارے ذمے ہے لیکن یہ بچہ آزاد شمار ہوگا۔

اسلام نے یتیم و لاوارث بچوں کے ساتھ یہ جو بہترین برتاؤ کیا ہے اس نے اس معاملہ کے ذریعہ مسلمان معاشرے کے لیے ایسے نیک صالح شہری پیش کیے ہیں جو اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں، اور اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دیں، اور ان میں کسی قسم کا احساسِ کمتری پیدا نہ ہو اور وہ پراگندہ افکار و خیالات اور برے تصورات کے سمندر میں سرگرداں و پریشان نہ ہوں۔

۶۔ **فقر و غربت** یہ بھی بچے میں نفسیاتی انحراف پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے، اور یہ انحراف بچے میں اس وقت اور شدید ہو جاتا ہے جب وہ اپنی آنکھیں کھولتا ہے اور اپنے والدین کو تنگی میں اور اپنے خاندان کو محرومی و خستہ حالی کا شکار دیکھتا ہے۔ اور یہ صورتِ حال اس پر اس وقت اور شدید اور شاق ہو جاتی ہے جب وہ اپنے بعض رشتہ داروں یا پڑوسیوں یا مدرسہ کے ساتھیوں کو اچھی حالت اور زیب و زینت اور ناز و نعمت میں مستغرق اور اپنے آپ کو افسردہ و غمگین اور مسکین دیکھتا ہے۔ حتّٰی کہ اس کو پیٹ بھرنے کو ایک لقمہ اور جسم کو ڈھانپنے کو پورا کپڑا بھی نہیں ملتا۔

تبلائیے جو بچہ اس حالت کا شکار ہو اس سے نفسیاتی طور پر ہم کیا توقع رکھیں گے؟ ظاہر بات ہے کہ وہ معاشرہ کی طرف کراہیت اور حسد کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اور لازمی طور سے احساسِ کمتری اور نفسیاتی پیچیدگی جیسے امراض کا شکار ہوگا اور یقیناً اس کی اُمید نا اُمیدی سے اور نیک فالی بدفالی سے بدل جائے گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

اس فرمان میں بالکل سچ فرمایا ہے جسے احمد بن منیع اور بیہقی نے روایت کیا ہے:

((کاد الفقر أن یکون کفراً)). قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں فقر سے پناہ مانگا کرتے تھے چنانچہ امام نسائی اور ابن حبان حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اللّٰھم إنی أعوذ بك من الکفر والفقر)). اے اللہ میں آپ کے ذریعہ کفر اور فقر سے پناہ مانگتا ہوں۔

اسلام نے فقر کے مسألہ کا دو بنیادی امور سے علاج کیا ہے:

۱۔ انسانی کرامت کا احترام۔

۲۔ امداد باہمی کے بنیادی اصولوں کا مقرر کرنا۔

انسانی کرامت کا احترام اسلام نے اس طرح کیا ہے کہ اس نے تمام اجناس و اقوام اور الوان اور طبقات میں مساوات و برابری کی ہے اور انسان ہونے کے اعتبار سے ان سب کو برابر گردانا ہے، اور اگر کہیں پر ترجیح و تفاضل کی ضرورت ہوئی بھی تو اسلام نے ترجیح تقوی اور عملِ صالح اور مجاہدہ کے اعتبار سے دی ہے..

اور وہ بنیاد و اساس جسے اسلام نے قیامت تک کے لیے زمانہ کے ضمیر میں پیوست کر دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا درجِ ذیل فرمان ہے:

((یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ)). الحجرات۔ ۱۳

اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔

اسلام نے ظاہری شکل و صورت اور جسم کو مدار نہیں بنایا بلکہ اسلام دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے چنانچہ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

((إنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ إلیٰ صُوَرِکُمْ وَأَجْسَادِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ إلیٰ قُلُوبِکُمْ وَأَعْمَالِکُمْ)). اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

اسلام نے ضعفاء و فقراء کے مرتبے اور درجے کو بلند کیا ہے، اور ان کو ناراض کرنے اور ان کی تذلیل و تحقیر کرنے کو اللہ جل شانہ کی ناراضگی کا ذریعہ قرار دیا ہے، چنانچہ امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ ابوسفیان حضرت سلمان و صہیب و بلال وغیرہ کی جماعت

کے پاس سے گزرے تو ان حضرات نے کہا: اللہ کی تلواروں نے اب تک اللہ کے دشمنوں کو ٹھکانے نہیں لگایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا: کیا آپ حضرات یہ بات قریش کے سردار و شیخ کے لیے کہہ رہے ہیں؟ اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا، تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر شاید تم نے انہیں ناراض کر دیا ہے، اگر تم نے انہیں ناراض کر دیا تو تم نے درحقیقت اپنے رب کو ناراض کر دیا، چنانچہ حضرت ابوبکر ان حضرات کے پاس آئے اور ان سے فرمایا: بھائیوں کیا میں نے تمہیں ناراض کر دیا ہے؟ تو ان حضرات نے کہا: جی نہیں! اے ہمارے بھائی اللہ آپ کی مغفرت فرمادے۔

رہا اسلام کا امداد باہمی کے بنیادی اصولوں کا مقرر کرنا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے فقر کے مسائل کے حل کے لیے امداد کے جو بنیادی اصول مقرر کیے ہیں وہ اس جدید دور میں انسانی محنت و کوشش جہاں تک پہنچ سکی ہے اس کے اعلیٰ ترین اصول ہیں۔

معاشرہ میں موجود فقر و غربت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلام نے جو موقف اختیار کیا ہے اس کے کچھ نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

● اسلام نے زکاۃ کے لیے ایک بیت المال متعین کیا ہے، جس کی سرپرستی اسلامی حکومت کرے گی، اور اس کا مصرف مستحق فقراء و مساکین و مسافر و مقروض اور غلاموں کو بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ)). توبہ - ۶۰	زکاۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا، اور محتاجوں کا، اور زکاۃ کے کام پر جانے والوں کا، اور جن کی تالیف قلب منظور ہے۔ اور گردنوں کے چھڑانے میں۔ اور جو تاوان بھریں، اور اللہ کے راستہ میں، اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

امام طبرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کے مال میں اتنی مقدار کا نکالنا فرض کیا ہے جو ان کے فقراء کو کافی ہو۔ اور فقراء بھوک اور بے لباسی کا شکار مالداروں کی کوتاہی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ سن لو اللہ تعالیٰ ان کا سخت حساب لے گا اور ان کو دردناک عذاب دے گا۔

● اسلام نے اس مسلمان کو مسلمان شمار نہیں کیا ہے جو خود پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کا پڑوسی بھوک کا شکار ہو اور اس کو اس کی خبر بھی ہو، چنانچہ بزار و طبرانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا

کہ وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو پیٹ بھر کر رات گزارے اور اسی کا پڑوسی اس کے پڑوس میں بھوکا پڑا ہوا ور اس کو معلوم بھی ہو۔

اس کے برخلاف اسلام نے اس کی حاجت روائی امداد اور اس کے خوش کرنے کو بہترین نیکی اور بڑا اونچا عمل قرار دیا ہے چنانچہ امام طبرانی اپنی کتاب "معجم اوسط" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أفضل الأعمال إدخال السرور على المؤمن، كسوت عورته، أو أشبعت جوعته، أو قضيت له حاجةً».

اعمال میں افضل ترین عمل مؤمن کو خوش کرنا ہے، خواہ اس کی ستر پوشی کر دو، یا اس کی بھوک کا مداوا پیٹ بھرا کر کر دو یا اس کی حاجت پوری کر دو۔

● تنگی اور سختی کے وقت اسلام نے بھوکوں اور فاقہ مستوں کی امداد کو اہم فریضہ قرار دیا ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ فقیر و غریب لوگ تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے، اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے۔

اور امام مسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو تو اسے چاہیے کہ اسے اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے، اور جس کے پاس فالتو توشہ اور کھانے کا سامان ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اسے دے دے جس کے پاس کچھ کھانے کو نہیں، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مال کی اقسام کا تذکرہ کیا حتیٰ کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ ضرورت سے زائد چیز میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں ہے۔

● اسلام نے حاکم پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ ہر اس شخص کے لیے کام کاج کے مواقع مہیا کرے جو کام کاج پر قادر ہو چنانچہ ابوداؤد اور نسائی اور ترمذی روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کچھ بخشش مانگی، تو آپ نے ان سے فرمایا: کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول، ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں اور ایک لکڑی کا پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ، وہ صاحب وہ دونوں چیزیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں لے لیا اور فرمایا: مجھ سے یہ دونوں چیزیں کون خریدے گا؟ ایک صاحب نے عرض کیا: میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک درہم سے زیادہ کی بولی کون لگاتا ہے؟ ایک اور صاحب نے عرض کیا: میں یہ دونوں چیزیں دو درہم میں خریدتا ہوں، چنانچہ آپ نے وہ دونوں چیزیں انہیں دے دیں اور دونوں درہم لے کر ان انصاری کو دے دیے، اور ان سے فرمایا: ایک درہم کا کھانے کا سامان خرید کر گھر والوں کو دے دینا، اور دوسرے درہم سے

ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آنا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس میں لکڑی ڈالی اور پھر ان سے فرمایا: جاؤ لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور میں تمہیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں، انہوں نے ایسا ہی کیا اور پھر جب آئے تو ان کے پاس دس درہم موجود تھے، اور ان میں سے کچھ کے بدلے انہوں نے کھانے پینے کا سامان خرید لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت میں اس حالت میں آؤ کہ سوال کرنے کی وجہ سے تمہارے چہرے پر نشان پڑے ہوں۔

● اسلام نے خاندان والوں کو بچہ پیدا ہونے پر وظیفہ دینے کا نظام رائج کیا، چنانچہ مسلمانوں کے یہاں جو بچہ بھی پیدا ہوگا خواہ وہ بچہ حاکم کا بیٹا ہو یا ملازم کا، مزدور کا ہو یا بازاری آدمی کا، سب کو وظیفہ دیا جائے گا چنانچہ ابو عبید اپنی کتاب الاموال میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر پیدا ہونے والے بچے کے لیے وظیفہ مقرر کرتے تھے جو اس کے باپ کی طرح اسے بھی ملتا تھا جس کی مقدار سو درہم تھی، اور بچہ جس طرح بڑھتا جاتا اس طرح اس کا وظیفہ بھی بڑھتا رہتا، حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان و حضرت علی و دیگر خلفاء نے بھی اس پر عمل کیا۔

یہ اصول اس وجدانی تربیت کے علاوہ ہیں جس کی جڑیں اسلام مسلمانوں کے دلوں اور احساس و وجدان کی گہرائیوں اور نفوس میں اسلام گاڑ دیتا ہے تاکہ سب کے سب تعاون، امدادِ باہمی اور ایثار کی جانب خوشی خوشی اپنی مرضی و اختیار اور داعیۂ ایمانی کی بنا پر گامزن ہوں۔

ہم نے جو کچھ ابھی کہا ہے اس پر تاریخ کے اوراق شاہد عدل ہیں، چنانچہ مسلم معاشرے کے امدادِ باہمی اور آپس کی الفت و تعاون و رحمدلی کے چند نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ مدینہ میں اس طرح سے زندگی گزارتے تھے کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان کا گزر بسر کہاں سے ہو رہا ہے؟ اور کون ان کو دیتا ہے؟ پھر جب حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین وفات پا گئے تو وہ آمد بند ہو گئی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہی وہ شخص تھے جو ان کے پاس رات کی تاریکی میں چپکے سے وہ سامان پہنچایا کرتے تھے، جب وہ وفات پا گئے تو لوگوں نے ان کی پشت اور کاندھے پر ان تھیلوں اور بوریوں کے نشانات دیکھے جنہیں وہ اٹھا کر بیواؤں اور فقراء و مساکین کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔

۲۔ حضرت لیث بن سعد کی سالانہ آمدنی ستر ہزار دینار سے زیادہ تھی اور وہ سب کی سب صدقہ کر دیا کرتے تھے، حتی کہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ان پر کبھی زکاۃ واجب ہونے کی نوبت نہیں آئی، ایک مرتبہ انہوں نے ایک گھر خریدا جو نیلام کے ذریعے بیچا گیا تھا، چنانچہ ان کا وکیل جب اس کو اپنے قبضے میں لینے گیا، تو وہاں یتیموں اور چھوٹے بچوں کو پایا جنہوں نے اس سے اللہ کے نام پر یہ ــــ سوال کیا کہ وہ یہ گھر ان کے پاس ہی رہنے دیں، جب یہ بات حضرت لیث کو معلوم ہوئی تو انہوں نے ان کو یہ پیغام بھجوا دیا کہ یہ مکان تم لوگوں کا ہے اور ساتھ ہی تمہیں اتنا مال بھی دیا جاتا ہے جو تمہاری روزانہ کی ضرورت

کے لیے کافی ہو۔

۳۔ محدث کبیر حضرت عبداللہ بن مبارک بہت زیادہ صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے، ان کی سالانہ صدقات کی مقدار ایک لاکھ دینار سے زیادہ تھی، ایک مرتبہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حج کے لیے نکلے، بعض شہروں سے گزر ہوا وہاں ایک پرندہ مرگیا تو انہوں نے اسے کوڑا ڈالنے کی جگہ پھینکنے کا حکم دیا، ان کے ساتھی ان سے آگے چلے گئے اور وہ خود ان سے پیچھے رہ گئے، جب ان کا اس کوڑا ڈالنے کی جگہ سے گزر ہوا تو کیا دیکھا کہ اس کوڑا دان کے قریبی مکان میں رہنے والی ایک لڑکی اپنے مکان سے نکلی اور اس نے وہ مردہ پرندہ اٹھالیا۔ دریافت کرنے پر اس نے انہیں بتایا کہ وہ اور اس کے بھائی نہایت خستہ حال ہیں، اور ان کی غربت کا کسی کو علم نہیں ہے، اور ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ بھی نہیں ہے، یہ سن کر حضرت عبداللہ نے زادِ راہ اور سامانِ سفر واپس لوٹانے کا حکم دیا، اور اپنے وکیل سے پوچھا: تمہارے پاس خرچ کے کتنے پیسے موجود ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار موجود ہیں، تو انہوں نے اس سے کہا کہ اس میں سے بیس دینار نکال لو جو ہمارے لیے "مرو" شہر تک پہنچنے میں کام دے سکیں اور باقی ماندہ دینار اس لڑکی کو دے دو، اس لیے کہ ان کی امداد کرنا اس سال حج سے زیادہ موجبِ اجر وثواب ہے، اور پھر وہ اپنے گھر کی طرف واپس چلے گئے اور حج نہ کیا (۱)۔

اور جس دن حکومت اور معاشرہ اور تمام افرادِ مملکت فقر وغربت کے خاتمہ کے لیے پوری کوشش صرف کردیں گے اس روز اسلامی معاشرے میں ایک بھی غریب، مسکین اور محتاج باقی نہیں رہے گا، اور امتِ اسلامیہ امن وسلامتی، خوشحالی اور اتحاد واطمینان کے سایہ تلے مزے کرے گی، اور قوم کے تمام افراد نفسیاتی انحراف اور مجرمانہ زندگی کے تمام عوامل سے نجات وآزادی حاصل کرلیں گے، اور ہم بچشم خود یہ دیکھ لیں گے کہ اسلامی عزت وسربلندی کا پرچم عزت وکرامت کی بلندیوں پر لہرارہا ہے اور اس کو دیکھ کر مومن اللہ کی فتح ونصرت سے خوش ہوجائیں گے۔

۴۔ بغض وحسد کی بیماری

حسد کا مطلب یہ ہے کہ انسان دوسرے کی نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرے، یہ ایک خطرناک معاشرتی بیماری ہے، اگر مربی اپنے بچوں کی اس بیماری کا علاج نہیں کریں گے تو لازمی طور سے اس کے بدترین اور خطرناک نتائج نکلیں گے۔

بعض اوقات شروع شروع میں گھر والوں کو حسد کی بیماری کا پتہ نہیں چلتا اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی اولاد نہ اس بیماری کا شکار ہوسکتی ہے اور نہ وہ اس کو سمجھتے ہیں، اور نہ ان سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس لیے جو حضرات تربیت کے ذمہ دار ہیں ان کو چاہیئے کہ حسد کا نہایت حکمت اور بہترین تربیت سے علاج کریں، تاکہ یہ بیماری پریشان کن مصائب اور بدترین

---

(۱) اسلام نے فقر وغربت کا جس طرح سے علاج کیا ہے اس سلسلہ میں جو شخص مزید تفصیل کا طالب ہو اسے چاہیئے کہ وہ ہماری کتاب "التکافل الاجتماعی فی الاسلام" کا مطالعہ کرے جس میں تشفی کا پورا سامان موجود ہے۔

نتائج اور دردناک نفسیاتی امراض کا ذریعہ نہ بنے۔

● اس سے قبل کہ میں اس بیماری کی بیخ کنی اور اس کے علاج اور اس سے بچاؤ کی تدابیر بیان کروں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں ان اسباب کو بیان کردوں جو بچوں میں حسد کی آگ بھڑکانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ اسباب مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہیں:

● بچے کا اس بات سے خوف کھانا کہ وہ گھر والوں میں اپنی بعض امتیازی خصوصیات کھو بیٹھے گا مثلاً محبت و پیار اور منظورِ نظر ہونا اور خصوصاً اس وقت جب نیا مہمان (بچہ) پیدا ہو۔ جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ وہ اس کے پیار و محبت میں اس کا مزاحم بنے گا۔

● اولاد میں برا موازنہ جیسے ایک کو ذکی کہنا اور دوسرے کو غبی۔

● اولاد میں سے کسی ایک کا بہت خیال رکھنا مثلاً ایک بچے کو گود میں اٹھایا جائے۔ اس سے دل لگی کی جائے اور اسے دل کھول کر دیا جائے، اور دوسرے کو ڈانٹا ڈپٹا جائے اور اس کی پرواہ نہ کی جائے اور اسے کچھ نہ دیا جائے۔

● جس بچے سے محبت ہو اس کی ایذا رسانی اور برائیوں سے چشم پوشی کی جائے اور اس کے بالمقابل دوسرے بچے سے اگر ذرا سی بھی غلطی ہو جائے تو اسے سزا دی جائے۔

● بچے کا مالدار، عیش و عشرت والے ماحول میں ہونا لیکن خود بچے کا نہایت غربت، فقر اور خستہ حالی کا شکار ہونا۔

اس کے علاوہ اور دوسرے وہ اسباب جن کا بچے کی شخصیت پر برا اثر پڑتا ہے بلکہ بسا اوقات بچے میں احساسِ کمتری اور خطرناک انانیت اور بغض و حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی نفسیاتی بے چینی، سرکشی اور بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

اسلام نے نہایت حکیمانہ اصولِ تربیت سے حسد کی بیماری کا علاج کیا ہے۔ اگر تربیت کرنے والے شروع سے اس کے اسباب کا تدارک کرلیں تو بچوں میں محبت، ایثار، الفت اور خلوص پیدا ہوگا، اور دوسرے کے ساتھ تعاون، خیر و بھلائی کرنے اور نرمی سے پیش آنے کے جذبات بیدار ہوں گے۔

میرا خیال ہے حسد کی بیماری کے علاج کے لیے بنیادی اصولِ تربیت مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہیں:

۱۔ بچے کو محبت محسوس کرانا

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام بھی ایسا کرتے تھے، اور اپنے صحابہ کو اس کا حکم دیتے اور اس پر ابھارتے تھے، اور اِدھر اُدھر اس کے نافذ کرنے کا اہتمام کرتے تھے، ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش ہیں:

امام ترمذی وغیرہ حضرت عبداللہ بن بریدہ سے اور وہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے
رمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریر کرتے ہوئے دیکھا اسی اثناء میں حضرت حسن وحسین آگئے اور وہ سرخ سے
ل کے قمیض پہنے گرتے پڑتے چل رہے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور انہیں گود میں اٹھاکر اپنے
امنے بٹھادیا پھر فرمایا: اللہ جل شانہٗ نے بالکل سچ فرمایا ہے:

«إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ...»۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو بس آزمائش ہی (کی
التغابن - ۱۵ چیزیں) ہیں۔

میں نے ان دونوں بچوں کو گرتے پڑتے دیکھا تو میں صبر نہ کرسکا اور اپنی بات بیچ میں چھوڑ کر ان کو اٹھانے چلا گیا۔
نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے دل لگی کیا کرتے تھے۔ اور آپ اپنے ہاتھوں اور
ٹنوں کے بل چلا کرتے تھے اور وہ دونوں آپ سے لپٹ جایا کرتے اور آپ پر چڑھ جاتے تھے، آپ ان کو لے کر چلتے
ر فرماتے: تمہارا اونٹ تو بہترین اونٹ ہے اور تم دونوں بہترین سوار ہو۔
امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک اعرابی
ی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا آپ حضرات اپنے بچوں کو چومتے ہیں!؟ ہم تو انہیں پیار
یں کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أو أملك لك أن نزع الله من قلبك الرحمة»۔ اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحمت کا مادہ نکال دیا ہے تو کیا میں تمہارے لیے اس کو واپس لاسکتا ہوں؟

امام بخاری اپنی کتاب "الادب المفرد" ہی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے
رمایا: ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، انہوں نے اسے تین کھجوریں دے دیں۔ تو اس نے اپنے ہر بچے
ایک ایک کھجور دے دی اور ایک اپنے لیے رکھ لی، دونوں بچوں نے اپنی اپنی کھجوریں کھالیں اور پھر اپنی ماں کی جانب
یکھنے لگے، ماں نے اس تیسری کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور دونوں کو آدھی آدھی دے دی، جب نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام
شریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ آپ سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: تمہیں اس بات پر کیا تعجب ہوا؟
لہ نے تو اس کی مغفرت ہی اس لیے فرمادی کہ اس نے اپنے بچوں پر رحم کھایا تھا۔
یہ بات نظروں سے قطعاً اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ نئے بچے کی پیدائش پر حسد پیدا ہونے کے امکانات بہت زیادہ
ہتے ہیں اس لیے اس سے روکنے کے لیے لازمی احتیاطی تدابیر ضرور اختیار کرنا چاہیں اور تربیت کرنے والوں اور خصوصاً
ں کو اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔
یہ لازمی احتیاطی تدابیر دوسرے بچے کے پیدا ہونے سے چند ماہ قبل ہی اختیار کرلینا چاہیئے مثلاً بڑے بچے کے پلنگ کو

بدل دینا چاہیے۔ یا اسے نرسری اسکول بھیج دینا چاہیئے۔ اور نئے بچے کے کام کاج میں بڑے بچے سے بھی امداد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مثلاً اس کو کپڑے پہنانا اس کو نہلانا یا کھانا کھلانا، اسی طرح اس کو چھوٹے بچے سے دل لگی کرنے اور کھیلنے کا موقعہ بھی دینا چاہیے۔ لیکن اس میں اس بات کا ضرور خیال رہے کہ اس کی نگرانی ضرور کی جائے تاکہ چھوٹے بچے کو کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچے، اور جب ماں نومولود بچے کو دودھ پلانے کے لیے اٹھائے تو ایسے موقعہ پر بہتر یہ ہوتا ہے کہ باپ بڑے لڑکے سے دل لگی کرنے لگے یا اس سے پیار و محبت کی باتیں کرنے لگے تاکہ اسے یہ احساس رہے کہ اس کی محبت اور اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

ان سب باتوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ بڑے بچے کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ وہ اب بھی ماں باپ کا پیارا اور منظورِ نظر ہے اور نومولود بچے کی طرح اس سے بھی برابر کا پیار کیا جا رہا ہے۔ اور اس کی نگہداشت بھی ویسی ہی کی جا رہی ہے۔ مربیِ اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ ذکر کی گئی احادیث میں اسی جانب رہنمائی کی ہے۔

لہٰذا تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ اگر وہ اپنے بچوں کو محبت، تعاون و ایثار کا پیکر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور ان کو بغض و حسد، انانیت اور بے اعتدالی سے بچانا چاہتے ہیں تو انہیں بچے کو محبت محسوس کرانے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اپنانا چاہیئے۔

۲- بچوں میں برابری اور عدل وانصاف کرنا:

یہ ایک بدیہی اور معروف سی بات ہے کہ تربیت کرنے والے جب بچوں کے ساتھ مساوات سے کام لیں گے اور لینے دینے میں عدل و برابری کو اپنائیں گے، تو بچوں کے نفوس سے حسد کا مادہ ختم ہو جائے گا، اور ان کے دلوں سے بغض و حسد اور کینہ کی بیماری دُور ہو جائے گی، بلکہ بچے اپنے بھائیوں بہنوں اور مربیوں کے ساتھ خوش دلی اور پیار محبت سے زندگی گزاریں گے اور پورے گھر پر محبت، اخلاص اور پاکیزگی کے جھنڈے لہرائیں گے۔

ایسی صورت میں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ معلم اوّل مربیِ اکبر نبی اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور مربیوں سب کو بھائیوں میں برابری و مساوات اور عدل وانصاف کا حکم دیا ہے تو ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تو یہ تھی کہ آپ ایسے لوگوں پر شدید نکیر کرتے تھے جو بچوں کے درمیان عدل وانصاف نہیں کرتے، اور ان سے پیار و محبت کا سلوک نہیں کرتے۔ اور ان میں لینے دینے اور تقسیم میں برابری و مساوات قائم نہیں کرتے۔

ذیل میں ہم اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجیہات وارشادات اور غلط رویہ پر نکیر کے چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ جو شخص جاننا چاہے وہ جان لے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی تربیت اور معاشرتی اصلاح کا کتنا زبردست اہتمام کیا ہے۔

بچوں میں احساسِ کمتری کے مرض کے علاج کے سلسلہ میں کچھ احادیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور مزید فائدے

کے لیے اب ہم ان کو یہاں دوبارہ ذکر کر رہے ہیں:

«ساووا بين أولادكم في العطية». طبرانی — ہدیہ کے دینے میں بچوں میں برابری اور مساوات کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ ان کا بیٹا آگیا، انہوں نے اسے بوسہ دیا اور اپنی گود میں بٹھالیا، پھر ان کی لڑکی آئی تو انہوں نے اسے اپنے سامنے بٹھالیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے فرمایا: تم نے ان دونوں کے درمیان مساوات و برابری کیوں نہیں کی؟

اور امام بخاری و مسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام ہدیۃً دے دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو ایسا ہی ہدیہ دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: جی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر اس سے بھی واپس لے لو۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بشیر کیا اس کے علاوہ تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے ان میں سے ہر ایک کو ایسا ہی ہدیہ دیا ہے؟ انہوں نے کہا: جی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر تو مجھے گواہ مت بناؤ اس لیے کہ میں ظلم کا گواہ نہیں بن سکتا، پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ وہ سب تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں برابر ہوں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا، پھر ایسا نہ کرو (یعنی یہ کہ ایک کو دو دُوسروں کو محروم رکھو)۔

۳- ان اسباب کا ازالہ کرنا جو حسد کا ذریعہ بنتے ہیں

مربی کو چاہیئے کہ بچے کی تربیت بہت حکمت سے کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ان وسائل کو اختیار کیا جائے جو حسد کی بیماری بچے کے دل سے دور کرنے میں سود مند ہوں:

اگر نئے بچے کی آمد کی وجہ سے پہلے بچے کو یہ محسوس ہو رہا ہو کہ اس کے والدین اس سے پہلے جیسی محبت اور پیار نہیں کر رہے ہیں تو والدین کو چاہیے کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ بچے کو یہ محسوس ہو جائے کہ اس کی محبت ان کے دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔

اور اگر والدین کا اس کو غبی کہنا یا اس طرح کے سخت و سُست الفاظ سے اس کو پکارنا اس کے سینہ میں حسد و بغض کی آگ بھڑکاتا ہو تو والدین کو چاہیئے کہ اپنی زبان کو اس طرح کے الفاظ اور تکلیف دہ کلمات سے بچائیں۔

اور اگر لینے دینے یا برتاؤ میں کسی ایک بچہ کو ترجیح دینے سے اس بچے کو تکلیف پہنچتی ہو اور اس میں حسد کی بیماری پیدا ہوتی ہو تو والدین کو چاہیئے کہ بچوں کے درمیان عدل و انصاف و مساوات و برابری کریں۔

اس طرح والدین اور تربیت کرنے والوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ ان کا بچہ

ان نفسیاتی بیماریوں میں سے کسی بیماری کا شکار نہ بنے جن میں سب سے بڑی بیماری حسد ہے، تاکہ بچے کی شخصیت کامل ومکمل اور وہ اچھی تربیت کے سایہ تلے ایک صحیح انسان بن کر بڑھے پلے۔

اور چوں کہ حسد کے دوررس نفسیاتی اور معاشرتی اثرات پڑتے ہیں۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈرایا اور اس سے منع کیا ہے، لیجیے اس سلسلہ میں آپ کے چند اقوال زرین نقل کیے جاتے ہیں:

امام ابو داؤد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إیاکم والحسد فإن الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب)).	حسد سے بچو اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاجاتی ہے۔

اور امام طبرانی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((لا یزال الناس بخیر مالم یتحاسدوا)).	لوگ اس وقت تک خیریت سے رہیں گے جب تک کہ آپس میں حسد نہ کریں۔

٭ ٭ ٭

اسی طرح یہ حدیث بھی نقل کی ہے:

((لیس منی ذو حسد)).	حسد کرنے والا مجھ سے نہیں ہے۔

دیلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((الحسد یفسد الإیمان کما یفسد الصبر العسل)).	حسد ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کرتا ہے۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والوں کو بچوں سے حسد کی بیماری دور کرنے اور اس کا علاج کرنے کے لیے تربیت کے ان بنیادی اصولوں کو اپنانے کی بہت سخت ضرورت ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ حضرات ان اصولوں کو اپنالیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی پر عمل کرلیں تو اولاد کی بہترین نشو ونما ہوگی اور ان میں محبت واخلاص اور صاف دلی پیدا ہوگی۔

۵۔ غصہ کی بیماری

غصہ ایک نفسیاتی حالت اور انفعالی مرض ہے جسے بچہ اپنی زندگی کے شروع کے دنوں میں محسوس کرتا ہے اور پھر وہ ساری زندگی اور موت تک اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

غصہ چونکہ پیدائش سے ہی انسان میں پیدا ہونے والی ایک عادت ہے اس لیے یہ نہایت غلط بات ہے کہ غصہ کو قبیح بیماریوں اور گندے انفعالی حالات میں سے شمار کیا جائے، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس میں مختلف طبائع، خواہشات، احساسات ورجحانات پیدا کیے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس میں کوئی زبردست حکمت اور بڑی معاشرتی

مصلحت ہوگی۔

غصہ کے فوائد یہ ہیں:

نفس کی حفاظت، دین کی حفاظت، عزت وآبرو کی حفاظت اور ملک دشمنوں اور ظالموں کے مکر وفریب اور ظلم سے وطنِ اسلامی کی حفاظت۔

اگر بالفرض یہ قدرتی چیز نہ ہوتی جسے اللہ تعالیٰ نے انسان میں ودیعت رکھ دیا ہے تو اللہ کی حرام کردہ اشیاء اور محارم اللہ کی مخالفت اور دینِ الٰہی کی تذلیل وتحقیر پر مسلمان کو ہرگز غصہ نہ آتا، اسی طرح اگر کوئی دین دشمن مسلمانوں کی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ اور اس پر حکومت کرنا چاہتا تو اس سے مسلمان ہرگز طیش میں نہ آتا۔

ظاہر ہے کہ یہ غیظ وغضب وہ قابلِ تعریف غصہ ہے جو بعض حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آیا کرتا تھا چنانچہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی صاحب اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرنے آئے، تو آپ کو غصہ آگیا اور آپ کے چہرہ مبارک پر غصے کے آثار ظاہر ہوگئے، اور آپ نے اپنا یادگار وتاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

«إنما أهلك الذين من قبلكم أنه إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد، وأيم الله لو أن فاطمة بنت محمد (صلى الله عليه وسلم) سرقت لقطعت يدها».

تم میں سے پہلے گزرے ہوئے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ اگر ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیا کرتے تھے، اور جب ان میں کوئی ضعیف و معمولی حیثیت کا آدمی چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کردیتے اور خدا کی قسم اگر (بالفرض) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی اگر (العیاذ باللہ) چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

* * *

اور طبرانی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام لیتے ہوئے نہیں دیکھا مگر یہ کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے، چنانچہ اگر اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوئی تو آپ سب سے زیادہ غضبناک ہوتے تھے، اور کبھی بھی آپ کے سامنے دو امور پیش نہیں کیے گئے مگر یہ کہ آپ نے ان دونوں میں سے جو آسان تھا اسے پسند کیا بشرطیکہ وہ اللہ کی ناراضگی کا موجب نہ ہو، لیکن اگر وہ اللہ کے ناراضگی کا سبب ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہونے والے ہوتے تھے۔

اکثر علماءِ تربیت غصہ اور غضب کو جو ناپسندیدہ عادات اور مبغوض حرکت شمار کرتے تھے تو اس سے وہ غصہ مراد ہے جو مذموم ہے جو برے اثرات اور خطرناک عواقب تک پہنچا دیتا ہے، اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب ذاتی مصلحت اور انانیت کی وجہ سے غصہ کیا جاتا ہے، اور اس غصہ کی وجہ سے معاشرے میں وحدت کا پارہ پارہ اور اجتماعیت کا ریزہ ریزہ

ہونا اور اخوت ومحبت کا ختم ہوجانا کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔

ایسی صورتِ حال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ کے سلسلہ میں اہتمام کرنا اور غصے کو پینے والوں اور ان لوگوں کی تعریف کرنا جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھتے ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

امام احمد اپنی مسند میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے ایسی چیز بتلائیے جو مجھے اللہ جل شانہ کے غضب سے دور کر دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت ہو۔

اور امام بخاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من كظم غيظًا وهو يستطيع أن ينفذه دعاه الله يوم القيامة على رءوس الخلائق حتى يخيره في أي الحور العين شاء)).	جو شخص اپنے غصہ کو نافذ کر سکتا ہو لیکن اسے پی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے پکاریں گے۔ یہاں تک کہ اسے اختیار دیں گے کہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے پسند کر لے۔

٭ ٭ ٭

اور امام بخاری ومسلم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((ما تعدون الصرعة فيكم؟ قالوا: الذي لا تصرعه الرجال، قال: ولكن الذي يملك نفسه عند الغضب)).	تم اپنے میں پہلوان کس کو سمجھتے ہو؟ عرض کیا وہ شخص جسے لوگ پچھاڑ نہ سکیں، آپ نے فرمایا نہیں (پہلوان) وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

٭ ٭ ٭

اسی طرح معاشرے میں الفت ومحبت اور مسلمانوں میں اتحاد ویگانگت باقی رکھنے کے لیے قرآنِ کریم کا مومن مردوں اور عورتوں کو غصے کے دبانے اور حسن وخوبی سے معاملہ رفع دفع کرنے اور جاہلوں سے روگردانی کا حکم دینے میں بھی کوئی غرابت اور تعجب کی بات نہیں ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے:

((وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾)). حٰم السجدۃ - ۳۴	اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے، تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہوجائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

نیز فرمایا:

«وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا» الفرقان ـ ۶۳

اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر۔

نیز فرمایا:

«اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ» آل عمران ۱۳۴

جو خرچ کیے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں اور دبا لیتے ہیں غصہ۔ اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

نیز فرمایا:

« وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ »۔ الشوریٰ ، ۳۷

اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉
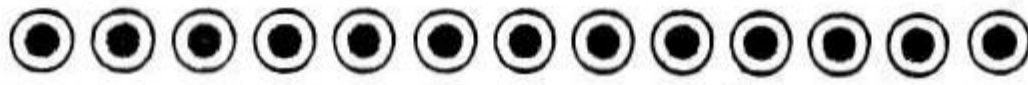
چونکہ قابلِ مذمت غصے کے انسان کی شخصیت اور عقل و سمجھ پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور معاشرہ کی وحدت باہمی ربط و الفت پر نہایت خطرناک عواقب ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچے کی ابتدائی عمر سے سنِ امتیاز و شعور تک پہنچنے تک اس بیماری کے علاج کا خوب اہتمام کریں۔

بچے سے غصہ کا مرض دور کرنے کا بہترین علاج یہ ہے کہ اسے غصہ کے اسباب و دواعی سے بچایا جائے تاکہ غصہ اس کا مزاج، عادت اور فطرت نہ بن جائے، اور واقعی بالکل سچ کہا جس نے یہ کہا: پرہیز کا ایک درہم علاج کے بہت سے سرمایہ سے بہتر ہے۔

○ اگر غصہ کا سبب اور وجہ بھوک ہو تو مربی کو چاہیے کہ بچے کو وقتِ مقرر پر کھانا کھلانے کی کوشش کرے، اس لیے کہ اس کی غذا کی طرف سے بے توجہی برتنا جسمانی امراض اور نفسیاتی بیماریوں کا ذریعہ بنتا ہے، اور مربی اگر اپنے زیرِ کفالت اشخاص کی ضروریات پورے نہ کرے تو بہت سخت گناہگار ہوتا ہے۔ ابوداؤد وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

«کفی بالمرء إثماً أن يضيع من يقوت»۔

انسان کے گناہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے زیرِ کفالت افراد کی صحیح دیکھ بھال نہ کرے۔

❊ ❊ ❊

○ اور اگر غیظ و غضب کا داعیہ اور سبب بیماری اور مرض ہو تو مربی کو چاہیئے کہ بچے کا کسی معالج سے علاج کرائے اور اس کی صحت کی فکر کرے، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل ہو جائے جسے امام مسلم و احمد نے روایت کیا ہے کہ:

«لکل داء دواء ، فإذا أصاب الدواء الداء برأ بإذن اللہ عزوجل».

ہر بیماری کے لیے ایک دوا ہے ، چنانچہ مرض کی جب صحیح دوا مل جاتی ہے تو اللہ جل شانہ کے حکم سے بیمار تندرست ہوجاتا ہے۔

٭ ٭ ٭

○ اور اگر غصہ کے اسباب ودواعی میں سے یہ بات ہو کہ بلاوجہ اس کی توہین کی جاتی ہو اور ڈانٹا ڈپٹا جاتا ہو تو ایسی صورت میں مربی کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کو تذلیل واہانت آمیز کلمات سے محفوظ رکھے تاکہ بچے کے دل میں نفسیاتی امراض اور غصہ راسخ نہ ہو جائے ، اور بلاشبہ یہ چیز حسن تربیت اور نیکی اور اچھائی میں اعانت کے قبیل سے ہے ۔ چنانچہ ابن ماجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«أدبوا أولادکم وأحسنوا أدبهم».

اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور خوب اچھا ادب سکھاؤ۔

اور ابن حبان آپ کا درج ذیل فرمان مبارک روایت کرتے ہیں :

«رحم اللہ والداً أعان ولده علی برہ».

اللہ تعالیٰ ایسے باپ پر رحم کرے جو نیکی میں اپنے بیٹے کا معاون بنے ۔

○ اور اگر غصے کا سبب بچے کا اپنے ماں باپ کی نقل اتارنا اور ان کی دیکھا دیکھی غصہ کرنا ہو تو والدین کو چاہیے کہ وہ حلم وبردباری وقار وسکون اور غصہ کے وقت اپنے آپ کو کنٹرول وقابو میں رکھ کر بچے کے لیے خود کو ایک مثالی نمونہ ثابت کریں اور اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان مبارک ثابت کر دکھائیں :

«وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ». آل عمران ۱۳۴

اور دبا لیتے ہیں غصہ اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں ، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے ۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو نافذ کریں جو پچھلی حدیث میں گزرا ہے :

«... ولکن الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب».

پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے ۔

○ اور اگر لڑکے میں غصہ کا سبب ضرورت سے زیادہ ناز ونخرے اٹھانا اور عیش وعشرت ہو تو ایسی صورت میں تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ بچوں کی محبت میں اعتدال سے کام لیں ۔ اور ان پر رحم کرنے اور خرچ کرنے میں درمیانہ روی کو اختیار کریں ، تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درج ذیل مقولے پر عمل ہو :

اپنے دوست سے اعتدال ومیانہ روی سے محبت کرو ممکن ہے کہ کبھی وہ تمہارا دشمن بن جائے ، اور دشمن سے ضرورت کے مطابق دشمنی رکھو ممکن ہے کہ کبھی وہ تمہارا دوست بن جائے ۔ اور تاکہ اس چیز سے بچا جا سکے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ... یا ہے اور جسے امام احمد نے روایت کیا ہے :

((إياكم والتنعم فإن عباد الله ليسوا بالمتنعمين)).

عیش وعشرت کی زندگی سے بچو اس لیے کہ اللہ کے بندے عیش وعشرت میں نہیں پڑتے۔

○ اور اگر غصہ کا سبب ہنسی مذاق اڑانا اور بُرے القاب سے یاد کرنا ہو تو تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ ان چیزوں سے دور رہیں جو غصہ کی آگ بھڑکانے والی ہوں تاکہ بچے میں غصہ کی بیماری جاگزیں نہ ہو جائے۔

قرآنِ کریم نے مذاق اڑانے، بدظنی، تجسس اور برے ناموں کے ساتھ پکارنے سے روک کر کتنی عظیم وزبردست تربیت دی ہے چنانچہ سورۂ حجرات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

((يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۚ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ))

اے ایمان والو نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر (ہنسنا چاہیے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے اور جو (اب بھی) توبہ نہ کریں گے وہی ظالم ٹھہریں گے۔

بچے کے غصہ کا کامیاب علاج یہ ہے کہ اسے غصہ کی تسکین کے لیے نبوی طریقے کا عادی بنا دیا جائے، ذیل میں اس طریقے کے مختلف مراحل ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ جس ہیئت پر غصہ ہونے والا شخص ہو اس ہیئت کو بدل دیا جائے:

امام احمد وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إذا غضب أحدكم وهو قائم فليجلس فإن ذهب عنه الغضب وإلا فليضطجع)).

جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آجائے تو اسے چاہیئے کہ وہ بیٹھ جائے پھر اگر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے۔

❊ ❊ ❊

۲۔ غصہ کے وقت وضو کرلینا:

امام ابو داؤد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((الغضب من الشيطان، وإن الشيطان

غصہ شیطانی اثر ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا

خلق من النار، وإنما تطفأ النار بالماء، فإذا غضب أحدكم فليتوضأ»۔

گیا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آجائے تو اسے چاہیے کہ وضوء کرلے۔

⁂ ⁂ ⁂

۳۔ غصہ کی حالت میں خاموشی اختیار کرلینا:

امام احمد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«إذا غضب أحدكم فليسكت»۔

جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آجائے تو اسے چاہیے کہ خاموش ہوجائے۔

⁂ ⁂ ⁂

۴۔ اللہ کے ذریعہ سے شیطان مردود سے پناہ مانگنا:

بخاری ومسلم میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو صاحبان ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے، اور ان میں سے ایک صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ دوسرے کو گالی دینے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ اگر وہ شخص اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ دیتا تو اس کا غصہ ختم ہوجاتا۔

غصہ کو ختم اور اس کی تیزی کو کم کرنے کے سلسلے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نہایت اہم ہدایات ہیں جو آپ نے امت کو دی ہیں، اس لیے والدین اور تربیت کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی اولاد اور شاگردوں کو اس کی تربیت دیں تاکہ وہ حلم وبردباری سنجیدگی اور غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کی عادت ڈالیں۔

آخری بات یہ ہے کہ تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچوں کے سامنے غصہ کی عادت کی خرابی اور قباحت ظاہر کریں مثلاً انہیں ایسے شخص کی حالت دکھائیں جو غصہ میں ہو کہ اس کی آنکھیں کس طرح پھیل جاتی اور رگیں کس طرح پھول جاتی ہیں اور چہرے کا آثار چڑھاؤ کیا ہوجاتا ہے اور چہرہ سرخ ہوجاتا ہے، اور آواز بلند ہوجاتی ہے، ظاہر ہے کہ جب غصہ والے شخص کی صورت جب اس طرح محسوس کرا دی جائے گی تو بچہ یقیناً اس سے باز رہے گا اور اسے عبرت بھی حاصل ہوگی، اسی طرح تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچوں کو غصے کی آفات اور خطرناک انجام اور بری عاقبت سے بھی بچائیں۔

غصہ کی قباحت کو اس طرح سے بیان کرنا اور اس کی برائی کو مجسم کرکے دکھانا، اور اس سے بچانے کی تدابیر اختیار کرنا ہی وہ طریقہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کی تربیت اور نفوس کے علاج کے لیے اختیار کیا تھا، چنانچہ امام احمد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«ألا إن الغضب جمرة تتوقد في قلب ابن آدم، ألا ترون إلى انتفاخ أوداجه واحمرار عينيه، فمن

سن لو غصہ ایک انگارہ ہے جو انسان کے دل میں سلگتا ہے۔ کیا تم غصہ ہونے والے شخص کی رگوں کے پھولنے اور اس کی آنکھوں کے سرخ ہونے کو نہیں

أحسّ من ذلك شيئاً فـالأرض الأرض..)). | دیکھتے ہو، پس جو شخص اس میں سے کوئی چیز محسوس کرے تو اسے چاہیئے کہ زمین کو لازم پکڑے زمین کو لازم پکڑے (تاکہ اپنی اصلیت وحقیقت معلوم ہو جائے)۔

☆ ☆ ☆

ہم نے اب تک جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تربیت کرنے والے حضرات جب بچپن ہی سے اپنے بچوں کو غصے کے اسباب ودواعی سے بچائیں گے، اور غصہ کے علاج اور تسکین کے لیے نبوی طریقے کو اختیار کریں گے، اور جب اپنے بچوں کے سامنے غصہ کی قباحت مجسم شکل میں پیش کرکے ان کو اس سے ڈرائیں گے تو لازمی طور سے حلم وبردباری سنجیدگی اور عقلی پختگی اور نفس کو کنٹرول میں رکھنے کے عادی بنیں گے، بلکہ اپنے اخلاق اور روزمرہ کی زندگی سے مسلمان کے کردار وسلوک اور اخلاقِ عالیہ کی سچی تصویر پیش کریں گے۔

اور جب تربیت کرنے والے اپنے بچوں اور طلبہ اور ان لوگوں کو جن کی تربیت کی ذمہ داری ان پر ہے انہیں بلا وجہ شرمندگی اور خوف اور احساسِ کمتری ونقص کے شعور اور حسد اور غصہ کی بیماریوں سے نجات دلا دیں گے تو گویا وہ ان کے نفوس میں ایسے عظیم نفسیاتی اصول بو دیں گے جو ثابت قدمی اور اظہار رائے، شجاعت وبہادری، جرأت واقدام، اور فرض وواجب کا احساس، اور ایثار ومحبت، اور بردباری اور سنجیدگی کو پیدا کرنے والے ہیں، بلکہ یہ تربیت کرنے والے ان بچوں کو ان برائیوں سے پاک کرکے اور ان کو ان اوصاف سے متصف کرکے اپنی اولاد کو اس قابل بنا دیں گے کہ وہ کل کے قابلِ فخر نوجوان اور مستقبل کے ایسے عظیم مرد بن سکیں جو زندگی کا ہنسی خوشی اور زبردست عزم اور بلند ہمتی اور شاندار اعلیٰ اخلاق سے مقابلہ کرسکیں۔

ہم ایسے تربیت کرنے والوں کے بہت زیادہ محتاج ہیں جو نفسیاتی تربیت کا اسلامی طریقہ اور اصلاح کرنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ جانتے ہوں، تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو پورا کرسکیں، اور ہمیں ایسے نوجوان مل جائیں جن کی شخصیت کامل ومکمل اور باطن ٹھیک ہو۔ اور اخلاق عالی وبلند ہوں، اور ان کی نفوس وقلوب نفسیاتی بیماریوں سے خالی ہوں اگر مصلحین کوشش کریں اور مربّی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں تو اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

چھٹی فصل

۶ - اجتماعی و معاشرتی تربیت کی ذمہ داری

اجتماعی و معاشرتی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ بچے کو شروع ہی سے ایسے اعلیٰ معاشرتی آداب اور عظیم نفسیاتی اصول کا عادی بنا دیا جائے جو ہمیشہ زندہ جاوید رہنے والے اسلامی عقیدے اور گہرے ایمانی شعور سے پھوٹ کر نکلتے ہیں، تاکہ بچہ معاشرے میں حسن معاملہ، ادب، سنجیدگی اور پختگی عقل اور اچھے تصرفات غرضیکہ ہر حیثیت سے ایک بہترین مثالی فرد بنے۔

تربیت کرنے والوں اور والدین پر بچے کی تربیت کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں یہ سب سے اہم ذمہ داری ہے، بلکہ یہ ہر اس تربیت کا نچوڑ ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے چاہے تربیت ایمانی ہو یا اخلاقی یا نفسیاتی... اس لیے کہ یہ ایک ایسی وجدان اور کردار سے متعلق عادت ہے جو بچے کو حقوق کی ادائیگی اور آداب کو لازم پکڑنے، اور ہر ایک کا خیال رکھنے، اور عقلی پختگی اور حسن سیاست اور دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی عادی بناتی ہے۔

واقعہ اور تجربہ کے اعتبار سے اتنی بات ثابت ہے کہ معاشرہ کی سلامتی اور اس کی عمارت کی پختگی و مضبوطی معاشرہ کے افراد کی سلامتی اور ان کی عمدہ تربیت سے وابستہ ہے، اسی لیے اسلام نے اولاد کے اخلاق و کردار کی تربیت کا بہت اہتمام کیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ تربیت یافتہ افراد کوئی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں تو وہ زندگی کے میدان میں ایک سمجھدار باکردار اور باصلاحیت عقلمند انسان کی سچی تصویر ہوتے ہیں۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ زبردست محنت اور جدوجہد کا مظاہرہ کریں تاکہ صحیح طور سے اپنے معاشرتی تربیت کی اپنی عظیم مسئولیت و ذمہ داری کو پورا کر سکیں اور ایک ایسے بہترین اسلامی معاشرے کی تعمیر کر سکیں جس کی بنیاد ایمان، اخلاق اور بہترین معاشرتی تربیت اور اعلیٰ ترین اسلامی اقدار پر قائم ہو، اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

چونکہ ہر تربیت کے لیے کچھ نہ کچھ ایسے وسائل ہوتے ہیں جن کو مربی اختیار کرتے ہیں، اس لیے غور کرنا چاہیئے کہ وہ کون سے عملی وسائل ہیں جو بہترین معاشرتی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں؟

یہ وسائل میری نظر میں چار امور میں منحصر ہیں:

۱۔ بہترین نفسیاتی اصول کی تخم ریزی کرنا۔
۲۔ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا۔
۳۔ عمومی معاشرتی آداب کا خیال رکھنا۔
۴۔ دیکھ بھال اور معاشرے کا محاسبہ۔
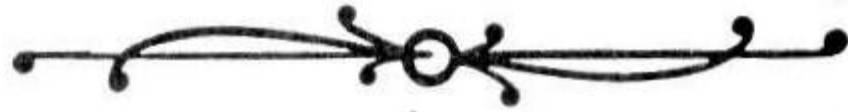
اولاً: نفسیاتی اصول کی تخم ریزی

اسلام نے تمام افراد کی نفوس میں چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے مرد ہوں یا عورتیں بوڑھے ہوں یا جوان شاندار تربیت کی بنیاد ایسے عظیم مستحکم نفسیاتی اصولوں اور ابدی تربیتی قواعد پر رکھی ہے جن کے بغیر اسلامی شخصیت کی تکمیل و تعمیر نہیں ہوسکتی۔ اور درحقیقت یہ ہمیشہ باقی رہنے والی انسانی روایات ہیں۔ جماعتوں اور افراد میں ان نفسیاتی اصولوں کی تخم ریزی کے لیے اسلام نے زبردست توجیہات وشاندار راہنما اصول وپرمغز وصایا پیش کیے ہیں۔ تاکہ اعلیٰ اسلوب اور بہترین طریقے سے اجتماعی تربیت ہوسکے۔ اور معاشرہ باہمی تعاون، عظیم اتحاد اور شاندار آداب اور باہمی الفت ومحبت اور اصلاح پر مشتمل مفید نقد وتنقید کے ماحول میں پروان چڑھے۔

جن نفسیاتی اصولوں کو اسلام لوگوں میں راسخ کرنا چاہتا ہے ان میں سے اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ تقویٰ یہ اس ایمانی عمیق شعور کا لازمی نتیجہ اور طبیعی ثمرہ ہے جو اللہ عزوجل کے حاضر ناظر ہونے کے خیال اور اس کے خوف وخشیت اور اس کے عذاب وناراضگی کے ڈر اور اس کے عفو ودرگزر وثواب کی امید کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔
اور تقویٰ (جیساکہ علماء نے اس کی تعریف کی ہے یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ انسان کو اس جگہ نہ دیکھے جہاں سے اس نے منع کیا ہے اور وہاں غائب نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے، اور بعض حضرات نے تقویٰ کی تعریف یہ کی ہے کہ اچھے اعمال کرکے اللہ کے عذاب سے بچنا اور ظاہر وباطن میں اللہ تعالیٰ سے خوف کرنا۔
اسی لیے قرآنِ کریم نے بہت سی آیات بینات کے ذریعہ نہایت اہتمام سے تقویٰ کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور اس پر ابھارا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والا ایک صفحہ یا چند صفحے بھی نہیں پڑھ پاتا مگر یہ کہ جابجا مختلف آیات میں لفظِ تقویٰ کا ذکر پڑھ لیتا ہے۔
اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین تقویٰ کا بہت اہتمام کرتے تھے، اور اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی فکر اور کوشش کرتے تھے اور اس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے۔ چنانچہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقوی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: کیا آپ کبھی کانٹے والے راستے میں نہیں چلے ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: خوب کوشش اور محنت کرتا تھا، تو انہوں نے کہا کہ یہی تقوی ہے۔

یہ تقوی ضمیر کے حساس اور شعور کے صاف شفاف ہونے، اور دائمی خوف و خشیت اور مستقل احتیاط اور راستے کے کانٹوں سے بچنے کی فکر کا نام ہے زندگی کا وہ راستہ جس میں خواہشات، شہوات و مرغوبات اور طمع و اغراض اور خوف و خطر اور خطرات و خیالات کے کانٹے جو کچھ نہیں دے سکتا اس سے جھوٹی امید اور جو نفع و نقصان کا مالک نہیں اس سے جھوٹے خوف کے کانٹے ایک دوسرے کی جانب گھسیٹتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بہت سے بیسیوں کانٹے ہیں (۱)۔

اور اللہ تعالیٰ سے خوف اور تقوی، قطع نظر اس کے کہ اس کی وجہ سے مؤمن کے دل میں اللہ کا خوف اور اس کے مراقبہ کا فکر ہوتا ہے یہ تقوی دراصل تمام معاشرتی فضائل و کمالات کا منبع ہے، اور مفاسد و شرور اور گناہوں اور پریشانیوں سے بچنے کا منفرد راستہ ہے۔ بلکہ افراد میں معاشرے اور ہر اس شخص کے لیے جو ان سے ملے اس کے بارے میں کامل شعور و احساس پیدا کرنے کا پہلا ذریعہ و سبب ہے۔

اور ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان مبارک: ((التقوی ھھنا)) کہ تقوی یہاں ہے، اسے تین مرتبہ جو دہرایا (جیسا کہ آئندہ آئے گا) اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ معاشرہ کی تربیت کی اس اصل اور بنیاد کی تاکید و اہمیت بیان ہو جائے اور خصوصاً ان اوامر میں جن سے انسانی کرامت کے مساس اور لوگوں کو ضرر پہنچانے سے روکا گیا ہے۔

افراد کے کردار اور معاملات پر تقوی کا جو اثر پڑتا ہے اس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

الف ۔ امام غزالیؒ "احیاء العلوم" میں روایت کرتے ہیں کہ یونس بن عبید کے پاس مختلف قیمت کے جوڑے اور پوشاکیں تھیں، ان میں سے بعض ایسی اقسام کے بھی تھے جن میں سے ہر پوشاک کی قیمت چار سو درہم تھی، اور بعض کی دو سو درہم، وہ نماز کے لیے چلے گئے اور اپنے بھتیجے کو دکان پر چھوڑ گئے، اسی اثناء میں ایک اعرابی شخص آیا اور اس نے چار سو درہم کا ایک جوڑا مانگا تو انہوں نے دو سو درہم والے جوڑے اس کے سامنے پیش کر دیے، اسے وہ اچھے لگے اور پسند آ گئے، اور اسے اس نے چار سو درہم میں خرید لیا اور اس کو اٹھا کر چل دیا، راستے میں اسے یونس مل گئے اور انہوں نے اپنے جوڑے کو پہچان لیا اور اس اعرابی سے پوچھا کہ تم نے یہ کتنے میں خریدا ہے؟ اس نے کہا چار سو درہم میں۔

یونس نے اس سے کہا کہ یہ تو دو سو سے زیادہ کا نہیں ہے اس لیے تم واپس چلو اور اس کو واپس کر دو، تو اس اعرابی نے کہا کہ یہ تو ہمارے علاقے میں پانچ سو کا ہے اور میں نے تو اسے خوشی سے خریدا ہے، تو یونس نے اس سے کہا: تم میرے ساتھ چلو، اس لیے کہ نصیحت و خیر خواہی دین اسلام میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، پھر انہیں دکان واپس لے گئے اور ان کو دو سو

(۱) ملاحظہ ہو سید قطب کی کتاب الظلال (۱-۴)۔

درہم واپس کر دیے، اور قیمت سے زیادہ پیسے لینے پر اپنے بھتیجے سے لڑے، اور ان کو اس پر سخت تنبیہ کی، اور کہا: کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟ کیا تمہیں خدا کا خوف نہیں ہے، جتنی قیمت ہے تم اتنا ہی نفع لینا چاہتے ہو اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نہیں کرتے؟ تو ان کے بھتیجے نے کہا کہ: بخدا اس نے تو وہ خوشی خوشی اور رضا مندگی سے لیا تھا، تو انہوں نے کہا: تم نے اس کے لیے وہ بات کیوں نہ پسند کی جو اپنے لیے پسند کرتے ہو!!

ب۔ حضرت عبداللہ بن دینار فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے ارادہ سے نکلا راستہ میں ہم آرام کرنے لیٹے، تو پہاڑ سے ایک چرواہا اترا، انہوں نے اس سے کہا: چرواہے ان دنبوں میں سے ایک دنبہ میرے ہاتھ بیچ دو، اس نے کہا کہ میں تو غلام ہوں، حضرت عمر نے اس کا امتحان لینے کے لیے کہا کہ تم اپنے آقا سے یہ کہہ دینا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا، تو چرواہے نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے (یعنی اللہ تو دیکھ رہے ہیں) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور پھر اس غلام کے ساتھ گئے، اور اس کے آقا سے اسے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا: تمہیں اس ایک بات نے دنیا میں غلامی سے آزادی دلائی، اور مجھے امید ہے کہ یہ تمہیں آخرت میں آگ سے نجات دلائے گی۔

ج۔ اور ماں بیٹی کا وہ قصہ تو اکثر حضرات جانتے ہی ہوں گے کہ ماں یہ چاہتی تھی کہ بیٹی دودھ میں پانی ملا دے تاکہ آمدنی زیادہ ہو۔ اور بیٹی اسے یہ یاد دلا رہی تھی کہ امیر المؤمنین نے اس سے منع کیا ہے، ماں کہتی ہے کہ امیر المؤمنین ہمارے پاس کہاں ہیں، وہ ہمیں دیکھ تھوڑی رہے ہیں، بیٹی خاموش کن جواب دیتی ہے کہ اگر امیر المؤمنین ہمیں نہیں دیکھ رہے تو امیر المؤمنین کا رب تو ہمیں دیکھ رہا ہے!!

اس لیے ہمیں چاہیے کہ تقویٰ اور اللہ کے ہر وقت ہمیں دیکھنے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے یقین کو اپنے بچوں میں شروع ہی سے پیدا کریں!!

۲۔ اخوت یہ ایک ایسا نفسیاتی رابطہ ہے جو ہر اس شخص کے ساتھ نرمی، محبت اور احترام کا گہرا شعور پیدا کرتا ہے جس کا انسان سے اسلامی عقیدے اور تقویٰ و ایمان کی بنیاد پر رابطہ ہو۔ اخوت کا یہ شعور صادق اور سچا احساس مسلمان کے دل میں تعاون، ایثار و شفقت اور باوجود قدرت کے معاف کرنے کے بہترین جذبات پیدا کرتا ہے، اور انسان کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ تمام ایسے کاموں سے بچے اور دور رہے جو لوگوں کو ذاتی طور سے نقصان پہنچائیں یا ان کے مال یا عزت و کرامت کو نقصان پہنچائیں۔ اسلام نے صرف اللہ ہی کے لیے اس اخوت و بھائی چارگی کے پیدا کرنے پر زور دیا ہے، اور بہت سی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں اس کے تقاضوں اور انواع و اقسام کو بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ». الحجرات۔ ۱۰ — بے شک مسلمان (آپس میں) بھائی ہی بھائی ہیں۔

اور فرمایا:

«سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ». القصص۔ ۳۵ — ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہاری قوت بازو بنائے دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:

«وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا». آل عمران۔ ۱۰۳ — اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی۔

امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے (دشمن کے) سپرد کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے، اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے، انسان کے برا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تذلیل وتحقیر کرے، مسلمان پورا کا پورا مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی اور اس کا مال بھی اور اس کی عزت وآبرو بھی تین مرتبہ فرمایا، تقویٰ اس جگہ ہے اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کیا۔

اور امام بخاری اور مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے۔

«لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه». — تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

٭ ٭ ٭

اور امام مسلم اور احمد روایت کرتے ہیں:

«مثل المؤمنين في توادهم وتعاطفهم وتراحمهم كمثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى». — مؤمنوں کی آپس میں محبت الفت ورحم دلی کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک جسم میں اس کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم اس کے ساتھ بے خوابی اور بخار میں شریک ہو جاتا ہے۔

اور امام مسلم اپنی کتاب "صحیح" میں نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ارشاد فرمائیں گے:

«أين المتحابون بجلالي؟ اليوم أظلهم في ظلي يوم لا ظل إلا ظلي». — کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال کی وجہ سے باہمی محبت کرتے تھے؟ آج میں ان کو اپنے سایۂ رحمت میں رکھوں گا جس روز میرے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

٭ ٭ ٭

اس اخوت اور اللہ کے لیے بھائی چارگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرہ کے افراد نے پوری تاریخ اور تمام زمانوں میں آپس میں غمخواری، ایثار، باہمی تعاون وہمدردی کا ایسا تعاون کیا جو تاریخ انسانی میں سب سے بہتر سلوک اور برتاؤ شمار ہوتا ہے ذیل میں اس کے چند نمونے ذکر کیے جاتے ہیں:

الف۔ امام حاکم اپنی کتاب مستدرک میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن أبی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اسی ہزار درہم بھیجے، حضرت عائشہ روزے سے تھیں اور انہوں نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے جب یہ خطیر رقم ان کو ملی تو انہوں نے فوراً فقراء و مساکین میں اسے تقسیم کر دیا، اور اپنے لیے اس میں سے کچھ بھی نہ روکا، تو ان کی خادمہ نے ان سے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین آپ نے اتنا بھی نہیں کیا کہ ہمارے لیے ایک درہم کا گوشت ہی خرید لیتیں اور خود بھی اس سے افطار کر لیتیں، تو انہوں نے فرمایا: بیٹی اگر تم مجھے پہلے یاد دلا دیتیں تو میں ایسا کر لیتی۔

ب - امام طبرانی اپنی کتاب "معجم کبیر" میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے چار سو دینار ایک تھیلی میں ڈالے اور اپنے غلام سے کہا کہ یہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس لے جاؤ، اور پھر کچھ دیر ان کے گھر ہی میں کسی کام میں لگ جانا تاکہ تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ان کا کیا کرتے ہیں، چنانچہ غلام وہ دینار ان کے پاس لے گیا اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ ان کو اپنی بعض ضروریات میں کام میں لے لیں، تو حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر کو اس کا اچھا بدلہ دے اور ان پر رحم کرے، اور پھر فرمایا: اے لڑکی آجاؤ اور یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ، اور یہ پانچ فلاں کو، اور یہ پانچ دینار فلاں کو، حتیٰ کہ وہ سارے دینا خرچ کر ڈالے، تو وہ غلام حضرت عمر کے پاس آیا اور اس نے سارا قصہ ان کو سنا ڈالا۔

حضرت عمر نے اتنے ہی دینار حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کے لیے تیار کر رکھے تھے چنانچہ انہوں نے فرمایا: ان کو حضرت معاذ کے پاس لے جاؤ اور وہیں ان کے گھر میں کسی کام میں لگ جانا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ انہوں نے ان پیسوں کا کیا کیا؛ چنانچہ وہ غلام پیسے لیکر ان کے پاس گیا اور کہا: امیر المؤمنین یہ فرماتے ہیں کہ انہیں اپنی ضروریات میں خرچ کر لیجیے۔ تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر پر رحم کرے اور ان کو اچھا بدلہ دے، اے لڑکی فلاں گھر والوں کے پاس اتنے پیسے لے جاؤ اور فلاں کے یہاں اتنے دینار۔ چنانچہ حضرت معاذ کی اہلیہ نے جھانک کر کہا: بخدا ہم بھی تو غریب و مسکین ہیں ہمیں بھی دے دیجیے، اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار بچے تھے چنانچہ انہوں نے وہ ان کی طرف پھینک دیے۔ غلام حضرت عمر کے پاس واپس گیا اور انہیں پورا قصہ سنا دیا تو حضرت عمر یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: یہ سب - ایک دوسرے کے بھائی ہی ہیں۔

ج - ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سخت قحط پڑا لوگ بہت شدت و تنگی میں گرفتار ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک قافلہ شام سے آیا جو ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا، جن پر مختلف قسم کا کھانے پینے کا سامان اور کپڑا لدا ہوا تھا، تاجر حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان سے اس قافلہ کو خریدنا چاہا، انہوں نے ان سے کہا کہ مجھے اس پر کتنا نفع دو گے؟ تو انہوں نے کہا پانچ فیصد، حضرت عثمان نے فرمایا: مجھے تو ایسے خریدار مل گئے ہیں جو مجھے اس سے زیادہ نفع دیں گے، تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو کوئی ایسا تاجر معلوم نہیں جو اس نفع سے زیادہ نفع دے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: مجھے تو ایسے خریدار ملے ہیں جو ایک درہم پر سات سو اور اس سے بھی زیادہ درہم نفع دیں گے، میں نے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ مبارک کو سن لیا ہے:

((مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ	ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ، اس سے اگیں سات

كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿﴾)). البقرہ-۲۶۱

بالیں، ہر بال میں سو سو دانے، اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے، اور اللہ بے نہایت بخشش کرنے والا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

☆ ☆ ☆

اے تاجروں کی جماعت میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ اور اس میں جو گندم، آٹا، گھی اور تیل ہے یہ سب میں نے مدینہ منورہ کے فقراء کو ہبہ کر دیا ہے۔ اور اسے مسلمانوں کے لیے دے دیا ہے۔

اور امام بخاری نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے درہم و دینار کا اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ حقدار نہ تھا۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنی اولاد کو اخوت و محبت کی فضا میں پروان چڑھائیں۔

۳- رحمت

رحم نام ہے رقتِ قلب اور ضمیر کے حساس ہونے اور شعور کے لطیف ہونے کا، جو دوسروں کے ساتھ نرمی اور دوسروں کے درد و غم میں شریک ہونے اور ان پر رحم کھانے اور ان کے غموں اور تکالیف میں آنسو بہانے کا نام ہے۔ رحم ہی ایک ایسا مادہ ہے جو مؤمن کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ مؤمن کی ایذارسانی سے دور رہے، اور جرائم سے کنارہ کش اور تمام لوگوں کے لیے خیر و بھلائی اور سلامتی کا منبع ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے بعض کے بعض پر رحم کرنے کو اللہ تعالیٰ کے ان پر رحم کرنے کا ذریعہ و سبب قرار دیا ہے، چنانچہ امام ترمذی والبوداؤد و احمد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((الراحمون يرحمهم الرحمٰن، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء)).

رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

اور جو لوگ رحم کے مادہ سے عاری ہیں ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدبخت و شقی ہونے کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی والبوداؤد وغیرہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((لا تنزع الرحمة إلا من شقي)).

رحم کا مادہ نہیں چھینا جاتا مگر بدبخت سے۔

اور مؤمن کا رحم کرنا صرف اپنے مؤمن بھائیوں کے ساتھ ہی رحم میں منحصر نہیں ہوتا بلکہ وہ رحم کا ایک ایسا چشمہ ہوتا ہے، جس سے تمام لوگوں پر رحمت کی بارش اور رحم کا فیضان ہوتا ہے، ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

((لن تؤمنوا حتى ترحموا)).

تم لوگ اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں بن سکتے جب تک تم رحم نہ کرو۔

☆ ☆ ☆

صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہم میں سے ہر شخص رحم کھاتا ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے وہ رحم مراد نہیں جو تم میں سے ہر شخص اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ کرتا ہے بلکہ اس سے مراد سب پر رحم کرنا ہے۔

بلکہ اس سے وہ رحم مراد ہے جو انسانِ ناطق سے تجاوز کر کے حیوانوں تک کو شامل ہو:

چنانچہ صرف مؤمن ہی وہ شخص ہے جو حیوانات پر رحم کھاتا ہے اور ان کو ایذا دینے سے اللہ کی وجہ سے ڈرتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا، اور اگر اس نے ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کی یا ان کو تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ اعلان فرمایا کہ ایک بدکردار و فاحشہ عورت نے ایک کتنے کو پانی پلا دیا تو اس کی وجہ سے اس کے لیے جنت کے دروازے کھل گئے، اور اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی، اور دوزخ کے دروازے ایک عورت کے لیے اس لیے کھول دیے گئے کہ اس نے ایک بلی کو باندھے رکھا اور وہ بھوک سے مر گئی۔ اس عورت نے نہ اس کو کھانے پینے کو دیا اور نہ اسے آزاد کیا کہ کیڑے مکوڑے کھا کر پیٹ بھر لے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک دنبے کو ذبح کرنے کے لیے ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے تو انہوں نے اس سے فرمایا: تجھے کیا ہو گیا؟ اس کو موت کی جانب نرمی سے کھینچ کر لے جاؤ۔

اسلامی مَعاشرے میں رحم و شفقت کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

الف: مؤرخین لکھتے ہیں کہ جن دنوں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کو فتح کیا تو ان کے خیمہ میں ایک کبوتری آ گئی اور اس نے اوپر کے حصہ میں اپنا گھونسلہ بنا لیا، اور جب حضرت عمرو وہاں سے کوچ کرنے لگے تو ان کی نظر اس پر پڑی اور انہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ خیمہ اکھاڑ کر اسے بے گھر کیا جائے، لہٰذا انہوں نے خیمہ کو اسی حالت پر چھوڑ دیا، اور بعد میں اس کے اردگرد اور بہت سے مکانات بن گئے اور اس جگہ کا نام ہی "مدینۃ فسطاط" (یعنی خیمہ کا شہر) پڑ گیا۔

ب: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں سخت گیری اور قساوت میں معروف تھے لیکن جب اسلام نے ان کے دل میں رحم کے چشمے بہا دیے تو پھر وہی حضرت عمر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو اس کا بھی مسئول سمجھتے تھے کہ عراق کے ایک دور دراز علاقے میں ایک خچر اس لیے ٹھوکر کھا گیا تھا کہ انہوں نے اس کے لیے پختہ راستہ نہیں بنایا۔

ج: اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے لشکر کو رخصت کرتے ہوئے یہ وصیت فرماتے ہیں:
یاد رکھو کسی عورت اور بوڑھے اور بچے کو قتل نہ کرنا، اور نہ کسی کھجور کے درخت کو اکھیڑنا، اور نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا۔ اور تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے گرجا گھروں (چرچ) اور صومعوں کو لازم پکڑ لیا ہے لہٰذا ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا۔

د: اس رحم کی مثالوں میں سے مسلمانوں کے قائم کردہ مندرجہ ذیل اوقاف بھی ہیں:

۱۔ آوارہ کتوں کے لیے وقف جو مخصوص مقامات پر ان کی دیکھ بھال کے لیے بنائے جاتے ہیں، تاکہ وہ بھوک سے مرنے سے بچ کر اپنی طبعی موت مریں یا ان سے کوئی فائدہ اٹھانے کے لیے انہیں لے جائے۔

۲۔ شادی کے لیے اوقاف: جہاں سے غریب لوگ وقف کے زیورات اور زینت کا سامان خوشیوں اور شادیوں

کے موقعہ پر عاریۃً حاصل کرتے ہیں جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ فقیر وغریب شخص بھی خوشی کے دن عمدہ لباس اور خوبصورت منظر کے ساتھ لوگوں کے سامنے آتا ہے، اور اس کی خوشی کا شعور واحساس کامل ومکمل ہوجاتا ہے اور اس کی غربت کا جبیرہ ہوجاتا ہے۔

۳۔ بیماروں اور مسافروں کو مانوس کرنے والا وقف: جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پیاری آواز اور اچھے پڑھنے والوں کو اس لیے مقرر کردیا جاتا ہے کہ وہ ساری رات مزیدار پرمغز بامعنی اشعار اور دلچسپ ترانے پڑھتے رہیں، اس طرح سے ان میں سے ہر ایک صبح تک ایک ایک گھنٹے تک پڑھتا رہے تاکہ وہ بیمار جن کی تکلیف دور کرنے والا کوئی نہیں ہے ان کا غم ہلکا ہوجائے اور وہ مسافر جس کو کوئی مانوس کرنے والا نہیں ہے اس کے لیے اس کا سامان ہوجائے۔

۴۔ وقف الزبادی: چنانچہ ہر وہ خادم جس کا برتن ٹوٹ گیا ہو اور وہ اپنے مالک کے غضب کا نشانہ بننے والا ہو۔ وہ وقف کے دفتر جاکر ٹوٹا برتن دے کر اس کے بدلے نیا برتن لے لے، اور اس طرح سے اپنے مالک کے غصہ اور سزا سے نجات پالے۔

یہ اوقاف ان اوقاف کے علاوہ ہیں جو بھوکوں کے کھلانے، پیاسوں کو پلانے، ننگوں کو لباس مہیا کرنے، مسافروں کو ٹھہرانے بیماروں کے علاج اور جاہلوں کو تعلیم دینے اور مُردوں کے دفن کرنے اور یتیموں کی کفالت اور پریشان زدہ لوگوں کی فریاد رسی عاجزوں کی غم خواری کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔

اور بلاشبہ یہ اوقاف اور نیکی کے کام اور مدرسے واسکول وغیرہ یہ خیر وبھلائی سے محبت کے آثار اور اس رحم کا ثمرہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رحمدل مؤمنوں کے دلوں اور نیک مسلمانوں کی نفوس میں ودیعت رکھا ہے۔ اور تاریخ کے اوراق میں ہماری ترقی وثقافت کے قابلِ فخر کارناموں میں سے زبردست کارنامے ہیں۔

رحمدلی کے ان عظیم معانی کی ہمیں اپنی اولاد کو تعلیم دینا چاہیے اور یہ چیزیں ان کی گھٹی میں ڈالنا چاہییں۔

۴۔ ایثار | یہ ایک نفسیاتی شعور ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اچھائیوں منافع اور شخصی مصالح میں انسان دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔

ایثار ایک نہایت شاندار خصلت ہے اور اگر اس کا مقصد اللہ کی رضا ہو تو یہ ایمان کی صداقت اور باطن کی صفائی کے نفسیاتی اصولوں میں سب سے پہلا اصول ہے اور ساتھ ہی وہ اجتماعی ومعاشرتی امداد باہمی کے ستونوں میں بڑا ستون ہے، اور بنی نوع انسان کے لیے بھلائی وخیر کا ذریعہ ہے۔

اور ہمارے لیے اتنی بات کافی ہے کہ قرآن کریم نے اسلامی معاشرہ کی عظیم اکثریت یعنی انصار کے بھائی چارگی مواسات وغم خواری وایثار اور شفقت ومحبت کی عظیم ترین صورتیں محفوظ کی ہیں چنانچہ فرمایا:

((وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ	اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام اور ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں محبت کرتے ہیں اس سے جو اس کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے۔ اور

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝)).
الحشر-۹

اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں اس سے جو کچھ کہ انہیں ملتا ہے، اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں، اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے سو ایسے ہی لوگ تو فلاح پانے والے ہیں۔

٭ ٭ ٭ ٭

یہ اختیاری ایثار اور اجتماعی رحم دلی و شفقت جو انصار کے اخلاق میں ظاہر و نمایاں تھی اس کی مثال انسانی تاریخ اور پچھلی امتوں کے حالات و واقعات میں نہیں مل سکتی۔

انصار نے ان مہاجر بھائیوں کو اپنے ساتھ برابر کا شریک کر لیا جو دین کی خاطر تکالیف میں ڈالے گئے تھے اور اپنے گھروں سے بے گھر کیے گئے، اور وہ اس طرح سے خالی ہاتھ ہو گئے کہ زندگی کے ساز و سامان و ضروریاتِ زندگی میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہ رہے تھے، انصاری اپنے مہاجر بھائی کے ساتھ مواخات و بھائی چارگی قائم کرتا تھا، بلکہ دنیا کی بہت سی راحتوں میں اس کو اپنے اوپر ترجیح دیا کرتا تھا، اور اگر دونوں میں سے کوئی وفات پا جائے تو دوسرا اس کا وارث ہوتا تھا۔

اوّلین اسلامی معاشرے میں ایثار کے مظاہر میں سے چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں:

الف - امام غزالی اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی کے پاس دنبے کی سری ہدیۃً بھیجی گئی تو انہوں نے کہا کہ فلاں شخص مجھ سے بھی زیادہ حاجت مند ہے۔ لہٰذا انہوں نے وہ سری ان کے پاس بھیج دی، انہوں نے بھی یہی سوچا کہ فلاں آدمی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے اور انہوں نے وہ تیسرے کے پاس بھیج دی، اور اسی طرح ہر ایک دوسرے کے پاس بھیجتا رہا، یہاں تک کہ گھوم پھر کر سات آدمیوں کے بعد وہ سری پھر اس پہلے شخص کے پاس پہنچ گئی۔

ب - اور یہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ جن کا ایثار و غمخواری کی وجہ سے ام المساکین لقب پڑ گیا تھا۔ چنانچہ ابن سعد اپنی کتاب "طبقات" میں روایت کرتے ہیں کہ برزہ بنت بائع نے بیان کیا ہے کہ جب ہدایا تقسیم کیے گیے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب کا حصہ ان کو بھیجا، چنانچہ جب وہ شخص جو مال لے جانے والا تھا وہ ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی مغفرت فرمائے میری دوسری بہنیں اس مال کو تقسیم کرنے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتی ہیں تو لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ یہ تو سب کا سب آپ ہی کا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ اور اس شخص کی وجہ سے پردہ میں ہو گئیں اور فرمایا: مال یہاں ڈال دو اور اس پر کپڑا ڈال دینا۔

اس قصے کی روایت کرنے والی کہتی ہیں کہ پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا: اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی لے لو اور فلاں کی اولاد کو دے آؤ، اور فلاں کی اولاد کو دے آؤ، اور اپنے چند عزیزوں اور یتیموں کا نام لیا، اور سارا مال تقسیم کر دیا کچھ

تھوڑے سے پیسے کپڑے کے نیچے بچ رہے تو ان سے برزہ بنت رافع نے عرض کیا: اے ام المؤمنین اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے بخدا اس میں ہمارا بھی تو حق تھا تو انہوں نے فرمایا کہ جو کپڑے کے نیچے بچ رہا ہے وہ تمہارا ہے۔ کہتی ہیں کہ ہم نے جب کپڑا ہٹا کر دیکھا تو اس کے نیچے سے ہمیں پچاسی درہم ملے۔

اور کچھ صفحات پہلے ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ روایت کر چکے ہیں کہ انہوں نے اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) درہم فقراء و مساکین پر خرچ کر ڈالے اور اپنے افطار کے لیے ایک درہم بھی نہ بچایا، اور اگر خادمہ پہلے سے بتا دیتی تو شاید وہ ایسا کر لیتیں لیکن دوسروں کی حاجت روائی اور ضرورت پورا کرنے کی خاطر وہ اپنے آپ کو بھی بھول گئیں۔

ج۔ قرطبی کی روایت کے مطابق ایثار کے قابلِ ذکر واقعات میں سے وہ واقعہ بھی ہے جسے عدوی نے ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جنگ یرموک کے موقعہ پر میں اپنے چچا زاد بھائی کو تلاش کرنے لگا، میرے پاس تھوڑا سا پانی تھا میں نے یہ سوچا کہ اگر اس میں ذرہ بھی زندگی کی رمق ہوئی تو میں اس کو پانی پلا دوں گا، چنانچہ اچانک میری اس پر نظر پڑ گئی، تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیا میں تمہیں پانی پلا دوں؟ تو اس نے سر کے اشارے سے ہاں کی، اچانک میں نے کسی شخص کو آہ آہ کرتے دیکھا تو میرے چچا زاد بھائی نے اشارے سے مجھے اس کے پاس جانے کو کہا۔ جب میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت ہشام بن العاص ہیں ... میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میں آپ کو پانی پلا دوں؟ تو انہوں نے اشارے سے اثبات میں جواب دیا، اسی اثناء میں انہوں نے کسی شخص کو آہ آہ کرتے سنا تو حضرتِ ہشام نے مجھے اشارہ سے اس کے پاس جانے کا حکم دیا جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس کا انتقال ہو چکا تھا، پھر جب میں حضرت ہشام کے پاس پہنچا تو وہ بھی انتقال کر چکے تھے، پھر جب میں اپنے چچا زاد بھائی کے پاس پہنچا تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی، اور اس طرح سے ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتا رہا اور کسی نے بھی پانی نہ پیا اور پیاسے کے پیاسے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

قربانی اور ایثار اور خود فراموشی کے یہ جذبات ہمیں اپنے بچوں میں پیدا کرنا چاہییے اور شروع ہی سے انہیں ان کی تربیت دینا چاہیئے۔

۵۔ عفو و درگزر کرنا | یہ ایک شاندار نفسیاتی شعور ہے جس کی وجہ سے انسان دوسروں سے تسامح کرتا ہے، اور اپنے حق سے دست برداری اختیار کرتا ہے، چاہے زیادتی کرنے والا کتنا بڑا ظالم اور سرکش کیوں نہ ہو لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ مظلوم شخص بدلہ و انتقام لینے پر قادر ہو۔ اور زیادتی دین اور اسلام کے شعائر پر نہ ہو رہی ہو۔ ورنہ معاف کرنا ذلت و رسوائی و عاجزی اور ہتھیار ڈالنے کے مرادف ہو جائے گا۔ پہلے معنی اور مندرجہ بالا شروط کے ساتھ عفو و درگزر ایک اچھی فطری عادت ہے، جو راسخ ایمان اور زبردست اسلامی ادب پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے قرآنِ کریم نے اس کا حکم دیا ہے اور بہت سی آیات میں اس پر ابھارا گیا ہے چنانچہ ارشادِ باری ہے:

(۱) وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ — اور تم درگزر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے

بَيْنَكُمْ))۔ بقرہ ۔ ۲۳۷ — اور نہ بھلا دو آپس میں احسان کرنا۔

اور فرمایا:

((وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ))۔ فصلت ۳۴

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے، تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

((وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا))۔ الفرقان ۶۳

اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر۔

❊ ❊ ❊ ❊

اور فرمایا:

((وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ))۔ آل عمران ۱۳۴

اور دبا لیتے ہیں غصہ، اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

اور یہ بات بالکل بدیہی طور سے معلوم ہے کہ جب مؤمن کی طبیعت حلم، عفو و درگزر اور چشم پوشی کے اخلاق سے آراستہ ہوگی تو وہ نرمی اور بلند ظرفی و عالی اخلاقی اور تسامح اور اچھے برتاؤ اور حسنِ معاشرت میں ایک قابلِ تقلید نمونہ ہوگا۔ بلکہ وہ طہارت و باطن کی صفائی اور شرافت کے اعتبار سے زمین پر چلنے والے فرشتے کی مانند ہوگا۔

تاریخ کے اوراق میں سلفِ صالحین کی سیرت میں حلم و بردباری اور عفو و درگزر کے جو نمونے اور واقعات ملتے ہیں ان میں سے بعض آپکے سامنے پیش کیے جاتے ہیں:

الف: عبداللہ بن طاہر کہتے ہیں کہ میں ایک روز خلیفہ مامون الرشید کے پاس موجود تھا انہوں نے اپنے خادم کو اے لڑکے کہہ کر آواز دی، لیکن کسی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا، تو انہوں نے دوبارہ آواز دی اور زور سے چیخے اے لڑکے، تو ایک ترکی غلام یہ کہتا ہوا داخل ہوا کہ کیا غلام کو کھانے پینے کا بھی حق نہیں ہے؟ ہم جب بھی آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو آپ اے غلام اے غلام کہہ کر چلانے لگتے ہیں، یہ اے غلام کہہ کر کب تک پکارتے رہیں گے؟! یہ سن کر خلیفہ مامون کافی دیر تک گردن جھکائے بیٹھے رہے (مجھے یہ یقین تھا کہ وہ مجھے اس کی گردن اڑانے کا حکم دیں گے) پھر انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا: اے عبداللہ اگر

انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کے خادموں کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں، اور ہم یہ نہیں کر سکتے کہ اپنے خادموں کے اخلاق درست رکھنے کے لیے اپنا اخلاق خراب کرلیں۔

ب ۔ لکھا ہے کہ حضرت زین العابدین بن الحسین رضی اللہ عنہما نے اپنے ایک غلام کو طلب کیا، اور دو مرتبہ اسے آواز دی، لیکن اس نے لبیک نہ کہا، تو حضرت زین العابدین نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے میری آواز نہیں سُنی؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! میں نے آپ کی آواز سنی تھی ۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر تم نے میری آواز پر لبیک کیوں نہیں کہا؟ تو اس نے کہا اس لیے کہ مجھے آپ سے کوئی خوف و ڈر نہیں ہے، اور مجھے آپ کے عمدہ اخلاق کا علم ہے اس لیے میں نے سستی کی انہوں نے کہا: خدا کا شکر ہے کہ میرا غلام مجھ سے امن میں ہے۔

انہی کے متعلق یہ بھی مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ مسجد کی جانب نکلے تو ایک شخص نے انہیں برا بھلا کہا۔ ان کے غلاموں نے اسے مارنے پیٹنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زین العابدین نے انہیں منع کر دیا، اور ان سے فرمایا: اس کو کچھ نہ کہو، اور پھر وہ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا، جناب میں تو اس سے بھی زیادہ بدتر ہوں جو آپ کہہ رہے ہیں اور میری جو خرابیاں تم کو معلوم نہیں ہیں وہ ان سے زیادہ ہیں جو تمہیں معلوم ہیں، اور اگر تم چاہو تو میں انہیں تمہارے سامنے ذکر بھی کر سکتا ہوں، وہ شخص نہایت شرمندہ ہوگیا اور جھینپ گیا، پھر حضرت زین العابدین نے اپنا قمیص اتارا اور اس کو ایک ہزار درہم دینے کا حکم دیا، تو وہ آدمی یہ کہتا ہوا رخصت ہوا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں۔

اسی طرح ان کا یہ واقعہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ان کا ایک غلام مٹی کے لوٹے سے ان کے اوپر پانی ڈال رہا تھا کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت زین العابدین کی ٹانگ پر گر کر ٹوٹ گیا جس سے ان کا پاؤں زخمی ہوگیا، تو ان کے غلام نے فوراً کہا۔ آقا من، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ)). اور دبا لیتے ہیں غصہ۔

تو حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ میں نے تو اپنے غصے کو دبالیا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ)). اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔

تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ)). اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔

تو حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ جاؤ تم اللہ کے لیے آزاد ہو۔

ج ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب عیینہ بن حصین آئے تو اپنے بھتیجے حر بن قیس کے مہمان بنے جو حضرت عمر کے مقربین میں سے تھے، اس لیے کہ علماء حضرات خواہ وہ جوان ہوں یا

بوڑھے وہی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصحابِ مجلس اور اصحاب شوریٰ تھے۔

عُیَیْنَہ نے حُر سے کہا کہ امیر المؤمنین سے میرے لیے حاضری کی اجازت لے لو، چنانچہ انہوں نے ان کے لیے اجازت لے لی، اور جب وہ ان کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا: کیا بات ہے اے خطاب کے بیٹے، بخدا نہ تو آپ ہمیں بہت زیادہ دیتے ہیں۔ اور نہ ہی ہمارے درمیان عدل وانصاف کرتے ہیں، حضرت عمر یہ سن کر ناراض ہوگئے اور انہوں نے ان کو سزا دینا چاہی۔

حُر نے کہا: اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

((خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝)). الاعراف۔ ۱۹۹	عادت کیجیے درگزر کی اور نیک کام کرنے کا حکم کیجیے، اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے۔

اور یہ صاحب بھی جاہلوں میں سے ہیں، بخدا جب حضرت عمر نے یہ آیت سنی تو کچھ بھی نہ کہا اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق عمل کرنے والے تھے[1]

قرآنِ کریم کی آیات کے شانِ نزول کے بارے میں جو کچھ مروی ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر کے ایک قریبی رشتہ دار جن کا نام مسطح تھا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زیرِ کفالت تھے، اور ان ہی کے رحم وکرم پر زندگی بسر کر رہے تھے، منافقوں نے واقعۂ افک کے موقعہ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جو غلط سلط الٹی سیدھی باتیں کہی تھیں اس بارے میں مسطح نے بھی بے اعتدالی کی، اور اسلام نے جو راستہ بتلایا ہے اس سے بھٹک گئے، اور رشتہ داری اور حسن سلوک اور اسلام سب کا حق بھول بیٹھے، جس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے یہ قسم کھالی کہ اپنے ان عزیز کے ساتھ قطعِ تعلق کرلیں گے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کریں گے، اس پر اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمانِ مبارک نازل ہوا:

((وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝)). النور۔ ۲۲	اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو اور ہجرت فی سبیل اللہ کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں، چاہیے کہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

٭ ٭ ٭

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو معاف کردیا اور ان سے درگزر کرکے پہلے کی طرح پھر ان کو دینے لگے،

---

[1] امام بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔

اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے۔

عفو و درگذر، چشم پوشی و تسامح و حلم وغیرہ عظیم اخلاق درحقیقت نتیجہ ہیں اس تربیت کا جو انہوں نے داعی اوّل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی اور آپ سے اخلاقِ عالیہ سیکھے تھے اور ان کی پیروی کی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین وارشادات پر عمل کیا تھا، حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار توجیہات کی وجہ سے ان کے عادات واخلاق تسامح وچشم پوشی اور حلم وبردباری سے آراستہ ہوکر غلاموں اور بازاری لوگوں کے اخلاق سے برتر وبالا اور ان کے اچھے اوصاف خواص وعام کے اوصاف سے ممتاز ہوگئے تھے۔

امام ابو داؤد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((من کظم غیظاً وهو یستطیع أن ینفذه دعاه الله یوم القیامة علی رؤس الخلائق حتی یخیره فی أی الحور العین شاء)).	جو شخص اپنے غصے کو نافذ کرسکتا ہو لیکن پھر وہ اپنے غصے کو پی جائے تو اللہ تعالیٰ قیامت میں (اعزاز کے لیے) اس شخص کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اس کو یہ اختیار دیں گے کہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے پسند کرلے۔

اور امام طبرانی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ انسان کو عزت وشرف عطا فرماتے اور درجات بلند کرتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے رسول ضرور بتلایئے، آپ نے ارشاد فرمایا: جو شخص تمہارے ساتھ جہالت کیساتھ پیش آئے تم اس کے ساتھ بردباری سے پیش آؤ، اور جو تم پر ظلم کرے تم اس سے درگزر کرد، اور جو تمہیں محروم رکھے تم اسے دو، اور جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے، تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

اپنے بچوں کی نشو ونما ہمیں حلم وچشم پوشی اور عفو ودرگزر کے ان اوصاف پر کرنا چاہیئے۔

۶۔جرأت وبہادری یہ ایک ایسی عمدہ نفسیاتی قوت ہے جسے مؤمن ایک اکیلے معبود پر ایمان لانے کے عقیدہ اور جس حق کو اس نے قبول کیا ہے اور جس بقاء وخلود کا اسے یقین ہے اور جس تقدیر کے سامنے وہ سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ اور جس مسئولیت کو وہ محسوس کرتا ہے اور جس تربیت میں وہ نشو ونما پاتا ہے اس سب کے ذریعے سے مؤمن اسے حاصل کرتا ہے۔

مؤمن کو اس اللہ کی ذات پر جتنا ایمانِ کامل ہوگا جس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور وہ حق جو غلط نہیں ہوسکتا، اور وہ تقدیر جو بدل نہیں سکتی، اور وہ مسئولیت جس میں کمی نہیں آسکتی، اور وہ تربیت جس میں کوتاہی نہیں کی جاسکتی، جتنا اس کا ان چیزوں پر یقین ہوگا اس کا اتنا ہی حصہ جرأت وشجاعت اور کلمۂ حق کے اظہار کے سلسلہ میں ہوگا۔

یہ چیز ہمیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ قوی

ایمان والے تھے بالکل نمایاں نظر آتی ہے، چنانچہ مختلف مواقع میں ان کا ایمان اتنی زبردست شکل میں ظاہر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے طاقتور اور سخت آدمی بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے: بخدا اگر حضرت ابوبکر کے ایمان کے ساتھ اس امت کے ایمان کا وزن کیا جائے تو حضرت ابوبکر کا ایمان راجح ہو جائے گا۔

حضرت ابوبکر کا موقف: جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے کوچ فرما گئے تو اس دن تمام مسلمانوں پر بے خودی اور ذہول کی کیفیت طاری ہو گئی، اور اس حادثے وغم نے مسلمانوں کے ہوش وحواس گم کر دیے حتّٰی کہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: جو شخص یہ کہے گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں تو میں اپنی اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اس جیسے موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرماتے ہیں: جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے جو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گی اسے کبھی بھی موت نہیں آئے گی، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا درج ذیل فرمانِ مبارک تلاوت کیا:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ آل عمران ۱۴۴

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت رسول ہو چکے، پھر کیا اگر وہ وفات پا گئے یا مارے گئے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا اور اللہ شکر گزاروں کو ثواب دے گا۔

اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہ موقف جو انہوں نے اس وقت اختیار کیا جب مسلمان حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے اس لشکر کے بھیجنے میں تردد سے کام لینے لگے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت سے پہلے شام کی جانب بھیجنے کے لیے تیار کر چکے تھے، چنانچہ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے یہ مطالبہ کیا کہ اس لشکر کا بھیجنا موقوف کر دیں اسلیے کہ نہ معلوم کل کیا حوادث وآفات پیش آئیں، اور کل جب عرب قبائل وبستیوں والوں کو آپ صلی اللہ علیہ کی وفات کا علم ہوگا تو نہ معلوم ان کا کیا ردِ عمل ہوگا۔

لیکن عزم وثبات کے پیکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نہایت بردباری اور اولوالعزمی کے ساتھ جواب دیا اور فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ابوبکر کی جان ہے اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ درندے مجھے جھپٹ لیں گے تب بھی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اسامہ کے لشکر کو ضرور بھیجتا، جو گرہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے خود اپنے دستِ مبارک سے لگائی ہے میں اس کو ہرگز نہیں کھول سکتا، اور اگر بستی میں میرے سوا اور کوئی بھی شخص باقی نہ

رہے تب بھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو ضرور نافذ کروں گا۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ موقف بھی جو انہوں نے مرتدوں اور زکاۃ اور اس کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے ساتھ اس وقت اختیار کیا تھا جب زمانۂ جاہلیت کی عصبیت اس طرح کھل کر سامنے آگئی تھی جیسے کہ شیطانوں کے سینگ، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کی ایسی حالت تھی جیسے دنبوں بھیڑوں کی بارش والی رات میں افراتفری کی حالت ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا نقشہ کھینچا ہے، حتیٰ کہ بعض مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کے خلیفہ آپ تمام عرب سے جنگ نہیں کر سکتے۔ اس لیے اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے موت تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے۔

لیکن خشوع وخضوع کرنے اور اللہ کے سامنے گڑگڑانے والے اس شخص نے جو بادِ نسیم کی طرح ہلکے پھلکے اور ریشم کی طرح نرم ونازک اور ماں کے دل کی طرح رحمدل تھے، چند منٹوں میں ایسی نرم ورقیق شخصیت سے ایک دم ایک ایسے شخص بن گئے جو سمندر کی طرح جوش مارنے والا اور شیر کی طرح دھاڑنے والا ہو، جو حضرت عمر سے چیخ کر کہتے ہیں: کیا تم زمانۂ جاہلیت میں بڑے سخت تھے اور زمانۂ اسلام میں بزدل ہو گئے: وحی مکمل ہو چکی ہے، کیا میری زندگی ہی میں دین میں کچھ کمی آسکتی ہے؟! بخدا اگر وہ اونٹ کی اس ایک رسی کے دینے سے بھی انکار کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو اس کی وجہ سے ان سے جنگ کروں گا، بخدا جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں ان سے جنگ کرتا رہوں گا، یہ سننا تھا کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کے سینے کو جنگ کے لیے کھول دیا، اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ بالکل درست وحق فیصلہ ہے[۱]

اسی لیے حق کے پیش کرنے کے سلسلہ میں جرأت ایک عظیم جہاد ہے، چنانچہ ابوداؤد وترمذی وابن ماجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر)).

بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔

اسی لیے جو شخص کلمۂ حق کے لیے شہید ہو وہ سید الشہداء ہے حاکم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((سيد الشهداء حمزة بن عبد المطلب، ورجل قام إلى إمام جائر فأمره ونهاه فقتله)).

شہیدوں کے سردار حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اسے (حق کا) حکم دے اور (باطل سے) روکے اور وہ حاکم اسے قتل کر ڈالے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو استاذ یوسف قرضاوی کی کتاب "الایمان والحیاۃ" (ص ۔ ۲۷۴) تھوڑے سے تصرف کے ساتھ۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے یہ عہد لیا کرتے تھے کہ وہ جہاں بھی ہوں حق بات کہیں، چنانچہ امام مسلم اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے ہاتھ پر تنگی اور آسانی، خوشی و مجبوری اور ہر حالت میں فرمانبرداری واطاعت پر بیعت کی خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح کیوں نہ دی جائے، اور اس بات پر بیعت کی کہ حکومت کے بارے میں حکام سے جھگڑا نہ کریں گے مگر یہ کہ ایسا کھلا ہوا کفر دیکھیں جس کے کفر ہونے پر صریح دلیل موجود ہو، اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم حق بات کہیں گے خواہ جہاں بھی ہوں، اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں ہم کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنے رب کے پیغام کو پہنچاتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، ارشادِ ربّانی ہے:

((الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝)). الاحزاب ـ ۳۹

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے، اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے، اور اللہ حساب کے لیے کافی ہے۔

اور اگر ہم یہ چاہیں کہ مسلمانوں کے جوانمردوں کے حالات کا تاریخ کے اوراق میں مطالعہ کریں تو ہمیں عظیم کارناموں اور بہادری کے مواقف سے لبریز اور اسلام اور دینِ حق کے لیے جرأت بھرے مواقف سے مالامال ایک بڑی کتاب ملے گی۔

ان مجاہدوں کے بہادرانہ مواقف و کارناموں میں سے چند یادگار مثالیں درج ذیل ہیں:

الف ۔ العز بن عبد السلام کے مواقف میں سے یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے مصر کے بادشاہ نجم الدین ایوب سے ایک ایسی مجلس میں جس میں حکومت کے بڑے بڑے سرکردہ لوگ موجود تھے یہ کہا: اے ایوب بتلایئے آپ اللہ کے سامنے اس وقت کیا دلیل پیش کریں گے جب وہ آپ سے یہ فرمائیں گے: کیا میں نے تمہیں مصر پر حکومت کے مواقع فراہم نہیں کیے اور تم نے پھر بھی شراب فروخت ہونے دی؟ تو انہوں نے کہا: کیا ایسا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، فلاں دکان میں شراب فروخت ہوتی ہے۔ اور وہاں منکرات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اور آپ اس حکومت کی نعمتوں میں مزے کر رہے ہیں۔ تو بادشاہ نے کہا کہ اسے تو میں اپنے والد کے زمانے سے جانتا ہوں، تو العز بن عبد السلام نے فرمایا: آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو یہ کہیں گے:

((اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝)). الزخرف ـ ۲۳

ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ایک (خاص) طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے فوراً اس دکان کے ختم اور بند کرنے کا حکم دے دیا۔

ب ۔ حضرت سلمہ بن دینار (جن کی کنیت ابوحازم تھی) حضرت معاویہ کے پاس جایا کرتے تھے اور فرماتے تھے: ملازم صاحب السلام علیک، لوگ جب ابوحازم کو یہ کہتے کہ وہ السلام علیک ایہا الامیر (اے امیر آپ پر سلامتی ہو) کہا کریں، تو وہ یہ کہنے سے انکار کر دیتے، اور پھر حضرت معاویہ کی طرف متوجہ ہو کر ان سے فرماتے: آپ اس امت کے ملازم ہیں، آپ کے رب نے آپ کو اس امت کی دیکھ بھال کے لیے ملازم رکھا ہے۔

ج ۔ لیجیے وہ مکالمہ بھی سُن لیجیے جو حضرت ابوحازم اور سلیمان بن عبدالملک کے درمیان ہوا تھا:

سلیمان نے کہا: اے ابوحازم ہم موت کو کیوں برا سمجھتے ہیں؟

انہوں نے کہا: اس لیے کہ آپ لوگوں نے اپنی آخرت کو خراب کر دیا ہے اور دنیا کو آباد کیا ہے۔ اس لیے آپ لوگوں کو یہ ناپسند ہے کہ آباد جگہ سے ویران جگہ کی طرف منتقل ہوں۔

سلیمان نے کہا: کل اللہ کے سامنے پیشی کیسے ہوگی؟

انہوں نے فرمایا: جو شخص اچھے کام کرنے والا ہوگا اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی مسافر طویل سفر کے بعد اپنے گھر پہنچے، اور بدکردار کی مثال ایسی ہوگی جیسے بھگوڑا غلام اپنے مولیٰ و آقا کے پاس واپس آجائے۔

سلیمان نے کہا: کون سی بات عدل وانصاف کے زیادہ قریب ہے؟

انہوں نے فرمایا: حق بات کہنا اس کے سامنے بھی جس سے انسان ڈرتا ہو اور اس کے سامنے بھی جس سے امید رکھتا ہو۔

سلیمان نے کہا: کونسا مؤمن زیادہ عقلمند و سمجھدار ہے؟

انہوں نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کی فرمانبرداری کرے اور لوگوں کی اس طرف رہنمائی کرے۔

سلیمان نے پوچھا: کون سا مؤمن زیادہ بڑا احمق ہے؟

انہوں نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے ظالم بھائی کی خواہشات میں بہہ گیا ہو، اور اس نے اپنی آخرت دوسرے کی دنیا بنانے کے لیے خراب کر دی ہو۔

سلیمان نے پوچھا: اے ابوحازم کیا آپ ہماری رفاقت پسند کریں گے تاکہ آپ ہم سے فائدہ اٹھائیں اور ہم آپ سے؟

انہوں نے فرمایا: اعوذ باللہ۔

سلیمان نے پوچھا: ایسا کیوں؟

انہوں نے فرمایا: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں تھوڑا سا آپ لوگوں کی طرف جھک جاؤں گا اور پھر اللہ تعالےٰ مجھے

زندگی اور موت کا دگنا عذاب دیں۔

سلیمان نے اٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے ان سے کہا: اے ابو حازم مجھے وصیت کیجیے۔

انہوں نے فرمایا: میں آپ کو نہایت مختصر وصیت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اپنے رب کی تعظیم کیجیے، اور اس سے بچیں کہ وہ آپ کو کسی ایسی جگہ دیکھے جہاں سے اس نے روکا ہے۔ یا آپ کو ایسی جگہ نہ پائے جہاں موجود ہونے کا اس نے حکم دیا ہے۔

ثابت قدمی و جرأت کی اس عظیم عادت پر ہمیں اپنے بچوں کی نشوونما کرنا چاہیے۔

یہ وہ اہم نفسیاتی اصول ہیں جنہیں دینِ اسلام مؤمن میں پیدا کرنے کی پوری جدوجہد کرتا ہے، اور یہ سب کے سب مسلمان شخصیت کی تعمیر میں مدد دیتے ہیں، اور یہ سب کے سب اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اسلام افراد کی جو اجتماعی و معاشرتی تربیت کرنا چاہتا ہے اس کی ابتداء افراد کی صحیح تربیت اور اصلاح کے نقطہ سے ہونا چاہیے، اور ہر وہ تربیت یا اصلاح کی کوشش جوان نفسیاتی اصولوں پر قائم نہیں ہوگی جن کی بنیاد اسلام نے رکھی ہے تو وہ ناکام ہو جائے گی اور ایسی صورت میں فرد کا معاشرہ سے تعلق مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہوگا۔

اس لیے والدین اور تربیت کرنے والوں اور خصوصاً ماؤں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نفوس میں ایمان و تقویٰ کے عقیدہ اور اخوت و محبت کی فضیلت اور رحم و ایثار و بردباری کے معانی کو راسخ کریں، اور حق کے بارے میں ان میں اقدام اور جرأت کی عادت اور اس کے علاوہ اور دوسرے عظیم نفسیاتی اصول پیدا کریں، تاکہ بچے جب بچپن سے آگے بڑھ کر جوان ہوں اور اس عمر کو پہنچ جائیں جو انہیں اس قابل بنادے کہ وہ زندگی کے سمندر میں گھس سکیں تو وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو بغیر کسی سستی اور تردد و مایوسی کے ادا کرسکیں، اور پھر تمام ان حقوق کو ادا کریں جو ان پر دوسروں کے آتے ہیں نہ کسی کے حق کو ضائع کریں، نہ کسی فریضہ کے ادا کرنے میں تقصیر سے کام لیں، بلکہ ان کے تمام معاملات اور عادات و اخلاق اور لوگوں سے میل جول سب کا سب اس سب سے بلند و بالا ہو جو لوگوں نے دیکھا ہو یا جس کا خیالی دنیا میں تصور کیا جاسکتا ہو۔

اور تربیت کا جو نظام بھی ان نفسیاتی اصولوں اور تربیتی بنیادوں پر قائم نہیں ہوگا اس کی مثال ایسے درخت کی ہوگی جسے کوئی شخص سوکھتا اور زرد ہوتا دیکھ کر اس کے پتوں کا علاج و اصلاح شروع کردے اور اس درخت کی اس جڑ کی طرف قطعاً توجہ نہ دے جس کی اصلاح کی وجہ سے تمام درخت ٹھیک ہوسکتا ہے۔

اور نہایت وضاحت سے یہ بات سمجھ لیجیے کہ جو شخص قوم کی تربیت کا ذمہ دار ہے اگر اس کی تربیت ان مسلمہ نفسیاتی اصولوں پر قائم نہ ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جو پانی پر لکھتا ہو، اور راکھ میں پھونک رہا ہو، اور بلا فائدہ گھاٹ میں چیخ رہا ہو۔

ثانیاً: دُوسروں کے حقوق کی پاسبانی

عظیم نفسیاتی اصولوں کے بیج بونے کی بحث کے ذیل میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ اسلام نے بہترین تربیت کے قواعد کو ایسے عظیم نفسیاتی اصولوں پر قائم کیا ہے جن کا تعلق عقیدے سے ہے جو تقویٰ سے مربوط ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ بہترین طریقے اور کامل طور پر افراد کی اجتماعی تربیت ہو تاکہ معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ اور باہمی ربط وضبط اور بہترین اخلاق و آداب اور باہمی محبت اور تعمیر واصلاح کے لیے مفید تنقید پر نشوونما پائے۔

اور ہم اس جانب پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ وہ اہم ترین اصول جن کی بنیاد پر باہمی معاشرہ کا تعامل قائم ہو وہ عقیدۂ ایمان وتقویٰ اور اخوت ومحبت اور رحم ایثار اور بردباری کے بنیادی اصول اقدام وجرأت وحق گوئی کی عادت ہے۔

اور ہم نہایت تاکید سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ اگر مربی اپنے بچوں میں بچپن ہی سے یہ نفسیاتی اصول راسخ نہیں کریں گے۔ تو وہ معاشرے میں یقیناً انحراف اور شذوذ اور بے اعتدالی کی راہ پر گامزن ہوں گے، بلکہ وہ معاشرہ کی عمارت ڈھانے، کمزور کرنے، اور اس میں مجرمانہ زندگی کے عام کرنے اور اس کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جب وہ اس فساد وانحراف میں نشوونما پائیں گے تو ان کو نہ کسی کی تربیت فائدہ پہنچائے گی نہ اصلاح وارشاد۔

ان کلماتِ تمہیدیہ کے بعد جس خلاصہ تک ہم پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ معاشرے کے حقوق کی رعایت کرنا شاندار نفسیاتی اصولوں کے ساتھ کلی طور پر لازم ملزوم ہے، بلکہ بالفاظِ دیگر یوں سمجھنا چاہیے کہ نفسیاتی اصول معنی کی حیثیت رکھتے ہیں اور معاشرے کے حقوق کی رعایت ظاہر کی، اور چاہیں تو آپ یوں تعبیر کرلیں کہ پہلی چیز روح ہے اور دوسری جسم، لہٰذا پہلی چیز دوسری سے کسی صورت میں بھی مستغنی نہیں ہوسکتی ورنہ لاقانونیت انتشار اور اضطراب پھیل جائے گا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اہم معاشرتی حقوق کیا ہیں جن کی جانب بچے کی رہنمائی کرنا چاہیے اور اس کو ان کا حکم دینا چاہیے اور اس کی نشوونما انہی میں کرنا چاہیے تاکہ وہ ان کا عادی بن جائے اور اچھی طرح سے انہیں ادا کرسکے۔

ان حقوق میں سے اہم حقوق یہ ہیں:

۱۔ والدین کا حق۔

۲۔ رشتہ داروں کا حق۔

۳۔ پڑوسی کا حق۔
۴۔ استاد کا حق۔
۵۔ ساتھی کا حق۔
۶۔ بڑے کا حق۔

آئندہ صفحات میں ان تمام حقوق میں سے ہر حق پر ہم تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ تاکہ مربی بچوں کو شروع ہی سے ان کا عادی بنائیں اور ان میں یہ صفات و عادات سمو دیں اور راسخ کر دیں، اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور وہی مددگار ہے۔

۱۔ والدین کا حق

مربی کا سب سے بڑا اور اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ وہ بچے کو والدین کے حقوق سمجھائے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک و نیکی کرنے اطاعت و فرمانبرداری اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور ان کی خدمت اور ان کے بڑھاپے کا خیال رکھنے اور ان کے ساتھ زور سے بات نہ کرنے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعا کرنے وغیرہ فرائض و واجبات سکھائے، اور والدین کے ضروری آداب کا خیال رکھنے اور ان کے ادا کرنے کا پابند کرے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے سلسلہ میں ذیل میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی چند وصیتیں و احادیث ذکر کی جاتی ہیں، اس لیے والدین و تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ یہ احادیث اپنے بچوں کو بچپن سے ہی ذہن نشین کرائیں تاکہ وہ انہیں یاد کریں اور ان کے مطابق عمل کریں:

الف۔ اللہ کی رضامندی والدین کی خوشنودی میں مضمر ہے:

امام بخاری اپنی کتاب "الأدب المفرد" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے مسلمان والدین زندہ ہوں اور وہ ان کے ساتھ اجر و ثواب کی نیت سے حسن سلوک کرے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے (جنت کے) دو دروازے کھول دیتے ہیں، اور اگر ایک زندہ ہو تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے، اور اگر ان دونوں میں سے ایک ناراض ہو جائے تو اللہ تعالےٰ اس شخص سے اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک اس کے والد اس سے راضی نہ ہو جائیں، پوچھا گیا کہ خواہ وہ اس پر ظلم کریں، تو آپ نے فرمایا: چاہے وہ اس پر ظلم کیوں نہ کریں۔

"سبل السلام" میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رضى الله فى رضى الوالدين، وسخط الله فى سخط الوالدين)).

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والدین کی رضامندی میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں مضمر ہے۔

ب۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے مقدم ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کیا میں جہاد میں شرکت کروں؟ تو آپ نے ان سے فرمایا: کیا تمہارے والدین حیات ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان دونوں کی خدمت میں جہاد کرو یعنی ان کی.... خدمت کرو۔

اور امام احمد ونسائی حضرت معاویہ بن جاہمہ سلمی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ـــــ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورہ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں، تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: ان کی خدمت کرو اس لیے کہ جنت ان کے پاؤں تلے ہے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ اپنی کتاب "صحیح" میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ کے دستِ مبارک پر ہجرت وجہاد پر بیعت کرتا ہوں، اور اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ دونوں زندہ ہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اللہ سے اجر کی امید رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے والدین کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔

ج۔ ان کے ساتھ حسنِ سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے لیے دعا کی جائے، اور ان کے دوستوں کا اکرام کیا جائے، تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مندرجہ ذیل حکم پر عمل ہو:

((وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾)).

الاسراء۔ ۲۴

اور ان کے آگے کندھے جھکا کر عاجزی کر نیازمندی سے اور کہہ اے میرے رب ان پر رحم کر جیسا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا پالا۔

اور امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میت کے مرنے کے بعد اس کا درجہ بڑھا دیا جائے گا تو وہ پوچھے گا: اے میرے رب ایسا کس وجہ سے ہوا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: اس لیے کہ تمہارے بیٹے نے تمہارے لیے استغفار کیا تھا۔

اور ابو داؤد، ابن ماجہ اور حاکم حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس بنو سلمہ کے ایک صاحب آئے اور انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا والدین کی وفات کے بعد بھی میرے اوپر والدین کے ساتھ کوئی ایسی نیکی کرنا باقی رہتا ہے جو میں ان کے ساتھ کر سکوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے لیے استغفار کرنا، اور ان کے عہد کو پورا کرنا، اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا، اور ان رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا جن کے ساتھ صلہ رحمی صرف ان کی وجہ سے کی جاتی ہے۔

اور یہ حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہمارے لیے نیک فرمانبردار بیٹے کی ایک یادگار مثل قائم کرتے ہیں اور یہ واقعہ ہمارے لیے حضرت عبداللہ دینار روایت کرتے ہیں (جیسا کہ اسے امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے) کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک صاحب مکہ کے راستہ میں ملے، تو حضرت عبداللہ نے انہیں سلام کیا اور ان کو اپنے ساتھ گدھے پر سوار کر لیا، اور ان کو وہ عمامہ دے دیا جو ان کے سر پر بندھا ہوا تھا۔

ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے یہ تو بدو لوگ ہیں، اور یہ لوگ تو ذرا سی چیز پر راضی ہو جاتے ہیں، تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: انکے والد میرے والد حضرت عمر بن الخطاب کے دوست تھے، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: بہترین نیکی انسان کا اپنے والدین کے دوست کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔

کتاب "مجمع الزوائد" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ بھی نیکی ہے کہ تم اپنے والد کے دوست کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

د - حسنِ سلوک اور نیکی کرنے میں ماں کو باپ پر فوقیت دینا:

اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرے اچھے برتاؤ کا کون زیادہ حقدار ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، انہوں نے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، انہوں نے پوچھا کہ پھر کون؟ آپ نے فرمایا کہ: تمہاری ماں، انہوں نے پھر پوچھا کہ پھر کون زیادہ حقدار ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے والد۔

اور حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں حضرت سلیمان بن بریدہ سے اور وہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب طواف کی حالت میں اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کر رہے تھے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں نے ان کا حق ادا کر دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اور نہ ایک آہ کے برابر بھی (یعنی عورت کو حمل و دردِ زہ کے وقت جو تکلیف پہنچتی ہے اور اس میں وہ شدت درد سے جو لمبی سانس کھینچتی ہے اس کا بھی حق نہیں ادا کر سکتے)۔

"مجمع الزوائد" میں حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ایسی سخت گرمی کے موسم میں کہ اگر اس میں گوشت کا ٹکڑا ڈال دیا جائے تو وہ پک جائے ایسی گرمی میں میں نے اپنی والدہ کو اپنی گردن پر بٹھا کر (سولہ کیلومیٹر) سفر کرایا ہے تو کیا اس طرح سے میں نے ان کا حق خدمت ادا کر دیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ ان کے دردِ زہ کے ایک درد کے برابر ہو جائے۔

اسلام نے ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کو باپ کے ساتھ حسنِ سلوک پر دو وجہ سے مقدم کیا ہے:

۱۔ ماں بچے کے حمل کے زمانے میں اور ولادت اور دودھ پلانے اور دیکھ بھال و تربیت کے سلسلہ میں باپ سے زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے چنانچہ اس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں صراحۃً ملتا ہے فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾. لقمان۔۱۴	اور ہم نے انسان کو تاکید کی اس کے ماں باپ سے متعلق اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر میری ہی طرف واپسی ہے۔

اور ابھی کچھ پہلے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان مبارک بھی سن چکے ہیں جو آپ نے اس شخص کے جواب میں فرمایا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تھا کہ میں نے اپنی والدہ کو اپنی گردن پر سفر کرایا ہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ ممکن ہے ایک دردِ زہ کے برابر ہو جائے۔

اس سلسلہ میں جو دلچسپ واقعات مذکور ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ایک صاحب نے ایک اعرابی (بدو) کو جو اپنی ماں کو طواف کی حالت میں اٹھائے ہوئے تھا یہ کہتے سنا:

إني لها مطية لا أذعر	إذا الركاب نفرت لا أنفر
میں ان کے لیے ایک سواری ہوں ڈرتی نہیں	اور جب اور اونٹ بدک جائیں تو میں نہیں بدکتا

ماحملت وأرضعتني أكثر !!! الله ربي ذو الجلال أكبر

انہوں نے جو مجھے حالت حمل میں اٹھائے رکھا اور پھر دودھ پلایا وہ بہت بڑا احسان ہے میرا رب ذو الجلال اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے

پھر وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: آپ کا کیا خیال ہے کیا میں نے ان کا حق ادا کر دیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا نہیں بخدا نہیں اور نہ ان کے دردزہ میں سے ایک دردزہ کے برابر بھی۔

۲۔ ماں جس میں فطرۃً محبت پیار وشفقت ہوتی ہے وہ۔ باپ سے زیادہ رحم دل و دیکھ بھال و اہتمام کرنے والی ہوتی ہے بچہ جب ماں میں محبّت، رحم دلی اور مامتا کو دیکھتا ہے تو کبھی ماں کے حق میں تساہل برتنے لگتا ہے اس لیے شریعتِ مطہرہ نے نے بچے کو یہ وصیّت کی کہ وہ ماں کے ساتھ زیادہ حسنِ سلوک کرے اور ان کی فرمانبرداری واطاعت کرے تاکہ ان کے حق میں تساہل نہ ہو اور ان کے ساتھ نیکی اور احترام اور ان کے اکرام میں کمی نہ ہو۔

ماں کی محبت وشفقت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بچہ خواہ کتنا ہی نافرمان اور ماں کا مذاق اڑانے والا اور اس سے روگردانی کرنے والا کیوں نہ ہو لیکن بچے پر جب کوئی مصیبت آپڑے یا کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو ماں تمام باتیں بھول جاتی ہے۔

ابو اللیث سمرقندی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علقمہ نامی ایک نوجوان تھا وہ بیمار ہوا اور سخت بیمار ہو گیا تو اس سے کہا گیا کہ تم لا الہ الا اللہ پڑھ لو لیکن اس کی زبان ہی نہیں چلی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا، تو آپ نے پوچھا کہ کیا اس کے والدین زندہ ہیں؟ آپ کو بتلایا گیا کہ اس کے والد کا تو انتقال ہو چکا ہے لیکن اس کی ماں بڑی عمر کی اب بھی موجود ہے، آپ نے اس کو پیغام بھیجا وہ آگئی، آپ نے اس سے اس نوجوان کے احوال پوچھے، تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول وہ اتنی اتنی نمازیں پڑھتا تھا، اتنے اتنے روزے رکھتا تھا اور اتنے پیسے خرچ کرتا تھا جس کی مقدار و تعداد ہمیں معلوم نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: اس کا تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ تھا اور تمہارا اس کے ساتھ کیا معاملہ تھا؟ اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول میں اس سے ناراض ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ایسا کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ وہ مجھ پر اپنی بیوی کو ترجیح دیتا تھا اور مختلف معاملات میں اس کی بات مانتا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((سخط أمه حجب لسانه عن شهادة أن لا إله إلا الله)). اس کی ماں کی ناراضگی نے اس کی زبان کو کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے سے روک دیا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: اے بلال، جاؤ اور بہت سی لکڑیاں جمع کرو تاکہ میں اس نوجوان کو آگ میں جلا دوں، تو اس عورت نے کہا اے اللہ کے رسول: میرے بیٹے اور جگر گوشے کو آپ میرے سامنے آگ میں ڈال دیں گے؟ بھلا بتلائیے کہ میرا دل اسے کیسے برداشت کرلے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی

مغفرت کر دے تو تم اس سے راضی ہو جاؤ اس لیے کہ بخدا جب تک تم اس سے ناراض رہو گی اسے اس کی نماز و صدقہ کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا، چنانچہ اس عورت نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا میں آسمان میں اللہ تعالیٰ کو اور اے اللہ کے رسول آپ اور تمام حاضرین کو اس بات کا گواہ بناتی ہوں کہ میں اس سے راضی ہو گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال جاؤ اور جا کر دیکھو کہ کیا علقمہ کلمہ لا إله الا اللہ پڑھنے پر قادر ہو گئے ہیں؛ اس لیے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول سے شرم کی وجہ سے ان کی ماں نے وہ بات کہہ دی ہو جو ان کے دل میں نہ ہو، چنانچہ حضرت بلال گئے اور جب دروازے کے پاس پہنچے تو سنا کہ علقمہ لا الہ الا اللہ پڑھ رہے ہیں، اور پھر اسی روز ان کا انتقال ہو گیا اور ان کو غسل و کفن دے دیا گیا، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر قبر کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا: اے مہاجرین وانصار کی جماعت جو شخص بھی اپنی بیوی کو اپنی ماں پر ترجیح دے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے، اور اس کی نہ نفلی عبادت قبول ہو گی نہ فرض۔ اس حدیث کو طبرانی وامام احمد نے کچھ دوسرے الفاظ سے روایت کیا ہے، مندرجہ بالا دونوں وجوہ کی وجہ سے ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنا باپ سے حسن سلوک کرنے پر مقدم ہے

اس لیے معلمین اور تربیت کرنے والوں کو یہ بات سمجھ اور جان لینا چاہیے تاکہ اپنے اہم اور بڑے فریضہ سے سبکدوش ہو سکیں جو یہ ہے کہ بچے کو نیکی و حسنِ سلوک کی حقیقت سمجھائیں اور ماں سے نرمی کا برتاؤ کرنے اس کی دیکھ بھال کرنے اور اس کے حقوق پورے کرنے کی تلقین کریں۔

۵ - والدین کے ساتھ نیکی و حسن سلوک کرنے کے آداب

تربیت کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو ماں باپ کے ساتھ رہن سہن کے آداب سکھائیں جو اس ترتیب سے ہیں کہ: ان کے آگے نہ چلیں، اور ان کو ان کا نام لے کر نہ پکاریں، اور ان سے آگے بڑھ کر نہ بیٹھیں، اور ان کی نصیحت سے تنگ دل نہ ہوں، اور اس کھانے کو نہ کھائیں جس پر ان کی نظریں ہوں، اور ان سے اونچی جگہ پر نہ بیٹھیں اور ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔

ان آداب کی رعایت کرنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان بنیاد و اساس ہے:

((وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا

اور تمہارا رب حکم کر چکا کہ نہ پوجو اس کے سوائے، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو ہوں نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو، اور ان سے ادب کی بات کہو، اور ان کے سامنے کندھے جھکا دو عاجزی

كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾)). الاسراء۔ ۲۳ و ۲۴

کر کے نیاز مندی سے اور کہو اے رب ان پر رحم فرما جیسا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا پالا۔

اسی طرح نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ فرمانِ مبارک

((ما برّ أباه من سدد إليه الطرف بالغضب)).
مجمع الزوائد ج ۔۸

اس شخص نے اپنے والد کیساتھ نیکی نہیں کی جس نے ان کی طرف غصہ سے دیکھا۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صاحب آئے ان کے ساتھ ایک بوڑھے آدمی بھی تھے، آپ نے ان سے پوچھا: یہ تمہارے ساتھ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا: میرے والد ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

((فلا تمش أمامه، ولا تجلس قبله، ولا تدعه باسمه، ولا تستسب له)).
مجمع الزوائد (ج ۸ ۔ ۱۳۶)

پھر تو تم ان کے آگے مت چلو، اور نہ ان سے پہلے بیٹھو اور نہ ان کو ان کا نام لے کر پکارو، اور نہ ان کو گالی دلانے کا ذریعہ بنو۔

ذیل میں سلفِ صالحین کے کچھ ایسے واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن کا تعلق والدین کے ساتھ مندرجہ بالا آداب ملحوظ رکھنے اور ان کی پابندی کرنے سے ہے:

✿ "عیون الاخبار" کے مصنف نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ عمر بن زید سے پوچھا گیا کہ آپ کے بیٹے نے آپ کے ساتھ کیا حسنِ سلوک کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں دن میں کبھی نہیں چلا مگر وہ میرے پیچھے ہوتا تھا، اور رات میں وہ میرے آگے ہوتا تھا، اور وہ اس چھت پر کبھی نہیں چڑھا جس کے نیچے میں بیٹھا ہوں۔

✿ مجمع الزوائد کے مصنف نے یہ قصہ لکھا ہے کہ ابو غسان ضبی فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حرہ (کالے سنگریزے والی جگہ) میں چل رہا تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا: یہ کون صاحب ہیں؟ میں نے کہا یہ میرے والد ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے والد کے آگے مت چلو ان کے پیچھے چلو، یا ایک جانب کنارہ پر، اور اپنے اور ان کے درمیان کسی کو حائل نہ بننے دو۔ اور اپنے والد کے مکان کی چھت پر نہ چلو اور اس ہڈی کو نہ کھاؤ جس کی جانب تمہارے والد نے دیکھا ہو اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ انہیں وہ مرغوب ہو۔

✿ عیون الاخبار میں لکھا ہے کہ خلیفہ مامون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے فضل بن یحییٰ سے زیادہ کسی کو اپنے والد کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی کرتے نہیں دیکھا، وہ اپنے والد کے نہایت فرمانبردار و مطیع تھے، ان کے والد گرم پانی سے وضو کیا کرتے تھے، دونوں باپ بیٹے ایک مرتبہ جیل میں تھے، ایک سردی کی رات میں دربانوں نے ان کو لکڑیاں لے جانے سے روک

دیا جب ان کے والد یحییٰ بستر پر دراز ہو گئے تو فضل اس برتن کے پاس گئے جس میں پانی گرم کیا جاتا تھا اور اس کو پانی سے بھرا پھر اسے چراغ کی لو کے قریب کر دیا، اور صبح تک اسے ہاتھ میں پکڑے کھڑے رہے، یہ نیک کام انہوں نے اس لیے کیا تاکہ ان کے والد گرم پانی سے وضو کر سکیں۔

✿ صالح عباسی ایک مرتبہ خلیفہ منصور کی مجلس میں حاضر ہوئے ان کی عادت یہ تھی کہ یہ جب منصور سے بات چیت کرتے، تو کثرت سے یہ کہا کرتے تھے میرے والد رحمہ اللہ، تو منصور کے دربان ربیع نے ان سے کہا: آپ امیر المؤمنین کے سامنے اتنی کثرت سے اپنے والد پر رحم کی دعا نہ کیا کریں، تو انہوں نے فرمایا اس بات کے کہنے پر میں تمہیں قطعاً ملامت نہیں کروں گا، اس لیے کہ تم نے والدین کی حلاوت و محبت کا مزہ ہی نہیں چکھا، یہ سن کر منصور مسکرا دیے اور فرمایا یہ اس شخص کی سزا ہے جو بنو ہاشم کی عیب جوئی کرے۔

✿ اور ابن حبان اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میرے والد مجھ پر زور دیتے رہے حتیٰ کہ میری شادی کرا دی، اور اب وہ مجھے بیوی کو طلاق دینے کا حکم دے رہے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں تو تمہیں یہ حکم نہیں دے سکتا کہ تم اپنے والدین کی نافرمانی کرو اور نہ تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، البتہ اگر تم چاہو تو تمہیں وہ حدیث سُنا دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: والد جنت کے دروازوں میں سے درمیانہ دروازہ ہے، تم چاہو تو اس دروازے کی حفاظت کر لو اور چاہو تو چھوڑ دو، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ عطاء نے فرمایا کہ تم اسے طلاق دے دو۔

ابن ماجہ اور ترمذی کی روایت میں یہ آتا ہے کہ ایک صاحب حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری والدہ مجھے حکم دے رہی ہیں کہ میں اسے طلاق دے دوں، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ نے فرمایا کہ والدہ جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہے پس اگر تم چاہو تو اسے ضائع کر دو اور اگر چاہو تو اس کی حفاظت کر لو۔

✿ اور ابن ماجہ اور ابن حبان اپنی کتاب صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جو مجھے پسند تھی لیکن میرے والد حضرت عمر کو وہ ناپسند تھی، تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو تو میں نے اس سے انکار کر دیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ سے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اسے طلاق دے دو۔

۹ - نافرمانی وعقوق سے ڈرانا :

عقوق کے معنی نافرمانی اور مخالفت کرنے اور حقوق ادا نہ کرنے کے ہیں... جس میں غصے کے وقت لڑکے کا باپ کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھنا بھی داخل ہے۔

عقوق ونافرمانی میں یہ بھی داخل ہے کہ لڑکا اپنے آپ کو باپ کے برابر ومساوی سمجھے۔

نافرمانی اور عقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ لڑکا والدین کے ہاتھ چومنے کو برا سمجھے یا ان کے احترام میں کھڑا نہ ہو۔

اور عقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ لڑکا دھوکے اور خود فریبی کا شکار ہوجائے اور وہ والد کا تعارف کرانے سے شرمائے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ لڑکا کسی بڑے منصب وعہدہ پر فائز ہو۔

اور نافرمانی میں یہ بھی داخل ہے کہ لڑکا اپنے ضرورت مند والدین کے نان نفقہ کا خیال نہ کرے اور وہ اس پر دعوی کرنے پر مجبور ہوجائیں تاکہ قاضی ان کا نان نفقہ لڑکے پر لازم کردے۔

اور سب سے بڑی نافرمانی یہ ہے کہ لڑکا والدین کے کام پر ناک بھوں چڑھائے، اف کرے اور اس سے تنگ دل ہو، اور اپنی آواز ان سے اونچی کرے اور ان کی شان میں گستاخی کرے، سخت وسست جملے کہے، یا ان کی توہین کرے اور برا بھلا کہے اور ان کی شخصیت کو مجروح کرے۔

اس لیے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقوق ونافرمانی سے ڈرائیں اور یہ تبلائیں کہ نافرمان پر کتنا بڑا گناہ اور بوجھ ہوتا ہے، اور اس کی نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں، اور دنیا وآخرت میں اس کا بدلہ اس کو ضرور ملتا ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

امام بخاری ومسلم حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ تبلاؤں، تین بار آپ نے یہ فرمایا؛ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے تو سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا: اور ہاں جھوٹ بات اور جھوٹی گواہی، اور پھر آپ بار بار اسے دہراتے رہے حتی کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ خاموش ہوجاتے اور بار بار کہنے کی زحمت نہ اٹھاتے۔

اور امام احمد ونسائی وبزار وحاکم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ثلاثة حرم الله تبارك وتعالى عليهم الجنة : مدمن الخمر، والعاق لوالديه،	تین آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے: شراب پینے پر مداومت کرنے والا،

والديوث الذى يقر الخبث فى أهله))۔ اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا، اور وہ دیوث شخص جو اپنی بیوی میں بدکرداری کو برقرار رکھے۔

اور امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((من الكبائر شتم الرجل والديه))۔ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے۔

پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول: کیا کوئی شخص اپنے والد کو بھی گالی دیتا ہے! آپ نے ارشاد فرمایا: جی ہاں کسی دوسرے آدمی کے باپ کو گالی دے اور وہ پھر اس کے والد کو گالی دے، اور دوسرے کی ماں کو گالی دے تو وہ اس کی ماں کو گالی دے

اور امام احمد وغیرہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس کلمات کے ذریعہ وصیت کی، فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا چاہے تمہیں قتل کر دیا جائے اور جلا ڈالا جائے، اور والدین کی نافرمانی نہ کرنا چاہے وہ تمہیں یہ حکم کیوں نہ دیں کہ تم اپنے مال اور اہل وعیال کو بھی چھوڑ دو . . .

اور حاکم اور اصبہانی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ روز قیامت تک جب تک چاہتے ہیں مؤخر فرماتے رہتے ہیں سوائے والدین کی نافرمانی کے، کہ اللہ تعالیٰ والدین کی نافرمانی کرنے والے کی سزا اس کو مرنے سے قبل دنیا ہی میں دے دیتے ہیں۔

اور اس سے قبل ہم حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "نیکی کرنے میں باپ پر ماں کو مقدم کرنا" والی بحث کے ذیل میں ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا اگر والدین کی نافرمانی کا نتیجہ وسزا دیکھنا ہو تو اسے ملاحظہ فرمالیجیے۔

اور اصبہانی وغیرہ ابوالعباس اصم سے وہ حضرت عوام بن حوشب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ایک بستی میں اترا جس کے ایک طرف ایک مقبرہ تھا، عصر کے بعد ایک قبر شق ہوگئی اور اس میں سے ایک ایسا شخص نکلا جس کا سر گدھے کے سر کی طرح تھا اور باقی جسم انسان کے جسم کی طرح تھا، اس نے تین مرتبہ گدھے کی سی آواز نکالی اور پھر قبر اس پر بند ہوگئی۔

اچانک کیا دیکھا کہ ایک بڑھیا بال یا اون کات رہی ہے، ایک عورت نے کہا تم اس بڑھیا کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے پوچھا: اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: یہ اس کی ماں ہے، میں نے پوچھا اس کا کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا کہ یہ لڑکا شراب پیا کرتا تھا جب یہ واپس آتا تو اس کی ماں اس سے کہتی: بیٹے اللہ سے ڈرو تم کب تک شراب پیتے رہو گے؟ تو وہ اس سے کہتا: تم تو اس طرح چیختی ہو جس طرح گدھا چیختا ہے، اس نے کہا کہ پھر وہ عصر کے بعد مر گیا، وہ عورت کہتی ہے کہ اس کی قبر روزانہ عصر کے بعد شق ہوتی ہے اور وہ لڑکا تین مرتبہ گدھے کی آواز نکالتا ہے اور پھر قبر اس

پر بند ہو جاتی ہے۔

یہ وہ اہم بنیادیں ہیں جن پر تربیت کرنے والوں کو اپنے بچوں کی نشو ونما کرنا چاہیئے اور انہیں یہ سکھانا چاہیے تاکہ بچہ تدریجاً نیکی کی راہ پر چلے اور شروع ہی سے والدین کے حق کو پہچان لے۔

اور جب بچہ بچپن ہی سے ان حقوق کو صحیح طور سے اسلام کی منشا کے مطابق ادا کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ رشتہ داروں، پڑوسیوں اور استاذ وغیرہ کے حقوق بدرجہ اولی صحیح طور سے ادا کرے گا، اس لیے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی عادت ہی تمام معاشرتی اچھائیوں کی جڑ ہے، اس لیے کہ جس بچے کی نیک کام کرنے اور والدین کے احترام کی عادت ہوگی اس کے لیے پڑوسیوں کا احترام بڑوں کی قدر و منزلت کا خیال رکھنا اور استاذ کی تعظیم اور تمام لوگوں کا احترام کرنا آسان ہوگا۔

ان تمام وجوہ کی وجہ سے میں والدین کے حقوق پر دوسرے ان تمام معاشرتی واجتماعی حقوق کی بنسبت زیادہ روشنی ڈالوں گا جن کی تفصیل آئندہ آئے گی، اس لیے کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی عادت تمام اچھائیوں وفضائل کی بنیاد ہے، بلکہ تمام وہ حقوق کا جو معاشرہ میں پائے جاتے ہیں ان کی حقیقت و مبدأ و مرکز ہی یہ ہی ہے۔

گذشتہ ذکر کی ہوئی تفصیل کی روشنی میں جو اہم اصول اور بنیادی باتیں سامنے آئی ہیں جن کا بچوں کو سکھانا ضروری ہے انہیں ہم تربیت کرنیوالوں کے سامنے پیش کرتے ہیں:

۱۔ والدین کے ہر حکم کی اطاعت کرنا اور اسے بجالانا سوائے اس حکم کے جو اللہ کی نافرمانی کا موجب ہو۔

۲۔ ان سے نرمی واحترام سے خطاب کرنا۔

۳۔ جب وہ داخل ہوں تو ان کے احترام کے لیے کھڑا ہونا۔

۴۔ صبح وشام اور دیگر مواقع پر ان کے ہاتھ چومنا (عربوں میں والدین واساتذہ کے ہاتھ اور پیشانی چومنے کا رواج ہے)۔

۵۔ ان کی عزت وشہرت، نام نمود اور شرافت ومال کی حفاظت کرنا۔

۶۔ ان کا اکرام کرنا اور جو وہ طلب کریں وہ ان کو دینا۔

۷۔ تمام امور اور مختلف کاموں میں ان سے مشورہ کرنا۔

۸۔ ان کے لیے کثرت سے دعاء واستغفار کرنا۔

۹۔ اگر ان کا کوئی مہمان آجائے تو دروازے کے قریب بیٹھنا اور ان کی نظر کا خیال رکھنا تاکہ اگر وہ کسی چیز کا چپکے سے حکم دیں تو اسے بجالا سکے۔

۱۰۔ خود بخود ان کے حکم کے بغیر ایسے کام کرنا جو انہیں خوش کرنے والے ہوں۔

۱۱۔ ان کے سامنے زیادہ زور سے بات نہ کرنا۔

۱۲۔ جب وہ بات کرتے ہوں تو ان کی بات نہ کاٹنا۔

۱۳۔ ان کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلنا۔

۱۴۔ جب وہ سوئے ہوئے ہوں تو ان کو پریشان نہ کرنا۔

۱۵۔ بیوی بچوں کو ان پر ترجیح نہ دینا۔

۱۶۔ اگر ان کا کیا ہوا کوئی کام پسند نہ ہو تو اس پر ان کو ملامت نہ کرنا۔

۱۷۔ ان کے سامنے بلا وجہ نہ ہنسنا۔

۱۸۔ برتن میں ان کے سامنے سے نہ کھانا۔

۱۹۔ کھانے میں ان کے ابتداء کرنے سے پہلے خود ابتدا نہ کرنا۔

۲۰۔ اگر وہ بیٹھے ہوں تو ان کے سامنے سونے اور لیٹنے سے بچنا چاہیے مگر یہ کہ وہ اجازت دے دیں۔

۲۱۔ ان کے سامنے ٹانگیں پھیلا کر نہ بیٹھنا۔

۲۲۔ ان سے پہلے کسی جگہ داخل نہ ہونا اور ان سے آگے نہ چلنا۔

۲۳۔ اگر وہ پکاریں تو ان کی آواز پر فوراً لبیک کہنا۔

۲۴۔ ان کے ساتھیوں اور دوستوں کا اکرام کرنا ان کی زندگی میں بھی اور ان کے مرنے کے بعد بھی۔

۲۵۔ ایسے شخص کے ساتھ نہ رہنا جو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک نہ کرتا ہو۔

۲۶۔ ان کے لیے دعا کرنا خصوصاً ان کی وفات کے بعد اس لیے کہ انہیں اس سے فائدہ پہنچتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا درجِ ذیل فرمان پڑھنا:

((رب ارحمهما كما ربياني صغيرًا))۔ اے میرے پروردگار ان پر اسی طرح رحم فرمائیے جس طرح میرے بچپن میں انہوں نے میری پرورش کی۔

٭ ٭ ٭

۲۔ رشتہ داروں کا حق

رشتہ داروں سے مراد وہ افراد ہیں جن سے نسب و رشتہ کی وجہ سے تعلق ہو اور ان کی ترتیب یہ ہے: والدین، دادا دادیاں، بھائی بہن، چچا چچیاں، بھائی کی اولاد، بہن کی اولاد، ماموں ممانیاں، پھر وہ رشتے دار جن کا درجہ ان کے بعد آتا ہے۔ قریب سے قریب تر کے لحاظ سے، ان رشتہ داروں کو شریعت نے ارحام (قرابت دار) دو وجہ سے کہا ہے:

۱۔ اس لیے کہ رحم رحمن سے مشتق ہے، اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں نہایت تاکید سے بیان کیا

ہے جسے ابوداؤد وترمذی نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

«أنا الله وأنا الرحمٰن خلقت الرحم وشققت لها اسماً من اسمی، فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته».

میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں میں نے رحم (رشتہ داری) کو پیدا کیا اور اس کا نام اپنے نام سے بنایا، لہٰذا جو اسے جوڑے گا اور صلہ رحمی کرے گا میں اس کی حاجت پوری کردوں گا، اور جو قطع رحمی کرے گا میں اس کو قطع کردوں گا۔

⁂ ⁂ ⁂

اور ظاہر ہے کہ رحم (رشتہ داری) کا اللہ کے نام سے مشتق ہونا ہی اپنے عزیز واقارب کے حق میں شفقت ورحمت اور الفت ومحبت کا باعث ہے۔

۲۔ قرابت اس جگہ سے منتقل ہوئی ہے جس کی طرف انسان کی نسبت ہے اور اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کے واجب ہونے اور قطع رحمی سے بچانے کے سلسلہ میں مدنظر رکھا ہے۔

اور بلاشبہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو قرابت داری کے جذبہ کو گہرائیوں سے حرکت دیتی ہے، اور بلند ترین برادرانہ جذبات واحساسات کو ابھارتی ہے۔

ان حقائق کے کھل کر سامنے آجانے کے بعد تربیت کرنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ عملی میدان میں وہ خوب جدوجہد اور محنت کریں تاکہ جب بچہ سنِ شعور کو پہنچے تو اس وقت سے قرابت داروں اور رشتہ داروں کے حقوق اس کو ذہن نشین کرا دیے جائیں تاکہ بچے کی طبیعت میں دوسروں کے ساتھ مل بیٹھنے کی عادت فطرت بن جائے اور اس کی گھٹی میں ان لوگوں کی محبت پڑ جائے جو اس سے رشتہ داری اور نسب کا رابطہ رکھتے ہیں، تاکہ بچہ جب بڑا ہو اور اس کی عقل پختہ ہو جائے تو ان حضرات کے ساتھ جو احسان اور محبت کرنا چاہیئے وہ کر سکے اور بڑوں کا ——— احترام اور چھوٹوں پر شفقت کرے، اور اگر ان پر کوئی مصیبت آن پڑے تو غم کی وجہ سے اس پر آنسو بہائے، اور ان کی خستہ حالی اور مصیبت کے وقت ان کے ساتھ احسان کرے اور ان کی امداد کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، اور یہ بات اسوقت تک نہیں ہو سکتی جب تک بچے کو یہ اچھے اخلاق سکھا نہ دیے جائیں اور ان فضائل ومکارم کا عادی نہ بنا دیا جائے۔

ایسی صورت میں جب ہم کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور ان آیات کو پڑھتے ہیں جو صلہ رحمی پر ابھارتی اور قرابت داروں کے ساتھ احسان وبھلائی کا حکم دیتی ہیں تو اس پر ہمیں ذرہ تعجب بھی نہیں ہوتا، تربیت کرنے والوں کے لیے ہم ان آیات میں سے چند آیات پیش کرتے ہیں:

«وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝» النساء۔۱

اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے ہو۔ اور قرابت داروں سے خبردار

رہو، اور بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

✧ ✧ ✧

اور فرمایا:

((وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا))۔ بنی اسرائیل۔۲۶

اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور بیجا مت اڑا۔

اور فرمایا:

((وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى))۔ النساء۔۳۶

اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو کسی کو اس کا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایۂ قریب کے ساتھ۔

اور اس کے مقابلہ پر قرآن کریم قطع رحمی سے ڈراتا ہے، اور اس قطع تعلق کو بغاوت اور زمین پر ایسا فساد قرار دیتا ہے، جس کا کرنے والا لعنت اور برے گھر کا مستحق ہوتا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

((وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝))۔ الرعد۔۲۵

اور جو لوگ اللہ کا عہد توڑتے ہیں مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝))۔ محمد۔۲۲ و ۲۳

اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم لوگ دنیا میں فساد مچا دو گے اور آپس میں قطعِ قرابت کر لو گے یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

جب یہ اس شخص کا انجام اور سزا ہے جو اپنے رشتہ داروں سے ظالمانہ اور معاندانہ سلوک کرتا ہے تو ایسی صورتِ حال میں تربیت کرنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جن کی تربیت ان کے ذمہ ہے وہ ان کے سامنے قطعِ رحمی کے انجام اور اس پر جو برے نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کو بیان کریں، اسی طرح ان کو وہ ثمرات و فوائد بھی بیان کرنا چاہیئے جو صلہ رحمی اور قرابت داری کے حقوق ادا کرنے پر حاصل ہوتے ہیں۔

تربیت کرنے والوں کیلیے ہم صلہ رحمی کے وہ شاندار نتائج و عظیم ثمرات پیش کرتے ہیں جن کی نشاندہی مربیِ اول نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے تاکہ ان کو آپ لوگ اپنی اولاد کے سامنے بیان کریں اور ان کو ان کی تعلیم دیں جن کی تربیت آپ کے ذمے ہے:

● صلہ رحمی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کا شعار اور طرۂ امتیاز ہے اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفه	جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے
ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیصل رحمه	اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے
ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر	اور جو شخص اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو
فلیقل خیرًا أو لیصمت)).	اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے ورنہ پھر خاموش رہے۔

● صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی اور رزق میں برکت دیتی ہے، اس لیے کہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

((من أحب أن یبسط له فی رزقه	جو شخص یہ پسند کرے کہ اس کا رزق بڑھا دیا جائے
وینسأ له فی أثره فلیصل رحمه)).	اور اس کی عمر دراز کر دی جائے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔

● صلہ رحمی بری موت سے بچاتی ہے، اس لیے کہ ابو یعلی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن الصدقة وصلة الرحم یزید اللہ بهما فی العمر	صدقہ اور صلہ رحمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عمر بڑھا دیتے ہیں اور بری موت سے بچاتے ہیں
ویدفع بهما میتة السوء، ویدفع بهما المکروه والمحذور)).	اور ان کے ذریعے ہر بری اور تکلیف دہ چیز دور فرما دیتے ہیں۔

● صلہ رحمی سے بستیاں آباد ہوتی ہیں اور مال بڑھتا ہے اس لیے کہ طبرانی اور حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((إن اللہ یعمر بالقوم الدیار، ویثمر لهم الأموال	اللہ تعالیٰ قوموں کے گھروں کو آباد کرتا ہے اور انکے مال کو بڑھاتا ہے
وما نظر إلیه منذ خلقهم بغضًا لهم	اور ان کی پیدائش سے ان کی طرف بغض کی نگاہ سے نہیں دیکھا
قیل: وکیف ذالك یا رسول اللہ؟	پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ایسا کیوں ہوا؟
قال: ((بصلتهم الرحم)).	فرمایا: ان کی صلہ رحمی کی وجہ سے۔

● صلہ رحمی گناہوں کی مغفرت اور غلطیوں کا کفارہ بنتی ہے اس لیے کہ ابن حبان اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں۔ انہوں نے

کہا: جی نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تمہاری خالہ حیات ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں ۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی کرو۔

● صلہ رحمی حساب کتاب کو آسان کرتی ہے اور اس کے کرنے والے کو جنت میں داخل کرتی ہے۔ اس لیے کہ بزار اور طبرانی اور حاکم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

((ثلاث من كن فيه حاسبه الله حساباً يسيرًا	تین خصلتیں ایسی ہیں جو جس شخص میں بھی پائی جائینگی اللہ تعالیٰ اس سے آسان
وأدخله الجنة برحمته	حساب لیں گے اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائیں گے
قالوا: وما هي يارسول الله بأبي أنت وأمي؟	صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ہمارے ماں باپ آپ پر قربان وہ کیا ہیں؟
قال: تعطي من حرمك	آپ نے ارشاد فرمایا: اس کو دو جو تمہیں محروم رکھے
وتصل من قطعك، وتعفو عمن ظلمك	اور جو قطع رحمی کرے تو اس سے صلہ رحمی کرو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اس
فإذا فعلت ذلك يدخلك الله الجنة)).	کو معاف کردو، جب تم ایسا کرلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمادیگا۔

اور امام بخاری اور مسلم حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

((لا يدخل الجنة قاطع رحم)).	قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

● صلہ رحمی صلہ رحمی کرنے والے کو قیامت میں بلند درجات تک پہنچا دیتی ہے، اس لیے کہ بزار و طبرانی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ألا أدلكم على ما يرفع الله به الدرجات؟	کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرماتے ہیں؟
قالوا: نعم يا رسول الله	صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں اے اللہ کے رسول
قال: تحلم على من جهل عليك	آپنے فرمایا: جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے اور زیادتی کرے تم اس سے
وتعفو عمن ظلمك،	بردباری سے پیش آؤ، اور جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کردو
وتعطي من حرمك	اور جو تمہیں محروم کردے تم اس کو دو!
وتصل من قطعك)).	اور جو قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

لہٰذا جب مربی بچے کے سامنے یہ فضائل رکھے گا جو صلہ رحمی کرنے والے کو حاصل ہوتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ بچہ کلیۃً اپنے رشتہ داروں کی محبت اور صلہ رحمی کی جانب راغب ہوگا اور ان کے حقیقی مرتبہ کو پہچانے گا، اور ان کے حق کو ادا کرے گا، اور ان کی خوشی و غم میں برابر کا شریک ہوگا، اور پریشان حال اور خستہ حال رشتہ داروں کی پریشانی دور کریگا اور بخدا یہ نیکی کی غایت وانتہا اور صلہ رحمی کا منتہیٰ ہے۔

اس لیے ہمیں ایسے معلموں اور مربیوں کی سخت ضرورت ہے جو بچوں کو یہ حقائق سمجھائیں اور ان مکارمِ اخلاق اور خصالِ حمیدہ کی جانب ان کی رہنمائی کریں۔

۳ - پڑوسی کا حق

تربیت کرنے والوں کو جن حقوق کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے اور بہت خیال رکھنا چاہیئے ان میں سے پڑوسی کا حق بھی ہے، لیکن پڑوسی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو تمہارے دائیں بائیں اوپر نیچے چالیس گھر تک پڑوس میں رہتا ہو۔ لہٰذا یہ سب کے سب آپ کے پڑوسی ہیں اور ان سب کے آپ کے اوپر کچھ حقوق ہیں اور آپ کے ذمہ ان کے کچھ فرائض ہیں، پڑوس کے یہ معنیٰ اُس حدیث سے مستفاد ہیں جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے امام طبرانی نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں فلاں حضرات کے محلہ میں ٹھہرا تھا، ان میں سب سے زیادہ تکلیف مجھے اس سے پہنچی جو مجھ سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر وعمر وعلی رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر زور سے یہ اعلان کریں کہ سن لو چالیس گھر تک پڑوسی ہوتا ہے، اور جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے ڈرتا رہتا ہو۔

اسلام کی نظر میں پڑوسی کے حقوق کا محور چار بنیادی اصول ہیں: یہ کہ انسان اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس کو اس شخص سے بچائے جو اسے ایذاء پہنچانا چاہتا ہو۔ اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اور اس کی بدمزاجی اور اکھڑپن کا بردباری و درگزر سے بدلہ دے۔

الف - پڑوسی سے تکلیف اور ایذاء کو دور رکھنا:

ایذاء کی مختلف اقسام ہیں جن سے زنا، چوری، گالم گلوچ، برا بھلا کہنا، کوڑا کرکٹ وغیرہ کا ڈالنا بھی داخل ہے ان میں سب سے خطرناک چیز زنا، چوری اور عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کی تاکید رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کی تھی جب آپ اپنے صحابہ کرام کو بہترین خصال وعادات کی ترغیب دے رہے تھے، اور انہیں برے افعال سے منع کر رہے تھے، چنانچہ امام احمد وطبرانی حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا: تم زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا حرام ہے اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے لہٰذا وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان دس عورتوں سے زنا کرے یہ بات اس کی بنسبت معمولی ہے کہ انسان اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے پوچھا کہ تم چوری کے بارے میں کیا کہتے ہو؛ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے

رسول نے اسے حرام کیا ہے لہذا یہ حرام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان دس آدمیوں کے مال کو چرائے یہ اس سے کم ہے کہ آدمی پڑوسی کے یہاں چوری کرے۔

رہا ہاتھ اور زبان سے ایذا پہنچانا تو یہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس فرمان مبارک کے مضمون میں داخل ہے:

((واللہ لا یؤمن ، واللہ لا یؤمن ، واللہ	بخدا وہ شخص مؤمن نہیں، بخدا وہ شخص مؤمن نہیں،
لا یؤمن ، قیل : من یارسول اللہ ؟	بخدا وہ شخص مؤمن نہیں، پوچھا گیا کون اے اللہ کے
قال : الذی لا یأمن جارہ بوائقہ)).	رسول؛ تو آپ نے فرمایا وہ شخص جس کا پڑوسی اسکے
بخاری و مسلم	شر سے امن میں نہ ہوں۔

اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بچوں کے استاذ سے کہا جب تم انہیں شعر سکھاؤ تو انہیں صرف اس قسم کے اشعار سکھاؤ جو عجیر سلولی کے درج ذیل اشعار کی طرح ہوں:

یبین الجار حین یبین عنی	ولم تأنس إلیّ کلاب جاری
میرا پڑوسی جب مجھ سے جدا ہوتا ہے	تو میرے پڑوسی کے کتے بھی مجھ سے مانوس نہیں ہوتے
وتظعن جارتی من جنب بیتی	ولم تستر بستر من جدار
اور میری پڑوسن میرے گھر کے پاس سے جب گزرتی ہے	تو اسطرح کہ اس نے دیوار کی آڑ بھی نہیں کی ہوئی ہوتی ہے
وتأمن أن أطالع حین آتی	علیها وهی واضعة الخمار
اور جب میں آتا ہوں تو وہ اس بات سے بےخطر ہوتی ہے کہ میں اسے	اس حالت میں دیکھ لوں گا کہ وہ دوپٹہ نہ اوڑھے ہوئے ہو
کذلك هدی آبائی قدیما	توارثه النجار عن النجار
یہ میرے آباء واجداد کی پرانی عادت ہے	جو ایک دوسرے کو وراثت میں ملی ہے

اور پڑوسی کی عزت وآبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں مندرجہ بالا اشعار کے مشابہ حاتم طائی کے درج ذیل اشعار بھی ہیں:

إذا ما بتّ أختل عرس جاری	لیخفینی الظلام فما خفیت !!
جب چپکے سے میں اپنے پڑوسی کی شادی کی رات کا منظر	رات کی تاریکی میں چھپکر بھی دیکھنا چاہوں تب بھی میں چھپ نہیں سکتا
أأفضح جارتی وأخون جاری	فلا واللہ أفعل ماحییت !!
کیا میں اپنی پڑوسن کو رسوا کردوں اور پڑوسی کے ساتھ خیانت کروں	نہیں بخدا ہرگز نہیں جب تک میں زندہ ہوں ایسا نہیں کرسکتا۔

اس طرح کے اشعار عنترہ کے ہیں :

وأغض طرفي إن بدت لي جارتي — حتى يواري جارتي مأواها

اور اگر میری پڑوسن سامنے آجائے تو میں نگاہ جھکا لیتا ہوں — جب تک کہ میری پڑوسن اپنے گھر میں نہ چلی جائے

پڑوسی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا بھی پڑوسی کو ایذا پہنچانے کے مرادف ہے۔ جیسا کہ یہ ان لوگوں کی عادت ہوا کرتی ہے جو صحیح اسلامی تربیت حاصل نہ کرسکے ہوں، ایسے لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ غریب پڑوسیوں کو ذلیل سمجھتے ہیں اور اپنے قبیلے کے مسکین شخص کی تحقیر کرتے ہیں، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

فما أحد منا بمهد لجاره — أذاة ولا مزر به وهو عائد،

ہم میں سے کوئی شخص بھی اپنے پڑوسی کو ایذا نہیں — پہنچاتا اور نہ اسکی تذلیل کرتا ہے ایسی حالت میں کہ وہ احسان کرنیوالا ہو

لأنا نرى حق الجوار أمانة — ويحفظه منا الكريم المعاهد

اس لیے کہ پڑوس کے حق کو ہم ایک امانت سمجھتے ہیں — اور اس کی حفاظت ہم میں سے ہر شریف وعہد پورا کرنیوالا شخص کرتا ہے

ب - پڑوسی کی حفاظت

پڑوسی کی حمایت وحفاظت اور اس پر ظلم نہ کرنا پاکیزگیٔ نفس کے اثرات میں سے ایک اثر ہے بلکہ اسلام کی نظر میں اعلیٰ ترین مکارم اخلاق میں سے ایک عظیم منقبت ہے۔ اور انسان کی بلند ہمتی وشرافت کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کو مصیبت سے نجات دلائے اور اس کی پریشانی دور کرے۔ اور پڑوسی کی حمایت وحفاظت کرنا عرب کے ان مشہور ترین مفاخر اور کارناموں میں سے ہے جس کے تذکرے سے ان کے اشعار پُر اور دواوین بھرے پڑے ہیں، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

ولا ضيفنا عند القرى بمدفع — وما جارنا في النائبات بمسلم

اور ہمارا مہمان میزبانی کے وقت دور نہیں کیا جاتا — اور ہمارا پڑوسی آفات ومصیبتوں کے وقت تنِ تنہا نہیں چھوڑا جاتا ہے

اور فرمایا :

يواسون مولاهم في الغنى — ويحمون جارهم إن ظلم

مالداری کی حالت میں اپنے دوستوں سے غمخواری کرتے ہیں — اور اگر ان کے پڑوسی پر ظلم ہو تو اسے بچاتے ہیں

اور حسان بن نشبہ فرماتے ہیں :

أبوا أن يبيحوا جارهم لعدوهم — وقد ثار نقع الموت حتى تكوثرا

انہوں نے اس بات سے انکار کر دیا کہ اپنے پڑوسی کو دشمن کے سپرد کر دیں — ایسی حالت میں کہ موت کی گرد وغبار اڑ رہی جب تک کہ وہ مغلوب ہو جائیں

کوفہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایک پڑوسی تھا وہ جب اپنے کام سے واپس آتا تو گھر میں یہ شعر پڑھتا :

أضاعوني وأي فتى أضاعوا	ليوم كريهة وسداد ثغر
انہوں نے مجھے ضائع کردیا اور کیسے زبردست نوجوان کو انہوں نے گم کردیا	مصیبت کے دن اور سرحد کی حفاظت کے لیے کام آنیوالے کو

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کے اس شعر پڑھنے کو سنا کرتے تھے، ایک مرتبہ اتفاق یہ ہوا کہ ایک رات کو پہرہ داروں اور محافظوں نے اس پڑوسی کو پکڑ کر قید کرلیا، اس رات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اس کی آواز سننے میں نہیں آئی، دوسرے دن انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اسے قید کرلیا گیا ہے، چنانچہ امام صاحب حاکم وقت عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس گئے اور ان سے پڑوسی کے آزاد کرنے کی درخواست کی، تو انہوں نے اسے فوراً آزاد کردیا، جب وہ نوجوان قید سے باہر آیا تو امام ابو حنیفہ نے اسے بلایا اور چپکے سے اس سے کہا: اے نوجوان کیا ہم نے تمہیں ضائع و برباد کردیا؟ اس نے کہا جی نہیں بلکہ آپ نے تو بہت احسان اور اکرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے اور یہ شعر پڑھا:

وما ضرنا أنا قليل وجارنا	عزيز وجار الأكثرين ذليل
ہمیں اس سے کچھ نقصان نہیں کہ ہم کم ہیں اور ہمارے پڑوسی	زبردست ہیں اور اکثر لوگوں کے پڑوسی تو معمولی و ذلیل ہوتے ہیں

پڑوسی کی حفاظت اور اس سے ظلم کے دور کرنے اور اس کو ذلیل و رسوا نہ کرنے کے بارے میں اصل اور بنیاد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه:	مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے دشمن کے حوالے کرتا ہے
من كان في حاجة أخيه	جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں مصروف ہوتا ہے
كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم	اللہ تعالیٰ اسکی حاجت پوری کرتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان کی
كربة فرج الله عنه كربة من كرب	تکلیف دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی پریشانیوں میں سے اسکی پریشانی
يوم القيامة، ومن ستر مسلما	دور فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے
ستره الله يوم القيامة».	اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

لہٰذا اگر عام مسلمان کے لیے یہ واجب و لازم ہے تو پڑوسی کے لیے تو اور زیادہ لازم و ضروری ہوگا اس لیے کہ پڑوسی کے اپنے پڑوسی پر بہت سے حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں۔

ج - پڑوسی کیساتھ حسن سلوک کرنا:

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا صرف یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے یا اپنے دست و بازو یا مرتبہ و مکان کی طاقت کے بل بوتے پر کسی ظالم و سرکش کو ظلم و زیادتی سے روک دے، بلکہ اچھے سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ مصیبت کے وقت پڑوسی کے ساتھ تعزیت کرے، اور خوشی کے موقعہ پر مبارکباد دے، اور بیماری کی صورت میں

عیادت کرے، اور سلام کرنے میں پہل کرے۔ اور دین و دنیا کے معاملات میں اپنے علم وفہم کے مطابق اس کی رہنمائی ان چیزوں کی جانب کرے جو اسے فائدہ پہنچائیں، بہرحال اکرام کی جو شکل بھی ہو اس کو اختیار کرے اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

اس حسن سلوک کے بارے میں اصل اور بنیاد وہ حدیث ہے جسے خرائطی اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اپنے اہل وعیال و مال کی حفاظت کے لیے اپنے پڑوسی پر اپنے گھر کے دروازے بند کر دیے تو وہ مؤمن (کامل) نہیں، اور وہ شخص بھی مؤمن نہیں جس کا پڑوسی اس کے شر سے مامون و بے خطر نہ ہو، کیا تم جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ وہ جب تم سے مدد طلب کرے تو تم اس کی مدد کرو، اور جب قرض مانگے تو اسے قرض دو، اور جب وہ کسی چیز کا محتاج ہو تو اس کی حاجت روائی کرو، اور جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، اور جب اسے کوئی خیر وبھلائی حاصل ہو تو اسے مبارک باد دو، اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی تعزیت کرو، اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو، اور اپنا مکان اس کے مکان سے اونچا نہ بناؤ تاکہ اس کی ہوا نہ رک جائے مگر یہ کہ وہ اجازت دے دے (تو کوئی حرج نہیں) اور تم اسے اپنی ہانڈی کی بھاپ سے تکلیف نہ پہنچاؤ مگر یہ کہ تم اس میں سے اسے بھی دیدو، اور اگر تم کوئی پھل خریدو تو اس کو بھی اس میں سے ہدیہ کر دیا کرو، اور اگر ایسا نہ کر سکو تو چپکے سے چھپا کر لے جاؤ، اور ایسا نہ ہو کہ تمہارا بیٹا پھل باہر لیجائے تاکہ اسے دیکھ کر پڑوسی کے لڑکے کو تکلیف نہ ہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے اکرام کرنے کو ایمان کی خصلتوں میں سے شمار کیا ہے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم جاره)). بخاری ومسلم

جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

((وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ)). النساء۔۳۶

اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایۂ قریب اور ہمسایۂ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ۔

قریبی اور دور کے پڑوسیوں کے ان حقوق کی جس سے تائید ہوتی ہے وہ حدیث وہ ہے جسے طبرانی نے حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

((الجيران ثلاثة: جار له حق وهو المشرك، وجار له حقان وهو المسلم له حق الجوار وحق الإسلام، وجار له ثلاثة حقوق مسلم له رحم فله حق الجوار والإسلام والرحم)).	پڑوسی تین ہیں: ایک وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے اور وہ مشرک پڑوسی ہے اور ایک پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں اور وہ مسلمان پڑوسی ہے جسکا ایک حق پڑوس کیوجہ سے ہے اور ایک حق اسلام کیوجہ سے ہے، اور ایک وہ پڑوسی ہے جسکے تین حق ہیں اور وہ مسلمان رشتہ دار ہے جس کا حق پڑوس، اسلام، اور رشتہ داری کی وجہ سے ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس تھا ان کا ایک غلام دنبہ کی کھال اتار رہا تھا تو انہوں نے فرمایا: اے لڑکے جب تم کھال اتار چکو تو پہلے ہمارے یہودی پڑوسی سے ابتدا کرنا (یہ بات انہوں نے تین مرتبہ کہی) اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

((ما زال جبريل عليه السلام يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه)). بخاری ومسلم	حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں ہمیشہ وصیت کرتے رہے حتی کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔

قرآن کریم کے احکام و آداب کا خیال رکھنے والے پڑوسی کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور ان کا خوب حق ادا کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب کوئی عورت انصار کے دو نیک گھرانوں میں سے کسی کے یہاں اترتی ہے تو اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ وہ اپنے والدین کے یہاں اترے۔

پڑوسی کے ساتھ احسان میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اگر آگ، نمک، پانی وغیرہ مانگے تو وہ اسے دے دیا جائے، اور گھریلو سامان اور روزمرہ کی وہ اشیاء جو لوگ عام طور سے عاریت پر لیتے دیتے رہتے ہیں وہ عاریۃً دے دے، مثلاً ہانڈی، پیالہ، چھری، کلہاڑی، چھلنی وغیرہ، اور بہت سے مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ((ويمنعون الماعون)) میں وارد ماعون کو انہی اشیاء وغیرہ پر محمول کیا ہے، اس لیے کہ ان کا نہ دینا کمینگی اور دناءت نفس پر دلالت کرتا ہے شاعر مہیار کہتے ہیں:

لجارهم من دارهم مثل مالهم	على راحة من عيشهم ولغوب
ان کے پڑوسی کو ان کے گھر سے وہ فوائد حاصل کرتے ہیں	جو انکو اپنے گھر میں خوشحال زندگی اور خستہ حالی دونوں صورتوں میں حاصل ہوتے ہیں

اہل عرب ابو دؤاد کعب بن امامہ کو پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں مثال کے طور پر پیش کیا کرتے تھے، چنانچہ ضرب المثل ہے: "جار كجار أبي دؤاد" (ایسا پڑوسی ہے جیسا کہ ابو دؤاد کا پڑوسی) ابو دؤاد کی عادت یہ تھی کہ اگر ان کے کسی پڑوسی کا اونٹ یا دنبہ یا بھیڑ مر جائے تو وہ اس کے مالک کو اس کے بدلے دوسرا جانور دے دیا کرتے تھے، اور

اگر پڑوسی مر جائے تو اس کے گھر والوں کو اس کی دیت کی مقدار جتنا مال اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔

علامہ خوارزمی "مفید العلوم" میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن المبارک کا ایک یہودی پڑوسی تھا، اس نے اپنا گھر بیچنا چاہا تو اس سے پوچھا گیا: کتنے میں بیچو گے؟ اس نے کہا: دو ہزار میں، تو اس سے کہا گیا کہ تمہارا مکان تو ایک ہزار کے برابر کا ہے، تو اس نے کہا: تم نے بالکل سچ کہا لیکن بات یہ ہے کہ ایک ہزار تو مکان کی قیمت ہے اور ایک ہزار عبداللہ بن مبارک کے پڑوس کے بدلہ میں ہیں، حضرت عبداللہ بن المبارک کو یہ بتلایا گیا تو انہوں نے اس یہودی کو بلا کر اس گھر کی قیمت اس کے حوالے کی اور فرمایا کہ اسے نہ بیچو۔ بتلایئے اگر اس یہودی نے حضرت عبداللہ بن المبارک کے حسنِ اخلاق اور اچھے برتاؤ کو نہ دیکھا ہوتا تو گھر کے بیچنے میں یہ موقف ہرگز اختیار نہ کرتا۔

د۔ پڑوسی کی ایذا رسانی کو برداشت کرنا:

انسان کے لیے یہ قابلِ تعریف بات ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اور یہ بھی باعثِ اعزاز ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس کے بدخواہوں کو اس سے دور رکھے، اور یہ بھی باعثِ فضل ہے کہ حسبِ مقدرت اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، ایک فضیلت اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کی غلطیوں سے چشم پوشی اور درگزر کرے اور اس کی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرے اور اس کی اکثر زیادتیوں کو معاف کر دے اور خاص کر وہ برائی جو بلا قصد و ارادہ اس سے سرزد ہو جائے، ایسی برائی جس پر وہ نادم ہو اور اس سلسلہ میں معذرت پیش کر چکا ہو، حریری اپنی کتاب مقامات میں لکھتے ہیں کہ میں پڑوسی کا خیال رکھتا ہوں خواہ وہ ظلم کیوں نہ کرے۔

بلاشبہ جو شخص ایسے شخص کے ساتھ بردباری اور حلم سے پیش آئے گا جو اس کے ساتھ زیادتی کرتا ہو اور جو ایسے شخص کے ساتھ احسان کرے گا جو اس کے ساتھ برا سلوک کرے، اور ظالم کو معاف کرے گا تو وہ انسانیت و شرافت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہو گا اور قیامت کے روز سعادت و خوش بختی کے بلند ترین مقام پر ہو گا، بزار اور طبرانی حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرماتے ہیں؛ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ضرور بتلایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو تمہارے ساتھ زیادتی کرے اس سے بردباری سے پیش آؤ، اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو، اور جو تمہیں نہ دے تم اسے دو، اور جو تمہارے ساتھ قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

بسا اوقات گناہگار سے درگزر کرنا اور برائی کرنیوالے کو معاف کرنا اس کی بداخلاقی کی دوا اور اس کی کجی اور انحراف کے درست کرنے کا ذریعہ بنتا ہے چنانچہ جفاکشی الفت سے اور عداوت صلح سے اور بغض محبت سے بدل جاتا ہے اور واقعی

اللہ جل شانہ نے قرآنِ کریم میں بالکل بجا فرمایا ہے:

((وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ))۔
فصلت۔۳۴

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

علماءِ اخلاق وتربیت کے یہاں یہ مسلم ہے کہ برائی کا بدلہ برائی یا اس سے زیادہ برائی سے دینا اور اس پر جو برے اثرات اور خراب نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کی پرواہ نہ کرنا تنگ دلی اور غصہ کی تیزی کو کنٹرول کرنے سے عاجز ہونے کی دلیل ہے، لوگوں میں اخلاق اور سیادت وقیادت میں تفاوت وتفاضل، ان کے انجام کار کے بارے میں تدبر، اور نتائج کے بارے میں غور وفکر، اور انفعالی جذبہ کے جوش کو کنٹرول کرنے سے ہوتا ہے۔ اسی لیے غصہ کے وقت جو شخص خود پر کنٹرول رکھے وہ طاقتور ترین آدمی ہے اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی نظر میں سب سے بڑا پہلوان ہے[۱]۔

پڑوس کے حقوق کے سلسلہ میں یہ اہم بنیادی اصول ہیں اور پڑوسی کے ساتھ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں اہم ترین بنیادیں ہیں، اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیئے کہ بچہ جب شعور کی عمر کو پہنچ جائے تو اس بات کی پوری کوشش کریں کہ اس میں پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور پڑوسیوں کے حقوق کے خیال کی اچھی عادت پیدا کریں، تاکہ جب وہ اس عمر کو پہنچے جس میں وہ دوسروں کے ساتھ معاملات کرنے کے قابل ہو، اور ان کے ساتھ رہے، ان کا پڑوسی بنے تو انہیں ایذا نہ پہنچائے، اور انہیں ہر قسم کے ظلم وزیادتی سے بچائے، اور ان کے ساتھ نیکی وحسنِ سلوک کرے، اور ان کے برے سلوک وزیادتی وایذاء کو برداشت کرے۔

پڑوس کے حقوق کے سلسلہ میں ان چاروں اصولوں کو دو چیزوں کے بغیر بچے میں پیدا نہیں کیا جاسکتا:

۱۔ مختلف مناسبات اور مواقع پر بچوں کو یہ چیزیں زبانی سمجھانا۔

۲۔ پڑوسیوں کے جو بچے اس کے ہم عصر ہیں ان کے ساتھ اس کو عملی شکل میں تطبیق دینا۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب بچے میں بچپن ہی سے یہ اچھی عادات پیدا ہوجائیں گی تو اس میں دوسروں کے ساتھ مل بیٹھنے کا شوق اور عادت پیدا ہوگی، بلکہ وہ حقیقی معنوں میں ایک گھل مل کر رہنے والا انسان بنے گا بلکہ اس کے دل سے گوشہ نشینی، لوگوں سے بیزاری کا خیال تک نکل جائے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جہاں بھی ہوگا اپنے وجود کو ثابت کرے گا، اور جہاں ہوگا اپنی شخصیت کو ظاہر وممتاز کرے گا، جس کا اصل سبب وہ معاشرتی تربیت ہوگی جو اس کی گھٹی میں پڑی ہوگی، اور اس میں یہ چیزیں تدریجاً پیدا ہوئی ہوں گی اور اس نے ان کے وسائل واسباب کو اختیار کیا ہوگا۔

---

[۱] چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی پچھاڑنے سے طاقتور شمار نہیں ہوتا بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر کنٹرول رکھے۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو ان وسائل اور بنیادی اصولوں کو مدِنظر رکھنا چاہیے جو بچے کی شخصیت کو جلا بخشیں اور اس کو باعظمت اور فاضل و باکمال شخصیت بنادیں۔

۴ - استاذ کا حق

اور وہ اہم اور عظیم معاشرتی حقوق جن کا تربیت کرنے والوں کو بہت اہتمام کرنا چاہیئے اور ان کو ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہیے اور ان پر بہت کڑی نظر رکھنا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ استاذ کے احترام، اکرام اور اس کے حقوق ادا کرنے کا عادی بنے تاکہ بچے میں وہ عظیم معاشرتی ادب پیدا ہو جو اسے اپنے استاذ، مربی و مرشد کے حقوق ادا کرنے کا عادی بنائے، اور خصوصاً جب کہ معلم نیک و متقی ہو اور مکارمِ اخلاق میں ممتاز ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کے اکرام اور اساتذہ کے احترام کے سلسلہ میں تربیت کرنے والوں کو شاندار وصیتوں اور زبردست توجیہات سے بہرہ ور کیا ہے تاکہ لوگوں کو ان کا فضل و مرتبہ معلوم ہوجائے اور شاگرد اپنے اساتذہ کے حقوق ادا کریں، اور ان کے ساتھ ادب سے رہیں۔

ان معطر ارشادات و توجیہات و وصایا کا گلدستہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

امام احمد و طبرانی اور حاکم حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لیس من أمتی من لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا، ویعرف لعالمنا حقہ)).

وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور علماء کے حق کو نہ پہچانے۔

اور طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((تعلموا العلم، وتعلموا للعلم السکینۃ والوقار، وتواضعوا لمن تعلمون منہ)).

علم حاصل کرو اور علم کے حاصل کرنے کیلئے وقار اور سکون کو سیکھو اور جن سے علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے تواضع اختیار کرو۔

اور طبرانی "معجم کبیر" میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((ثلاث لا یستخف بھم إلا منافق ذو الشیبۃ فی الإسلام وذو العلم وامام مقسط)).

تین آدمیوں کی تحقیر منافق ہی کیا کرتا ہے: مسلمان بوڑھا اور عالم اور منصف حاکم۔

اور امام احمد حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

((اللهم لا يدركني زمان لا يتبع فيه العليم | اے اللہ میں ایسا زمانہ نہ دیکھوں جسمیں علم والوں کی پیروی کیجائے
ولا يستحيي فيه من الحليم | اور حلیم و بردبار سے حیاء نہ کی جائے
قلوبهم قلوب الأعاجم | جن کے دل عجمیوں کے سے ہوں گے
وألسنتهم ألسنة العرب)). | اور ان کی زبانیں عربوں کی سی ہوں گی۔

اور امام بخاری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کو دفن کرنے میں دو آدمیوں کو ایک ساتھ دفن کر رہے تھے اور یہ پوچھتے جا رہے تھے کہ ان دونوں میں سے قرآن کریم کس نے زیادہ حاصل کیا ہے؟ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اسے پہلے قبر میں رکھتے۔

ان ہدایات و وصایا کا خلاصہ درج ذیل امور کی شکل میں نکلتا ہے:

✿ طالب علم کو چاہیے کہ استاذ کے سامنے تواضع اختیار کرے، اور اس کی رائے اور مشورہ سے اعراض نہ کرے، بلکہ اس کے ساتھ ایسا بن کر رہے جیسے مریض ماہر طبیب کے سامنے ہوتا ہے کہ اپنے بارے میں اس سے مشورہ کرتا ہے اور اس کی مرضی پر عمل کرکے اس کو خوش کرتا ہے، بلکہ طالب علم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ استاذ کے سامنے اس کا ذلیل ہونا ہی اس کی عزت ہے، اور اس کے سامنے جھکنا باعث فخر اور اس کے سامنے تواضع اختیار کرنا رفعت و بلندی کا ذریعہ ہے۔

لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کو اس بات پر ملامت کی گئی کہ وہ علماء کے سامنے اتنی زیادہ تواضع کیوں اختیار کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا:

أهين لهم نفسي فهم يكرمونها | ولن تكرم النفس التي لا تهينها
میں انکے سامنے اپنے آپکو ذلیل کرتا ہوں تو وہ اسکا اکرام کرتے ہیں | اور اس نفس کا ہرگز اکرام نہیں کیا جاتا جس کو تم ذلیل نہ کرو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما باوجود جلالت قدر اور عظمت و بلند مقام پر فائز ہونے کے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی سواری کی پالان پکڑ لیتے تھے اور فرماتے تھے: ہمیں اپنے علماء کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خلف احمر سے فرمایا کہ میں آپ کے سامنے ہی بیٹھوں گا اسی لیے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم استاذوں کے ساتھ تواضع اختیار کریں۔

اور امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: علم تواضع اور کامل توجہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

✿ شاگرد کو چاہیے کہ وہ استاذ کو عظمت و احترام کی نگاہ سے دیکھے اور اس کو کامل سمجھے، اسی صورت سے اس سے استفادہ ہوسکتا ہے اور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں امام مالک کے سامنے صفحات اس خوف سے آہستہ پلٹا کرتا تھا کہ وہ آواز نہ سن لیں۔

ربیع کہتے ہیں: بخدا میں نے امام شافعی کے رعب کی وجہ سے کبھی یہ جرأت نہ کی کہ میں ایسی حالت میں پانی پیوں کہ امام شافعی مجھے دیکھ رہے ہوں۔

خلیفہ مہدی کی اولاد میں سے کوئی لڑکا شریک کے پاس حاضر ہوا، اور دیوار سے ٹیک لگالی اور ان سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا، تو شریک اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے، اس لڑکے نے پھر سوال کیا لیکن شریک نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا، تو اس لڑکے نے کہا کہ خلیفہ کے بیٹے کی اس طرح سے توہین کی جائے گی؟! تو انہوں نے فرمایا: نہیں یہ بات نہیں بلکہ اللہ کے یہاں علم اس سے برتر و بالا ہے کہ میں اسے ضائع کردوں (یعنی حلقۂ علم میں اس طرح ٹیک لگا کر بیٹھنا علم کی شان کے خلاف ہے)۔

طالبِ علم کو چاہیئے کہ استاذ سے تم یا تُو کے ساتھ خطاب نہ کرے بلکہ نہایت ادب سے استاذ صاحب یا استاذ جی یا حضرت مولانا کے الفاظ سے مخاطب کرے، اسی طرح استاذ کی غیر موجودگی میں بھی استاذ کا نام اس طرح سے لے کہ جسے سن کر دوسرے شخص کو اس کی عظمت واحترام معلوم ہو مثلاً یہ کہے کہ ہمارے فاضل استاذ صاحب نے یوں فرمایا، یا ہمارے فلاں استاذ صاحب نے یہ فرمایا یا ہمارے فلاں مرشد نے اس طرح فرمایا۔

✿ شاگرد کو چاہیے کہ معلم واستاذ کے حق کو پہچانے اور اس کے مرتبہ وفضل کو یاد رکھے۔ حضرت شعبہ فرماتے ہیں: میں جب کسی صاحب سے حدیث سن لیتا ہوں تو میں زندگی بھر کے لیے ان کا غلام بن جاتا ہوں، اور انہوں نے فرمایا: میں نے کبھی کسی سے کوئی بات نہیں سنی مگر میں اس کی خدمت کے لیے اس کے پاس اس سے زیادہ مرتبہ جاتا ہوں جتنی بار میں نے اس سے سُنا ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے شوقی پر وہ فرماتے ہیں:

قم للمعلم وفه التبجيلا	كاد المعلم أن يكون رسولاً
استاذ کے احترام میں کھڑے ہو جاؤ اور خوب اچھی طرح سے انکا اکرام کرو	قریب ہے کہ استاذ رسول و پیغامبر کے درجہ کو پہنچ جائے
أعلمت أشرف أو أجلّ من الذي	يبني وينشئ أنفساً وعقولاً
کیا آپ کو اس شخص سے برتر و بالا کوئی شخص معلوم ہے	جو نفوس وعقول کی تعمیر و آبیاری کرے

طالبِ علم کو چاہیے کہ وہ اپنے اساتذہ کے لیے ساری زندگی دعا کرتا رہے اور ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد داعزہ رشتہ داروں اور ان کے دوستوں کا خیال رکھے، اور ان کی قبر پر حاضری دیا کرے، اور ان کے لیے استغفار کیا کرے، اور ہر موقعہ پر ان کی طرف سے صدقہ وخیرات کیا کرے، اور علم، دین اور اخلاق میں ان کی عادات وطریقوں کی رعایت رکھے

اور ان کی حرکات و سکنات کی پیروی کرے، اور ان کے طور طریقوں کو بہترین نمونہ اور قابلِ تقلید مثال سمجھ کر اپنائے۔

✿ طالبِ علم کو چاہیئے کہ اپنے استاذ کی سخت گیری و سخت مزاجی کو برداشت کرے۔ اور اس کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنے اور ان سے استفادہ سے محروم نہ رہے، اور استاذ کی ناراضگی و درشتگی کے موقعہ پر طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنی غلطی پر معذرت پیش کرے اور توبہ کرے، اور استاذ کے غصہ کا موجب اور سبب اپنے آپ ہی کو گردانے اور خود کو ہی سزا وار ٹھہرائے، ایسی صورت میں استاذ کی محبّت برقرار رہے گی اور اس کا دل خوش رہے گا اور طالب علم کو بھی دین و دنیا اور آخرت کے منافع حاصل ہوں گے۔

بعض سلف سے یہ مقولہ منقول ہے کہ جو شخص بھی تعلیم حاصل کرنے میں صبر و تحمل سے کام نہیں لے گا وہ ساری عمر جہالت کی تاریکی میں پڑا رہے گا، اور جو اس سلسلہ میں صبر و تحمل سے کام لے گا وہ دنیا و آخرت کی عزت حاصل کریگا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے طالب علمی کی حالت میں ذلت اختیار کی تو میں اس وقت معزز و محترم بن گیا جب میں مطلوب بنا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان بن عیینہ سے کہا گیا کہ آپ کے پاس روئے زمین کے مختلف ممالک سے لوگ آتے ہیں آپ ان پر غصہ ہوتے ہیں جس سے ڈر ہے کہ وہ لوگ واپس لوٹ جائیں یا آپ کو چھوڑ بیٹھیں ؛ تو انہوں نے ان صاحب سے فرمایا : اگر وہ اپنے فائدے کی چیز میری بداخلاقی کی وجہ سے چھوڑ بیٹھیں تو پھر تو وہ بڑے بے وقوف لوگ ہوں گے۔

اور کسی کہنے والے نے کہا ہے :

إن المعلم والطبيب كلا هما	لا ينصحان[1] إذا هما لم يكرما
استاذ اور طبیب دونوں کے دونوں	کا اگر اکرام نہ کیا جائے تو وہ نصیحت و خیرخواہی نہیں کرتے
فاصبر لدائك إن جفوت طبيبه	واصبر لجهلك إن جفوت معلمًا
اسلیے تم اپنی بیماری کی وجہ سے صبر کرو اگر اسکے معالج کو سخت مزاج پاؤ	اور اگر معلم و استاذ کو سخت پاؤ تو اپنے جہل کی وجہ صبر سے کام لو

✿ طالبِ علم کو چاہیے کہ وہ اپنے استاذ کے سامنے نہایت سکون، تواضع اور احترام سے بیٹھے، اور ہمہ تن گوش اس کی طرف متوجہ رہے اور مکمل طور سے اس کی طرف کان لگائے رہے اور بلا ضرورت دائیں بائیں آگے پیچھے نہ دیکھے۔

طالبِ علم پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے استاذ کے سامنے ہر اس حرکت سے دور رہے جو وقار کے خلاف اور ادب و حیاء کے منافی ہو۔ لہٰذا اس کی طرف نگاہ بھر کر نہ دیکھے اور اگر کہیں سے شور و غوغا کی آواز آجائے تو اس کی وجہ سے

---

[1] یہ بات ہر استاذ پر منطبق نہیں ہوتی اس لیے کہ بعض معلمین و اطباء صرف اللہ کی رضاء کے لیے کام کرتے ہیں ان کا مقصد نہ کوئی بدلہ حاصل کرنا ہوتا ہے نہ شکریہ وصول کرنا۔

تشویش نہ پڑے نہ اس کی طرف توجہ کرے اور خصوصاً اس حالت میں جب کہ استاذ سبق پڑھا رہا ہو، اور اپنے ہاتھوں پاؤوں یا جسم کے کسی حصے سے نہ کھیلے، اور ناک میں انگلی نہ ڈالے نہ اس سے گندگی نکالے، نہ منہ پھاڑ کر کھولے، اور نہ دانت بجائے، اور نہ زمین پر ہتھیلی مارے، نہ زمین پر لکیریں کھینچے، نہ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کرے اور نہ اپنے کپڑوں سے کھیلے، اور استاذ سے بلا ضرورت زیادہ بات نہ کرے، اور نہ کوئی ایسی بات نقل کرے جو عجیب و غریب یا مضحکہ خیز ہو اور پھر زور سے قہقہہ لگانا پڑے، اگر ایسا ہو بھی جائے تو بلا آواز صرف مسکراہٹ پر اکتفا کرے، اور بلا ضرورت زیادہ نہ کھائے، اور جہاں تک ہو سکے تھوکنے یا ناک کی ریزش نکالنے سے بچے، اور اس کی ضرورت پڑ ہی جائے تو دور ایک طرف ہو کر رومال یا ٹیشو پیپر کو اس مقصد کے لیے استعمال کرے، اور اگر چھینک آجائے تو حسبِ مقدرت آواز کو پست کرلے اور منہ کو رومال وغیرہ سے ڈھانپ لے، اور جب جمائی آئے تو اول تو جتنا ہو سکے اسے روکنے کی کوشش کرے ورنہ منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

طالبِ علم پر استاذ کے جو حقوق آتے ہیں ان کے سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ:

آپ پر علم کا ایک حق یہ بھی ہے کہ آپ لوگوں کو عمومی سلام کریں اور استاذ کو خصوصی سلام کریں، اور ان کے سامنے باادب بیٹھیں، اور ان کے سامنے ہاتھوں سے اشارہ نہ کریں، اور نہ کسی کو آنکھ سے اشارہ کریں، اور نہ ان کے فرمان کے خلاف کسی دوسرے کا کوئی قول نقل کریں، اور نہ ان کے سامنے کسی کی غیبت کریں، اور نہ ان کی لغزش کی گرفت کی تاک میں رہیں، اور اگر ایسا ہو جائے تو ان کے عذر کو فوراً قبول کرلیں، اور صرف اللہ کی خوشنودی ورضا کے لیے ان کا احترام کریں، اور اگر انہیں کوئی ضرورت درپیش ہو تو اوروں سے قبل آپ اس کو پورا کرنے کی کوشش کریں، اور ان کی مجلس میں کسی سے سرگوشی نہ کریں، نہ ان کے کپڑے پکڑیں اور اگر وہ تھکے ہوئے ہوں تو ان کو مجبور نہ کریں، اور ان کی صحبت کے طویل ہونے سے سیر نہ ہو اس لیے کہ ان کی مثال اس کھجور کے درخت کی سی ہے جس کے پھل کے گرنے کا انتظار کیا جاتا ہے کہ کب اس کا پھل گرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اس وصیت میں ان تمام حقوق کو جمع کر کے پیش کر دیا ہے جو کافی، وافی اور شافی ہیں۔

✿ طالبِ علم کو چاہیے کہ استاذ کی درسگاہ گھر یا ان کی خصوصی نشست گاہ میں ان کی اجازت کے بغیر قطعاً داخل نہ ہو چاہے وہاں استاذ تنِ تنہا ہو یا کسی اور کے ہمراہ، اور پھر اگر ان سے اجازت طلب کرے اور وہ اجازت نہ دیں تو واپس لوٹ جائے مکرر سہ کرر اجازت طلب نہ کرے، اور اگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ استاذ کو اس کی آمد کی خبر ہوئی ہے یا نہیں تو تین مرتبہ سے زیادہ اجازت طلب نہ کرے، اور دروازے کو آہستہ آہستہ ادب واحترام سے ناخن کے ذریعہ کھٹکھٹانا چاہیئے یا پھر کوئی کڑا یا کنڈی یا گھنٹی بجا کر، اور اگر کمرہ وغیرہ دروازے سے دور ہو تو ضرورت کے مطابق آواز یا زور سے کھٹکھٹانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

طالبِ علم کو چاہیئے کہ استاذ کے پاس اچھی ہیئت، پاک صاف ستھرے کپڑوں میں حاضر ہو خصوصاً اگر علم کا حلقہ قائم ہو تو اور بھی اہتمام کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ ذکر اور عبادت کیلیے اکٹھا ہونے کی مجلس ہے۔

طالبِ علم کو چاہیے کہ جب استاذ کے پاس جائے تو اس کا دل دوسرے دھندوں سے فارغ اور نفس نفسیاتی ضروریات سے یکسو ہو تاکہ استاذ کی بات یاد رکھ سکے اور جو وہ کہے اس کے لیے سینہ منشرح ہو، اور طالبِ علم کو چاہیے کہ جب وہ مجلسِ علم میں جائے اور استاذ وہاں موجود نہ ہو تو استاذ کا انتظار کرے تاکہ کوئی حصہ درس فوت نہ ہوجائے، وہاں پہنچ کر استاد کو بلانے کے لیے دروازہ وغیرہ نہیں کھٹکھٹانا چاہیے، اور اگر استاذ آرام فرما ہوں تو ان کے جاگنے کا انتظار کرنا چاہیے یا پھر اس وقت واپس لوٹ جانا چاہیے اور پھر دوبارہ حاضر ہوجانا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کیلیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ کر ان کے جاگنے کا انتظار کیا کرتے تھے، ان سے جب کہا جاتا کہ کیا ہم ان کو جگا نہ دیں؟ تو وہ فرماتے: نہیں، اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ کافی طویل انتظار کرتے تھے اور دھوپ تیز ہوجایا کرتی تھی، یہی سلفِ صالحین کی عادت تھی۔

✿ طالبِ علم کو چاہیے کہ جب استاذ کو کسی حکم کی کوئی دلیل یا کوئی نیا فائدہ بیان کرتے سنے یا کسی واقعہ کو نقل کرتے یا شعر کو پڑھتے سنے اور اسے وہ پہلے سے یاد ہو تو اس کو چاہیے کہ استاذ کی طرف ہمہ تن گوش ہو کر اس طرح سنے گویا وہ اس سے فائدہ اٹھانے والا اور ایسا پیاسا ہے کہ اس سے اس کی سیرابی کا انتظام ہو رہا ہے اور اس سے قبل اس نے یہ بات ھرگز نہیں سُنی تھی۔

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں جب کسی صاحب سے کوئی حدیث سنتا ہوں اور وہ مجھے پہلے سے بہت اچھی طرح سے معلوم ہوتی ہے لیکن میں پھر بھی اس کے سامنے اپنی ہیئت سے یہ ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے وہ بالکل بھی معلوم نہیں ہے اور انہی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی نوجوان کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو میں اسے کان لگا کر ایسے سنتا ہوں گویا میں نے پہلے کبھی نہ سنی ہو حالانکہ میں وہ حدیث اس کی پیدائش سے قبل سن چکا ہوتا ہوں۔
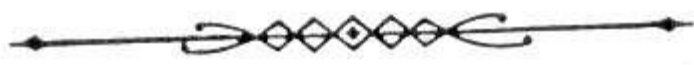
دوست کے صفات اور دوستی کے آداب کے بارے میں ابوتمام مندرجہ ذیل اشعار کہتے ہیں:

من لی بانسان إذا أغضبته
مجھے ایسا انسان کون بتلائے گا کہ اگر میں اسے ناراض کردوں

وجهلت كان الحلم ردَّ جوابه!
اور اسکے ساتھ اچھا سلوک نہ کروں تو وہ حلم و بردباری سے میرا جواب دے

وإذا طربت إلى المدام شربت من
اور اگر مجھے شراب کی خواہش ہو تو میں اس کے اخلاق کے

أخلاقه وسكرت من آدابه!
جام نوش کروں اور اسکے آداب و اخلاق سے مست و سرشار ہوجاؤں

وتراه يصغي للحديث بسمعه   وبقلبه ولعله أدرى به

اور آپ اس کو بات کی جانب کان لگاکر سننے والا اور   دل سے متوجہ ہونیوالا پائینگے حالانکہ وہ مجھ سے زیادہ اسکو جاننے والا ہوتا ہے

یہ معاملہ تو ایک دوست کا اپنے دوست کے ساتھ ہونا چاہیے تو پھر استاذ کے ساتھ معاملہ تو اس سے بھی زیادہ اہم اور نازک ہے۔

طالبِ علم جو بات جانتا ہو اور جو چیز سمجھ چکا ہو اسے بار بار نہیں پوچھنا چاہیے اور نہ اس کے سمجھنے کی درخواست کرنا چاہیئے اس لیے کہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور لبسا اوقات استاذ تنگ دل ہو جاتا ہے، امام زہری فرماتے ہیں کہ حدیث کا اعادہ کرنا اور لوٹانا چٹان کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے زیادہ سخت کام ہے۔

طالبِ علم کو غور سے سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے میں کسی قسم کی تقصیر و کوتاہی نہیں کرنا چاہیے اور نہ اپنے ذہن کو کسی بات یا دوسرے امر میں مشغول کرنا چاہیئے جس کی وجہ سے استاذ سے پھر دوبارہ اعادۂ کلام کی درخواست کرنا پڑے، اس لیے کہ یہ اساءتِ ادب اور بے ادبی ہے، طالبِ علم کو شروع ہی سے حاضر الذہن اور استاذ کی طرف ہمہ تن گوش متوجہ ہونا چاہیے۔

اور اگر استاذ سے دور ہونے کی وجہ سے بات نہ سن سکے یا کوشش کے باوجود سمجھ نہ سکے تو ایسی صورت میں طالبِ علم کو یہ حق ہے کہ استاذ سے اعادۂ کلام اور سمجھنے کی درخواست کرے اور نہایت عمدگی سے اپنے عذر کو واضح کردے۔

◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎◎

یہ وہ اہم آداب و اخلاق ہیں جو بچے کو اپنے استاذوں و مربیوں سے حاصل کرنا چاہیئے، اور یہ نہایت اعلیٰ تربیتی آداب اور شاندار معاشرتی حقوق ہیں۔

اور یہ ایک ظاہر سی بات ہے کہ بچہ جب ان آداب کو سیکھنے سکھانے والے ماحول میں آنکھیں کھولے گا، اور شروع ہی سے ان حقوق کے اپنانے کا عادی ہوگا تو ظاہر ہے کہ بچہ ان لوگوں کے حقوق بھی ادا کرے گا جن کے حقوق اس پر لاگو ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ اس کی تعلیم تربیت، تعلیم اخلاق اور تعمیر شخصیّت کا سبب بنے ہیں۔

اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ معلموں اور مربیوں کو بچے کی اخلاقی و معاشرتی تربیت کو علمی وثقافتی تعلیم پر مقدم رکھنا چاہیئے اس لیے کہ جیسا مشہور ہے مکارمِ اخلاق سے آراستہ ہونا تعلیم مسائل پر مقدم ہے۔ اسی لیے سلفِ صالحین رحمہم اللہ اپنے بچوں اور شاگردوں کو ادب سکھانے اور باادب بنانے کا علم کی تلقین اور علوم ومعرفت سے آراستہ کرنے سے زیادہ اہتمام کرتے تھے۔

حضرت حبیب بن شہید اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے فقہاء وعلماء کے ساتھ رہنا، اور ان سے علم کی باتیں، اور ادب سیکھنا، اس لیے کہ یہ مجھے بہت سی حدیثوں سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔

اور مخلد بن حسین نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے فرمایا: ہم کثرتِ احادیث کی بنسبت ادب کے زیادہ محتاج ہیں۔

اور بعض حضرات سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے تم ادب کا ایک باب سیکھ لو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تم علوم کے ابواب میں سے ستر باب سیکھو۔

اور حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل میزان و معیار ہیں اور پرکھنے کے لیے تمام اشیاء کو آپ کے اخلاق، سیرت اور عادات و اطوار پر ہی پیش کیا جائے گا، جو اس کے موافق ہو وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔

اور ابن سیرین کہتے ہیں: لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقوں اور سیرتِ سلف کو اس طرح سیکھا کرتے تھے جس طرح کہ علم کو سیکھتے تھے۔

یہ بات ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ جن آداب کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ ان معلمین کے حق میں ہیں جو خود متقی ہوں، دین کا حق ادا کرتے ہوں، اور اللہ کی عظمت و بڑائی پر یقین رکھتے ہوں، اور اسلام پر عقیدت و شریعت ہونے کے اعتبار سے اور قرآن کریم پر منہاج اور دستور ہونے کے اعتبار سے ایمان رکھتے ہوں، ایسے معلمین و اساتذہ کے احترام کا طلباء اور بچوں کو عادی بنانا چاہیے، اور ان کے فضل و مرتبہ کو ان کے ذہن نشین کرانا چاہیئے اور ان کے حقوق اس وقت تک ادا کرتے رہنا چاہیے جب تک وہ صحیح و سیدھے راستے اور صراطِ مستقیم پر قائم ہوں۔

رہے وہ اساتذہ و معلمین جو ملحد و بے دین قسم کے ہیں اور لادین مربی تو ان کے لیے نہ تو قلوب میں کوئی عظمت ہے نہ نفوس میں احترام، اس لیے کہ انھوں نے الحاد و بے دینی کی وجہ سے اپنی کرامت و انسانیت کو برباد کر دیا ہے اور اپنے اعتبار اور ہیبت و وقار کو کفر و ضلال کی وجہ سے ختم کر دیا ہے۔

لہٰذا باپ کو چاہیے کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی ملحد قسم کا استاذ اس کے بچے کو کفر کے مبادی اور گمراہی و زیغ کی باتوں کی تلقین کرتا ہے۔ تو اس پر اللہ کے لیے ناراض ہو، بلکہ اسے چاہیے کہ ساری دنیا کو سر پر اٹھا لے اور اس قسم کی باغی جماعتوں اور دوسروں کے ایجنٹ خائن لوگوں کے برخلاف اس کی رگوں میں اسلام کی حمیت کو جوش مارنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ اسے یہ محسوس ہونے لگے کہ یہ بشری زہریلے جراثیم اپنے بلوں میں داخل ہو گئے ہیں اور اپنے گھونسلوں میں چھپ گئے ہیں اور اب ان کے لیے سر اٹھانے یا زبان سے کوئی بات کرنے کا بھی موقعہ نہیں رہا ہے:

((بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ، وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ)).	ہم تو حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں، سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو وہ دفعتہً مٹ جاتا ہے۔
الانبیاء - ۱۸	اور تمہاری (بڑی) کم بختی آئے گی اس سے کہ جو تم گھڑتے رہتے ہو۔

☆ ☆ ☆

اور اللہ تعالیٰ رحم فرمائے مندرجہ ذیل شعر کہنے والے پر :

إن عادت العقرب عدنا لها　　　　وكانت النعل لها حاضرة

اگر بچھو نے دوبارہ حملہ کرنا چاہا تو ہم بھی پھر اس پر حملہ کر دیں گے　　　　اور اس کو ختم کرنے کیلیے جوتا حاضر ہو گا

باپ کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ اللہ کے لیے ناراض ہونے کی خاطر اس ملحد استاذ اور اس گمراہ خائن مربی کے آڑے آجائے بلکہ والد کو چاہیے کہ اپنے بیٹے میں علمی جرأت اور حق بات کھلم کھلا کہنے کی عادت پیدا کرے تاکہ بچے میں اعداءِ اسلام کے مقابلہ کی عادت پیدا ہو خواہ دین دشمنوں کو کتنی ہی طاقت نفوذ اور تسلط کیوں نہ حاصل ہو۔

اور جب اعداءِ اسلام "خواہ وہ استاذ ہو یا غیر استاذ" کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ پوری قوم ان کی تاک میں ہے۔اور انکے فعال واقوال پر نکیر کرنے اور اس کی تردید کے لیے سب چھوٹے بڑے تلے ہوئے ہیں تو آپ ہی بتلائیے کہ ایسی صورتِ حال میں کیا ان میں سے کوئی شخص بھی یہ جرأت کرے گا کہ الحاد پھیلائے؟

ان مجرموں میں سے کوئی بھی مجرم یہ طاقت رکھے گا کہ اسلام پر حملہ کرے؟

اور پھر کیا کبھی ہمارے کانوں میں یا دیکھنے میں یہ بات آئے گی کہ کسی دشمن نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر حملہ کرنے کے لیے زبان درازی کی یا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر طعن وتشنیع کرنا چاہی؟ ظاہر بات ہے کہ ایسا کبھی بھی نہ ہوگا۔

اس لیے والدین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو خوب سمجھیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلہ میں ان کی جو ذمہ داری ہے اسے پورا کریں، اور ہر ایجنٹ وخائن کے سامنے سینہ سپر رہیں، اور بچوں میں جرأت اور اعداءِ اسلام سے مقابلہ کی عادت پیدا کریں، تاکہ دین کے دشمنوں کے ایجنٹ سرکشی وبغاوت نہ کر سکیں، اور دشمنوں اور بزدلوں کو اپنے بلوں سے باہر آنے کا موقعہ نہ ملے، اور عزت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنوں کے لیے ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم فرمائے جو ان لوگوں کے سامنے اپنی قوت اور جہاد کی عظمت اور حق بات کہنے کی جرأت عیاں کر دے۔

۵۔ ساتھی کا حق

بچے کے لیے جن امور کا اختیار کرنا مربیوں کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے ان میں سے مؤمن ساتھی اور اچھے ہمنشین کا انتخاب بھی ہے۔اس لیے کہ اس کا بچے کی استقامت اور اس کے امور کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے، اور واقعی سچ کہا جس نے یہ مقولہ کہا ہے کہ ساتھی کھینچنے والا ہوتا ہے اور اس نے بھی سچ کہا جس نے یہ مثل پیش کی ہے کہ تم مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ میں کون ہوں بلکہ مجھ سے پوچھو کہ تم کس کیساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو اس سے تم مجھے پہچان لوگے کہ میں کون ہوں۔

◎-◎-◎-◎-◎-◎-◎-◎-◎-◎-◎-◎

اور اللہ تعالیٰ اس شاعر پر رحم فرمائے جس نے درجِ ذیل شعر کہا ہے :

عن المرء لا تسل وسل عن قرينه — فكل قرين بالمقارن يقتدی

انسان کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اسکے ساتھی کے بارے میں سوال کرو — اس لیے کہ ہر ساتھی اپنے ساتھی کی اقتدا کرتا ہے

اور لیجیے اس سلسلہ میں مربی اول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارک بھی سن لیں کہ آپ نے والدین اور مربیوں کو اپنے بچوں اور ان لوگوں کیلیے جن کی تربیت کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے کس طرح اچھے رفقاء کے اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

امام بخاری ومسلم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

((مثل الجليس الصالح والجليس السوء كمثل حامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك، أو تشتري منه أو تجد منه ريحًا طيبةً ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك أو تجد منه ريحًا منتنةً)).

اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے مشک والا یا تو تمہیں مشک (بلا عوض) دے دیگا، یا تم اس سے خرید لوگے یا اس کے پاس سے تمہیں اچھی خوشبو آئے گی۔ اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا اس کے پاس سے تمہیں گندی بدبو آئے گی۔

اور ابو داؤد وترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لا تصاحب إلا مؤمنًا، ولا يأكل طعامك إلا تقي)).

تم ساتھ نہ رہنا مگر مؤمن کے، اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر متقی آدمی۔

اور ابن عساکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((إياك وقرين السوء فإنك به تعرف)).

تم برے ساتھی سے بچو اس لیے کہ تمہیں اسی کے ذریعہ سے پہچانا جائے گا۔

اور امام ترمذی وابوداؤد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

((المرء على دين خليله، فلينظر أحدكم من يخالل)).

انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

* * *

ان تمام امور کی وجہ سے مربی پر یہ لازم ہے کہ بچے کے لیے اچھے ساتھیوں کا انتخاب کرے اور خصوصًا جب بچہ سنِ تمیز وشعور کو پہنچ جائے تو اس کے لیے اس کی عمر کے ایسے نیک صالح ساتھیوں کی جماعت منتخب کرنا چاہیے جن کے ساتھ

وہ اٹھے بیٹھے، اور کھیلے کودے، اور پڑھے لکھے، اور ان سے ملا جلا کرے، اور ان کی بیمار پرسی کرے، اور جب وہ کامیاب وکامران ہوں توانہیں تحفہ تحائف پیش کرے، اور اگر وہ صحیح بات بھول جائیں توانہیں یاد دلادے، اور اگر وہ حاجت مند ہوں توان کی امداد کرے، ایسے مواقع فراہم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچہ بلا کسی شک وشبہ کے ان فطری معاشرتی بھلائی وخیر کے امور میں آگے بڑھنے کے وصف پر نشوونما پائے گا، اور مستقبل میں وہ ایک ایسا متوازن فعال مرد بنے گا جو معاشرے کے حق کو ایسے صحیح طریقے پر ادا کرے گا جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور جس کا اسلام حکم دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ مصاحبت ورفاقت کے وہ اہم حقوق کیا ہیں جن کا بچوں میں پیدا کرنا اور راسخ کرنا تربیت کرنے والوں پر لازم ہے۔

یہ حقوق درجِ ذیل ہیں:

الف- ملاقات کے وقت سلام کرنا:[1]

اس لیے کہ بخاری ومسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اسلام کے آداب میں سے کونسا ادب زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

((تطعم الطعام، وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف)).

تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو ہر اس شخص کو بھی جس کو تم جانتے ہو اور اس کو بھی جس کو تم نہیں جانتے۔

اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابّوا، أولا أدلكم على شئ إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم)).

تم جنت میں اس وقت تک داخل نہ ہوگے جب تک مؤمن نہ بن جاؤ۔ اور تم مؤمن اس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتلادوں کہ جب تم اسے اختیار کرلو تو آپس میں محبت پیدا ہوجائے۔ آپس میں سلام کو عام کرو۔

⁂ ⁂ ⁂

---

[1] سلام کا طریقہ اور اس کے آداب "معاشرتی آداب کو اختیار کرنا" کے عنوان کے ذیل میں انشاء اللہ آئندہ آجائیں گے۔

ب ۔ اگر بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی وعیادت کرنا :

اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«عودوا المريض ، وأطعموا الجائع ، وفكوا العاني». بیمار کی عیادت کرو ، اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ ، اور قیدی کو آزاد کراؤ ۔

اور امام بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

«حق المسلم على المسلم خمس : رد السلام ، وعيادة المريض ، واتباع الجنائز ، وإجابة الدعوة ، وتشميت العاطس». ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں : سلام کا جواب دینا ، بیمار کی عیادت کرنا ، جنازہ کی اتباع کرنا اور دعوت قبول کرنا ، اور چھینک کا جواب دینا ۔

ج ۔ چھینک آنے پر اس کا جواب دینا :

اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

«إذا عطس أحدكم فليقل : الحمد لله ، وليقل له أخوه أو صاحبه : يرحمك الله ، فإذا قال له : يرحمك الله ، فليقل : يهديكم الله ويصلح بالكم». جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو اسے چاہیئے کہ الحمد للہ کہے ، اور اس کا بھائی یا اس کا ساتھی اس کو : یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) کہے اور جب اسکا ساتھی یا بھائی اسے یرحمک اللہ کہے تو اسے چاہیئے کہ وہ : یہدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے (یعنی اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست کرے) ۔

* * *

د ۔ اللہ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس سے ملاقات کرنا :

ابن ماجہ اور ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«من عاد مريضاً أو زار أخاً في الله ناداه مناد بأن طبت وطاب ممشاك وتبوأت من الجنة منزلاً». جو شخص کسی مریض کی عیادت کرتا ہے یا اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کرتا ہے تو اسے ایک فرشتہ یہ ندا دیتا ہے کہ تم اچھے رہو اور تمہارا یہ چلنا مبارک ہو اور تم نے جنت میں اپنا گھر بنا لیا ۔

* * *

اور امام مسلم رحمہ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے اپنے دینی بھائی سے ملنے کا

ارادہ کیا جو کسی دوسری بستی میں رہتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے سرے پر اپنا ایک فرشتہ اس کے انتظار میں بٹھا دیا وہ شخص جب وہاں پہنچا تو اس فرشتے نے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے اس کے پاس جارہا ہوں۔ اس فرشتے نے کہا: کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے جس کی تم تکمیل کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں بس میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں، تو اس فرشتے نے کہا: میں اللہ کی طرف سے تمہاری جانب بھیجا گیا ہوں تاکہ تمہیں بتلا دوں کہ جس طرح تم نے اس شخص سے اللہ کے لیے محبت کی ہے اس طرح اللہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔

ھ۔ سختی و پریشانی کے وقت امداد کرنا:

امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته ومن فرّج عن مسلم كربةً فرج الله عنه كربةً من كرب يوم القيامة، ومن ستر مسلمًا ستره الله يوم القيامة))۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگتا ہے، اللہ اس کی حاجت پوری کرتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان سے کوئی پریشانی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور فرمائیں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭

و۔ مسلمان کی دعوت قبول کرنا:

امام بخاری اور مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس))۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، اور چھینک کا جواب دینا۔

٭ ٭ ٭

ز۔ مختلف مہینوں اور عیدوں کی آمد پر حسب عادت مبارک باد دینا:

دیلمی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

((من لقي أخاه عند الانصراف من الجمعة فليقل: تقبل الله منا ومنك)).

جو شخص جمعہ سے واپسی پر اپنے کسی بھائی سے ملے تو اسے چاہیئے کہ وہ یہ کہہ دے: اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی جانب سے قبول فرمائے۔

❊ ❊ ❊

صاحبِ "مقاصد" خالد بن معدان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے عید کے روز ملے تو انہوں نے حضرت واثلہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی طرف سے قبول فرمائے تو حضرت واثلہ نے بھی ان سے اسی طرح کے جملے کہے۔

صحیحین میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمالی تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان کو مبارک باد دینے کے لیے کھڑے ہوگئے اور انہیں مبارک باد دی۔

جامع کبیر کے مؤلف حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں:

((أتدرون ما حق الجار؛ إن استعان بك أعنته، وإن استقرضك أقرضته، وإن أصابه خير هنأته، وإن أصابته مصيبة عزيته)).

کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؛ اگر وہ تم سے مدد مانگے تو تم اس کی اعانت کرو۔ اور اگر وہ تم سے قرض مانگے تو تم اسے قرض دو۔ اور اگر اسے کوئی خیر حاصل ہو تو تم اسے مبارک باد دو، اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچ جائے تو تم اس سے تعزیت کرو۔

❊ ❊ ❊

ح۔ مختلف موقعوں اور مناسبات میں ہدیہ دینا:

طبرانی "معجم اوسط" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((تهادوا تحابوا)).

ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت پیدا کرو۔

اور طبرانی "معجم اوسط" ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((يا نساء المؤمنين تهادين ولو فرسن شاة، فإنه ينبت المودة ويذهب

اے مؤمنوں کی عورتو ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو چاہے دنبہ کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ اس

الضغائن))۔ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کینہ ختم ہوجاتا ہے۔

اور دیلمی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((علیکم بالهدایا فإنها تورث المودة وتذهب بالضغائن))۔ ہدیہ دینے کو اختیار کیا کرو اس لیے کہ یہ مودت کو پیدا کرتا ہے اور کینہ کو ختم کردیتا ہے۔

اور امام مالک نے "موطأ" میں روایت نقل کی ہے:

((تصافحوا یذهب الغل، وتهادوا تحابوا وتذهب الشحناء))۔ آپس میں مصافحہ کیا کرو یہ کینہ دور کردیتا ہے۔ اور آپس میں ہدیہ دیا کرو آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بغض و کینہ ختم ہوجاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

دائمی اور مستقل مؤمن رفیق اور ساتھی کے حقوق سے وقتی اور تھوڑی سی دیر کے ساتھی کے حقوق بھی متفرع ہوتے ہیں، وقتی ساتھی سے مراد وہ شخص ہے جو آپ کے ساتھ کسی سفر میں یا رفیقِ درس یا ملازمت کا ساتھی ہو قرآنِ کریم نے مندرجہ ذیل الفاظ سے اسے تعبیر کیا ہے:

((وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ))۔ النساء۔۳۶ اور پاس بیٹھنے والے۔

ایسے رفیق کے ساتھ بھی ہر اس شخص کو جو اس کا پڑوسی ہو شفقت و محبت، اکرام، تعاون، ایثار، نرمی اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیئے، ہمارے لیے حقیقی مقتدیٰ اور کامل نمونۂ اقتدا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر و حضر، جنگ و آشتی و امن، اور اقامت اور کوچ ہر حال میں بہترین سلوک و نرم مزاجی سے پیش آنے کا بہترین نمونہ اپنے امت کے لیے چھوڑا ہے۔

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے ایک صحابی بھی تھے، دونوں اپنی اپنی سواریوں پر سوار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھنے درختوں والی جگہ پہنچے تو آپ نے دو ٹہنیاں توڑیں جن میں سے ایک ٹیڑھی سی تھی تو آپ نے ان دونوں میں جو سیدھی اور اچھی تھی وہ اپنے ساتھی کو دے دی، ان صاحب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ اسکے مجھ سے زیادہ حق دار تھے! تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے فلاں ہرگز نہیں، یہ بات نہیں ہے اس لیے کہ ہر وہ شخص جو کسی کے ساتھ رفیق بنتا ہے اس سے اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا جائے گا چاہے وہ ایک گھڑی کی رفاقت کیوں نہ ہو۔

ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: ایک مروت سفر کی ہوتی ہے اور ایک مروت اقامت و حضر کی، سفر میں مروت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان زادِ راہ کو خرچ کرے اور ساتھیوں سے اختلاف نہ کرے، اور کثرت سے دل لگی کرے، لیکن ایسا

مذاق نہ ہو جو اللہ کی ناراضگی کا موجب ہو" اور اقامت و حضر میں مروت یہ ہے کہ مسجد مستقل آیا جایا کرے، اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرے، اور اللہ کے واسطے بہت سے دوست بنائے۔

بعض بنو اسد والوں کی جانب یہ اشعار منسوب ہیں:

إذا ما رفيقي لم يكن خلف ناقتي	له مركب فضلاً فلا حملت رجلي
اگر میرے ساتھی کے لیے میری اونٹنی پر سواری	کی فاضل جگہ نہ ہو تو وہ اونٹنی مجھے بھی نہ اٹھائے
ولم يك من زادي له شطر مزودي	فلا كنت ذا زاد ولا كنت ذا فضل
اور اگر میرے توشہ میں سے ایک حصہ کے برابر اسکا حصہ نہ ہو	تو میں نہ توشہ والا ہوں اور نہ احسان کرنے کے قابل رہوں
شريكان فيما نحن فيه وقد أرى	عليّ له فضلاً بما نال من فضلي
ہمارے پاس جو کچھ ہے اسمیں ہم دونوں ایک دوسرے کے شریک ہیں	اور میرے زائد حصہ میں سے جو وہ لیتا ہے اسے میں اسکا اپنے اوپر احسان سمجھتا ہوں

حضراتِ مربیین ساتھی کے حق اور دوست کا احترام کرنے کے سلسلہ میں یہ وہ اہم بنیادی اصول اور قواعد وضوابط ہیں جن کا بچوں کو آنکھ کھولنے سے ہی سکھانا اور ان کا عادی بنانا چاہیئے، اور بچے میں معاشرتی شعور پیدا کرنے اور اللہ کے لیے محبت کرنے کی عادت ڈالنے کے سلسلہ میں یہ سب سے بڑے عوامل واسباب ہیں، یہ جذبہ جب محبت واخلاص، وفاء و ایثار اور تعاون وخیرخواہی کی بنیادوں پر قائم ہو تو اس سے مسلم معاشرے میں اتحاد اور سلامتی اور استقرار وامن کی بنیادیں راسخ ومستحکم ہوں گی اور عدل وانصاف اور مساوات وبھائی چارگی کی فضاء اطرافِ عالم اور تمام سرزمین میں پھیل جائے گی، کیوں؟ اس لیے کہ مسلمان نے اسلام کا زندہ نمونہ اپنے اخلاق وعادات چال چلن اور معاملہ وبرتاؤ کے ذریعہ ہر ذی بصیرت کے سامنے پیش کر دیا ہوگا۔

ہمارا اسلامی معاشرہ ایسے فاضل تربیت کرنے والوں اور باوصف والدین کا کس قدر محتاج ہے جو اچھی تربیت اور شاندار اخلاق کے ذریعہ شروع ہی سے بچے میں یہ بنیادی چیزیں پیدا کر دیں تاکہ بچہ اچھی عادات میں نشوونما پائے اور اعلیٰ ترین اخلاق اور بے نفسی کی وصف کو لیکر بڑھے پلے۔

۶- بڑے کا حق

بڑے سے مراد ہر وہ شخص ہے جو آپ سے عمر میں بڑا ہو، علم میں بڑا ہو، دین وتقویٰ میں بڑا ہو اور عزت وشرافت وقدر ومنزلت میں برتر ہو۔

یہ مذکورہ بالا حضرات اگر اپنے دین میں مخلص، اور اپنے رب کی شریعت کو مضبوطی سے تھامنے والے ہوں تو لوگوں پر یہ لازم ہوگا کہ ان کی قدر ومنزلت پہچانیں، اور ان کے حق کو ادا کریں، اور ان کے احترام کے فریضہ کو ادا کریں تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی اتباع وتعمیل ہو جائے جس نے معاشرہ کو ایسے افراد کے مرتبہ سے روشناس کرایا اور

لوگوں پر ان کے حق کو لازم کر دیا۔

بڑوں کے احترام کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار توجیہات وارشادات کا ایک معطر گلدستہ پیشِ خدمت ہے

امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((ما أکرم شاب شیخاً لسنه إلا قیض الله له من یکرمه عند سنه)).

کوئی بھی نوجوان شخص کسی عمر رسیدہ شخص کا احترام اس کی بڑی عمر کی وجہ سے نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسے افراد مقرر کر لیتا ہے۔ جو اس کا احترام اس وقت کریں گے جب وہ اس بڑی عمر کو پہنچ جائے۔

٭ ٭ ٭

اور ابوداؤد و ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویعرف حق کبیرنا)).

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کے حق کو نہ پہچانے،

اور ابوداؤد حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((إن من إجلال الله تعالیٰ إکرام ذی الشیبة المسلم، وحامل القرآن غیر الغالی فیه والجافی عنه، وإکرام ذی السلطان المقسط)).

اللہ کی عظمت و احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان عمر رسیدہ شخص کا اکرام کیا جائے اور اس قرآن کریم کے عامل و حافظ کا جو اس میں نہ غلو کرنے والا ہو نہ اس کو چھوڑنے والا اور عادل بادشاہ کا۔

اور ابوداؤد میمون بن ابی شبیب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سائل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرا تو انہوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا اسے دے دیا، اور ایک ذی وجاہت و صاحب حیثیت وخوش پوشاک شخص گزرا تو انہوں نے اسے بٹھایا اور جب وہ شخص کھانا کھا کر چلا گیا تو اس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا. تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((أنزلوا الناس منازلهم)).

لوگوں کو انکے مقام پر رکھا کرو۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ہر شخص کو اس کے مناسب درجہ دیا کریں (جیسا ہو اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں)۔

امام مسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أراني في المنام أتسوك بسواك، فجاءني رجلان أحدهما أكبر من الآخر، فناولت السواك الأصغر (منهما) فقيل لي: كبر، فدفعته إلى الأكبر منهما»۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک سے مسواک کر رہا ہوں، اسی اثنا میں میرے پاس دو صاحبان آئے جن میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا، تو میں نے مسواک ان دونوں میں سے چھوٹے کو دے دی، تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دیجیے، لہٰذا میں نے وہ مسواک ان دونوں میں جو بڑا تھا اس کے حوالے کر دی۔

✤ ✤ ✤

✤ ✤ ✤

احادیثِ مبارکہ کے اس مجموعہ سے ہم مندرجہ ذیل خلاصہ نکالتے ہیں:

الف ـ بڑے کو اس کی حسبِ شان مرتبہ دینا:

مثلاً یہ کہ معاملات میں اس سے مشورہ لیا جائے، مجلس میں اسے آگے بڑھایا جائے، ضیافت میں اس سے ابتدا کیجائے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس فرمانِ مبارک پر عمل ہو جس میں آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ لوگوں سے ان کے حسبِ مرتبہ سلوک کیا کرو، اس کی مزید تاکید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے سندِ صحیح سے شہاب بن عباد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے وفد عبدالقیس کے بعض حضرات سے یہ سنا کہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو حاضرینِ مجلس کی خوشی میں اضافہ ہو گیا، اور جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ان حضرات نے ہمارے لیے جگہ چھوڑ دی اور جب ہم بیٹھ گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خوش آمدید کہا اور ہمیں آگے بلا لیا پھر ہماری طرف غور سے دیکھ کر پوچھا: تمہارا سردار و سربراہ کون ہے؟ ہم سب نے منذر بن عائذ کی طرف اشارہ کیا، جب منذر آپ کے قریب ہوئے تو سب لوگوں نے ان کے لیے جگہ چھوڑ دی اور منذر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ گئے، تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان سے نرمی سے بات کی اور ان کے شہر و ملک کے بارے میں سوال کیا۔ الخ

محدثین کے یہاں یہ بات متفق علیہ اور طے شدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضیافت کی ابتداء رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے اور پھر ان حضرات سے جو آپ کی دائیں جانب ہوتے تھے اور یہی طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت بھی ہے۔

ب- تمام امور میں بڑے سے ابتدا کرنا:

مثلاً یہ کہ جماعت کی نماز اور لوگوں سے بات چیت کرنے اور معاملات کے وقت لینے دینے میں بڑے کو چھوٹے پر مقدم رکھا جائے، اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اصلاحِ صف) کے لیے ہمارے کاندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے:

«استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم ليلني منكم أولو الأحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم».

سیدھے ہوجاؤ اور آگے پیچھے نہ ہو کہ اس کی وجہ سے تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو، میرے قریب تم میں سے عقل و سمجھ والے ہونا چاہییں، اور پھر وہ لوگ جو ان سے قریب قریب ہوں اور پھر وہ لوگ جو اس معاملہ میں ان سے قریب ہوں۔

❊ ❊ ❊

اور امام بخاری و مسلم ابو یحییٰ انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود سرزمین خیبر گئے جہاں اس وقت صلح ہو چکی تھی یہ دونوں الگ الگ ہو گئے چنانچہ محیصہ عبداللہ کے پاس گئے جو خون میں لت پت پڑے تھے، پھر محیصہ مدینہ منورہ آئے، پھر عبدالرحمٰن بن سہل اور مسعود کے دونوں بیٹے محیصہ اور حویصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عبدالرحمٰن نے بات کرنا چاہی تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: بڑے کو بات کرنے کا موقعہ دو بڑے کو بات کرنے دو، عبدالرحمٰن ان سب سے چھوٹے تھے الخ۔

اور ابھی کچھ پہلے ہم مسواک والی حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ مسواک بڑے شخص کو دیں۔

ج- چھوٹے کو بڑے کی بے حرمتی کرنے سے ڈرانا:

مثلاً یہ کہ چھوٹا بڑے کا مذاق اڑائے یا اس پر ہنسے یا اس کو برا بھلا کہے، یا اس کی موجودگی میں بے ادبی سے پیش آئے، یا اس کو منہ در منہ ڈانٹے وغیرہ، اس لیے کہ طبرانی اپنی کتاب "معجم کبیر" میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«ثلاث لا يستخف بهم إلا منافق: الشيبة في الإسلام، وذو العلم،

تین آدمیوں کی توہین منافق ہی کر سکتا ہے: ایک وہ شخص جو حالتِ اسلام میں بڑھاپے کو پہنچا ہو، اور عالم،

وإمام مقسط)). — اور عادل امام و بادشاہ۔

بڑوں کے احترام کے سلسلہ میں وارد ان ارشادات سے بہت سے دینی معاشرتی آداب و احکام متفرع ہوتے ہیں جن کا تعلق احترام سے ہے، اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو ان آداب کا عادی بنائیں اور ان پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیں، اور وہ درج ذیل ہیں۔

الف - حیاء

یہ ایک ایسی عادت ہے جو انسان کو برائیوں کے چھوڑنے پر ابھارتی اور بڑوں کے حقوق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے، اور ہر حقدار کو اس کا حق دینے پر مجبور کرتی ہے، اسی لیے حیاء ہر طرح سے خیر ہی خیر ہے جیسا کہ بخاری و مسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حیاء کی فضیلت پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ اگر حیاء کسی انسانی روپ میں ہوتی تو نیک و صالح آدمی ہوتی اور اگر فحش و برائی انسانی شکل میں ہوتی تو بہت برا آدمی ہوتی۔

اور ابن ماجہ اور ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((ما كان الفحش في شيئ إلا شانه، وما كان الحياء في شيئ إلا زانه)).	فحش و بے حیائی کسی بھی چیز میں نہیں ہوتی مگر یہ کہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے، اور حیاء کسی بھی چیز میں نہیں ہوتی مگر یہ کہ اسے مزین و آراستہ بنا دیتی ہے۔

* * *

اور امام مالک اور ابن ماجہ حضرت زید بن طلحہ بن رکانہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن لكل دين خلقاً وخلق الإسلام الحياء)).	ہر دین کی ایک عادت مزاج اور طرۂ امتیاز ہوا کرتا ہے اور اسلام کا طرۂ امتیاز حیاء ہے۔

اور بخاری و مسلم نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں:

((... والحياء شعبة من الإيمان)).	... اور حیاء ایمان کا شعبہ ہے۔

حیاء کی منقبت و فضیلت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان توجیہات و ارشادات کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد کا اس عالی شان عادت و وصف سے متصف ہونا اور اپنے سے بڑوں اور عمر رسیدہ حضرات کے سامنے اس

وصف کے آثار کا ان پر ظاہر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ۔

امام بخاری و مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نو عمر تھا اور آپ کی احادیث یاد کرلیا کرتا تھا، لیکن بات کرنے سے اس لیے رک جاتا تھا کہ وہاں مجھ سے زیادہ عمر والے حضرات موجود ہوا کرتے تھے ۔

ب ۔ آنے والے کے استقبال کیلیے کھڑا ہونا:

آنے والے مثلاً مہمان یا مسافر یا عالم یا بڑے کے لیے کھڑا ہونا ایک نہایت شاندار معاشرتی ادب ہے ، جس کا بچوں کو حکم دینا چاہیے اور انہیں اس کا عادی بنانا چاہیئے ، جس کے ادلہ درج ذیل ہیں :

الف ۔ بخاری و ابوداؤد و ترمذی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نہیں پایا نہ عادات و اخلاق میں نہ چال چلن میں ، نہ طور طریقے اور اٹھنے بیٹھنے میں ، فرماتی ہیں جب حضرت فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہوجاتے انہیں چومتے اور پھر انہیں اپنی جگہ پر بٹھا لیتے تھے ، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس جاتے تھے تو وہ آپ کے لیے اپنی جگہ سے کھڑی ہوجاتی تھیں اور آپ کو چوم لیتی تھیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھالیا کرتی تھیں ۔

ب ۔ اور نسائی اور ابوداؤد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے گفتگو فرمایا کرتے تھے ، پھر جب آپ کھڑے ہوجاتے تھے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے تھے اور ہم اس وقت تک کھڑے رہتے تھے جب تک آپ اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے گھر داخل نہ ہوجائیں ۔

ج ۔ ابوداؤد عمر بن السائب سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تشریف فرما تھے کہ اسی اثناء میں آپ کے رضاعی (دودھ کے رشتہ والے) والد آگئے تو آپ نے ان کے لیے اپنا کپڑا بچھادیا اور ان کو اس پر بٹھایا ، پھر آپ کی رضاعی والدہ آئیں تو آپ نے اپنے کپڑے کا دوسرا حصہ ان کے لیے بچھادیا اور وہ اس پر بیٹھ گئیں ، پھر آپ کے دودھ شریک بھائی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھالیا ۔

د ۔ بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد کے قریب آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا : اپنے سردار کی جانب کھڑے ہوجاؤ یا یہ فرمایا کہ اپنے بڑے کے لیے کھڑے ہوجاؤ ۔

ہ ۔ وہ صحیح احادیث جن سے کھڑے ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے ان میں سے وہ حدیث بھی ہے جو بخاری و

مسلم نے ابن مالک سے روایت کی ہے جس میں وہ غزوۂ تبوک سے اپنے پیچھے رہ جانے کا قصہ بیان فرماتے ہیں. وہ کہتے ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی غرض سے گیا تو لوگ مجھ سے فوج در فوج ملے، اور میری توبہ قبول ہونے پر مجھے مبارک باد دینے لگے اور کہنے لگے: اللہ نے آپ کی توبہ قبول فرمالی آپ کو مبارک ہو، میں جب مسجدِ نبوی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے اردگرد لوگ بیٹھے ہیں. حضرت طلحہ بن عبید اللہ مجھے دیکھ کر تیزی سے میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔

ان احادیث اور ان جیسی دیگر احادیث سے علماء و مجتہدین نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مختلف مواقع اور مناسبتوں کے موقعہ پر اہل علم اور اربابِ فضل و کمال کیلئے کھڑا ہونا جائز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہونے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو روایات میں آتا ہے تو اس سے وہ شخص مراد ہے جو اپنی ذات کے لیے لوگوں کو کھڑا کرانا چاہتا ہو، اور اس کا خواہشمند اور دلدادہ ہو، نیز وہ اس قیام پر محمول ہے جس میں قیام کی کسی خاص ایسی صورت کو اختیار کیا جائے جس میں کبر و تعظیم کے معنی پائے جاتے ہوں، جیسے کہ بعض عجمی بعض کے لیے کیا کرتے تھے، مثلاً یہ کہ قابلِ احترام شخصیت اعزاز و اکرام کے ساتھ بیٹھی رہے اور اس کے اردگرد لوگ کھڑے ہوں،

ج- بڑے کے ہاتھ چومنا:

جن معاشرتی آداب کا بچوں کو عادی بنانا چاہیئے اور جن کے سکھانے کی مربیوں کو کوشش کرنا چاہیے اور بچوں کو اس کی عادت ڈالوانا چاہیے ان میں سے بڑے کے ہاتھ چومنا بھی ہے. اس لیے کہ اس معاشرتی ادب کے سکھانے سے بچے میں تواضع و احترام اور نرمی سے پیش آنے اور ہر شخص سے اس کی حسبِ حیثیت برتاؤ کرنے کی عادت ڈالنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

بڑوں کے ہاتھ چومنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور ائمہ کا اجتہاد دلالت کرتا ہے:

الف ۔ امام احمد و بخاری (اپنی کتاب "الادب المفرد" میں) اور ابوداؤد اور ابن الأعرابی حضرت زارع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں (جو وفدِ عبد القیس کے ساتھ تھے) کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جب مدینہ منورہ پہنچے تو جلدی جلدی اپنے کجاووں سے نکلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اور پاؤں مبارک کو چومنے لگے۔

ب ۔ امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم وہاں پہنچے تو ہمیں بتلایا گیا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، تو ہم نے آپ کے مبارک ہاتھ اور پاؤں چومنا شروع کر دیے۔

ج ۔ ابن عساکر ابو عمار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوار ہونے کے لیے ایک

جانور قریب کیا گیا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی پالان کو پکڑ لیا، تو حضرت زید نے فرمایا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی آپ ایک طرف ہو جائیے، تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اپنے بڑوں اور علماء کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت زید نے فرمایا: ذرا مجھے اپنا ہاتھ دیجیے، انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا تو حضرت زید نے ان کا ہاتھ چوم کر فرمایا: ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے ساتھ اس طرح کے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔

د - بخاری الادب المفرد میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں چومتے دیکھا ہے۔

ھ - حافظ ابو بکر المقری حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے اپنا وہ دستِ مبارک دیجیے جس سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ تو میں نے اسے چوم لیا۔

اہلِ علم وفضل کے ہاتھ چومنے کے سلسلہ میں منقول بے شمار روایات میں سے یہ چند روایتیں ہیں اس لیے تربیت کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو اس بہترین عادت اور شاندار طریقے کا عادی بنائیں۔ تاکہ وہ بڑوں کے احترام اور علماء کی عزت وعظمت اور دوسروں سے معاملہ کرنے میں تواضع وانکساری اور بے مثال وبلند اخلاق وعادات میں بڑھیں پلیں۔

البتہ تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچے کو بڑوں وغیرہ کے احترام کے لیے کھڑا ہونے اور ان کے ہاتھ چومنے کی عادت ڈالنے کے سلسلہ میں دو اہم امور کا ضرور خیال رکھیں:

۱۔ کہ وہ اس معاملہ میں ضرورت سے زیادہ غلو نہ کریں اور کھڑے ہونے اور ہاتھ چومنے میں متعارف دائرہ اور حد سے باہر نہ نکلیں اس لیے کہ غلو کرنے کی وجہ سے برائیوں سے چشم پوشی اور حق وراہِ راست سے دوری ہوتی ہے اور احترام کی حقیقت معکوس ہو جاتی ہے، اور بچے کی شخصیت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس حد سے آگے نہ بڑھیں جس کا اسلامی شریعت نے حکم دیا ہے مثلاً قیام و کھڑے ہونے کے دوران جھکنا یا چومتے وقت بہت زیادہ جھکنا اور رکوع کی سی کیفیت پیدا ہو جانا۔

دوسروں کے حقوق کی رعایت کے سلسلہ میں یہ وہ اہم امور اور اساسی بنیادیں ہیں جنہیں اسلام نے مقرر کیا ہے اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ بچوں کو ان کا عادی بنائیں، اور ان کی تلقین کریں۔ اور ان کی طرف رہنمائی کرتے رہیں۔ تاکہ بچے میں شروع ہی سے بڑے کے احترام اور عمر رسیدہ لوگوں کے اکرام کی عادت پیدا ہو، اور شروع ہی سے وہ اپنے سے بڑے کے حق کو سمجھے اور اپنے سے علم وفضل اور مرتبہ میں بڑے کے ادب کا عادی ہو۔

بلاشبہ مربی اگر لوگوں کے سامنے بچے کو دوسرے کے احترام کی عادت ڈلوانے اور با ادب رہنے، اور ان

کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں ان آداب و قواعد کو پیش کرے گا تو بچہ اصحابِ فضل و کمال کے احترام اور عمر رسیدہ لوگوں کے اکرام کی جانب پورے طور سے مائل ہوگا، اور واقعۃً یہ ادب کی انتہا اور احترام و اکرام کا منتہیٰ ہے اس لیے آج ہمیں ایسے کریم مربیوں اور فاضل معلموں کی سخت ضرورت ہے جو تربیت کے سلسلہ میں اسلام کے حقائق کو سمجھیں۔

اور پھر عزم و جزم اور پوری قوت سے معاشرے کے افراد کو یہ اخلاق سکھانے اور ان کو ان اچھائیوں کا عادی بنانے اور ان صفات کے ان میں پیدا کرنے کی پوری کوشش کریں۔

اگر یہ حضرات اس راستے پر چل پڑیں گے اور اس طریقے اور نظام کو نافذ کرنے کا عزمِ مصمم کرلیں گے تو امتِ اسلامیہ شاندار معاشرتی اخلاق اور بلند و بالا اسلامی آداب کی چوٹی تک پہنچ جائے گی، اور واقعی اس روز مومنوں کو نئی پود و با کمال معاشرے اور امن و استقرار و استحکام کو دیکھ کر خوشی ہوگی۔

ثالثاً: عمومی معاشرتی آداب کا پابند ہونا

بچے کی معاشرتی تربیت کے سلسلہ میں اسلام نے جن قواعد کو مقرر و متعین کیا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو شروع ہی سے عمومی معاشرتی آداب کا عادی بنایا جائے، اور اہم بنیادی تربیتی اصولوں کی اسے عادت ڈلوائی جائے، تاکہ بچہ جب گود سے نکلے اور بچپن کے ایام وسالوں کو پھلانگنے لگے اور اشیاء کی حقیقتوں سے واقف ہو تو دوسروں کے ساتھ اس کا برتاؤ اور معاملہ نہایت اچھا اور ہمدردانہ ہو اور معاشرہ میں اس کا کردار وطرزِ زندگی محبت و ملاطفت اور اخلاقِ عالیہ پر مشتمل ہو۔

بلاشبہ یہ اجتماعی ومعاشرتی آداب جن کی تفصیل میں اس بحث میں ذکر کروں گا ان کا پورا تعلق "نفسیاتی اصول کی تخم ریزی" کی اس بحث سے ہے جس کو ہم نے اس فصل کی ابتداء میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اس لیے کہ جب معاشرتی معاملات یا عمومی آداب پر عمل کا مدار ایمان وتقویٰ کے عقیدے اور اخوت ورحمت اور ایثار وحلم وبردباری کے بنیادی اصولوں پر ہوگا تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ بچے کی معاشرتی تربیت انتہائی بلندی اور قابلِ ذکر درجہ تک پہنچی ہوگی بلکہ بچہ اپنے چال چلن، عادات و اخلاق اور لوگوں سے معاملات وبرتاؤ میں کامل ومکمل شخصیت اور عقل مند وذکی شخص اور حکیم اور متوازن آدمی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اسلام نے بچے کی اخلاقی تربیت اور معاشرتی واجتماعی شخصیت سازی کے تربیتی اصول مقرر کرنے میں اسی چیز کا اہتمام کیا ہے۔

چونکہ ہم معاشرتی تربیت کی ہر بحث کے لیے ایسے واضح اور مفصل خطوط مرتب کرتے ہیں جو مربیوں کے لیے میدانِ عمل اور طریقۂ کار واضح اور راستہ روشن کردیں، اس لیے اس بحث کے بھی تفصیلی اہم خطوط ونقاط درجِ ذیل ہیں:

۱۔ کھانے پینے کے آداب۔
۲۔ سلام کے آداب۔
۳۔ اجازت طلب کرنے کے آداب۔

۴۔ مجلس کے آداب۔
۵۔ بات چیت کے آداب۔
۶۔ مزاح و مذاق کے آداب۔
۷۔ مبارک باد دینے کے آداب۔
۸۔ بیمار پرسی کے آداب۔
۹۔ تعزیت کے آداب۔
۱۰۔ چھینک اور جمائی کے آداب۔

اگر خدا نے چاہا تو ان معاشرتی آداب میں سے ہر ادب پر میں تفصیلی روشنی ڈالوں گا، تاکہ مربی بچوں میں ان کی تخم ریزی کی کوشش کریں، اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور وہی مددگار ہے:

(۱) کھانے پینے کے آداب

کھانے کے کچھ آداب ہیں جو مربی کو بچے کو سکھانا چاہیے، اور ان کی جانب اس کی رہنمائی کرنا چاہیئے، اور اس کو یہ دیکھتے رہنا چاہیے کہ بچہ ان پر کتنا عمل کر رہا ہے، وہ آداب مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق ہیں:

الف۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھوں کا دھونا:

اس لیے کہ ابوداؤد اور ترمذی حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده)).

کھانے میں برکت اس کے شروع کرنے سے قبل اور کھانے کے بعد وضوء کرنے میں ہے (یعنی ہاتھ دھونے میں ہے)۔

اور ابن ماجہ اور بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((من أحب أن يكثر الله خير بيته فليتوضأ إذا حضر غداؤه وإذا رفع)).

جو شخص یہ چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر کی برکت و خیر بڑھا دے تو اسے چاہیئے کہ جب اس کا کھانا آئے تو اس سے پہلے بھی ہاتھ دھوئے اور جب اسے اٹھایا جائے تب بھی ہاتھ دھوئے۔

⁂ ⁂ ⁂

ب - کھانے کے شروع میں بسم اللہ اور اخیر میں الحمد للہ پڑھنا

اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((إذا أكل أحدكم فليذكر اسم الله تعالى فإن نسي أن يذكر اسم الله تعالى في أوله فليقل : باسم الله أوله وآخره)).	جب تم میں سے کوئی شخص کھائے تو اللہ تعالیٰ کا نام لیکر (شروع کرے) اور اگر شروع میں اللہ تعالےٰ کا نام لینا بھول جائے تو یہ کہے: میں اس کے شروع اور اخیر میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاتا ہوں۔

اور امام احمد وغیرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تھے تو یہ فرماتے تھے:

((الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمين)).	تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا۔

ج - جو کھانا بھی سامنے آئے اس کی برائی نہ کرے:

اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی کھانے کی برائی نہیں کی، اگر آپ کو اچھا معلوم ہوتا تھا تو نوش فرمالیتے تھے، اور اگر مرغوب نہ ہوتا تو چھوڑ دیتے تھے

د - دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانا:

اس لیے کہ امام مسلم حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بچہ تھا، اور برتن میں میرا ہاتھ اِدھر اُدھر چلا جاتا تھا تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يا غلام سم الله، وكل بيمينك، وكل مما يليك)).	لڑکے اللہ کا نام لو، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے قریب سے کھاؤ۔

ہ - ٹیک لگا کر نہ کھانا:

اس لیے کہ ٹیک لگا کر کھانا صحت کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور اسمیں تکبر کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے. امام بخاری حضرت

ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا آکل متکئاً)). میں ٹیک لگاکر نہیں کھاتا۔

اور امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو زانو ایڑھیوں کے بل بیٹھ کر کھجوریں کھاتے دیکھا ہے۔

و۔ کھاتے وقت باتیں کرنا مستحب ہے:

اس لیے کہ امام مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے سالن مانگا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تو صرف سرکہ ہی ہے، آپ نے وہ منگوایا اور اس سے کھانے لگے اور فرمانے لگے کہ سرکہ تو بہترین سالن ہے، بہترین سالن سرکہ ہے، اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے صحیح حدیث میں یہ بھی مروی ہے کہ اکثر مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دستر خوان پر کھاتے ہوئے اپنے صحابہ سے باتیں کیا کرتے تھے۔

ز۔ کھانے سے فارغ ہو کر میزبان کے لیے دعا کرنا مستحب ہے:

اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو وہ روٹی اور زیتون کا تیل لائے[1] آپ نے وہ نوش فرمالیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أفطر عندكم الصائمون، وأكل طعامكم الأبرار، وصلت عليكم الملائكة)). تمہارے یہاں روزدار افطار کریں، اور تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں، اور فرشتے تمہارے لیے استغفار کریں۔

ح۔ اگر کوئی بڑا موجود ہو تو اس سے قبل کھانا شروع نہ کرنا:

اس لیے کہ امام مسلم اپنی "صحیح" میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو اس وقت تک برتن میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دستِ مبارک برتن میں نہ ڈالیں۔

---

[1] مسندِ احمد و طبرانی میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ منقے لائے یہی درست ہے۔ حافظ کہتے ہیں کہ زبیب کا لفظ غلطی سے زیت بن گیا ہے۔

ط۔ نعمت کی بے وقعتی اور توہین نہ کرنا:

اس لیے کہ امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی کھانے کی چیز نوش فرماتے تھے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے، اور آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو اسے چاہیے کہ اسے اٹھالے، اور اگر اس پر کچھ لگ گیا ہو تو اسے دور کردے اور کھالے، اور اس کو شیطان کے لیے پڑا نہ رہنے دے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم پیالے کو انگلی سے چاٹ لیں، اور یہ فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔

پینے کے آداب درج ذیل ہیں:

الف۔ بسم اللہ پڑھ کر پینا، اخیر میں الحمد للہ پڑھنا، اور تین سانس میں پینا:

اس لیے کہ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

((لا تشربوا واحدًا كشرب البعير، ولكن اشربوا مثنى وثلاث، وسموا إذا أنتم شربتم، واحمدوا إذا أنتم رفعتم))

اونٹ کی طرح ایک سانس میں مت پیو، بلکہ دو یا تین مرتبہ میں پیو، اور جب پیو تو اللہ کا نام لے کر پیو اور جب پی چکو تو اللہ کی تعریف بیان کیا کرو۔

ب۔ مشکیزہ کے منہ سے منہ لگا کر پینا مکروہ ہے:

اس لیے کہ امام بخاری و امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مشک یا مشکیزے کے منہ سے منہ سے لگا کر پیا جائے، اس لئے کہ یہ انداز عمومی مذاق و مزاج اور معاشرہ کے ذوق کے منافی بھی ہے، اور یہ ڈر بھی ہے کہ پانی میں کوئی ایسی چیز پڑی ہو جو صحت کے لیے مضر ہو اور اس طرح پینے میں اس کا علم نہ ہو سکے۔

ج۔ پانی وغیرہ کو پھونک کر پینے کی ممانعت:

اس لیے کہ امام ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں منہ لگے ہونے کی حالت میں سانس لینے اور پانی میں پھونک کر پینے سے منع فرمایا ہے، پانی پیتے پیتے برتن منہ میں لگے لگے سانس لینے اور پانی میں پھونکنے کے طبی نقصانات اور اس حرکت کا معاشرتی اخلاق کے منافی ہونا کوئی

ڈھکی چھپی بات نہیں۔

د۔ بیٹھ کر کھانا پینا مستحب ہے

اس لیے کہ امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پیے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس سے پوچھا کہ کھڑے ہو کر کھانے کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ تو اور بھی برا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی نہ پیے اور جو شخص بھول جائے ((اور کھڑے ہو کر پی لے)) تو اسے چاہیے کہ قے کرلے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو آتا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیا تو یہ محض بیانِ جواز کے لیے تھا مثلاً یہ کہ پانی پینے والا کسی ایسے مقام پر ہو جہاں کھڑے ہو کر پینا بیٹھ کر پینے سے زیادہ افضل ہو مثلاً حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آبِ زمزم اس بنیاد پر کھڑے ہو کر پینا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر)). — اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتے ہیں اور تمہارے لیے تنگی اور عسر نہیں چاہتے۔

ﮦ۔ سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پینے کی ممانعت:

اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الذی یشرب فی آنیۃ الفضۃ فإنما یجرجر فی بطنہ نار جہنم)). — جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔

اور مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ:

((من شرب فی إناء من ذھب أو فضۃ فإنما یجرجر فی بطنہ ناراً من جہنم)). — جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں پیتا ہے تو وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ دہکاتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کے برتن استعمال کرنے سے تکبر اور بڑائی پیدا ہوتی ہے اور غریبوں کی کرامت مجروح ہوتی ہے۔

۹- پیٹ کو کھانے اور پینے سے خوب بھرنے کی ممانعت

اس لیئے کہ امام احمد وترمذی وغیرہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما ملأ آدمی وعاء شرًا من بطنه، بحسب ابن آدم لقيمات يقمن صلبه، فإن كان لا بد فاعلاً فثلث لطعامه، وثلث لشرابه، وثلث لنفسه)).

کسی آدمی نے اپنے پیٹ سے بدتر کسی برتن کو نہیں بھرا، ابن آدم کے لیے وہ چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا کر دیں، لیکن اگر تم اور زیادہ کھانا چاہتے ہو تو ایک حصے کو کھانے کے لیے کر دو، اور ایک حصے کو پانی کے لیے، اور ایک حصہ کو سانس لینے کے لیے۔

⁂ ⁂ ⁂

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ خود بھی ان آداب کے پابند بنیں اور اپنی اولاد کو بھی ان کی تعلیم دیں تاکہ معاشرتی زندگی میں وہ ان کے عادی بنیں اور لوگوں کے ساتھ معاملات اور رہن سہن میں ان کو اپنائیں۔

(۲) سلام کے آداب

سلام کرنے کے کچھ آداب ہیں، تربیت کرنے والوں کو یہ آداب بچے میں راسخ کرنا چاہیے اور اس کو اسکا عادی بنانا چاہیے، اور وہ آداب حسب ترتیب ذیل ہیں:

الف۔ بچے کو یہ سکھایا جائے کہ شریعت نے سلام کرنے کا حکم دیا ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سلام کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

((يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا)).

النور - ۲۷

اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔

نیز فرمایا:

((فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً)).

النور - ۶۱

پھر جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو (جو) دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے بابرکت (اور) عمدہ (چیز)۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو آداب تعلیم دیے ہیں ان میں آپ نے بھی حکم دیا ہے چنانچہ امام بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سوال کیا کہ اسلام میں کیا چیز زیادہ بہتر ہے: تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((تطعم الطعام ، وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف)).

کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اس کو بھی جس کو تم جانتے ہو اور اس کو بھی جس کو تم نہیں پہچانتے۔

اور امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ، ولا تؤمنوا حتى تحابوا ، أولا أدلكم على شئ إذا فعلتموه تحاببتم ؛ أفشوا السلام بينكم)).

تم جنت میں اس وقت تک داخل نہ ہوگے جب تک مؤمن نہ بن جاؤ اور مؤمن اس وقت تک نہ بنوگے جب تک آپس میں محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتلادوں کہ جب تم وہ کرلو تو آپس میں محبت کرنے لگوگے ؛ آپس میں سلام کو پھیلاؤ (سلام کرنے کا رواج ڈالو)۔

⁂ ⁂ ⁂

ب ۔ سلام کرنے کا طریقہ سکھانا:

جس کا طریقہ یہ ہے کہ سلام کرنے والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے، اور جواب دینے والا جمع کے صیغے کے ساتھ: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے، چاہے سلام کرنے والا اکیلا تنہا کیوں نہ ہو تب بھی جواب میں جمع کا صیغہ وعلیکم السلام الخ ہی استعمال کرنا چاہیئے۔

سلام کرنے کا یہ طریقہ صحیح احادیث سے ثابت ہے چنانچہ ابوداؤد و ترمذی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: السلام علیکم، آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور وہ صاحب بیٹھ گئے تو ـــــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دس (نیکیاں) مل گئیں۔ پھر ایک اور صاحب آئے اور انہوں نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا، آپ نے ان کو سلام کا جواب دیا اور وہ بھی بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیس (نیکیاں) مل گئیں، پھر ایک اور صاحب آئے اور انہوں نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا تو آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور وہ بھی بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تیس (نیکیاں) مل گئیں۔

اور امام بخاری و امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام آپ کو سلام کہہ رہے ہیں، تو میں نے عرض کیا: وعلیہ السلام

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ج۔ بچے کو سلام کے آداب سکھائے جائیں

اور وہ یہ ہیں کہ سوار پیدل چلنے والے کو، اور چلنے والا بیٹھنے والے کو، اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں، اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے، اس لیے کہ امام بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((یسلم الراکب علی الماشی، والماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر)).

سوار پیادہ پا کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے،

د۔ بچے کو اس طرح سے سلام کرنے سے روکنا جس میں دوسروں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے:

اس لیے کہ امام ترمذی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لیس منا من تشبہ بغیرنا، لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصاریٰ، فإن تسلیم الیہود الإشارۃ بالأصابع، وتسلیم النصاریٰ الإشارۃ بالأکف)).

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو دوسروں کی مشابہت اختیار کرے، نہ یہود کے ساتھ مشابہت اختیار کرو اور نہ عیسائیوں کے ساتھ، اس لیے کہ یہود کے سلام کا طریقہ انگلیوں سے اشارہ ہے، اور عیسائیوں کا سلام ہاتھ سے اشارہ کرنا ہے۔

اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ امتِ اسلامیہ کی خصوصیات کو دوسری اور قوموں اور امتوں سے ممتاز والگ تھلگ رکھا جائے، معاشرتی آداب میں بھی اور اخلاق اور چال چلن کی خصوصیات اور امتیازی اوصاف میں بھی۔

ھ۔ مربی کو چاہیے کہ وہ بچوں کو سلام کرنے میں خود پہل کرے:

تاکہ بچے اس سے یہ عادت سیکھیں اور اس کے عادی ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ مربی اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بھی ہوجائے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بچوں کے پاس سے گزرتے تھے تو انہیں سلام کیا کرتے تھے چنانچہ امام بخاری ومسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے بچوں

کو سلام کیا اور فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام بھی اسی طرح کیا کرتے تھے مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام کیا، اور ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند بچوں کے پاس سے گزرے جو کھیل میں مصروف تھے تو آپ نے انہیں سلام کیا۔ اور ابن السنی کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا: اے بچو السلام علیکم

و- بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ وہ غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں لفظ: وعلیکم کہا کریں:

اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اہلِ کتاب تمہیں سلام کیا کریں تو تم: وعلیکم کہہ دیا کرو، اسی طرح یہ بھی سکھانا چاہیے کہ کافروں کو سلام کرنے میں پہل نہ کریں، اس لیے کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔

ز- بچے کو یہ سکھایا جائے کہ سلام کرنے میں پہل کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے

اس لیے کہ ابن السنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((من أجاب السلام فهو له، ومن لم يجب فليس منا)).	جس نے سلام کا جواب دیا تو یہ اس کے لیے باعثِ اجر ہے، اور جس نے جواب نہیں دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔

اور امام ترمذی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول دو آدمی ایک دوسرے سے ملتے ہیں کون پہلے سلام کرے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ جس کا اللہ سے تعلق زیادہ ہو، اور ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے کہ اس شخص کو اللہ سے زیادہ قرب حاصل ہوگا جو سلام میں پہل کرنے والا ہو۔

مربی کو چاہیئے کہ بچے کو یہ بھی سکھائے کہ بعض مخصوص حالات میں سلام کرنا مکروہ و ممنوع بھی ہے، اور وہ یہ ہیں: وضو کرنے والے کو سلام کرنا، غسلخانے میں جو شخص ہو اس کو سلام کرنا، کھانا کھانے والے، لڑنے والے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے، اللہ کا ذکر کرنے والے، حج میں تلبیہ پڑھنے والے، اور جمعہ وغیرہ میں خطبہ دینے اور تقریر کرنے والے، اور مسجد وغیرہ میں وعظ و نصیحت کرنے والے، فقہ پڑھانے والے، یا درس و تدریس میں مشغول شخص یا کسی علمی تحقیق میں مصروف آدمی، یا مؤذن یا اقامت کہنے والے، یا قضاءِ حاجت میں مشغول شخص کو، یا فیصلہ میں مشغول قاضی و جج کو، یا اس طرح اور کسی اس جیسے کام میں مشغول آدمی کو سلام نہیں کرنا چاہیے، اور اگر کسی شخص نے کسی ایسی حالت میں سلام کیا جس میں

سلام کرنا مستحب نہیں ہے تو ایسی صورت میں سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دینا لازم نہیں ہوتا۔

لہٰذا مربیوں کو چاہیے کہ سلام کے آداب کی پابندی کریں اور اپنے بچوں کو یہ آداب سکھائیں تاکہ وہ بھی معاشرتی زندگی اور لوگوں سے معاملات میں اس کے عادی بنیں۔

(۳) اجازت مانگنے کے آداب

اجازت طلب کرنے کے بھی کچھ آداب ہیں، ان آداب کو بچوں میں راسخ کرنا اور وہ بچوں کو سکھانا مربی کا فریضہ ہے، تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے درج ذیل فرمانِ مبارک کی تعمیل ہو:

((يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ)) النور- ۵۸ و ۵۹

اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے) حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے (ایک) نمازِ صبح سے پہلے (دوسرے) جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو، اور (تیسرے) بعد نمازِ عشاء، (یہ) تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں۔ ان (اوقات) کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اسی طرح اللہ تم سے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑے حکمت والا ہے، اور جب تم میں سے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں۔

اس قرآنی نص میں اللہ تعالیٰ مربیوں کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ وہ اپنے ان بچوں کو جو ابھی تک سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں یہ تعلیم دیں کہ وہ تین حالات واوقات میں گھر میں جانے کے لیے اجازت مانگا کریں:

۱۔ فجر سے پہلے اس لیے کہ اس وقت لوگ لبستروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

۲۔ دوپہر کے وقت جو کہ قیلولہ کا وقت ہوتا ہے، اور اس وقت بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی بیوی کے ساتھ ہوتا ہے اور کپڑے اتارے ہوئے ہوتا ہے۔

۳۔ نمازِ عشاء کے بعد اس لیے کہ یہ آرام اور سونے کا وقت ہوتا ہے۔

ان تین اوقات میں اجازت طلب کر کے جانے کو اس لیے مشروع قرار دیا گیا ہے کہ ان میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ انسان خود یا عورت کسی ایسی حالت میں ہو جس پر وہ یہ پسند نہ کرتے ہوں کہ ان کے چھوٹے بچے مطلع ہوں۔

لیکن جب بچے سنِ بلوغ کو پہنچ جائیں اور سمجھدار ہو جائیں تو ان کو چاہیے کہ وہ ان اوقات میں بھی اجازت طلب کر کے اندر جائیں اور ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی، تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے درجِ ذیل فرمانِ مبارک کی تعمیل ہو جائے:

«وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ». النور - ۵۹

اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیئے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں۔

قرآنِ کریم کی ان رہنمائیوں سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اسلام بچوں کی معاشرتی تربیت اور کردار و اخلاق سازی کا بہت اہتمام کرتا ہے تاکہ بچہ جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو وہ آداب و اخلاق و تصرفات اور اپنی تمام زندگی میں ایک کامل انسان کا زندہ نمونہ ہو۔

اجازت طلب کرنے کے اور بھی مختلف آداب ہیں جو ترتیب سے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

الف - پہلے سلام کرے پھر اجازت طلب کرے

اس لیے کہ ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ بنو عامر کے ایک صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، آپ گھر میں تھے، ان صاحب نے عرض کیا: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے ارشاد فرمایا: ان صاحب کے پاس جا کر ان کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ اور ان سے کہو کہ وہ یوں کہیں: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ ان صاحب نے یہ بات سُن لی اور فوراً عرض کیا: السلام علیکم، کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو داخل ہونے کی اجازت دے دی اور وہ اندر آ گئے۔

ب - اجازت طلب کرتے وقت اپنا نام یا کُنیت یا لقب ذکر کرنا چاہیئے:

اس لیے کہ بخاری و مسلم میں اسراء سے متعلق مشہور حدیث میں یہ آتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے آسمانِ دنیا کی طرف لے گئے، اور وہاں جانے کی اجازت طلب کی، تو ان سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: جبرئیل، پوچھا: آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ انہوں نے کہا: محمد، پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے اور پھر تیسرے پر، اور ہر آسمان کے دروازے پر یہی سوال ہوتا —— کون ہے؟

وہ کہتے : جبرئیل۔

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ کے کنویں پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر تشریف لائے اور اجازت طلب کی، تو حضرت ابوموسیٰ نے پوچھا کون صاحب ہیں ؟ انہوں نے فرمایا : ابوبکر، پھر حضرت عمر تشریف لائے اور اجازت مانگی، تو انہوں نے پوچھا کون ہے ؟ انہوں نے فرمایا : عمر، پھر حضرت عثمان تشریف لائے اور انہوں نے بھی اسی طرح کیا۔

اور بخاری ومسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا، تو آپ نے فرمایا : کون ہے ؟ میں نے عرض کیا : میں ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں ہوں میں ہوں کیا ہوتا ہے ؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ مجمل کلمہ آپ کو ناپسند ہوا۔

ج۔ تین مرتبہ اجازت طلب کرنا چاہیئے :

اس لیے کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اجازت تین مرتبہ طلب کرنا چاہیئے پھر اگر اجازت مل جائے تو فبہا ورنہ واپس ہوجاؤ۔

بہتر یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اجازت طلب کرنے اور دوسری مرتبہ کے اجازت طلب کرنے کے درمیان میں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے جس میں انسان چار رکعات پڑھ لے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ جس سے اجازت طلب کی جاری ہے وہ نماز پڑھ رہا ہو یا قضاء حاجت کے لیے گیا ہوا ہو۔

د۔ بہت زور سے دروازہ نہیں کھٹکھٹانا چاہیئے :

خاص طور پر اس وقت جب اس مکان کا مالک اس کا والد ہو یا استاذ ہو یا اور کوئی بزرگ ہو۔ امام بخاری اپنی کتاب "الأدب المفرد" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کو انگلیوں سے کھٹکھٹایا جاتا تھا، اور سلفِ صالحین اپنے بزرگوں کے دروازوں کو ناخن سے کھٹکھٹایا کرتے تھے، جس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے باادب تھے اور دوسروں کا کس قدر احترام کیا کرتے تھے، یہ طریقہ اس شخص کے لیے تو بہت اچھا ہے جس کی نشست دروازے کے قریب ہی ہو۔ لیکن جس کا کمرہ وغیرہ دروازے سے دور واقع ہو تو اس کا دروازہ اتنی زور سے کھٹکھٹانا چاہیئے جس سے مقصود حاصل ہوجائے، اور گھر والا اس کی آواز کو سن لے، اور اگر دروازے پر آج کل کیطرح گھنٹی لگی ہو تو اسے آرام سے آہستہ سے بجانا چاہیئے، تاکہ اندر والوں کو بجانے والے کی نرم مزاجی، عمدہ اخلاق اور حسنِ معاملہ کا اندازہ ہوجائے۔

۸۔ اجازت طلب کرتے وقت دروازے سے ایک طرف کو ہٹ جانا چاہیے:

تاکہ دروازہ کھولنے کے وقت کسی اجنبی عورت کی بے پردگی نہ ہو، اس لیے کہ اجازت طلب کرنے کا حکم ہی اس لیے دیا گیا ہے تاکہ نامحرم پر نگاہ نہ پڑھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اسی کی تاکید کی تھی، چنانچہ امام بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اجازت طلب کرنے کو اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ نگاہ نہ پڑے۔

اور طبرانی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ گھروں کے دروازے کے بالکل سامنے مت کھڑے ہوا کرو، بلکہ ایک طرف کھڑے ہوکر اجازت طلب کیا کرو، پھر اگر تمہیں اجازت مل جائے تو اندر داخل ہوجاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ۔ اور ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر تشریف لیجاتے تو بالکل دروازے کے سامنے ہرگز کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ اس کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوکر فرماتے: السلام علیکم، السلام علیکم۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی کے گھر میں جھانک کر دیکھا تو اس گھر والوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالیں، اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی کے گھر میں جھانک کر دیکھا اور انہوں نے اس کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو ان پر نہ کوئی دیت ہے اور نہ ان سے قصاص لیا جائے گا۔

۹۔ اگر گھر والا یہ کہہ دے کہ تشریف لیجائیے تو واپس لوٹ جانا چاہیئے:

اس لیے کہ اللہ تبارک تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

((يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ)) النور۔ ۲۷ و ۲۸

اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، تمہارے حق میں یہی بہتر ہے، تاکہ تم خیال رکھو، پھر اگر ان میں تمہیں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو بھی ان میں داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے، اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو وہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر ہے۔

✽ ✽ ✽

اجازت طلب کرنے والے کو چاہیے کہ واپس لوٹنے میں کسی قسم کی تنگ دلی اور بوجھ محسوس نہ کرے اس لیے کہ ایسی صورت میں وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم پر عمل کر رہا ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بعض مہاجرین فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ساری زندگی اس آیت کے مضمون پر عمل کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا موقعہ ہی نہ ملا، میں چاہتا تھا کہ میں کسی کے در پر جاؤں اور اجازت طلب کروں اور وہ کہہ دے کہ واپس چلے جائیے، اور میں خوشی خوشی واپس لوٹ آؤں۔

اجازت طلب کرنے کے آداب کے سلسلہ میں یہ وہ اہم قواعد وضوابط ہیں جو اسلام نے مقرر کیے ہیں، اس لیے مربیوں کو ان کی پابندی کرنا چاہیئے، اور یہ آداب بچوں کو سکھانا چاہیے تاکہ عملی زندگی میں وہ اس کے عادی بنیں اور اسی کے مطابق لوگوں سے معاملہ کریں۔

(۴) آدابِ مجلس

مجلس کے بھی کچھ آداب ہیں جو بچوں کو سکھانا چاہیئے، اور مربی کو چاہیئے کہ ان آداب کی طرف بچوں کی رہنمائی کرے، اور وہ جب ان پر عمل کر رہے ہوں تو ان پر نظر رکھے، اور وہ آداب ترتیبِ ذیل کے مطابق ہیں:

الف ۔ مجلس میں جس سے ملے اس سے مصافحہ کرے:

اس لیے کہ ابن السنی اور ابوداؤد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمادیتا ہے۔

اور ترمذی وابن ماجہ وغیرہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی دو مسلمان ایسے نہیں ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے ملیں اور مصافحہ کریں مگر یہ کہ ان کے جدا ہونے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت کر دیتا ہے۔

اور امام مالک اپنی "موطأ" میں حضرت عطاء خراسانی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں مصافحہ کیا کرو، اس سے حقد وحسد دور ہوجاتا ہے، اور ہدیہ دیا کرو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور عداوت ختم ہوجاتی ہے۔

ب۔ صاحبِ مکان جس جگہ بٹھائے اسی جگہ بیٹھ جانا چاہیئے:

اس لیے کہ صاحبِ مکان ہی اپنے مہمان کو بٹھانے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔ اور اسی کو یہ حق بھی ہے کہ جہاں چاہے وہاں بٹھائے، اور یہ مثل شروع ہی سے مشہور ہے کہ اہلِ مکہ مکہ کی گھاٹیوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اور آج کل یہ مثل مشہور ہے کہ گھر والا گھر میں موجودہ چیزوں سے بخوبی واقف ہوتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے درجِ ذیل فرمانِ مبارک کے موافق ہے۔

((فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَـكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ قِيۡلَ لَـكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا‌ هُوَ اَزۡكٰى لَـكُمۡ‌))۔

النور۔ ۲۸

پھر اگر ان میں تمہیں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو بھی ان میں داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے، اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر ہے۔

مندرجہ بالا آیت کے فیصلہ کے مطابق مہمان ہر چیز میں اپنے میزبان کے اشارہ کا تابع ہے حتیٰ کہ اگر وہ اس سے واپس جانے کو کہہ دے تو وہ اس میں بھی اس کی بات مان لے۔ اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک سے بھی جوڑ کھاتی ہے کہ: جو شخص کسی کے گھر جائے تو اسے چاہیے کہ اس جگہ پر بیٹھے جہاں گھر والے بیٹھنے کا اشارہ کریں، اس لیے کہ گھر والے اپنے گھر کے راز کو بخوبی جانتے ہیں (ملاحظہ ہو مجمع الزوائد)۔

ج۔ لوگوں کے ساتھ صف میں بیٹھے درمیان میں جا کر نہ بیٹھے:

یہ ایک معاشرتی ادب ہے اس لیے کہ اگر درمیان میں جا کر بیٹھے گا تو بعض دوسرے لوگوں کی طرف پیٹھ ہو جائے گی، جس سے دوسروں کو ایذا رسانی ہوگی اور وہ اسے برا بھلا کہیں گے۔

ابوداؤد بسندِ حسن سے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلقہ کے درمیان میں بیٹھنے والے پر لعنت بھیجی ہے، اور ترمذی ابومجلز سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب حلقہ کے بیچ میں بیٹھ گئے، تو حضرت حذیفہ نے ان سے فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایسا شخص ملعون ہے جو حلقہ کے درمیان میں بیٹھے،

یہ حکم اس وقت ہے جب مجلس میں جگہ ہو، لیکن اگر مجلس تنگ ہو اور اس کی وجہ سے کچھ لوگ حلقہ کے درمیان میں بیٹھنے پر مجبور ہو جائیں تو ایسی صورت میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کچھ حرج، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ))۔

حج۔ ۷۸

اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔

د۔ دو شخصوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے:

اس لیے کہ ترمذی و ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان بیٹھ کر تفریق کا سبب بنے مگر یہ کہ وہ خود بیٹھنے کی اجازت دے دیں، ایک روایت میں ہے کہ کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔

ھ۔ آنے والے کو چاہیئے کہ اسی جگہ بیٹھ جائے جہاں مجلس ختم ہو رہی ہو:

اس لیے کہ ابوداؤد اور ترمذی حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس جگہ بیٹھ جاتے تھے جہاں جگہ ہوتی تھی۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ آنے والا شخص عام آدمی ہو۔ لیکن اگر آنے والا عالم یا ذی وجاہت ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حاضرین یا گھر والا اس کو مناسب جگہ پر بٹھائے، اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی جگہ دو (یعنی جو جس حیثیت کا مالک ہو اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو) اور اس سے قبل (''بڑے کا حق'' کے عنوان کے تحت) ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ جب عبد القیس کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کس طرح انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے لیے جگہ کشادہ کی، اور ان کے سربراہ مُنذِر بن عائذ کو اپنے قریب بلایا اور ان کو خوش آمدید کہہ کر پیار سے اپنی دائیں جانب بٹھایا۔

و۔ مجلس میں اگر کوئی تیسرا فرد موجود ہو تو دو آدمیوں کو آپس میں سرگوشی نہیں کرنا چاہیے:

اس لیے کہ بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إذا كنتم ثلاثة فلا يتناجى اثنان دون الثالث من أجل أن ذلك يحزنه)).

جب تم تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو آپس میں سرگوشی نہیں کرنی چاہیے تاکہ اس سے اس کو تکلیف نہ ہو۔

٭ ٭ ٭ ٭

اس سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے وہ تیسرا شخص مختلف قسم کی بدگمانیوں میں گرفتار ہو جائے گا اور اپنی جانب اہتمام و پرواہ نہ ہونے کی وجہ سے غمگین ہو جائے گا۔ لیکن یہ کہ اگر ان دو کے علاوہ دو یا اس سے زیادہ اور افراد موجود ہوں تو پھر اگر

دو آدمی آپس میں سرگوشی کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس طرح سرگوشی کی جائے جس سے کسی کے دل میں بدگمانی پیدا نہ ہو۔

ز۔ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے مجلس سے اُٹھ کر چلا جائے اور پھر مجلس میں واپس آجائے تو اپنی جگہ کا وہی زیادہ حقدار ہے کسی اور کو وہاں نہیں بیٹھنا چاہیئے:

اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إذا قام أحدكم من مجلس ثم رجع إليه فهو أحق به».

جب تم میں سے کوئی شخص مجلس سے چلا جائے اور پھر دوبارہ واپس آئے تو وہ اس (سابقہ) جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔

ح۔ مجلس سے جاتے وقت اجازت طلب کرنا چاہیئے:

اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ: اجازت طلب کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ (نامحرم پر) نگاہ نہ پڑے (ملاحظہ ہو بخاری ومسلم) اور ______ داخل ہونے اور واپس جانے دونوں کے لیے، گھروں اور نامحرم عورتوں پر نگاہ پڑنے سے بچانے اور عزت وآبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں اسلام نے جو بہت زیادہ اہتمام کیا ہے یہ اجازت طلب کرنا اسی کی خاطر ہے۔

ط۔ مجلس کے (دوران فضول باتوں وغیرہ کے) کفّارہ کی دعاء کا پڑھنا:

اس لیے کہ حاکم حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس سے کھڑے ہوتے کا ارادہ فرماتے تھے تو فرماتے:

«سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك».

اے اللہ میں آپ کی پاکی اور آپ ہی کی حمد بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہی سے میں مغفرت طلب کرتا ہوں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

٭ ٭ ٭

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول آج کل آپ ایک ایسی دعا پڑھتے ہیں جو اس سے قبل نہیں پڑھا کرتے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دعا ان غلطیوں وغیرہ کا کفارہ ہے جو مجلس میں صادر ہو جاتی ہیں۔

مجلس کے آداب کے سلسلہ میں جو اہم آداب اسلام نے مقرر کیے ہیں وہ یہ ہیں جو ہم نے بیان کیے، اس لیے مربیوں

کو ان پر عمل کرنا چاہیے، اور خود اپنے آپ کو اس کا عادی بنانا چاہیے، اور بچوں کو یہ آداب سکھانا چاہیے تاکہ وہ بھی معاشرتی زندگی اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں ان کو اپنائیں۔

⑤ بات چیت کے آداب

وہ معاشرتی اہم آداب جن کی طرف مربیوں کو بہت توجہ دینا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بچپن سے ہی اپنے بچوں کو بات چیت کرنے کے آداب بتلائیں اور گفتگو کا طریقہ سکھائیں، اور جواب دینے کے اصول ذہن نشین کرائیں، تاکہ بچہ جب بڑا ہوا اور بلوغ کی عمر کو پہنچے تو اسے یہ معلوم ہو کہ لوگوں سے کس طرح گفتگو کرے اور ان کی بات کس طرح سنے؟ اور وہ یہ جانتا ہو کہ لوگوں سے کیا اندازِ کلام اختیار کرے اور کس طرزِ گفتگو سے لوگوں کے دل موہ لے گا؟

گفتگو کے کچھ آداب ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں تاکہ تربیت کرنے والوں کے لیے یاد داشت اور بصیرت کا ذریعہ بنیں:

الف - فصیح عربی میں گفتگو کرنا:

اس لیے کہ عربی زبان قرآنِ کریم کی زبان ہے، اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے، اور اسلام کے اول جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زبان ہے۔

اس لیے اس فصیح و بلیغ زبان سے اعراض کر کے ایسی عامی زبان بولنا جس کا عربی زبان سے نہ کوئی تعلق ہے نہ واسطہ اس زبان کی بہت بڑی ناشکری اور ناقدری ہوگی، اور ویسے بھی فصاحت و بلاغت سے گفتگو کرنا انسان کے لیے ایک زیور ہے اور شیریں اندازِ گفتگو انسان کا جمال ہے۔

امام حاکم اپنی کتاب "المستدرک" میں حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اور انہوں نے دو پوشاکیں پہنی ہوئی تھیں، اور انہوں نے بالوں کی دو لٹیں بنائی ہوئی تھیں، وہ سفید رنگ کے گورے چٹے آدمی تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپ مسکرا دیے حضرت عباس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو ہنسی کیوں آگئی؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا کا حسن جمال بڑا اچھا لگا، تو حضرت عباس نے فرمایا کہ جمال کیا چیز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زبان (گفتگو کا انداز) اور عسکری یہ الفاظ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا کہ انسان کا جمال کیا چیز ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس کی فصاحت و بلاغت۔

اور شیرازی اور دیلمی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ہم نے آپ سے زیادہ فصیح وبلیغ نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لحن اختیار کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، اللہ نے میرے لیے بہترین کلام کا انتخاب فرمایا ہے، اور وہ اس کی کتاب قرآنِ کریم ہے۔

ب۔ بات چیت کے دوران آرام آرام سے گفتگو کرنا :

بات چیت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان آرام آرام سے گفتگو کرے، تاکہ سننے والا بات سمجھ سکے، اور حاضرینِ مجلس بات کی حقیقت سمجھ کر اس پر غور کر سکیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی تعلیم کے لیے اسی طرح کیا کرتے تھے چنانچہ امام بخاری ومسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی طرح جلدی جلدی بات چیت نہیں کرتے تھے، آپ اس طرح گفتگو فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس کو کوئی شمار کرنا چاہے تو شمار کر لے، اور اسماعیلی اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو ایسی صاف وواضح ہوتی تھی کہ دلوں تک پہنچ جاتی تھی، اور ابوداؤد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو ایسی صاف وواضح ہوتی تھی کہ جسے ہر سننے والا سمجھ لیا کرتا تھا۔

ج۔ فصاحت وبلاغت میں بہت زیادہ تکلف کی ممانعت :

بات چیت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ انسان بہت اعلیٰ واونچی زبان کے استعمال کرنے اور فصاحت و بلاغت میں تکلف سے بچے، اس لیے کہ ابوداؤد وترمذی سندِ جید سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بلاغت (وفصاحت) اختیار کرنے والے شخص کو مبغوض رکھتے ہیں کہ جو اپنی زبان اس طرح گھمائے اور ہلائے جس طرح گائے اِدھر اُدھر (منہ میں) زبان ہلاتی ہے۔

اور بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات فرماتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے تاکہ بات سمجھی جا سکے، اور جب کسی قوم کے پاس آتے تو انہیں سلام کرتے... اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی فصیح وواضح گفتگو فرماتے جس میں نہ بہت تطویل ہوتی اور نہ بہت اختصار، اور بہت زیادہ بات چیت کرنے اور منہ پھاڑ کر تکلف سے بولنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

د۔ لوگوں کی سمجھ بوجھ کے مطابق بات چیت کرنا :

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ بات کرنے والا ایسا اسلوب اختیار کرے جو لوگوں کی ثقافت ومعیار کے مناسب

ومطابق ہو، اور ان کی عقول وسمجھ اور عمر سے جوڑ کھاتا ہو، اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں: ہم انبیاء کی جماعت کو یہ حکم دیا گیا کہ ہم لوگوں سے ان کی عقل و سمجھ کے مطابق گفتگو کریں[1]

اور صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ لوگوں سے ایسی باتیں کرو جنہیں وہ سمجھتے جانتے ہوں کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

اور صحیح مسلم کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم کسی بھی قوم سے کوئی ایسی گفتگو نہیں کرو گے جو ان کی عقل اور ان کی دسترس سے بالا ہو مگر یہ کہ وہ بعض کے لیے امتحان وفتنہ بنے گی۔

اور دیلمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ میری امت کو میری احادیث میں سے ایسی احادیث بتلاؤ جو ان کی عقول وسمجھ برداشت کرسکیں تاکہ ان کے لیے فتنے کا ذریعہ نہ بنیں۔

۵۔ ایسی گفتگو کرنا جو نہ بہت مختصر ہو اور نہ بہت طویل:

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ گفتگو کو اس کا پورا حق دیا جائے، بات نہ تو اتنی مختصر ہو کہ مقصود کے سمجھنے میں مخل ہو جائے اور نہ اتنی طویل ہو کہ تھکا دے، تاکہ سننے والوں پر اس گفتگو کا پورا اثر ہو اور ان کو اس کے سننے سمجھنے کا شوق ہو۔ امام مسلم حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز درمیانی ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی درمیانے درجہ کا ہوتا تھا (نہ بہت مختصر نہ بہت طویل)۔

اور امام احمد اور ابوداؤد حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسولِ اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوا، چنانچہ آپ ایک عصا یا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، اور آپ کی گفتگو کے کلمات نہایت ہلکے پھلکے پاکیزہ اور مبارک تھے۔

اور بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہمیں ہر جمعرات کو وعظ کیا کرتے تھے، ایک روز ایک صاحب نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن میرا دل چاہتا ہے کہ آپ ہمیں ہر دن نصیحت ووعظ کیا کریں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ تنگدل ہو جاؤ، اور میں وعظ ونصیحت کرنے میں تمہارا اسی طرح خیال رکھتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا خیال کیا کرتے تھے تاکہ ہم تنگدل وآزردہ خاطر نہ ہو جائیں۔

البتہ گفتگو میں اشعار سے استشہاد پیش کرنا، اور ضرب الامثال پر مشتمل اقوال وامثال بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدن کی طرح دل بھی تھک جایا کرتے اور آزردہ ہو جاتے ہیں، اس

---

[1] ملاحظہ ہو مسندِ دیلمی، اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن اس کے بہت سے شواہد ہیں جن کی وجہ سے یہ حدیث حسن لغیرہ کے مرتبہ کو پہنچ گئی ہے۔ ملاحظہ ہو عجلونی کی کتاب "کشف الخفاء" اُمرنا کے لفظ کے ضمن میں۔

لیے ان کی خاطر اچھی اچھی پُرحکمت باتیں تلاش کیا کرو۔

و۔ گفتگو کرنے والے کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا اور ہمہ تن گوش ہوکر اس کی بات سُننا:

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ بات کرنے والے کی طرف مکمل توجہ کی جائے، تاکہ سننے والا متکلم کی بات محفوظ رکھ سکے اور گفتگو کا پورا احاطہ کرسکے، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے کوئی بات کرتے تھے تو وہ حضرات پوری توجہ اور کامل اہتمام سے آپ کی بات سنتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر ایک شخص کی طرف پوری توجہ دیا کرتے تھے جو آپ سے کچھ پوچھے یا سوال کرے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس شخص کی طرف پورے طور سے متوجہ ہو جاتے تھے، اور اس سے نہایت نرمی اور ملاطفت فرماتے تھے، چنانچہ ابوداؤد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں چپکے سے کوئی بات کرنا چاہتا ہو، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اپنے سر کو اس سے قبل ہٹالیں کہ وہ شخص آپ سے اپنے سر کو خود ہٹائے، اور میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے کر اس وقت تک چھوڑا ہو جب تک کہ وہ خود اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے نہ چھڑائے۔

ز۔ بات کرنے والے کو تمام مخاطبین اور حاضرین کی طرف توجّہ دینا چاہیئے:

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ بات کرنے والا اپنی توجہ اور نظر تمام حاضرین کی طرف متوجہ رکھے، تاکہ ان میں سے ہر فرد یہ محسوس کرے کہ وہ اسی سے مخاطب ہے یا اس سے خاص طور سے بات کر رہا ہے۔

طبرانی سندِ حسن کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات چیت کرتے ہوئے میری طرف اس قدر متوجہ ہوتے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ میں سب لوگوں میں بہتر ہوں، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا میں بہتر ہوں یا ابوبکر؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر، میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول میں بہتر ہوں یا عمر؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عُمر، تو میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول: میں بہتر ہوں یا عثمان؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عثمان، تو جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال جواب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت بیان فرمادی اور میں نے تمنا کی کاش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہی نہ کرتا۔

ح۔ گفتگو کے دوران اور گفتگو کے بعد اصحابِ مجلس سے دل لگی اور خوش کلامی کرنا :

گفتگو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ بات کرنے والا بات چیت کے دوران اور اس کے بعد لوگوں سے خوش کلامی اور دل لگی کرتا رہے، تاکہ لوگ تنگ دل نہ ہوں اور گفتگو کے دوران آزردہ خاطر نہ ہو جائیں۔

امام احمد حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوالدرداء جب بات کرتے تھے تو مسکراتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ آپ دورانِ گفتگو جو مسکرایا کرتے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے لوگ آپ کو احمق سمجھنے لگیں، تو حضرت ابوالدرداء نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو کبھی گفتگو کرتے دیکھا یا سنا نہیں مگر یہ کہ آپ مسکرایا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کی خاطر حضرت ابوالدرداء بھی اثناءِ گفتگو مسکرایا کرتے تھے۔

اور امام مسلم حضرت سماک بن حرب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے؟ حضرت جابر نے فرمایا ہاں بہت بیٹھا کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جس جگہ صبح کی نماز پڑھتے تھے وہیں سورج نکلنے تک بیٹھے رہتے تھے، جب سورج نکل جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں باتیں کیا کرتے تھے، چنانچہ کبھی کبھی زمانۂ جاہلیت کی باتیں بھی ہوتی تھیں اور سب ہنسنے لگ جاتے ــ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیا کرتے تھے۔

یہ وہ اہم ترین آداب ہیں جو اسلام نے گفتگو کے آداب کے سلسلہ میں مقرر کیے ہیں۔ اس لیے تربیت کرنیوالوں کو ان پر عمل پیرا ہونا چاہیے، اور یہ آداب بچوں کو سکھانا چاہیے تاکہ وہ عملی زندگی میں اس کے عادی ہوں اور لوگوں کے ساتھ معاملہ میں ان پر عمل پیرا ہوں۔

(۶) مذاق کے آداب

مسلمان اپنی عملی زندگی میں اس وقت کتنا بھلا لگتا ہے جب وہ حقیقت و واقعیت کے ساتھ ساتھ دل لگی، خوش اسلوبی و مزاح اور شیریں کلامی اور ضرب الامثال و پرحکم باتوں کو بھی جمع کر لیتا ہے۔

اور اس وقت مسلمان کتنا شاندار و محترم ہوتا ہے جب وہ اپنے شیریں اندازِ گفتگو سے دلوں پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اور اچھے

برتاؤاور خوش خلقی و دل لگی سے نفوس کو اپنا قیدی بنالیتا ہے!! اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اپنے شاندار اور اچھے بنیادی اصولوں کی وجہ سے مسلمان کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ دوسرے سے مانوس ہو اور دوسروں کو اپنے سے مانوس بنائے، خوش اخلاق، خوش طبع اور خندہ پیشانی والا اور اچھے اوصاف کا مالک ہو اچھے کام ـــــ اور بہترین برتاؤ کرنے والا ہو، تاکہ جب وہ لوگوں سے ملے جلے، ان کے ساتھ اکٹھا ہو تو وہ اس کی طرف راغب ہوں، اور اس کی طرف کھنچیں اور اس کے ارد گرد رہیں، افراد کی تربیت اور معاشرے کے بنانے اور لوگوں کی رہنمائی میں یہ وہ غایت ہے جس کا... اسلام بہت زیادہ خواہاں ہے۔

لیکن کیا مسلمان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ دل لگی اور مزاح میں جو چاہے کر گزرے اور جو بات چاہے زبان سے نکال دے، یا اس کے لیے کچھ آداب اور قواعد و ضوابط ہیں؟

جی ہاں مذاق و دل لگی کے بھی کچھ قواعد و آداب ہیں جو ذیل میں ترتیب سے بیان کیے جا رہے ہیں:

الف۔ مذاق و مزاح میں بہت افراط اور حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے:

اس لیے کہ امام بخاری "الأدب المفرد" میں اور امام بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں کھیل کود والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مزاح میں کثرت اور دل لگی اور مذاق میں افراط مسلمان کو اس کے اس اصل فرض سے نکال دیتا ہے جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور روئے زمین پر اللہ کے حکم کو نافذ کرنا اور نیک صالح معاشرہ کو تشکیل دینا، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے مدرسۂ نبوت میں تربیت حاصل کی تھی وہ آپس میں ہنسی مذاق تو کرتے تھے لیکن جب عملی میدان میں قدم رکھتے تھے تو وہی حضرات ہی کامل و مکمل مرد معلوم ہوتے تھے، امام بخاری "الأدب المفرد" میں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی طرف تربوز اچھال دیا کرتے تھے لیکن میدانِ عمل میں اور وقت پڑنے پر وہ زبردست مردِ میدان ثابت ہوتے تھے۔

زیادہ ہنسی مذاق سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور عداوت و دشمنی پیدا ہو جاتی ہے، اور چھوٹا بڑے پر جری ہو جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو بہت زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہو جاتا ہے اور جو مذاق کرتا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے۔

ب۔ مذاق میں کسی کو تکلیف نہ دینا اور کسی کے ساتھ برائی نہ کرنا:

مذاق گھر بار، رشتہ داروں، بھائیوں اور دوسروں کے ساتھ اچھی چیز ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ ایسا مذاق ہو جس

سے کسی کو ایذا نہ پہنچے، یا کسی مخلوق کی توہین وتذلیل نہ ہوتی ہو یا کسی کے غمگین کرنے کا ذریعہ نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو ایسے مذاق سے منع فرماتے تھے جس سے کسی کی دل آزاری ہو چنانچہ ذیل میں اس کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

ابو داؤد وترمذی میں حضرت عبداللہ بن السائب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

((لایأخذن أحدکم متاع أخیه لاعباً ولاجاداً ومن أخذ عصا أخیه فلیردها)).

تم میں سے کوئی شخص کسی کا سامان نہ مذاق میں لے نہ حقیقت میں، اور جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کا عصا بھی لے لے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے واپس لوٹا دے۔

⁂ ⁂ ⁂

اور ابو داؤد حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یہ بیان کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ان میں سے ایک صاحب سو گئے تو ان میں سے کوئی آدمی گیا اور ایک رسی اٹھا لایا اور ان صاحب کے پاس ڈال دی جس سے وہ صاحب ڈر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا یحل لمسلم أن یروع مسلمًا)).

کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے۔

جنگ خندق کے موقعہ پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مٹی اٹھا رہے تھے کہ ان کو اونگھ آنے لگی، اسی اثناء میں حضرت عمارہ بن حزم آگئے اور انہوں نے ان کے ہتھیار اٹھا لیے اور حضرت زید کو پتہ بھی نہ چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارہ کو اس سے روک دیا۔

اور بزار وطبرانی وابن حبان حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے ایک صاحب کی جوتی اٹھا لی اور مذاقاً اسے چھپا دیا، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا تروعوا المسلم، فإن روعة المسلم ظلم عظیم)).

کسی مسلمان کو نہ ڈراؤ اس لیے کہ مسلمان کو گھبرا دینا بہت بڑا ظلم ہے۔

آپ ہی بتلائیے کہ ایسی صورت حال میں اس شخص کا کیا حکم ہوگا جو مذاق میں کسی کی عزت اچھالتا ہو۔ اور مذاق میں غیبت کرتا ہو۔ اور مذاق ہی میں کسی کی تذلیل کرتا ہو، اور مذاق ہی میں دین کی حرمت پائمال کرتا ہو ظاہر ہے کہ ایسا شخص گنہگار ہوگا اور خواہ اسے پتہ ہو یا نہ ہو وہ حرام وناجائز میں گرفتار ہے۔

ج - مذاق میں جھوٹ اور غلط بات سے بچنا :

بہت سے وہ لوگ جو مجلسیں قائم کرتے ہیں اور مذاق کیا کرتے ہیں وہ ہنسانے والی کہانیاں گھڑا کرتے ہیں، اور ایسے من گھڑت واقعات و کہانیاں پیش کرتے ہیں جو لوگوں کو ہنسائیں خوش کریں اور ان کی خوشی و مسرت میں اضافہ کا سبب ہو، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس طرح کی ملمع سازی اور من گھڑت چیزیں جھوٹ میں شامل ہیں، اور اسلام اس سے روکتا ہے، اور ایسے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت سرزنش کی ہے، ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی و بیہقی حضرت بہز بن حکیم کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((ویل للذی یحدث بالحدیث لیضحك به القوم فیکذب ویل له ویل له)).	ہلاکت ہو اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے کوئی بات کہے اور اس میں جھوٹ بولے اس کے لیے ہلاکت ہو اس کے لیے ہلاکت ہو۔

٭ ٭ ٭

اور امام احمد اور ابوداؤد حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((کبرت خیانة أن تحدث أخاك حدیثاً هو لك مصدق وأنت له كاذب)).	یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو جس میں وہ تمہیں سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔

٭ ٭ ٭

اور امام احمد و طبرانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

((لا یؤمن العبد الإیمان کله حتی یترك الکذب فی المزاحة، والمراء وإن كان صادقاً)).	کوئی شخص بھی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ مذاق میں جھوٹ بولنے اور جھگڑے کو چاہے اس میں حق بجانب کیوں نہ ہو چھوڑ نہ دے۔

ہمارے شہروں میں ایک عام بدعت جو پھیل گئی ہے وہ ہے اپریل فول کی عادت، جو ایک نہایت گندی ناپسندیدہ اور خراب چیز ہے، جسے ہم نے اہل مغرب سے لیا ہے، جس کا ہمارے بلند اسلامی اخلاق اور شاندار عادات سے کوئی تعلق نہیں، اور بلاشبہ یہ ایک جھوٹ ہے جو قطعاً حرام ہے اور کھلا ہوا جھوٹ اور گندہ مذاق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ہمارے لیے ہر چیز میں ایک بہترین نمونہ چھوڑا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح و مذاق کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کس طرح مزاح فرمایا کرتے تھے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذاق میں بھی حق بات ہی فرمایا کرتے تھے :

امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص تھے جن کا نام زاہر تھا، وہ دیہات کا تحفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے، پھر جب وہ واپس اپنے علاقے جانا چاہتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو تحفے تحائف دیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ زاہر ہمارے دیہاتی دوست ہیں اور ہم ان کے شہری دوست ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرمایا کرتے تھے، حضرت زاہر کوئی خوبصورت سے آدمی نہ تھے، ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور وہ اپنا سامان بیچ رہے تھے، تو آپ نے انہیں پیچھے کی جانب سے پکڑلیا، وہ آپ کو نہ دیکھ سکے ۔ زاہر نے کہا: کون صاحب ہیں مجھے چھوڑ دیجیے، پھر جب مڑکر انہوں نے دیکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان گئے تو پھر جتنا بھی اپنی پشت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر سے ملا سکتے تھے ملا دیا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے یہ غلام کون خریدے گا؟ تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ایسی صورت میں تو آپ مجھے کھوٹا پائیں گے (یعنی میری قیمت کوئی زیادہ نہ لگے گی) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے یہاں تو کم قیمت والے نہیں ہو یا یہ فرمایا کہ تم اللہ کے یہاں تو بہت قیمتی ہو۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: غزوۂ تبوک کے موقعہ پر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ چمڑے کے ایک چھوٹے سے قبہ میں تشریف فرما تھے، میں نے سلام عرض کیا، آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ داخل ہوجاؤ، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا میں پورا داخل ہوجاؤں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پورے داخل ہوجاؤ چنانچہ میں داخل ہوگیا۔

اور ترمذی و احمد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری کے لیے جانور مانگنے آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کرادیں گے، وہ واقعۃً بچہ سمجھ کر کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ کو بھی تو اونٹنی ہی جنتی ہے۔

اور ابن بکار حضرت زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت (جن کو ام ایمن الحبشیہ کہا جاتا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرے شوہر آپ کو یاد کررہے ہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کون؟ وہی جن کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھوں میں سفیدی تو نہیں ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں ان کی آنکھ میں تو سفیدی ہے۔۔۔ انہوں نے کہا کہ: بخدا ایسا نہیں ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے کہ اس کی آنکھوں میں سفیدی نہ ہو سب کی آنکھوں میں سفیدی ضرور ہوتی ہے (آپ کی مراد بیاض (سفیدی) سے وہ سفیدی تھی جو پتلی کے چاروں طرف ہوا کرتی ہے)۔

اور ترمذی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ سے دعا کیجیے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل فرمادے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے فلاں کی ماں جنت میں تو بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی، راوی کہتے ہیں کہ وہ روتی ہوئی واپس جانے لگیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو یہ بات بتلادو کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں داخل نہ ہوگی اور اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝))

الواقعہ: ۳۵ تا ۳۷

ہم نے وہاں کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے انہیں ایسا بنا دیا ہے کہ وہ کنواری رہیں گی اور محبوبہ اور ہم عمر۔[1]

آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ جنت میں اس حالت میں داخل ہوگی کہ وہ نوجوان ہوگی۔

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ مزاح کے آداب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل پیرا ہوں، اور یہ آداب بچوں کو سکھائیں تاکہ لوگوں کے ساتھ میل جول میں وہ ان کے عادی ہوں اور معاشرے میں اسی طرح کا برتاؤ کریں۔

۷ مُبارک باد دینے کے آداب

بچے کی تربیت شخصیت سازی اور اس کی معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں جن آدابِ معاشرت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے ان میں یہ بھی داخل ہے کہ بچے کو مبارک باد دینے کے آداب کا عادی بنایا جائے اور اسے یہ سکھایا جائے کہ اس کا طریقہ اور اصول کیا ہیں، تاکہ اس کی طبیعت میں لوگوں کے ساتھ اجتماع واتصال اور مل بیٹھنے کی عادت پیدا ہو، اور جو لوگ اس سے ملتے ہیں، جن کا اس سے تعلق ہے، ان کے ساتھ اخوتِ ومودت اور محبت کے روابط اس میں مستحکم ہوں چونکہ وہ مناسبات جن میں لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد کے پیغام پیش کیا کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں۔ اس لیے عمومی طور سے مربیوں اور خاص کر والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں اور بچوں کو اپنے ساتھ ان لوگوں کے پاس لیجائیں جنہیں وہ کسی خوشی یا کسی اور موقعہ پر مبارکباد پیش کرنا چاہتے ہوں تاکہ وہ حالت وکیفیت ان کے دلوں اور یادداشت میں محفوظ ہوجائے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان کی طبیعت اور عادت بن جائے۔

مسلمان اپنی زندگی میں جو بھی نیک کام کرتا ہے اس کا پھل اس کو ضرور ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر وثواب بھی، تو مسلمان کو مبارک باد پیش کرنا، اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ، اور اس کو خوش کرنا، اسلام کی نظر میں بہت بڑی نیکی ہے، اور فرائض

[1] مراد یہ ہے کہ وہ ہم عمر ہوں گی، عُرُب یعنی اپنے شوہروں کو چاہنے والیاں اور اتراب سے وہ مراد ہیں جو ہم عمر ہوں۔

کے بعد اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل ہے، بلکہ یہ مغفرت کا ذریعہ اور جنت تک پہنچانے کا راستہ ہے :

امام طبرانی "معجم صغیر" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص اپنے بھائی کو خوش کرنے کے لیے اس طریقے کیساتھ ملتا ہے جو اسے پسند ہو تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اسے خوش کر دیں گے۔

اور طبرانی "معجم کبیر" میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن من موجبات المغفرة إدخالك السرور على أخيك المسلم)).	اسبابِ مغفرت میں سے یہ بھی ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کو خوش کر دو۔

اور طبرانی "معجم کبیر" و "معجم اوسط" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن أحب الأعمال إلى الله تعالى بعد الفرائض إدخال السرور على المسلم)).	فرائض کے بعد محبوب ترین عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مسلمان کو خوش کرنا ہے۔

اور طبرانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((من أدخل على أهل بيت من المسلمين سرورًا لم يرض الله له ثوابًا دون الجنة)).	جو کسی مسلمان گھرانے کو خوش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت سے کم ثواب پر راضی نہیں ہوتے۔

مبارکباد دینے کے کچھ آداب ہیں جنہیں ذیل میں ہم ملخص طور پر پیش کرتے ہیں :

الف۔ مبارک باد کے موقعہ پر اہتمام اور خوشی کا اظہار :

اس لیے کہ بخاری و مسلم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے قصہ میں یہ آتا ہے کہ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو نہایت بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالک مبارک ہو، یہ سننا تھا کہ لوگ مجھے مبارک باد دینے لگے، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا، لوگ میری توبہ قبول ہونے پر فوج در فوج مجھے مبارک باد پیش کرتے جا رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی جو توبہ قبول کی ہے یہ آپ کو مبارک ہو، یہاں تک کہ میں مسجد میں داخل ہو گیا اور دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، مجھے دیکھ کر حضرت طلحہ بن عبید اللہ دوڑتے ہوئے میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی، حضرت کعب حضرت طلحہ کی اس عزت افزائی کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے، کعب فرماتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو سلام کیا تو آپ کے چہرۂ مبارک سے خوشی چھلک رہی تھی، اور آپ نے ارشاد فرمایا: جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنا ہے اس وقت سے لے کر آج تک تم پر اس سے مبارک اور بہترین دن نہیں آیا ہے۔[1]

ب - ایسے مواقع پر مسنون دعاؤں اور مناسب و عمدہ عبارت استعمال کرنا:

سنتِ نبوی ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ ہم ایسے عمدہ کلمات اور شاندار و بہترین دعاؤں کے ساتھ مبارک باد پیش کریں جن کا سیکھنا مسلمان پر لازمی ہے، اور مناسب وقت پر ان کلمات سے مبارک باد کا اظہار ضروری ہے۔ اس قسم کے بعض دلچسپ واقعات اور وہ کلمات جن کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی کی ہے اور جو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین رحمہم اللہ سے مروی ہیں ان کو آئندہ صفحات میں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱- بچے کی پیدائش پر مبارک باد:

ایسے شخص کو مبارک باد دیتے وقت یہ کہنا چاہیئے کہ:

((بورك لك بالموهوب، وشكرت الواهب، ورزقت بره، وبلغ أشده)).	اللہ تعالیٰ آپ کے اس بچے کو مبارک کرے اور آپ کو اللہ کے شکر ادا کرنے کی توفیق ہو۔ اور یہ بچہ آپکا فرمانبردار و نیک ہو اور جوانی کو پہنچے۔

جس کو مبارک باد دی جا رہی ہے اسے چاہیے کہ ان الفاظ کا جواب اس طرح دے:

((بارك الله لك وبارك عليك ورزقك الله مثله)).	اللہ تعالیٰ آپ کو بھی مبارک کرے اور اپنی برکتوں سے آپ کو نوازے، اور آپ کو بھی اس جیسی نعمت عطا فرمائے۔

مندرجہ بالا عبارتیں حضرت حسین بن علی و حسن بصری رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

۲- سفر سے واپس آنے والے کو مبارک باد:

ایسے شخص کو ان الفاظ سے مبارک باد دینا مستحب ہے:

((الحمد لله الذي سلمك وجمع الشمل	تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے آپ کو محفوظ

---

[1] حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بلا عذر غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس یوم تک کے لیے ان کے بائیکاٹ کا حکم دے دیا، پچاس دن کے بعد ان کی اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کے سلسلہ میں آیاتِ قرآنیہ نازل ہوئیں اور لوگوں کی مبارک باد دینے کا سلسلہ پیش آیا۔ قصہ کی تفصیل دیکھنے کے لیے ریاض الصالحین کا باب التوبہ دیکھیں۔

بكَ وأكرمكَ))۔ | رکھا اور کامیاب فرمایا اور آپ کا اکرام کیا۔

یہ کلمات بعض سلفِ صالحین سے مروی ہیں۔

۳- جہاد سے واپس آنے والے کو مبارک باد:

ایسے شخص سے یہ کہنا مستحب ہے:

((الحمد لله الذی نصرك ، وأعزك وأكرمك))۔ | تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تمہاری مدد فرمائی۔ اور عزت دی اور اکرام فرمایا۔

اس لیے کہ مسلم ونسائی وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے میں تشریف لے گئے تھے، جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو میں نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کا دستِ مبارک پکڑ کر عرض کیا:

((الحمد لله الذی نصرك، وأعزك وأكرمك))۔ | تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ کی مدد فرمائی، اور اعزاز واکرام فرمایا۔

اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ:

((الحمد لله الذی سلمك وجمع الشمل بك وأكرمك))۔ | تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے تمہاری حفاظت فرمائی اور کامیاب فرمایا اور اکرام کیا۔

تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

۴- حج کر کے واپس آنے والے کو مبارک باد

حاجی کو مبارک باد دینے کے لیے یہ کلمات کہنا بہتر ہے:

((قبل الله حجك وغفر ذنبك وأخلف نفقتك))۔ | اللہ تعالیٰ آپ کا حج قبول فرمائے، اور گناہ معاف فرمائے اور آپ کے خرچ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

اس لیے کہ ابن السنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں حج پر جانا چاہتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صاحب کے ساتھ ساتھ چلے اور فرمایا:

((یاغلام! زوّدك الله التقوى | اے صاحب زادے اللہ تعالیٰ تمہیں تقویٰ نصیب فرمائے

ووجهك فى الخير، وكفاك الهم)). | اور خیر میں لگائے رکھے اور تمہارے ہموم و پریشانیوں کو دُور فرمائے۔

پھر جب وہ صاحب حج سے واپس ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

((یاغلام قبل اللہ حجك، وغفر ذنبك، وأخلف نفقتك)). | صاحب زادے! اللہ تمہارا حج قبول فرمائے، اور گناہ معاف فرمائے، اور تمہارے اخراجات کا بدل عطا فرمائے۔

۵۔ نکاح وشادی پر مبارکباد:

میاں بیوی کو نکاح ہونے پر اس طرح مبارک باد دینا چاہیے کہ: اللہ تمہیں برکت دے، اور اپنی برکتیں نازل فرمائے، اور تم دونوں کو خیر و عافیت سے یکجا رکھے، اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو شادی کی مبارک باد دیتے تھے تو فرمایا کرتے تھے:

((بارك اللہ لك، وبارك عليك، وجمع بينكما فی خير)). | اللہ تمہیں برکت دے، اور تم پر برکتیں نازل فرمائے، اور تم دونوں کو خیر و عافیت سے یکجا رکھے۔

بالرفاء والبنین یعنی "تم ایک ساتھ رہو اور اولاد ہو" کے الفاظ کہنا مکروہ ہے، اس لیے کہ مبارک باد کے یہ الفاظ زمانۂ جاہلیت میں مبارک بادی کے الفاظ ہیں، چنانچہ امام احمد و نسائی وغیرہ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جشم کی ایک عورت سے شادی کی، تو کچھ لوگ آئے اور انہوں نے بالرفاء والبنین کے الفاظ سے مبارک باد دی، تو انہوں نے فرمایا کہ ایسے الفاظ نہ کہو اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے، تو انہوں نے کہا کہ اے ابو زید تو پھر ہم کیا کہا کریں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کہا کرو:

((بارك اللہ لكم وبارك عليكم)). | اللہ تمہیں برکت دے اور تمہارے اوپر برکتیں نازل فرمائے۔

ہمیں اسی طرح مبارک باد دینے کا حکم دیا جاتا تھا۔

۶۔ عید پر مُبارک باد:

عید کی نماز کے بعد ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے یہ کہنا چاہیئے:

((تقبل اللہ منا ومنك)). | اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی طرف سے قبول فرمائے۔

کتاب "المقاصد" میں لکھا ہے کہ عید کے بارے میں آتا ہے کہ خالد بن معدان عید کے روز حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے ملے تو انہوں نے حضرت واثلہ سے فرمایا: تقبل اللہ منا ومنك، تو حضرت واثلہ نے بھی یہی الفاظ دہرائے

اور ان کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی۔

۷۔ احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا :

جو شخص کسی کے ساتھ احسان کرے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اس محسن سے کہے :

((بارك الله في أهلك ومالك وجزاك الله خيراً)). — اللہ تعالیٰ تمہارے اہل ومال میں برکت دے، اور تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس لیے کہ نسائی وابن ماجہ حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار درہم قرضہ لیے اور پھر جب آپ کے پاس پیسہ آگیا تو مجھے پیسے واپس دیے اور فرمایا :

((بارك الله في أهلك ومالك، إنما جزاء المسلف الحمد والثناء)). — اللہ تعالیٰ تمہارے اہل ومال میں برکت دے قرض دینے والے کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور شکریہ ادا کیا جائے۔

⁂ ⁂ ⁂

اور ترمذی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((من صنع إليه معروف فقال لفاعله جزاك الله خيراً فقد أبلغ في الثناء)). — جس کے ساتھ کوئی احسان کیا گیا ہو اور وہ اس کو جزاك الله خیراً کہہ دے، تو اس نے شکریہ ادا کرنے میں مبالغہ کردیا۔

مبارک باد دینے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اُن الفاظ کی پابندی کرے جو ماثور ومنقول ہیں، لیکن اگر اپنی طرف سے تعبیر یا الفاظ میں کچھ اضافہ کرنا ہو تو عمدہ لطیف الفاظ سے دعا دے، لیکن یہ یاد رہے کہ کوئی لفظ یا تعبیر ایسی نہ ہو جو کسی دوسری قوم یا غیر مسلموں سے لی گئی ہو یا زمانۂ جاہلیت کی عکاسی کرتی ہو۔ تاکہ مسلمان ایسے مواقع پر بھی اپنے عقیدے اور اسلامی اصولوں کا پابند رہے۔

ج۔ مُبارک باد دینے کے ساتھ ساتھ ہدیہ بھی پیش کرنا مستحب ہے :

جس کے یہاں بچہ پیدا ہو یا جو شخص سفر سے واپس آئے یا جس کی شادی ہو یا اس طرح کی دوسری خوشیوں کے موقعہ پر مستحب یہ ہے کہ مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہدیہ بھی پیش کیا جائے، اس لیے کہ بہت سی احادیث میں ہدیہ دینے پر ابھارا گیا ہے اور اس کی جانب رغبت دلائی گئی ہے، چنانچہ ملاحظہ فرمائیے :

طبرانی وعسکری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں :

((تهادوا وهاجروا تورثوا أبناءكم مجداً)). — ہدیہ دو اور ہجرت کرو تاکہ اپنے بچوں کو باعزت بنا سکو۔

وأقيلوا الكرام عثراتهم))۔ اور شریف لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کر دیا کرو۔

طبرانی اپنی کتاب "معجم اوسط" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((یا نساء المؤمنین تھادین ولو فرسن شاۃ، فإنہ ینبت المودۃ ویذھب الضغائن))۔ اے مسلمانوں کی عورتو آپس میں ہدیہ دیا کرو چاہے دنبہ (بکری) کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کینہ دور ہو جاتا ہے۔

امام بخاری "الادب المفرد" میں اور امام احمد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں:

((تھادوا فإن الھدیۃ تذھب وحر الصدر))۔ ہدیہ دیا کرو اس لیے کہ ہدیہ سینہ کے کینے کو دور کیا کرتا ہے۔

اور دیلمی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

((علیکم بالھدایا فإنھا تورث المودۃ وتذھب الضغائن))۔ ہدیہ دیا کرو اس لیے کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کینہ و حسد ختم ہو جاتا ہے۔

اور طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

((تھادوا تحابوا))۔ آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور محبت پیدا کرو۔

مندرجہ بالا احادیث سے جب یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کو بلا کسی موقعہ ومناسبت کے ہدیہ دینا چاہیے تو پھر کسی خوشی کے موقعہ پر ہدیہ دینے کی تاکید تو اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس ہدیہ دینے کا امت کے اتحاد اور جماعتِ مسلمین میں وحدت پیدا کرنے میں بڑا ہاتھ ہے اور اس سے مسلم معاشرے میں محبت و بھائی چارگی کی فضا پیدا کرنے اور اخلاص و بے لوثی پیدا کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ اپنے خاندانوں اور اولاد میں مبارکبادی کے آداب راسخ کریں، تاکہ وہ دنیاوی زندگی میں اور لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت ان چیزوں کے عادی بنیں۔

(۸) بیمار پُرسی وعیادت کے آداب

وہ اہم ترین معاشرتی آداب جن کی طرف مربیوں کو بہت توجہ دینی چاہیے اور جن کا اپنے بچوں کو عادی بنانا چاہیئے بیمار کی عیادت کے آداب بھی ہیں، تاکہ بچے میں شروع ہی سے دوسروں کے درد وغم میں شریک ہونے اور دوسروں کی تکلیف کے احساس کرنے کی عادت جاگزین ہو جائے۔ اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ جب شروع ہی سے بچوں میں

یہ وصف پیدا ہوجائے گا اور یہ عادت ان میں جاگزین ہوجائے گی تو وہ محبت ایثار اور ہمدردی میں لگے رہیں گے، بلکہ یہ اوصاف ان میں فطری خلقی اور ایک عادت سی بن جائیں گے، اور پھر وہ کسی حق کی ادائگی میں کوتاہی نہیں کریں گے، اور کسی فریضہ کی ادائگی سے پیچھے نہیں ہٹیں گے، بلکہ قوم کے افراد کے غم اور خوشی میں برابر کے شریک ہوں گے، اور ان کے امور واحوال اور ہموم غموم کا احساس کریں گے، اور ان کے غموں کو بانٹ لیں گے اور خوشی میں اضافے کا ذریعہ بنیں گے، اور بجد یہ وہ منتہیٰ ہے جس کا اسلام خواہاں ہے اور معاشرہ میں اچھی عادات اور اخلاقِ عالیہ اور بلند ظرفی پیدا کرنے اور ان امور کا افراد کو عادی بنانے کے سلسلہ میں اسلام اس کا خواہشمند ہے۔

اسی لیے اسلام نے بیمار کی عیادت و بیمار پرسی کا حکم دیا ہے، بلکہ اس عبادت کو مسلمان کا مسلمان پر حق قرار دیا ہے:

بخاری ومسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیمار کی عیادت اور جنازے کے ساتھ جانے اور چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہنے اور قسم کھانے والے کی قسم پورا کرنے اور مظلوم کی مدد اور دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے اور سلام کو عام کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حق المسلم علی المسلم خمس: رد السلام وعیادۃ المریض، واتباع الجنائز، وإجابۃ الداعی، وإفشاء السلام))۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی بیمار پرسی کرنا، جنازے کیساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، اور سلام کا پھیلانا۔

اس وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نیک کاموں اور بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے تھے ان نیک کاموں میں سے بیمار کی عیادت بھی ہے تاکہ بارگاہِ رب العزت وذوالجلال میں جنت کے اعلیٰ مقام ومرتبہ کے مستحق بنیں، چنانچہ امام بخاری "الادب المفرد" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج تم میں سے کس نے روزہ رکھا ہے؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم میں سے کس نے آج بیمار کی بیمار پرسی کی ہے؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم میں سے کون آج کسی جنازے میں شریک ہوا ہے؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم میں سے کس نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: میں نے، حدیث کے رواۃ میں سے ایک راوی مروان کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص میں بھی یہ اوصاف جمع نہیں ہوں گے مگر یہ کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

بیمار کی عیادت کے کچھ آداب ہیں جنہیں ہم ذیل میں ترتیب سے بیان کریں گے:

الف۔ بیمار پُرسی میں جلدی کرنا

اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

((إذا مرض فعدہ))۔ جب وہ (مسلمان) بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کیجائے۔

اس حدیث کے مطابق مناسب یہ ہے کہ عیادت بیماری کی ابتداء ہی سے ہو۔

لیکن چند احادیث ایسی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عیادت تین دن گزرنے کے بعد ہونا چاہیئے اُن احادیث میں سے کچھ درجِ ذیل ہیں:

ابن ماجہ اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مریض کی عیادت تین دن سے قبل نہ کرتے تھے۔

اور طبرانی "معجم اوسط" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ تین دن گزرنے کے بعد عیادت کرنا سنت ہے۔

اور اعمش رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ہم مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، اور جب تین دن کوئی شخص مجلس سے غیر حاضر ہو تو ہم اس کے بارے میں دریافت کرتے، پھر اگر وہ بیمار ہوتا تھا تو ہم اس کی عیادت کر لیا کرتے تھے، ان احادیث میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ اگر مرض بہت خطرناک ہو تو فوری عیادت کرنا چاہیے، اور اگر عام بیماری ہو تو مندرجہ بالا احادیث کے مطابق تین دن کے بعد عیادت کرنا چاہیئے۔

ب۔ عیادت کے لیے جانے کی صورت میں کم بیٹھنا یا مریض کی خواہش پر زیادہ دیر تک بیٹھنا:

اگر مریض ایسی خطرناک حالت میں ہو کہ اسے دیکھ بھال اور نگہداشت کرنے والوں کی حاجت ہو، اور وہ عورتوں میں سے ہوں، تو ایسی صورت میں بہت مختصر سے وقت میں عیادت کر لینا چاہیے۔ اور اگر بیمار تسلی بخش حالت میں ہو اور عیادت کے لیے آنے والوں سے مانوس ہو اور ان سے گفت شنید سے اس کا دل بہلتا ہو تو ذرا زیادہ دیر تک بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رہا مریض کے یہاں جانا تو اس میں بہتر یہ ہے کہ ایک دن چھوڑ کر جایا جائے بشرطیکہ مریض کی حالت بہتر ہو' اس لیے کہ بزار اور بیہقی و طبرانی و حاکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((زر غبًا تزد دحبًا))۔ کبھی کبھی ملاقات کیا کرو محبت بڑھے گی۔

اور ابن درید نے کتنا عمدہ شعر کہا ہے:

عليك بإغباب الزيارة إنها	إذا كثرت كانت إلى الهجر مسلكا
ملاقات کبھی کبھی کیا کرو اس لیے کہ جب ملاقات	بہت زیادہ کی جانے لگے تو وہ جدائی کیلیے راستہ بن جاتی ہے
فإني رأيت الغيث يسأم دائبا	ويسأل بالأيدي إذا هو أمسكا
اسلیے کہ میں نے دیکھا ہے کہ جب بارش مسلسل ہو تو لوگ تنگدل ہو جاتے ہیں	اور اگر برسنا بند ہو جائے تو لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں

ج۔ مریض کے پاس جا کر اس کیلیے دُعا کرنا:

بخاری و مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض اہل و عیال کی عیادت کرتے تو اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ فرماتے:

«اللّٰهم رب الناس، أذهب البأس اشف أنت الشافي، لا شفاء إلا شفاؤك، شفاءً لا يغادر سقماً».

اے اللہ لوگوں کے پروردگار، بیماری کو دُور کر دیجیے اور شفا دے دیں آپ ہی شفا بخشنے والے ہیں حقیقی شفا آپ ہی کی شفا ہے۔ ایسی شفا عطا فرمائیے جو کسی قسم کی بیماری نہ چھوڑے۔

⁂ ⁂ ⁂

اور ابوداؤد و ترمذی و حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسے بیمار کی عیادت کو جائے جس کی موت کا وقت ابھی نہ آیا ہو اور اس کے پاس جا کر سات مرتبہ یہ پڑھے:

«أسأل الله العظيم رب العرش العظيم أن يشفيك».

میں عظیم اللہ سے جو کہ عظیم عرش کا رب ہے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفاء دے دے۔

مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے شفاء عطا فرما دیتے ہیں۔

د۔ مریض کو یہ یاد دلانا کہ وہ درد و تکلیف کی جگہ اپنا ہاتھ رکھ کر مسنون دُعائیں پڑھے:

امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابو عبداللہ عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدن میں درد کی شکایت کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ جسم کے اس حصہ پر رکھو جہاں درد ہے اور پھر تین مرتبہ بسم اللہ کہو، اور پھر سات مرتبہ: «أعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما أجد وأحاذر» پڑھو۔ یعنی میں اللہ کے عزت و جلال اور قدرت کے ذریعہ سے پناہ مانگتا ہوں اس درد و تکلیف

کے شر سے جس میں مبتلا ہوں اور جس کا مجھے خوف ہے۔

ھ۔ بیمار کے اہل وعیال سے بیمار کی حالت وکیفیت کے بارے میں پوچھتے رہنا:

اس لیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ان ایام میں تشریف لائے جن دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں تھے، تو لوگوں نے کہا: اے ابوالحسن (حضرت علی کی کنیت ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کیسی ہے؛ تو انہوں نے فرمایا: خدا کا شکر ہے پہلے سے اچھے ہیں۔

و۔ بیمار پرسی کرنے والے کیلیے مستحب یہ ہے کہ بیمار کے سرہانے بیٹھے:

اس لیے کہ بخاری "الادب المفرد" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی عیادت کو جاتے تو اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہو جاتے اور پھر سات مرتبہ یہ فرماتے:

((أسأل الله العظيم رب العرش العظيم أن يشفيك)). میں اس عظیم اللہ سے جو پروردگار ہے عرش عظیم کا یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا دے۔

پھر اگر اس بیمار کی زندگی کے ایام باقی ہوتے تھے تو وہ اس بیماری سے شفا پا جاتا تھا۔

ز۔ مریض کو شفایابی اور عمر طویل کی دُعا وغیرہ دے کر خوش کرنا:

اس لیے کہ ترمذی اور ابن ماجہ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اسے لمبی عمر پانے کی دعا دیا کرو اس لیے کہ اس سے تقدیر تو نہیں بدلتی، البتہ مریض کا دل خوش ہو جاتا ہے اور بیمار کو یہ کہہ دینا چاہیے: لا بأس طهور إن شاء الله (پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے خدا نے چاہا تو گناہوں سے طہارت کا ذریعہ ہے) جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔

ح۔ بیمار پرسی کرنے والوں کو بیمار سے اپنے لیے دُعا کی درخواست کرنا چاہیے:

اس لیے کہ ابن ماجہ اور ابن السنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے، اس لیے کہ اس کا دعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ فرشتوں کا دعا کرنا۔

ط۔ بیمار اگر جان کنی کے عالم میں ہو تو اسے کلمہ لا الٰہ الا اللہ یاد دلانا:

اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

((لقنوا موتاکم لا إله إلا الله)). اپنے قریب المرگ لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔

اور ابو داؤد اور حاکم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

((من کان آخر کلامه لا إله إلا الله دخل الجنة)). جس شخص کی آخری بات لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

مریض کی عیادت کے سلسلہ میں یہ وہ اہم آداب ہیں جو اسلام نے مقرر کیے ہیں اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ انہیں نافذ کریں اور اپنی اولاد کو سکھائیں، تاکہ زندگی میں وہ ان کے عادی بنیں اور لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کریں۔

⑨ تعزیت کے آداب

وہ معاشرتی آداب جن کا مربیوں کو اہتمام کرنا چاہیے اور ان کی طرف بھرپور توجہ دینا چاہیے ان میں سے تعزیت کے آداب بھی ہیں، اگر کسی کے عزیز کا انتقال ہو جائے یا کسی کی کوئی عزیز ترین چیز گم جائے تو اس پر تعزیت کرنا چاہیے تعزیت کا مطلب یہ ہے کہ اچھے اور لطیف کلمات اور مسنون دعاؤں کے ذریعہ سے میت کے پسماندگان کو اس طرح سے تعزیت کرنا جس سے ان کا غم کم ہو اور مصیبت کا جھیلنا ان کے لیے آسان ہو جائے، تعزیت کرنا مستحب ہے خواہ ذمی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ ابن ماجہ وبیہقی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ما من مؤمن یعزی أخاہ بمصیبته إلا کساہ الله عز وجل من حلل الکرامة)). کوئی مؤمن ایسا نہیں ہے کہ جو مصیبت کے موقعہ پر اپنے بھائی سے تعزیت کرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اعزاز واکرام کی پوشاک پہنائیں گے۔

٭ ٭ ٭

اور ترمذی وبیہقی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کرتا ہے تو اس کو بھی اس کے برابر اجر وثواب ملتا ہے۔

اور مناسب یہ ہے کہ تعزیت گھر کے تمام افراد اور رشتہ داروں چھوٹوں بڑوں عورتوں مردوں سب سے کی جائے (البتہ اجنبی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان سے ان کے اعزہ ہی تعزیت کریں گے) یہ تعزیت خواہ دفن سے پہلے ہو یا دفن کے بعد بشرطیکہ تین دن کے اندر اندر ہو، الا یہ کہ تعزیت کرنے والا یا جس سے تعزیت کی جائے گی وہ موجود نہ ہوں تو ایسی صورت میں تین دن کے بعد تعزیت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

تعزیت کے بھی کچھ آداب ہیں جن میں سے اہم اہم درج ذیل ہیں:

الف۔ جہاں تک ہو سکے مسنون کلمات سے تعزیت کیجائے:

امام نووی اپنی کتاب "الاذکار" میں لکھتے ہیں: تعزیت کے سب سے بہترین الفاظ وہ ہیں جو صحیح بخاری ومسلم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپ کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا کہ ان کا بچہ جان کنی کے عالم میں ہے، تو آپ نے اس پیغام لانے والے سے کہا کہ: جاؤ اور ان سے جا کر یہ کہہ دو:

((إن لله ما أخذ، وله ما أعطى	بے شک اللہ نے جو واپس لے لیا وہ بھی اس کا ہے
وكل شئ عنده بأجل مسمى، فمرها	اور جو دیا وہ بھی اس کا ہے اور ہر چیز کا اللہ کے یہاں
فلتصبر ولتحتسب)).	ایک وقت مقرر ہے، اس لیے انہیں جا کر کہہ دو کہ وہ
	صبر کریں اور اجر کی امید رکھیں۔

اور امام نووی لکھتے ہیں: تعزیت جن الفاظ سے کرنا چاہیے ان میں کوئی قید نہیں ہے۔ جس لفظ سے بھی تعزیت کی جائے مقصد حاصل ہو جائے گا۔ البتہ ہمارے اصحاب نے یہ مستحب جانا ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان سے تعزیت کرتے ہوئے ان الفاظ کو ادا کرے:

((أعظم الله أجرك، وأحسن عزاءك	اللہ تعالیٰ تمہارا اجر بڑھائے، اور صبر جمیل کی توفیق دے،
وغفر لميتك)).	اور تمہارے میّت کی مغفرت فرمائے۔

اور مسلمان اگر کسی کافر سے تعزیت کرے تو یہ کہے: ((أعظم الله أجرك، وأحسن عزاءك)) اور کافر اگر مسلمان سے تعزیت کرے تو کہے: ((أحسن الله عزاءك وغفر لميتك)) اور اگر کافر کسی کافر سے تعزیت کرے تو کہے: ((أخلف الله عليك)) اللہ تمہیں اس کا بدل دے۔

ب۔ میت کے گھر والوں کیلیے کھانے کا بندوبست کرنا:

شریعتِ اسلام نے یہ مستحب قرار دیا ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے کھانے کا بندوبست کیا جائے، اس لیے کہ یہ نیکی واحسان میں داخل ہے، اور اس سے امت کے افراد کا رابطہ قوی و مضبوط ہوتا ہے، اور اس لیے بھی کہ میت والے جنازے وغیرہ کے امور میں مشغول ہوں گے، اور اس حادثہ کی وجہ سے شکستہ دل ہوں گے، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آل جعفر کے لیے کھانا بناؤ[1] اس لیے کہ ان پر ایک ایسی مصیبت آن پڑی ہے جو انہیں اس سے غافل کر دے گی، ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کے گھر والوں کا ان لوگوں کے لیے کھانا پکوانا مکروہ ہے جو تعزیت وغیرہ کے لیے آتے ہیں، اس لیے کہ حضرت جریر کی حدیث میں آتا ہے کہ ہم میت کے اہل وعیال کے یہاں اکٹھے ہونے، اور دفن کے بعد کھلانے کے لیے کھانا بنانے کو نوحہ میں شمار کیا کرتے تھے[2]۔

بعض لوگ تعزیت کے دوران کھانا بنواتے ہیں یا دعوت دیتے ہیں یہ نہایت بدترین بدعت ہے جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے اگر تعزیت کرنے والے کو کسی قسم کی دعوت وضیافت دی جائے تو اسے اس کو قطعاً رد کر دینا چاہیے، کیوں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور اسلامی آداب کے منافی ہے۔

ج۔ جس سے تعزیت وغم خواری کرنا ہے اس سے غم واندوہ کا اظہار کرنا:

اور وہ اس طرح کہ اگر وہاں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو تو خشوع وخضوع سے کان لگا کر سنے، اور ایسی حدیثیں بیان کرے جو مصائب سے متعلق ہوں، اور ماثور ومنقول الفاظ سے تعزیت کے الفاظ ادا کرے، اور اسی طرح کے اور ایسے کلمات ادا کرے جو موقع کی مناسبت اور تعزیت سے ربط رکھتے ہوں۔

لیکن مسکرانا یا ہنسنا یا فضول لغو باتیں کرنا یا غیر مناسب اور غیر متعلق قسم کی باتیں کرنا، یا ہنسانے والی باتیں کرنا یہ مصیبت زدہ کے سامنے بے ادبی اور اساءتِ ادب ہے۔ اور ایسی صورت میں ایسا شخص چاہے سمجھے یا نہ سمجھے گناہ میں ضرور گرفتار ہوگا۔

اس لیے میت پر اظہارِ ترحم اور غم وملال کا اظہار اور اس کے مناقب کا بیان کرنا ہی وہ بہترین طریقہ ہے جس

---

[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آل جعفر کو جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے غزوہ موتہ میں شہید ہونے کی اطلاع دی تو اس وقت اپنے گھر والوں کو ان کے لیے کھانے کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔

[2] فقہاء نے اس سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو تعزیت کے لیے دور دراز سے آتے ہوں اور میت والوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو کہ ان کی ضیافت کریں۔

سے اہلِ میت کے ساتھ تعزیت کی جاسکتی ہے، اور سلفِ صالحین اسی طرح کیا کرتے تھے اور اسی انداز سے غم خواری و تعزیت کرتے تھے چنانچہ ابوداؤد ونسائی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث نقل کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے پوچھا: اے فاطمہ تم گھر سے کس کام کے لیے نکلی تھیں؛ انہوں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے یہاں گئی تھی جن کے یہاں فلاں صاحب کا انتقال ہوگیا تھا۔ ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور میت کی تعزیت کی۔

د۔ کسی منکر کو دیکھ کر عمدگی سے نصیحت کرنا:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تعزیت کرنے والا جب کسی کے گھر تعزیت کو جاتا ہے تو وہاں خلافِ شرع اور ناپسندیدہ اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے مثلاً مرنے والے کی تصویر یا تلاوتِ قرآن کے وقت سگریٹ نوشی، یا غمناک موسیقی، یا تعزیت کے لیے آنے والوں کے لیے کھانا پیش کرنا، یا اس کے علاوہ اور ایسی منکر چیزیں جو دین میں ممنوع ہیں، تبلائیے ایسے صورت میں تعزیت کرنے والے کا کیا موقف ہونا چاہیئے؛ یا ایسی صورت میں اسلام اس پر کیا فریضہ عائد کرتا ہے؛

ایسے شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خیرخواہی کے انداز میں جرأت مندی سے حق بات کہہ دے اور حق کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی مطلق پرواہ نہ کرے، اور نہ ایسے موقعہ کی نزاکت حق کہنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے مانع بنے، اور لوگوں کا ڈر اسے نصیحت کرنے اور صحیح بات کہنے اور بری بات سے روکنے میں رکاوٹ نہ بنے، اس لیے کہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

ابن ماجہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر کیسے سمجھے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح کہ وہ یہ سمجھے کہ اس کو فلاں بات کہنا چاہیئے لیکن اس موقعہ پر وہ بات نہ کرے اور اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے روز یہ فرمائے: تبلاؤ تمہیں میرے سلسلہ میں فلاں فلاں بات کہنے سے کون سی چیز مانع تھی؟ وہ شخص کہے گا: لوگوں کا خوف وڈر، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: تو مجھ سے ڈرنے کا زیادہ مستحق تھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ سے بیعت لیا کرتے تھے تو ان سے اس بات پر بیعت لیتے تھے کہ وہ فرمانبرداری واطاعت کریں گے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیرخواہی کریں گے چنانچہ بخاری ومسلم حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر فرمانبرداری واطاعت اور ہر مسلمان کے ساتھ خیرخواہی کرنے پر بیعت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو برائیوں کو بدل سکتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے مٹانے کی کوشش نہیں کرتے ایسے لوگوں کو مرنے سے پہلے اللہ کے عذاب میں گرفتار ہونے سے ڈرایا ہے، چنانچہ ابوداؤد حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

«ما من رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدرون أن يغيروا عليه ولا يغيرون إلا أصابهم الله منه بعقاب قبل أن يموتوا».

کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو کسی ایسی قوم میں گناہ کرے جو اس کو اس سے روکنے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر بھی اس شخص کو اس سے نہ روکیں مگر یہ کہ اللہ انہیں اس کی وجہ سے مرنے سے پہلے عذاب دے گا۔

* * * *

بلاشبہ اچھی باتوں کا حکم دینا نرمی اور پیارا ور اچھے طریقے، مناسب حکیمانہ انداز سے ہونا چاہیے تاکہ قلوب وعظ ونصیحت سنیں اور نفوس پر اس کا اثر ہو۔ اور بسا اوقات اخلاص وحکمت نرم انداز سے کہی گئی ایک بات بھی سننے والے کو ایک دوسرے قسم کا انسان بنا دیتی ہے۔ اور وہ اللہ کے نیک صالح مومن بندوں میں سے بن جاتا ہے اللہ جل شانہ نے بالکل درست فرمایا ہے:

«ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ». النحل - ۱۲۵

بلائیے اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور بھلی طرح نصیحت سنا کر، اور الزام دیجیے ان کو جس طرح بہتر ہو۔

تعزیت کے آداب کے سلسلہ میں یہ وہ اہم قواعد ہیں جو اسلام نے مقرر کیے ہیں، اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی ان کی طرف رہنمائی کریں تاکہ لوگوں کے ساتھ معاملات اور معاشرتی زندگی میں وہ ان کے عادی بنیں۔

(۱۰) چھینک اور جمائی کے آداب

وہ معاشرتی آداب جن کا اسلام نے حکم دیا ہے اور لوگوں کو ان کے اپنانے پر ابھارا ہے ان میں سے چھینک اور جمائی کے آداب بھی ہیں، مربیوں کو اپنے بچوں کو یہ آداب سکھانا چاہیے اور ان کا بہت اہتمام وخیال رکھنا چاہیے تاکہ ان آداب پر عمل کرکے اور ان اخلاق سے متصف ہو کر بچے اچھے اور شاندار روپ میں ظاہر ہوں۔

چھینک کے وہ آداب کیا ہیں جن کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی کی ہے؛

الف۔ حمد وثناء اور ہدایت ورحمت کے الفاظ کا پابند ہونا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے:

امام بخاری حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ: الحمدللہ کہے اور اس کا بھائی یا ساتھی اس کے جواب میں: یرحمک اللہ کہے، جب اس کو (اس کا ساتھی) یرحمک اللہ کہے تو اسے چاہیے کہ وہ: ((یھدیکم اللہ ویصلح بالکم)) کہے یعنی اللہ آپ کو ہدایت دے اور آپ کی حالت درست کرے۔ اور ابوداؤد وترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ وہ اسے: ((یغفر اللہ لنا ولکم)) کہے یعنی اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے۔

ان احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

چھینکنے والا الحمدللہ یا الحمدللہ رب العالمین یا الحمدللہ علی کل حال[1] کہے۔

اور اس کا ساتھی اسے: یرحمک اللہ کہے۔

اور چھینکنے والا اس کے جواب میں: یھدیکم اللہ ویصلح بالکم یا یغفر اللہ لنا ولکم کہے۔

مسلمان کو ان کلمات کی پابندی کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔

ب۔ اگر چھینکنے والا الحمدللہ نہ کہے تو اس کا جواب نہ دیا جائے:

اس لیے کہ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:

((إذا عطس أحدكم فحمد الله فشمتوه فإذا لم يحمد الله فلا تشمتوه)).	جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو اس کو جواب دو، اور اگر وہ الحمدللہ نہ کہے تو اس کو چھینک کا جواب نہ دو۔

٭ ٭ ٭

اور بخاری ومسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود دو آدمیوں کو چھینک آئی، ان میں سے ایک کو آپ نے چھینک کا جواب دیا دوسرے کو نہ دیا، جس کو آپ نے جواب نہ دیا تھا اس نے عرض کیا کہ: فلاں آدمی کو چھینک آئی تو آپ نے اس کو جواب دیا اور مجھے چھینک

---

[1] جیسا کہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی بعض روایات میں منقول ہیں، ملاحظہ ہو امام نووی کی کتاب الاذکار کا باب چھینک آنے والے کا جواب اور جمائی کا حکم۔

آئی تو آپ نے جواب نہ دیا ؟ تو رسولِ رسولِ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

((ھذا احمد اللہ وانک لم تحمد اللہ)) اس نے تو الحمدللہ کہا تھا اور تم نے الحمدللہ نہیں کہا۔

حاضرین میں سے اگر کوئی صاحب الحمدللہ کہہ دیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ چھینکنے والے کو چھینک کے بعد الحمدللہ یاد آجائے۔

ج ۔ چھینک کے وقت منہ پر ہاتھ یا رومال رکھ لینا چاہیے اور جہاں تک ہوسکے آواز کو دبانا چاہیے :

اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تھی تو آپ اپنا ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور اس کے ذریعہ سے آواز کو پست کر لیا کرتے تھے۔

اور ابن السنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چھینک اور جمائی لینے میں آواز کو بلند کرنے کو ناپسند رکھتے ہیں۔

د ۔ تین مرتبہ چھینک آنے تک جواب دینا :

اگر کسی شخص کو مسلسل بار بار چھینک آئے تو ایسی صورت میں سنت یہ ہے کہ سننے والا اسے تین مرتبہ تک جواب دے اس لیے کہ مسلم و ابوداؤد و ترمذی حضرت سلمہ بن الأکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھینک آئی ، میں وہیں موجود تھا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا ، انہیں دوبارہ چھینک آئی یا تیسری مرتبہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

یرحمک اللہ ، ان صاحب کو زکام ہوگیا ہے۔

تین مرتبہ کے بعد جواب نہیں دینا چاہیے اس لیے کہ ابن السنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کے ہم نشین کو یرحمک اللہ کہنا چاہیے ، اور جب وہ تین مرتبہ سے زیادہ چھینکے تو اسے مزکوم (زکام زدہ) کہنا چاہیئے ، اور تین مرتبہ کے بعد یرحمک اللہ نہیں کہنا چاہیئے۔

بہت سے علماء نے یہ مستحب بتلایا ہے کہ تین مرتبہ چھینک آنے پر اس کے ساتھی اس کے لیے صحت وسلامتی کی دعا کریں ، اور اس کو یرحمک اللہ نہ کہا جائے۔

ھ ۔ غیر مسلم کو چھینک آنے پر یہدیکم اللہ کے ذریعہ سے جواب دینا چاہیئے :

اس لیے کہ ابوداؤد و ترمذی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قصداً چھینکا کرتے تھے تاکہ آپ ان کی چھینک کے جواب میں انہیں یرحمکم اللہ فرمادیں، آپ انہیں جواب میں: یہدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری اصلاح کرے) فرمایا کرتے تھے۔

و ۔ اجنبی جوان عورت کی چھینک کا جواب نہیں دیا جائے گا :

اکثر علماء و مجتہدین کا مذہب یہ ہے کہ اگر اجنبی عورت کو چھینک آئے تو اس کی چھینک کا جواب دینا مکروہِ تحریمی ہے ہاں اگر کوئی بوڑھی عورت ہو تو مکروہ نہیں۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عابد بیٹھے تھے کہ امام احمد کی اہلیہ کو چھینک آئی تو ان عابد نے جواب میں یرحمک اللہ کہا، تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جاہل عابد ہے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ ان عابد کو یہ مسألہ معلوم نہیں ہے کہ اجنبی عورت کی چھینک کا جواب دینا مکروہ ہے۔

جمائی کے آداب درجِ ذیل ہیں :

الف ۔ جہاں تک ہو سکے جمائی کو دبایا جائے :

اس لیے کہ امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتے ہیں اور جمائی کو ناپسند فرماتے ہیں، لہذا جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو جو شخص بھی اسے سنے اس پر لازم ہے کہ وہ اسکے جواب میں یرحمک اللہ کہے لیکن جمائی شیطان کے اثر سے آتی ہے لہذا جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آنے لگے تو جہاں تک ہو سکے اس شخص کو روکنا چاہیے، اس لیے کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔

ب ۔ جمائی کے آتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہیئے :

اس لیے کہ امام مسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آئے تو اسے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لینا چاہیئے، اس

لیے کہ شیطان داخل ہوجاتا ہے۔

اکثر علماء ومجتہدین کا مذہب یہ ہے کہ جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ کا رکھنا مستحب ہے چاہے جمائی نماز کی حالت میں آئے یا نماز کے باہر۔

ج ۔ جمائی کے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے:

اس لیے کہ امام مسلم اور احمد و ترمذی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند، لہٰذا جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آئے تو اسے: ہاہ، ہاہ نہیں کہنا چاہیئے اس لیے کہ یہ شیطانی اثر کی وجہ سے ہوتا ہے جس کو سن کر وہ ہنستا ہے۔

اور ابن السنی حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ چھینک اور جمائی میں آواز بلند کرنے کو پسند نہیں فرماتے۔

فائدہ: سلف صالحین سے مروی ہے کہ جس شخص کو جمائی آرہی ہو وہ یہ تصور کرلے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو کبھی جمائی نہیں آئی خدا نے چاہا تو جمائی آنا رک جائے گی۔

چھینک اور جمائی کے سلسلہ میں جو قواعد وآداب اسلام نے مقرر کیے ہیں ان میں سے یہ اہم اہم قواعد تھے، لہٰذا مربیوں کو چاہیے کہ اپنے خاندانوں، اولاد اور گھر والوں میں ان کو رائج کریں، تاکہ وہ سب بھی اپنی معاشرتی و اجتماعی زندگی اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں ان کے عادی بنیں۔

معاشرتی واجتماعی آداب اور میل ملاقات کے اصول وضوابط میں سے یہ اہم آداب وقواعد تھے۔

مسلمان جب ان آداب کو عملی جامہ پہناتا ہے اور معاشرہ میں عملی طور سے ان کی تطبیق دیتا ہے، اور اپنے کردار سے انہیں پیدا کر دکھاتا ہے تو ایسی صورت میں وہ کتنا محترم اور کتنا معزز وقابل احترام بن جاتا ہے۔

اور مسلمان جب کھانے پینے، سلام واجازت طلب کرنے، اور اٹھنے بیٹھنے، بات کرنے، مذاق ودل لگی، مبارکباد دینے، تعزیت کرنے، چھینکنے اور جمائی کے آداب پہچان لیتا ہے تو اخلاق وکردار کی کتنی عظیم بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے!! اور یہ وہ آداب ہیں جنہیں اسلام نے چھوٹے بڑے، اور عورت ومرد، اور حاکم ومحکوم، اور امیر اور بازاری، اور عالم وجاہل سب پر واجب ولازم کیا ہے، تاکہ مسلمانوں میں باوجود اختلاف جنس وزبان اور ثقافت والوان کے تغایر کے باوجود، انسانی وجود میں باکمال معاشرے کی علامات کھلی آنکھوں سے متجسّد وموجود نظر آئیں۔

اور واقعۃً ایک طویل زمانے تک یہ آداب مسلمان معاشرہ میں مجسم موجود رہے، جب مسلمانوں کی اپنی حکومت

اور بادشاہت اور مملکت و تشخص تھا۔ اس وقت جب کہ مسلمان خلیفہ وحاکم یہ آداب لازم قرار دیا کرتا تھا، اور اس بات کی نگرانی کرتا تھا کہ کون ان کو عملی تطبیق دے رہا ہے اور کون اس سلسلہ میں کوتاہی کر رہا ہے، اس وقت جبکہ اسلامی معاشرہ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور بھلائی ایک دوسرے کا معاون و مددگار اور ہاتھ بٹانے والا ہوتا تھا، اور ایک دوسرے کے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیا کرتا تھا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتا تھا۔ یہ وہ دور تھا جس میں لوگ فوج در فوج دینِ اسلام میں داخل ہوا کرتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ جب لوگ مسلمانوں کو دیکھتے تھے تو اسلام کو ان کے عادات و اخلاق میں عملی شکل میں موجود پاتے تھے۔ اور اسلام ان کے طور طریقوں اور حالات میں متمثل ہوا کرتا تھا، اور لینے دینے و دیگر معاملات میں نمایاں وکھلا ہوا ہوتا تھا، جس کا طبعی اثر یہ ہوتا تھا کہ لوگ اسلامی عدل و انصاف کو قبول کرتے تھے اور خوشی خوشی اسلام کے ابدی پیغام پر ایمان لاتے تھے۔ یہ ہیں مسلمانوں کے اخلاق اور ان کے معاشرتی آداب۔

اصولی اور صحیح بات یہ ہے کہ اس اُمت کے آخری زمانے والوں کی اصلاح بھی اسی سے ہوگی جس سے پہلے والوں کی اصلاح ہوئی تھی، اس لیے آج کے مربیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے عزائم بلند رکھیں، ہمتیں تیز کر دیں۔ اور قوی کو مجتمع رکھیں، اور اس مسلمان معاشرے اور نئی پود میں ان شاندار معاشرتی آداب کے پیدا کرنے اور ان کو ان کا عادی بنانے کے لیے اپنی بلند ہمتی اور قوتِ عزم سے کام لیں۔ اور ان کے بچپن ہی سے عملی مجاہدے کا آغاز کر دیں، تاکہ حسبِ منشا نتیجہ حاصل ہو۔ اور شاندار پھل حاصل ہو۔ ان کے اس مجاہدے کا اللہ ان کو بڑا اجر دے گا اور اگر انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر لیا اور اپنے فرض کو ادا کر لیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ——— ان کے لیے زبردست اجر و ثواب مقرر کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ مخلص و سچے عاملین کو بہت اچھا بدلہ دیتا ہے اور اچھے کام کرنے والوں کے اجر کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔

اخیر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ دو اہم مسألوں کی طرف اشارہ کرتا چلوں:

الف ۔ جن معاشرتی آداب کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے ان کا اہتمام اسلام اور مسلمانوں کے سوا کسی دین یا عقیدہ یا مذہب و معاشرہ نے نہیں کیا۔

ب ۔ یہ آداب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا عظیم الشان معاشرتی دین ہے جو تمام انسانی معاشروں کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہے وہ صرف انفرادی دین نہیں ہے اور نہ کوئی کاہنوں کا قانون ہے، اور نہ ہی دین اسلام کاغذی دین یا نام کا مذہب ہے:

﴿ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَأَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ

یہ تو اللہ کی مخلوق ہوئی اب مجھے دکھاؤ کہ اس (اللہ) کے علاوہ جو ہیں انہوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں، اصل یہ ہے

ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ))۔ لقمٰن - ۱۱ کہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

رابعاً۔ نگرانی اور معاشرتی تنقید

بچے کی کردار سازی اور معاشرتی سطح پر اس کی تربیت کے اہم ترین اجتماعی و معاشرتی بنیادی اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ بچے کو شروع ہی سے اس بات کا عادی بنادیا جائے کہ وہ معاشرہ پر نظر رکھے اور موقعہ بموقعہ ضرورت کیمطابق تنقید و اصلاح کرتا رہے اور جن کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے یا جن کے ساتھ اس کا تعاون یا میل جول ہے ان کی خیر خواہی و اصلاح کے لیے کوشاں رہے اور جس شخص میں بھی انحراف یا شذوذ محسوس ہو اس کے ساتھ خیر خواہی و نصیحت کرتا رہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بچے کو شروع ہی سے اسلام کے اس بنیادی اہم قاعدے اور اصول کا عادی بنا دیا جائے جو اس پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں عائد ہوتا ہے۔ جو اسلام کے ان اساسی قواعد میں سے ہے جو عوامی رائے کی حفاظت اور فساد و انحراف سے جنگِ اور امتِ اسلامیہ کے کارناموں اور تشخصات اور اعلیٰ اخلاق کی حفاظت کے لیے مقرر کیے گیے ہیں۔

اس لیے ہمیں ایسے مربیوں کی سخت ضرورت ہے جو حقیقت پسند و فرض شناس ہوں، جو بچے کے آنکھ کھولتے ہی اس میں جرأت و شجاعت وحق گوئی کی صفت پیدا کردیں، تاکہ بچہ جب اس عمر کو پہنچ جائے جس میں اس میں نقد و تنقید، نصیحت و خیر خواہی، اور قول و فعل کی اہلیت پیدا ہو جائے تو وہ عمدگی سے نصیحت و خیر خواہی اور تنقید و نقد کے اپنے فریضے کو انجام دے سکے، بلکہ دعوت الی اللہ کے میدان کا شہسوار اور اسلام کی دعوت و پیغام پہنچانے کا سپاہی، اور کجی و انحراف دور کرنے والا بن جائے۔ اور اس سلسلہ میں اسے نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ ہو، اور نہ کوئی ظالم و جابر اسے کلمۂ حق کہنے سے روک سکے۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اصول و مراحل کیا ہیں جو بچے میں جانچنے پرکھنے، نقد و تنقید اور رائے عامہ کی حفاظت کا مادہ پیدا کردیں؟

میں اب ان اہم اصولوں اور مراحل کو مربیوں کے سامنے پیش کرتا ہوں، تاکہ وہ تربیت اور شخصیات کی تیاری اور افراد کے بنانے کے سلسلہ میں اپنے فریضے کو ادا کر سکیں:

۱ - رائے عامہ کی حفاظت ایک معاشرتی ذمہ داری ہے:

اسلام نے رائے عامہ کی حفاظت کو فرض قرار دیا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شکل میں تمام امت کو شامل و محیط ہے چاہے ان میں انواع اقسام کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو اور اس سلسلہ میں ان میں نہ کوئی امتیاز ہے

نہ تفریق، یہ فریضہ اسلام نے حکام و علماء، عوام وخواص مرد وعورت، جوان وبوڑھے، چھوٹے اور بڑے، ملازمین وافسران سب پر برابر کا فرض کیا ہے اور اس ذمہ داری کو ایک ایسی معاشرتی ذمہ داری قرار دیا ہے جس سے کوئی انسان بھی مستثنیٰ نہیں ہے ہر شخص پر اس کی حیثیت وطاقت اور ایمان کے مطابق یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔

اس کی بنیادی دلیل اور اساس اللہ تعالیٰ کا فرمانِ ذیل ہے:

«كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ» آل عمران۔ ۱۱۰	تم ان سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اور مسلمانوں کے اجتماعی ومعاشرتی فریضے کے سلسلہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

«وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ» التوبہ۔ ۷۱	اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، نیک بات سکھلاتے ہیں اور بری بات سے منع کرتے ہیں، اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ اور زکاۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہر اس شخص سے جو مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جب بیعت لیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے تنگی وفراخی خوشی وناخوشی دونوں حالتوں میں فرمانبرداری و اطاعت کی بیعت لیتے تھے، اور ساتھ ہی یہ بھی وعدہ لیا کرتے تھے کہ وہ جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور حق بات اور اللہ کا پیغام پہنچانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہ کریں۔

امام بخاری ومسلم حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر تنگی وفراخی، خوشی وناخوشی ہر حالت میں اطاعت وفرمانبرداری پر بیعت کی، اور اس پر بھی کہ اگر ہم پر کسی دوسرے کو ترجیح دی گئی تو ہم اسے برداشت کریں گے، اور حکام کے خلاف بغاوت نہ کریں گے مگر یہ کہ ہم ایسا کھلا ہوا کفر دیکھ لیں جس کی مخالفت کرنے کی ہمارے پاس من جانب اللہ برہان ودلیل ہو، اور اس پر بھی بیعت کی کہ ہم جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور اللہ کا پیغام پہنچانے میں کسی ملامت کرنے والے کی قطعاً پرواہ نہ کریں گے۔

معاشرے کو افراد پر اور افراد کو معاشرے پر جو نظر رکھنا چاہیے اس کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک کشتی کے ساتھ دی ہے، تاکہ ہر مسلمان اپنے معاشرتی و اجتماعی فریضۂ دیکھ بھال و نگرانی کو محسوس کرے اور اس کی مزید تاکید ہو جائے، اور ظالم کے ہاتھ کو پکڑ لیا جائے، تاکہ امت کا عقیدہ و اخلاق محفوظ رہے، اور اس کا وجود و تشخص برقرار رہے اور وہ دوسروں کے ہاتھ میں کھلونا بننے اور ظالموں و جابروں کے پنجۂ استبداد میں جانے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے، امام بخاری و ترمذی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہو اور اس کی مثال جو اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرتا ہو اس قوم کی طرح ہے جو کشتی میں قرعہ اندازی سے سوار ہوئی ہو، اور بعض کو اوپری منزل ملی ہو اور بعض کو نچلی، جو لوگ نچلی منزل میں ہوں وہ پانی لینے کے لیے اوپر کی منزل والوں کے پاس سے گزرتے ہوں، اگر نچلی منزل والے یہ سوچ لیں کہ اگر ہم اپنی منزل میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیا کریں، تو اگر ایسی صورتحال میں اوپر کی منزل والے ان کو یہ سوراخ کر لینے دیں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے، اور اگر اوپر والے ان کا ہاتھ پکڑ لیں (اور ان کو سوراخ نہ کرنے دیں) تو وہ خود بھی بچ جائیں گے اور دوسروں کو بھی بچالیں گے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امتِ اسلامیہ کے تمام افراد پر واجب و لازم ہے۔ اور یہ ہر مسلم فرد پر ایک اجتماعی و معاشرتی فریضہ ہے، اس کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اس لیے لعنت کے مستحق بنے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو برائی سے نہ روکا، اور کوئی انسان بھی اللہ کی لعنت کا مستحق اس وقت تک نہیں بنتا جب تک کہ کسی ایسے فریضے کو ترک نہ کرے جو اس کے ذمہ فرض ہو۔ اس لیے آیت:

((لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ)) مائدہ ـ ۷۸، بنی اسرائیل میں کافر ملعون ہوئے۔

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا ہر مسلمان مرد و عورت، جوان و بوڑھے اور چھوٹے بڑے پر فرض ہے، اور اس کے واجب ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمانِ مبارک بھی دلالت کرتا ہے جسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ جب بنو اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے، تو ان کے علماء نے انہیں ان سے روکا، لیکن وہ لوگ باز نہ آئے اور ان کے علماء پھر بھی ان کے ساتھ مجالس میں شریک ہوتے رہے اور خورد و نوش میں شریک رہے۔ تو اللہ نے ان کے دل ایک جیسے کر دیے اور ان پر حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام کی زبانی لعنت بھیجی، جس کی اصل وجہ ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے آرام فرماتے سیدھے بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ نہیں!! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب تک کہ تم انہیں حق پر اچھی طرح سے مجبور نہ کر دو۔

اس فریضے کے واجب ہونے کی مزید تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اسلام کی خاطر اور معاشرہ کی اصلاح و درستگی کے لیے اور مفسدین و فتنہ پردازوں کی سرکوبی کے فریضہ سے پیچھے ہٹا وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوا

چنانچہ بخاری ومسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس نہایت گھبراہٹ کے عالم میں تشریف لائے اور آپ یہ فرمارہے تھے : اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں . ہلاکت ہو عربوں کے لیے اس شر سے جو قریب آچکا ہے ، آج کے دن یاجوج وماجوج کی سد میں اتنا سوراخ ہو گیا ہے اور آپ نے انگوٹھے اور اس کے برابر والی انگلی سے حلقہ بنا کر اشارہ کیا . تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہم اس وقت بھی ہلاک کیے جاسکتے ہیں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : جی ہاں ! جب برائیاں عام ہوجائیں ۔

اس کے واجب ہونے کی مزید تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ امت میں سے کسی بھی فرد کی حتیٰ کہ صلحاء واتقیاء کی دعا بھی قبول نہیں فرماتے اس لیے کہ انہوں نے گمراہوں کی رہنمائی وہدایت اور ظالموں کی مقاومت ومقابلے کے فریضہ سے روگردانی کی تھی چنانچہ امام ترمذی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر عذاب نازل فرمادے اور پھر تم دعا مانگو تو اسے بھی قبول نہ کرے ۔

اور ابن ماجہ وابن حبان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ، میں نے چہرہ دیکھ کر سمجھ لیا کہ کوئی معاملہ درپیش ہے ۔ آپ نے وضو کیا اور کسی سے کوئی بات نہ کی ، میں کمرے کی دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی تاکہ آپ کی گفتگو سن سکوں ، چنانچہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا : اے لوگو : اللہ تعالیٰ تم سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے رہو ، اور بری باتوں سے روکتے رہو اس سے قبل کہ تم مجھ سے دعا مانگو اور میں تمہاری دُعا قبول نہ کروں ، اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں عطا نہ کروں ، اور تم مجھ سے مدد طلب کرو اور میں تمہاری مدد نہ کروں ، آپ نے ان سے یہ فرمایا اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی بری بات کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے درست کردے . اگر یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے اس پر نکیر کرے . اور اگر اتنی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھے ، یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے ، اس حدیث سے بعض حضرات اس بات پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہاتھ اور قوت بازو کے ذریعہ برائی کا مٹانا حکام اور امراء کا کام ہے . اور زبان سے یہ فریضہ ادا کرنا علماء کا کام ہے . اور دل سے برا سمجھنا عوام کا کام ہے . لیکن یہ استدلال بے بنیاد ہے . اس حدیث سے اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی ، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک ((مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا)) میں لفظ "مَنْ" عموم پر دلالت کرتا ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو کسی منکر و برائی کو ہاتھ یا زبان سے مٹا سکتا ہو . یا دل سے اسے برا سمجھے

خواہ وہ حاکم و بادشاہ ہو یا عالم یا عام آدمی بشرطیکہ وہ اس خطرناک انجام کو سمجھ لیں جو نکیر نہ کرنے کی صورت میں اس برائی کے پھیلنے پر مرتب ہوگا، اور یہ اس عمومی حکم کی وجہ سے جس پر ابھی ابھی ذکر کردہ حدیث دلالت کررہی ہے، اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک:

((وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ))۔ آل عمران۔ ۱۰۴

اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ایسی رہے جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف، اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے، اور برائی سے منع کریں، اور وہی اپنی مراد کو پہنچے۔

میں کلمۂ "امت" تمام امت کو شامل ہے چاہے اس کا تعلق کسی بھی طبقے اور معاشرے سے ہو خواہ وہ حکام ہوں یا علماء یا عوام، ورنہ پھر یہ کیسے ممکن ہوگا کہ امت ان لوگوں کی تاک میں رہے جو اس امت کے دین و اخلاق کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، اور اس کے عقائد و مقدس احکامات کا مذاق اڑاتے ہیں، اور روئے زمین پر فساد و ظلم کا بازار گرم کرتے ہیں، اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا ڈالیں، اگر تمام امّت مل کر برائی کا مقابلہ نہ کرے، ظالموں وجابروں کے سامنے ایک صف واحد بن کر کھڑی نہ ہو تو پھر وہ ان کے سامنے سدِ سکندری کس طرح بن سکے گی۔

اس لیے مربیوں کو چاہیے کہ نئی پود کی نفوس اور قول و فعل میں جرأتِ ادبی اور شجاعت نفسانی پیدا کریں تاکہ بچہ شروع ہی سے دوسروں کے حقوق کی حفاظت اور فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی اور ہر شخص پر مصلحانہ و خیر خواہانہ نقد پر پلے بڑھے،

۲۔ اس سلسلہ میں قابلِ اتباع ضروری اصول:

اچھی باتوں کا حکم دینے اور بُری باتوں سے روکنے کے کچھ ضروری اصول اور ایسی لازمی شروط ہیں جو مربیوں کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے اور اپنے بچوں کو ان کی تعلیم دینا چاہیئے اور چھوٹوں کو ان کی تلقین کرنا چاہیے تاکہ بچہ ان اصولوں کو سمجھے اور ان قواعد کے مطابق زندگی گزارے، اور پھر جب وہ دعوت الی اللہ کے فریضہ کو انجام دے گا اور دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دے گا، اور بُری باتوں سے روکے گا تو اس کی بات پر زیادہ لبیک کہی جائے گی اور اسکا دوسروں پر زیادہ اثر ہوگا۔

اکثر علماء و دعاۃ کے خیال میں وہ اصول درجِ ذیل ہیں:

الف۔ داعی کا قول اس کے فعل کے مطابق ہو:

اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ)). الصف۔ ۲و۳

اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

اور ارشادِ ربّانی ہے:

((اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ)) البقرہ۔۴۴

کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور اپنے آپ کو بھولتے ہو اور تم تو کتاب پڑھتے ہو پھر سوچتے کیوں نہیں۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس فرمانِ مبارک کی وجہ سے جسے بخاری ومسلم حضرت اسامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تو لوگ اس سے کہیں گے کہ اے فلانے! تمہیں کیا ہوگیا؟ کیا تم اچھی باتوں کا حکم نہیں دیتے تھے اور بری باتوں سے نہیں روکتے تھے؟ تو وہ کہے گا: کیوں نہیں! میں دوسروں کو اچھی بات کا حکم دیا کرتا تھا لیکن خود ان پر عمل نہیں کرتا تھا اور دوسروں کو برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود برائیاں کیا کرتا تھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کی وجہ سے جسے ابن ابی الدنیا اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے اسراء پر لیجایا گیا میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے منہ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے حضرت جبرئیل سے معلوم کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں کہتے تھے جن پر خود عمل نہیں کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

سلفِ صالحین رحمہم اللہ کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنی نفوس اور اپنی اولاد وگھر والوں کے محاسبے اور ان کو اچھی باتوں کا حکم دینے اور تقویٰ وعملِ صالح کی ترغیب دینے سے قبل دعوت الی اللہ اور دوسروں کو تعلیم دینے سے تنگ دل ہوا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ وہ دوسروں کو اچھی بات کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے سے قبل اپنے گھر والوں کو جمع کرکے ان سے فرماتے تھے: حمد وصلاۃ کے بعد سن لو کہ میں لوگوں کو فلاں فلاں چیز کی دعوت دوں گا اور فلاں فلاں بات سے روکوں گا، اور میں خدائے ذوالجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یاد رکھو کہ اگر مجھے تم میں سے کسی کی طرف سے یہ اطلاع ملے گی کہ اس نے وہ کام کیا جس سے میں نے لوگوں کو روکا ہے یا اس نے اس کام کو چھوڑ دیا جس کا میں نے لوگوں کو حکم دیا ہے تو میں اسے سخت ترین سزا دوں گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر جاتے اور جو بات کہنا چاہتے وہ لوگوں سے فرما دیتے، اور پھر کوئی شخص بھی اطاعت وفرمانبرداری کیے بغیر نہیں رہ پاتا تھا۔

اور یہ حضرت مالک بن دینار جب لوگوں سے مندرجہ ذیل حدیث بیان کرتے کہ "کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ وہ کوئی وعظ

کرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے یہ سوال کرے گا کہ اس نے ایسا کیوں کیا[1] "تو رونے لگتے اور پھر فرماتے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں وعظ کرکے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، حالانکہ مجھے یہ بخوبی معلوم ہے کہ اللہ مجھ سے اس وعظ کے بارے میں بازپرس کرے گا، مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے یہ وعظ کس لیے کیا تھا؟ تو میں یہ عرض کروں گا کہ اے اللہ آپ میرے دل کے حال کو بخوبی جاننے والے ہیں، اگر مجھے یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ آپ وعظ و نصیحت کو پسند کرتے ہیں تو میں کبھی دو آدمیوں کے سامنے بھی وعظ و نصیحت نہ کرتا۔

اس لیے دعاۃ و واعظین کو اپنے اندر یہ شاندار و عظیم عادت پیدا کرنا چاہیے تاکہ لوگ ان کی بات قبول کریں اور ان کے وعظ و نصیحت پر لبیک کہیں۔

ب ۔ جس برائی سے روک رہے ہوں وہ متفق علیہ برائی اور امرِ منکر ہونا چاہیے :

جن امور میں اہلِ علم و مصلحین کے دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہو سکتا یہ بھی ہے کہ جس برائی و منکر سے مسلمان روک رہا ہے وہ ایسی برائی ہو جس کے برا ہونے پر فقہاء و ائمۂ مجتہدین متفق ہوں۔ لیکن اگر کوئی امر ایسا ہو جس میں قابلِ اعتماد مجتہدین کا اختلاف ہو تو شریعت کی نظر میں وہ امرِ منکر شمار نہ ہوگا، اس لیے کسی حنفی المذہب کو اجتہادی مسائل میں کسی شافعی المذہب پر نکیر نہیں کرنا چاہیے، اور اس طرح کسی حنبلی المذہب کو کسی مالکی المذہب پر اعتراض و نکیر نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ ان تمام ائمہ میں سے ہر امام نے حجت و دلیل کے ساتھ صحیح حکم اور حقیقت تک پہنچنے کی اپنی سی کوشش کی ہے، اور ان ائمہ میں سے ہر امام نے اپنے مذہب کی آبیاری شریعت کے مشہور و معروف مصادر و مراجع: قرآنِ کریم، سنتِ نبویہ، اجماع اور قیاس سے کی ہے، اس لیے ایسی صورت میں کسی دوسرے مذہب کے پیروکار پر نکیر کا کیا مطلب جب کہ وہ ایک ایسے امام کی پیروی کر رہا ہے جو علم کا پہاڑ اور تقویٰ و ورع میں مقتدیٰ اور ذکاوت و فہم اور مہارت میں آیت اللہ ہے، اور یہ مثل تو پہلے سے مشہور چلی آرہی ہے کہ: من قلد عالماً لقی اللّٰہ سالماً جو شخص کسی عالم کی تقلید کرلے گا وہ اللہ سے صحیح سالم و محفوظ رہ کر ملاقات کرے گا۔

رہے وہ لوگ جو دوسروں پر اس لیے نکیر کرتے ہیں کہ وہ مقلد ہیں اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اس زمانے کے مجتہدین میں سے ہیں تو یہ لوگ اپنے اس متشددانہ اور سخت موقف کی وجہ سے امت کی وحدت کو ختم کرنے والے ہیں اور مسلمانوں کی جماعت کی عزت و فتح اور کامرانی کے سفر میں روڑے اٹکانے والے ہیں۔

ایسے حضرات کو ہم یہ خیرخواہانہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنے موقف کو بدلیں، اور اپنی تیزی و شدت اور غلو میں کمی کریں، اور مسلمانوں کے ان سخت و شدید حالات کو سمجھیں جو انہیں ڈرا دھمکا رہے ہیں، اور ان خطرناک سازشوں کو پہچانیں جو انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اور اس بنیادی بات پر عمل کریں جو اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ ہم اس پر عمل کریں

[1] اس حدیث کو بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔

جس میں متفق و متحد ہیں اور جس میں ہمارا ایک دوسرے سے اختلاف ہے اس میں ہم ایک دوسرے کو معذور سمجھیں، اگر یہ حضرات اس نصیحت پر واقعۃً عمل پیرا ہو جائیں تو ان کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو امّت کی وحدت وقوت کے لیے کام کرنے والے ہیں بلکہ وہ فتح و نصرت کے باب میں جماعت مسلمین کے لیے مرجع و سند بن جائیں گے، اور پھر یہ مخلص کارکنوں کے ساتھ مل کر اسلامی مملکت قائم کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے والوں میں شمار ہوں گے اور یہ بات اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

ج۔ برائی پر نکیر کرنے میں تدریج سے کام لینا چاہیے:

برائی کے ازالہ میں مرحلہ وار تدریجاً کام کرنا چاہیے، چنانچہ پہلے مرحلہ میں بغیر تجسس کے منکر پر مطلع ہونے کی کوشش کرے، پھر اس برائی کے مرتکب کو یہ بتلا دے کہ یہ کام برا ہے، پھر وعظ و نصیحت اور اللہ کے خوف سے ڈرا کر اس برائی سے روکنے کی کوشش کرے۔ لیکن اگر کسی شخص پر اس وعظ و نصیحت کا بھی اثر نہ ہو تو اسے سختی سے سرزنش کرنا چاہیے، اور اگر اس کا اثر بھی نہ ہو تو پھر ڈرانا دھمکانا چاہیے کہ برائی کرنے والے کے ساتھ ایسا ایسا کیا جائے گا، اور پھر اس برائی کو قوت بازو سے ختم کر دینا چاہیے مثلاً ممنوع کھیل کود کے سامان کا توڑنا، شراب کے مٹکوں کا ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا، اور لوگوں پر زیادتی و عدوان سے روک دینا، اور پھر اس برائی کو بغیر ہتھیار کے جماعت و افراد کی معاونت سے ختم کرنا، افراد کے حق میں ضرورت کی خاطر ایسا کرنا روا ہے لیکن جتنی حاجت و ضرورت ہو اسی پر اکتفا کرنا چاہیے، البتہ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس سے لوگوں میں فتنہ و فساد نہ پھیلے، اس کے بعد یہ درجہ آتا ہے کہ قوم سب کی سب یا اس کی ایک جماعت اس منکر کو ختم کرنے کے لیے قوت و اسلحہ کو استعمال کرے، لیکن اس کام کے لیے صرف چند افراد کو نہیں اٹھ کھڑے ہونا چاہیے اس لیے کہ اس سے تو فتنہ اور بڑھتا ہے اور فساد میں اضافہ ہوتا ہے اور ملک تباہ ہو جاتا ہے[۱]

برائی کی روک تھام کے سلسلہ میں فقہاء نے جو بنیادی نقطہ ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس برائی کو نرمی سے ختم کیا جا سکتا ہو تو سختی اختیار نہیں کرنا چاہیئے، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی برائی کو نصیحت اور نرمی سے ختم کر سکتا ہو تو اس کو سختی اور درشتگی اختیار نہیں کرنا چاہیئے، اور اگر درشتگی اور سخت کلامی سے کام چل سکتا ہو تو ہاتھ سے منکر کو مٹانے کی کوشش کرنا درست نہیں ہے، اور اس پر اور مراحل کو بھی قیاس کر لیجیئے۔

اس لیے مصلحین کو چاہیے کہ وہ برائیوں کی اصلاح کے لیے ان حکیمانہ اصول و قواعد کو سمجھیں اور ان کی پیروی کریں اور فراست سے کام لیں، تاکہ ایسی غلطیوں میں گرفتار نہ ہوں جن کا نتیجہ برا نکلتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جسے حکمت کی دولت دیدی گئی ہو تو واقعی اسے بہت بڑی بھلائی کا مالک بنا دیا گیا۔

---

[۱] ملاحظہ ہو امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم (۲ - ۲۹۲) کچھ تصرف کے ساتھ۔

د ۔ مصلح کو نرم مزاج و خوش اخلاق ہونا چاہیے:

لوگوں کو خیر کی طرف بلانے اور برائیوں سے روکنے والے حضرات کو جن عمدہ صفات سے متصف ہونا ضروری ہے ان میں سے نرم مزاجی اور خوش اخلاقی بھی ہے، تاکہ دوسروں پر پورا اثر ہو اور دوسرے اس کی بات پر فوراً لبیک کہیں، اور نرم مزاجی، بردباری اور رفق یہ ایسی صفات ہیں جنہیں دعوت و اصلاح اور تبلیغ دین میں لگنے والوں کا امتیازی وصف ہونا چاہیے، بلکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اس کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے صحابہ کے لیے اس سلسلہ میں آپ مقتدیٰ و نمونہ تھے۔

بیہقی حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اچھی بات کا حکم دے تو اسے چاہیے کہ عمدگی سے دے۔

اور امام مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: نرمی کسی چیز میں شامل نہیں ہوتی مگر یہ کہ اسے زینت بخشتی ہے اور اسے کسی چیز سے بھی جدا نہیں کیا جاتا مگر یہ کہ وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔

مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رفیق و مہربان ہیں اور رفق و نرمی کو پسند فرماتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتے ہیں جو سختی اور اس کے سوا کسی اور چیز پر عطا نہیں کرتے۔

نرمی و رفق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ اور مقتدیٰ تھے، جس کی روشن مثال مندرجہ ذیل مثالوں میں عملی طور سے سامنے آتی ہے:

امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ ان کی طرف بڑھے تاکہ انہیں سرزنش کریں، تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو، اس لیے کہ تم لوگوں کو نرمی پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا سختی پیدا کرنے کے لیے نہیں۔

امام احمد سند جید کے ساتھ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی کیا آپ مجھے زنا کی اجازت دیں گے، لوگ اس پر برس پڑے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو میرے قریب کر دو، میرے قریب آجاؤ، وہ نوجوان قریب آگئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم اپنی ماں کے لیے زنا پسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا جی نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ یہ کام پسند نہیں کرتے، پوچھا کیا تم اپنی بیٹی کے لیے اسے پسند کرتے ہو۔ انہوں نے کہا: جی نہیں، اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسی طرح اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے، راوی ابن عوف نے یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے پھوپھی اور خالہ کا بھی اسطرح تذکرہ کیا، اور ان میں سے ہر ایک کے جواب میں اس نوجوان نے یہی کہا: کہ جی نہیں، اللہ مجھے آپ پر قربان کردے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ اسی طرح اور لوگ بھی اسے پسند نہیں کرتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا اے اللہ اس کے دل کو پاک کردے، اور اس کے گناہ کو بخش دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما، چنانچہ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ زنا ان صاحب کے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہوگئی۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ نے ایک دن بیان کیا کہ وہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے کہ کسی کو چھینک آگئی، تو میں نے اس کے جواب میں، یرحمک اللہ کہہ دیا، لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے، تو میں نے کہا: میری ماں مجھے گم کردے تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ مجھے گھور رہے ہو، انہوں نے یہ سن کر اپنی رانوں پر ہاتھ مارنا شروع کر دیے، جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہوگیا، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے، تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوجائیں، میں نے نہ آپ سے قبل اور نہ آپ کے بعد کوئی ایسا معلم دیکھا جو آپ سے زیادہ اچھے انداز سے تعلیم دینے والا ہو، بخدا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا بھلا کہا، بلکہ یہ فرمایا کہ یہ نماز ایسی عبادت ہے کہ جس میں لوگوں کی باتیں وغیرہ منع ہیں، نماز تو تسبیح و تکبیر اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا نام ہے۔

ایک واعظ ابوجعفر منصور کے پاس گئے اور ان سے بہت سخت باتیں کیں تو ابوجعفر نے کہا: جناب ذرا سی نرمی کیجیے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے زیادہ بہتر شخصیت یعنی حضرت موسیٰ کو مجھ سے بدتر یعنی فرعون کے پاس جب بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

((فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى))۔ طٰہٰ ۔ ۴۴

پھر اس سے نرم گفتگو کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر ہی جائے۔

وہ صاحب اپنی اس فروگذاشت پر شرمندہ ہوئے اور سمجھ گئے کہ واقعۃً وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہیں ہیں اور ابوجعفر فرعون سے کمتر نہیں ہیں، اللہ جل شانہٗ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مندرجہ ذیل آیت سے خطاب فرمایا تو بالکل سچ فرمایا ارشاد فرمایا:

((فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ان کو نرم دل مل گئے اور اگر آپ تند خو، سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے متفرق ہوجاتے، سو آپ ان کو معاف کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں، اور کام میں ان سے مشورہ لیں پھر جب اس

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ))۔ کام کا قصد کر چکیں تو اللہ پر بھروسہ کریں اللہ توکل کرنے والوں

آل عمران۔ ۱۵۹ کو پسند کرتا ہے۔

۵۔ تکلیف وابتلاءات پر صبر کرے:

یہ یقینی بات ہے کہ جو شخص معاشرے پر تنقید کرے گا، اور جو دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دے گا وہ مختلف قسم کی تکالیف اور آزمائشوں کا نشانہ بنے گا، اس لیے کہ اسے متکبروں کی انا اور جاہلوں کی حماقت اور مذاق اڑانے والوں کے مذاق کا سامنا کرنا پڑے گا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہر زمانے اور ہر جگہ اللہ کی سنت رہی ہے اور تمام انبیاء ودعاۃ ومصلحین کے ساتھ یہ ہوتا رہا ہے:

((الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۚ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ))۔

عنکبوت۔ ۱ تا ۳

الف لام میم کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے۔ اور ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان کے قبل گزرے ہیں، سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔

ارشاد فرمایا:

((اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۚ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۚ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ)) البقرہ۔ ۲۱۴

کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے ہو چکے کہ ان کو سختی پہنچی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے وہ کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

اسی لیے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وعظ کرتے ہوئے یہ نصیحت کی:

((يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ))۔ لقمان۔ ۱۷

اے میرے بیٹے نماز کو قائم رکھ اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کام سے منع کیا کر اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک یہ (صبر) ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اس وجہ سے اللہ کے راستہ میں آزمائش وامتحان جنت تک پہنچانے کا ذریعہ اور گذشتہ گناہوں کے لیے کفارہ ہے ارشاد ربانی ہے:

((فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ)).

آل عمران ۔ ۱۹۵

پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے، البتہ میں ان سے ان کی برائیاں دُور کردوں گا اور ان کو داخل کروں گا ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کے یہاں سے بدلہ ہے اور اللہ کے یہاں اچھا بدلہ ہے۔

اور ترمذی و ابن ماجہ و ابنِ حبان و حاکم حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے زیادہ امتحان و آزمائش کس پر آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل يبتلى الرجل على حسب دينه، فإن كان دينه صلبا اشتد بلاؤه، وإن كان في دينه رقة ابتلاه الله على حسب دينه، فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض وما عليه خطيئة)).

انبیاء پر پھر ان پر جو ان سے مشابہ ہوں اور زیادہ مشابہ ہوں، انسان پر آزمائش اس کے دین کے حساب سے آتی ہے، لہٰذا اگر وہ اپنے دین میں سخت ہے تو اس پر آزمائش بھی سخت آئے گی۔ اور اگر اس کا دین ہلکا پھلکا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا امتحان اس کے دین کے اعتبار سے لیتے ہیں، انسان پر مسلسل ابتلاءات آتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اسے ایسا (پاک صاف) بنا دیتے ہیں کہ وہ زمین پر ایسی حالت میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی بھی گناہ نہیں ہوتا۔

٭ ٭ ٭

اور امام مسلم رحمہ اللہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کو مشکلات و تکلیف دہ چیزوں سے گھیر لیا گیا ہے اور جہنم کو شہوات ولذائذ سے۔ خیر خواہ داعی اور نقاد مجاہد کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ مبلغوں اور داعیوں کے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے جنہیں وہ وہ تکالیف اور مصائب پہنچے جو نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی داعی کو پہنچے ہوں گے اور نہ آپ کے بعد، اور آپ نے ایسے الزامات و تہمتوں کا سامنا کیا جس کا نہ کسی نے سامنا کیا ہے نہ کرے گا، مشرکوں نے آپ کو تبلیغ و دعوت کے کام سے روکنے کے لیے آپ کو بہکانے اور لالچ دینے کا راستہ اختیار کیا، لیکن نہ آپ جھکے نہ آپ نے ان کے سامنے ہتھیار ڈالے، پھر ان مشرکوں نے آپ اور ان تمام حضرات کا جو آپ کے مدد و معاون تھے سب کے بائیکاٹ کا حربہ استعمال کیا تاکہ اس کی وجہ سے آپ دعوت و تبلیغ سے رک جائیں لیکن آپ میں پھر بھی کسی قسم کی نرمی یا ان کی طرف رجحان پیدا نہ ہوا، تو اخیر میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو اچانک قتل کر دیا جائے تاکہ اس طریقے

سے آپ کی دعوت وتبلیغ کا راستہ بند ہوجائے، لیکن اس سے بھی آپ پر کوئی فرق نہ پڑا، اور اس سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طریقے سے دعوت الی اللہ کے کام میں منہمک رہے اور مختلف قسم کی اذیتیں برداشت کرتے رہے، اور نہایت ثابت قدمی سے اپنے موقف پر ڈٹے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ونصرت اور فتح وکامیابی نے آپ کے قدم چومے۔

لہٰذا جو لوگ اسلام کے پیغام پہنچانے کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں اور روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرنا جن کا نصب العین ہے اگر وہ واقعۃً کامیابی کے امیدوار اور مستقبل میں حقیقی نصرت وفتح کے آرزومند ہیں تو ان کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو صبر کا عادی بنائیں اور اللہ کے راستے کی تکالیف ومشقتیں برداشت کریں۔

بعض اوقات ایسے موقعہ پر ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی برائی پر نکیر واعتراض کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ اسے اپنی جان کے تلف ہونے کا ڈر ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے بغیر وہ برائی ختم بھی نہ ہوگی تو کیا ایسی صورت میں وہ اس برائی کو بدل ڈالے۔

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس برائی کو بدل ڈالے اس لیے کہ حضرت لقمانِ حکیم کی زبانی اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

((وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ)). لقمان ۔ ۱۷

اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کام سے منع کیا کر اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک یہ (صبر) ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت نے منکر کے بدلنے کے اس حکم الٰہی کو جان کے خوف یا اس برائی کے ازالہ کی امید پر موقوف نہیں رکھا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر رضاءِ الٰہی کی نیت ہو تو مسلمان کو چاہیے کہ ہر صورت میں منکر کے بدلنے کے لیے برسرِ پیکار ہوجائے، اور کسی قسم کی پرواہ نہ کرے، اس لیے کہ ایسا کر گزرنا اور یہ اقدام کرنا ایمان کا تقاضہ اور ضروری امور میں سے ہے۔

ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ جو شخص برائی کے زائل ہونے کی امید رکھتا ہو اور اس کے بدلنے کے سلسلہ میں اسے پٹائی یا جان سے مارے جانے کا خوف ہو تو ایسی خطرناک صورتحال میں بھی اکثر علماء کے مذہب کے مطابق اس کو برائی کے ازالہ کی کوشش کرنا چاہیے لیکن اگر اس برائی کے ختم ہونے کی امید نہ ہو تو پھر اس کا کیا فائدہ ہے؟ علماء کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد ابن عربی اس پر لکھتے ہیں: میری رائے یہ ہے کہ اگر نیت خالص ہو تو انسان کو یہ اقدام کر ہی لینا چاہیے خواہ نتیجہ کچھ بھی نکلے اس کی مطلق پرواہ نہیں کرنا چاہیے[۱]۔

شیخ علی زادہ کی کتاب "شرح شرعۃ الاسلام" میں لکھا ہے کہ مداہنت کرکے لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے، اور کسی کی ملامت برا بھلا کہنے اور مار پٹائی بلکہ قتل سے بھی نہیں ڈرنا چاہیے، اس لیے کہ سلفِ صالحین حکام وامراء پر

---

[۱] ملاحظہ ہو شرح شرعۃ الاسلام للشیخ علی زادہ (ص ۔ ۴۹)، یاد رہے کہ ابوبکر ابن العربی مالکیہ کے علماء میں سے ہیں۔

نکیر کیا کرتے تھے اور حق بات کہنے میں مطلقاً کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کو ان چیزوں کے ساتھ ساتھ علم سے بھی لازمی طور پر متصف ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس کی تنقید و نصیحت اور امر و نہی شریعت کے احکام اور اس کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہو۔

معاشرے کے افراد پر تنقید اور رائے عامہ کی حفاظت و رعایت کے سلسلہ میں یہ اہم اور ضروری قواعد و ضوابط ہیں، اس لیے مربیوں کو انہیں اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، اور اپنی اولاد کو ان کی تعلیم دینا چاہیے، تاکہ بچہ جیسے ہی زندگی کے مدرسہ میں داخل ہو اور اس کے میدان میں قدم رکھے اور اس کی مسئولیات و ضروریات کو اٹھانے کے قابل ہو تو وہ ان آداب سے متصف ہو۔

۳ ۔ سلف صالحین کے موقف اور کارناموں سے ہمیشہ نصیحت حاصل کرتے رہنا:

وہ عوامل جو مسلمان میں جرأت و شجاعت راسخ کرتے ہیں اور دوسروں کی آراء و افکار کے خیال رکھنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں فیصلہ کن موقف اختیار کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں، ان عوامل میں سے ان تاریخی یادگار مواقف اور کارناموں کا پیش کرنا بھی ہے جو سلفِ صالحین اور ہمارے بہادر بزرگوں نے برائی کے بدلنے اور کجی اور انحراف کے دور کرنے کے سلسلہ میں اختیار کیے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کارناموں کو صحیح طریقے سے پیش کیا جائے تو واقعۃً ان کا نئی پود کی نفوس اور جوانوں کے عزائم پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے، بلکہ یہ مواقف ان کو اس بات پر مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ بھی ان مفسدین و ملحدین اور کج رؤں کے مقابلہ پر جرأت و بہادری کے ساتھ ڈٹ جائیں جو اسلام کی حرمت کا کوئی خیال نہیں رکھتے، اور جن کی نظر میں اخلاقِ عالیہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اور اس قماش کے لوگوں کی اس دَور میں جس میں ہم جی رہے ہیں کوئی کمی نہیں ہے۔

لیجیے ان شاندار و فیصلہ کن مواقف میں سے چند آپ کے سامنے ذیل میں عبرت و بصیرت کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں:

الف ۔ روایت کیا جاتا ہے کہ زاہد ابو غیاث بخاریؒ کے قبرستان میں رہا کرتے تھے، ایک روز اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے شہر چلے گئے، حاکم نصر بن احمد کے لڑکے جن کے ساتھ گانے بجانے والے گانے بجانے کے سامان کے ساتھ ان کے مکان سے نکل رہے تھے، اس دن امیر کی طرف سے ضیافت کا دن تھا، جب ان زاہد کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو انہوں نے دل میں اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا: اے نفس بڑا سخت موقع ہے، اگر تو اس وقت خاموش رہا تو اس گناہ میں تو بھی شریک شمار ہوگا، پھر سر آسمان کی طرف اٹھا کر اللہ سے مدد مانگی، اور لاٹھی سنبھالی اور ایک دم ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے، وہ لوگ دم دبا کر الٹے پاؤں حاکم کے محل کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، اور حاکم کو پورا قصہ سنا ڈالا، اس نے فوراً ان کو طلب کیا اور ان سے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جو شخص حاکم و بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتا ہے اسکو جیل میں بھیج دیا جاتا ہے؟

ابوغیاث نے حاکم وقت سے کہا: کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ جو شخص رحمٰن کے ساتھ بغاوت کرتا ہے اس کو آگ میں داخل کر دیا جاتا ہے؟ حاکم نے کہا یہ بتلائیے کہ آپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذمہ دار کس نے بنا دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اس ذات نے جس نے آپ کو حکومت دی ہے، اس نے کہا کہ مجھے تو خلیفۃ المسلمین نے حاکم بنایا ہے۔ ابوغیاث نے فرمایا کہ مجھے یہ ذمہ داری خلیفہ کے رب نے سونپی ہے۔ اس حاکم نے یہ سن کر ان سے کہا کہ میں آپ کو سمرقند کا امر بالمعروف کا ذمہ دار بناتا ہوں، انہوں نے فرمایا میں اس عہدہ سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ حاکم نے کہا آپ بھی عجیب آدمی ہیں، جب یہ ذمہ داری آپ کو سونپی نہیں گئی تھی تو آپ مفت میں یہ کام انجام دیتے تھے، اور جب آپ کو اس پر مقرر کیا جا رہا ہے تو آپ اس سے رک رہے ہیں۔

ابوغیاث نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اگر آج آپ مجھے اس عہدہ پر بٹھائیں گے تو کل کو معزول کر دیں گے۔ اور جب میرا رب مجھے اس عہدہ پر مقرر کرے گا تو مجھے کوئی شخص معزول نہیں کر سکتا، حاکم نے یہ سن کر کہا: مانگیے جو آپ کو مانگنا ہے! تو انہوں نے فرمایا کہ میرا سوال یہ ہے کہ آپ مجھے میری جوانی لوٹا دیں، اس نے کہا: یہ کام میرے اختیار میں نہیں ہے، اس کے علاوہ اور کوئی ضرورت و فرمائش ہو تو فرمائیے؟ ابوغیاث نے فرمایا کہ آپ دوزخ کے داروغہ کو یہ خط لکھ دیں کہ مجھے عذاب نہ دے، تو امیر نے کہا کہ یہ بھی میرے اختیار میں نہیں ہے، اس کے علاوہ اور کوئی ضرورت ہو تو بتلائیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ جنت کے داروغہ رضوان کو یہ لکھ بھیجیں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کر دیں۔ امیر نے کہا کہ یہ کام بھی میرے دائرۂ اختیار میں نہیں ہے، تو ابوغیاث نے فرمایا: یہ تمام امور اس رب کے قبضہ میں ہیں جو تمام حاجات وضروریات اور تمام چیزوں کا مالک ہے، میں اس سے جو چیز بھی مانگتا ہوں وہ مجھے عطا فرما دیتا ہے، یہ سن کر حاکم نے ان کو جانے کی اجازت دے دی[1]

ب۔ امام غزالی "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں: اصمعی کہتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس گئے، وہ اس وقت اپنے تخت پر جلوہ افروز تھے، ان کے ارد گرد ہر قبیلہ کے معززین بیٹھے ہوئے تھے، یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ اپنے دورِ خلافت میں مکہ مکرمہ حج کے لیے گئے ہوئے تھے، جب خلیفہ عبدالملک نے حضرت عطاء کو دیکھا تو ان کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا، اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے اور ان سے فرمایا: اے ابومحمد (حضرت عطاء کی کنیت ہے) فرمائیے کیسے تشریف آوری ہوئی، کیا کام ہے؟ انہوں نے فرمایا: اے امیر المؤمنین اللہ اور اس کے رسول کے حرم میں اللہ سے ڈریے، اور اس کی آبادکاری و دیکھ بھال میں لگے رہیے، اور مہاجرین وانصار کی اولاد کے سلسلہ میں خوفِ خدا سے کام لیجیے، اس لیے کہ اس منصب تک آپ انہی کی وجہ سے پہنچے ہیں، اور سرحد پر رہنے والے لوگوں کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہیے اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے لیے بمنزلہ قلعہ وحصار کے ہیں، اور مسلمانوں کے امور و معاملات کی دیکھ بھال کرتے رہیئے اس لیے کہ آپ اور صرف آپ ہی سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب شرح شرعۃ الاسلام مؤلفہ شیخ علی زادہ (ص۔ ۴۹۰)۔

گا. اور جو لوگ آپ کے در پر آتے ہیں ان کے بارے میں بھی اللہ سے ڈریے ان سے غافل ہرگز نہ ہوں اور نہ اپنا دروازہ ان کے لیے بند کیجیے۔

امیر المؤمنین نے کہا: بہت اچھا میں ایسا ہی کروں گا، پھر حضرت عطاء وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے تو خلیفہ عبد الملک نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے ابو محمد آپ نے ہم سے دوسروں کی ضرورتوں اور حاجتوں کا تذکرہ کیا اور ہم نے انہیں پورا کر دیا، اب آپ اپنی حاجت وضرورت بھی تو بتلائیے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ مجھے مخلوق سے کوئی حاجت اور ضرورت نہیں، اور یہ کہہ کر نکل کھڑے ہوئے تو عبد الملک نے فرمایا: بخدا عزت و شرافت کا بلند مرتبہ یہ ہے۔

ج۔ کتاب "الشقائق النعمانیۃ لعلماء الدولۃ العثمانیۃ" میں لکھا ہے کہ سلطان سلیم خان نے خزانوں کے محافظین ایک سو پچاس آدمیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس کی اطلاع عالم مفتی علاؤ الدین علی بن احمد المفتی کو پہنچ گئی، وہ سیدھے دیوانِ عالی میں چلے گئے، اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ مفتی صاحب کسی بڑے حادثے و معاملے کے سلسلہ میں ہی دیوان عالی میں جایا کرتے تھے، چنانچہ ان کو دیکھ کر دیوان کے لوگ حیرت میں پڑ گئے، جب یہ دیوان میں پہنچے تو وزراء کو سلام کیا انہوں نے ان کا استقبال کیا، اور مجلس کی مسندِ صدارت پر ان کو بٹھا دیا، اور ان سے عرض کیا کہ عالی جناب کو کس چیز نے دیوانِ عالی میں تشریف لانے پر مجبور کر دیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں بادشاہ سے ملنا چاہتا ہوں مجھے ان سے کچھ بات کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بادشاہ سلیم خاں کو ان کی آمد کی اطلاع دی، بادشاہ نے صرف اکیلے انہیں ملنے کی اجازت دے دی، چنانچہ یہ تشریف لے گئے انہیں سلام کیا اور بیٹھ گئے پھر فرمایا:

فتویٰ و افتاء سے تعلق رکھنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بادشاہ کی آخرت کی حفاظت کریں، اور میں نے یہ سنا ہے کہ آپ نے ایک سو پچاس ایسے آدمیوں کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے جن کا قتل کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے آپ کو انہیں معاف کر دینا چاہیئے، بادشاہ نہایت سخت تھا وہ یہ سن کر غصہ ہو گیا اور کہنے لگا: آپ امورِ سلطنت میں دخل دے رہے ہیں، یہ آپ کی ذمہ داری اور فرضِ منصبی میں داخل نہیں ہے، تو انہوں نے فرمایا: نہیں بلکہ میں تو آپ کی آخرت کے معاملہ سے بحث کر رہا ہوں، اور یہ میری ذمہ داری اور فرضِ منصبی ہے، آپ اگر ان کو معاف کر دیں گے تو نجات پا جائیں گے ورنہ آپ کو دردناک سزا ملے گی، یہ سن کر ان کے غصہ کی شدت کم ہو گئی اور انہوں نے ان سب کو معاف کر دیا، پھر کچھ دیر ان کے ساتھ باتیں کرتے رہے، پھر جب انہوں نے اٹھنا چاہا تو بادشاہ سے کہا کہ میں نے آپ کی آخرت کے سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی تھی، مروت کے سلسلہ میں آپ سے ایک بات کہنا باقی ہے۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ بادشاہ کے غلام ہیں، کیا سلطنت کی شان کے یہ مناسب ہے کہ یہ خود لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں؟ بادشاہ نے کہا بالکل نہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ پھر ان کو ان کے مناصب میں پکا کر دیجیے، بادشاہ نے یہ بات قبول کر لی اور کہا: میں ان کو لوگوں کی خدمت کرنے میں کوتاہی کرنے پر سزا دوں گا، مفتی صاحب نے فرمایا: یہ درست ہے۔ اس لیے کہ سزا دینے کا معاملہ بادشاہ کے سپرد ہے، یہ کہہ کر سلام

کیا، اور وہاں سے عزت و شکریہ کے ساتھ واپس ہولیے۔

د ۔ مصر کی عدالتِ عالیہ شرعیہ کے نائب، شیخ محمد سلیمان رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے محترم دوست محمد فہمی ناضوری باشا احمد آفندی سے اور وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے جو کہ خدیوی اسماعیل کے زمانے میں جامعہ ازہر کے شیوخ میں سے تھے انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب حبشہ اور مصر کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ اور مصر کے لشکر کے قائدین میں باہمی اختلاف کی وجہ سے مصر کو شکست پر شکست اٹھانا پڑی تو اس سے خدیوی اسماعیل تنگ دل ہوگئے، چنانچہ ایک دن جب وہ سخت پریشان ہوگئے تو دل بہلانے کے لیے شریف باشا کے ساتھ سواری پر نکلے، شریف باشا نے کہا کہ بتلائیے اگر کوئی آفت سر پر نازل ہوگئی تو آپ اس سے بچاؤ کی کیا تدبیر اختیار کریں گے؟ اور اس کی مدافعت کس طرح کریں گے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ نے مجھے اس بات کا عادی بنا دیا ہے کہ جب مجھ پر اس طرح کی کوئی پریشانی آجائے تو میں "صحیح بخاری" کی طرف رجوع کرتا ہوں، میرے لیے نیک صالح علماء اس کا ختم شروع کر دیتے ہیں، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے اس پریشانی سے نجات دلا دیتے ہیں۔

خدیوی اسماعیل نے شریف باشا سے کہا کہ شیخ الازہر سے بات کیجیے اس زمانے میں شیخ الازہر شیخ عروسی تھے، انہوں نے صالحین علماء کی ایک جماعت کو جمع کیا اور جامعہ ازہر کی پرانی مسجد و محراب کے سامنے بخاری شریف پڑھنا شروع کر دی، لیکن اس کے باوجود بھی پے در پے شکست کی خبریں آتی رہیں، تو خدیوی شریف باشا کے ساتھ علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے غصہ میں کہا: یا تو آپ لوگ جو پڑھ رہے ہیں وہ "صحیح بخاری" نہیں ہے یا پھر آپ لوگ ان علماءِ صالحین میں سے نہیں ہیں جو سلفِ صالحین کے دور میں ہوا کرتے تھے، اس لیے کہ آپ لوگوں اور آپ کے اس پڑھنے کی وجہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ علماء یہ سن کر خاموش و مبہوت ہوگئے، صف کے اخیر میں ایک شیخ تھے وہ آگے بڑھے اور انہوں نے فرمایا: اے اسماعیل ذرا سوچ کر بات کیجیے، اس لیے کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پہنچی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

((لتأمرن بالمعروف ، ولتنهون عن المنكر، أو ليسلطن الله عليكم أشراركم فيدعو خياركم فلا يستجاب لهم)).	تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے بدترین آدمی مسلط کر دے گا پھر تمہارے اچھے لوگ بھی دعا کریں گے لیکن ان کی دعا بھی قبول نہ ہوگی۔

یہ سن کر علماء اور مبہوت ہوگئے اور خدیوی شریف باشا کے ساتھ چلا گیا اور اس کے بعد اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ دوسرے علماء اس شیخ کو ملامت اور تنبیہ کرنے لگے، ابھی وہ اس نوک جھونک میں مصروف تھے کہ شریف باشا واپس آئے اور پوچھنے لگے کہ ابھی جن شیخ نے خدیوی سے مکالمہ کیا تھا وہ کہاں ہیں؟ ان عالم نے کہا کہ میں یہ موجود ہوں، چنانچہ شریف انہیں اپنے ساتھ لے گیا، اور اب وہ علماء جو ابھی ذرا دیر قبل انہیں برا بھلا کہہ رہے تھے وہ ان عالم کو اس طرح الوداع کہنے لگے جیسے اب

ان کے واپس لوٹنے کی کوئی امید نہ ہو، شریف پاشا ان کے ساتھ گیا اور دونوں خدیوی کے محل میں داخل ہو گئے، وہاں پہنچے تو خدیوی ملاقات کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے سامنے ایک کرسی رکھی تھی جس پر خدیوی نے ان عالم کو بٹھا دیا اور ان سے کہا: آپ نے مجھ سے جو بات جامعۂ ازہر میں کہی تھی اب پھر دہرائیے، شیخ نے اپنی بات پھر دہرا دی اور حدیث اور اس کی شرح بھی پھر سے سنادی، خدیوی نے ان سے کہا کہ ہم نے ایسا کیا جرم کیا ہے جس کے سبب ہم پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے؟

شیخ نے کہا: جنابِ من کیا عدالتوں نے ایسا قانون جاری نہیں کیا ہے جس سے ربا کو جائز کر دیا گیا ہے؟ کیا زنا کی اجازت نہیں ہے؟ کیا شراب خوری کی کھلی چھوٹ نہیں ہے؟ کیا ....؟ کیا ....؟ اور خدیوی کے سامنے اس قسم کے بہت سے ایسے حرام و ناجائز امور کا تذکرہ کیا جو بلا کسی روک ٹوک ملک میں کیے جا رہے تھے، پھر فرمایا کہ بتلائیے ان کے ہوتے ہوئے ہم اللہ کی مدد کی امید کس طرح رکھ سکتے ہیں؟! خدیوی نے کہا: جب دوسروں کے ساتھ ہمارا رہن سہن ہے اور ان کی تہذیب ہی یہ ہے تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ تو ان عالم نے فرمایا کہ پھر "صحیح بخاری" کا کیا قصور ہے؟! اور پھر علماء کیا کر سکتے ہیں؟ یہ سن کر خدیوی کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئے، اور کافی دیر تک گردن جھکائے رہے پھر کہا: آپ نے بالکل سچ کہا، آپ نے بالکل ٹھیک فرمایا، پھر وہ عالم ازہر کی جانب واپس ہو گئے، وہاں انکے ساتھی ان کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے، جب ان لوگوں نے انہیں دیکھا تو انہیں ایسی خوشی ہوئی گویا ان کو دوسری زندگی ملی ہو[1]۔

۸۔ "کنز الجوہر فی تاریخ الازہر" کے مصنف لکھتے ہیں کہ ۱۲۰۹ھ میں جامع ازہر کے شیخ، شیخ شرقاوی کے پاس ایک بستی "شرقیۃ بلبیس" والے حاضر ہوئے، اور ان سے تذکرہ کیا کہ محمد بک الالفی کے متبعین نے ان پر ظلم کیا ہے، اور ان سے اتنی زیادہ مقدار میں مال کا مطالبہ کیا ہے جو وہ ادا نہیں کر سکتے، یہ سن کر شیخ کو بہت غصہ آیا اور فوراً ازہر گئے، اور مشائخ کو جمع کیا اور جامع ازہر کے دروازے بند کر دیے، اور انہوں نے ایسا اس وقت کیا جب پہلے مراد بک اور ابراہیم بک جو کہ صاحبِ اختیار اور ذمہ دار تھے ان سے بات کر لی لیکن انہوں نے کچھ نہ کیا، اور اس اہم مسئلہ پر کوئی لب کشائی نہ کی اور کوئی قدم نہ اٹھایا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علماء و مشائخ نے لوگوں کو اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کیلیے بازاروں و دکانوں کو بند کرنے اور ہڑتال کرنے کا حکم دیدیا، اور پھر دوسرے روز ابراہیم بک اور مراد بک کے گھر کے سامنے پہنچے، بہت سے عوام بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے، یہ سب لوگ دروازے کے پاس اس طرح جمع ہو گئے کہ ابراہیم بک انہیں دیکھ لے، چنانچہ اس نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری ایوب بک کو ان کے پاس بھیجا وہ ان کے پاس آیا اور ان سے جمع ہونیکا سبب معلوم کیا، تو ان حضرات نے کہا: ہم عدل وانصاف چاہتے ہیں، اور جن ظلموں اور بھاری ٹیکسوں کو تم لوگوں نے جاری کیا ہے ان کو ختم کرانا چاہتے ہیں، تو اس نے کہا کہ اس وقت یہ تمام باتیں تو مانی نہیں جا سکتیں، اس لیے کہ اگر ہم انکو مان لیں تو ہم پر زندگی تنگ ہو جائے گی، تو ان حضرات

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ محمد سلیمان کی کتاب "من اخلاق العلماء" (ص - ۹۷)۔

نے کہا کہ یہ تو اس وقت کوئی ایسا معقول عذر نہیں ہے، اس کی کیا ضرورت ہے کہ ملازمین اور اخراجات کو بڑھایا جائے۔ امیر لوگوں کو دینے سے امیر بنتا ہے نہ کہ دوسروں سے لینے سے۔

اس سیکرٹری نے کہا اچھا میں آپ کا پیغام پہنچا کر واپس آتا ہوں، اس کے بعد مجلس کے حاضرین منتشر ہو گئے۔ اور علماء جامعہ ازہر واپس چلے گئے اور اِدھر اُدھر اطراف کے رہنے والے جمع ہو گئے، تو مراد بک نے ان لوگوں کو یہ پیغام بھیجا کہ میں آپ لوگوں کی دو باتوں کے سوا سب باتیں مان لیتا ہوں، ایک تو بولاق کا دیوان اور دوسری بات جامکیہ کے بارے میں آپ لوگوں کا آخری مطالبہ، پھر اس نے چار علماء کو طلب کیا ان کے نام متعین کر دیے، چنانچہ وہ اس کے پاس جیزہ گئے۔ تو اس نے ان سے نہایت نرمی اور ملاطفت سے بات چیت کی، اور ان سے درخواست کی کہ وہ صلح کا کوئی راستہ تلاش کریں، تیسرے دن حکام و علماء ابراہیم بک کے گھر میں جمع ہوئے، ان میں شیخ شرقاوی بھی تھے اور اس بات پر صلح ہوئی کہ ظالمانہ ٹیکس ختم کر دیے جائیں، اور لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، اور قاضی نے اس سلسلہ میں ایک خط تحریر لکھ دی، جس پر باشا اور حکام نے دستخط کر دیے اور اس طرح سے یہ فتنہ ختم ہو گیا۔

سلفِ صالحین کے اس طرح کے مواقف و کارناموں کی بے شمار مثالیں ہیں[1] جو سب کی سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لوگوں نے اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضہ ادا کیا، تاکہ معاشرہ اس بات سے محفوظ رہے کہ کوئی اس سے کھیلے یا اس میں انتشار پیدا کرے، اور امت میں باہمی ارتباط اور بندھن مضبوطی سے قائم رہے، اس لیے کہ معاشرے میں فرد کی مثال عمارت کی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کی سی ہے۔ اس لیے اسے چاہیئے کہ لوگوں کی توجہ اس طرف مرکوز کرے جس میں فائدہ ہو، اور مفاسد و نقصان کو دور کرے اور لوگوں کے ساتھ مل کر معاشرہ کی عمارت کو خالص اسلامی عقیدے اور بہترین اخلاقی اصولوں پر قائم کرنے میں ہاتھ بٹائے، اور کسی کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر حق بات کہے، اسلام نے اپنی نہایت شاندار توجیہات و اصلاحات کے ذریعہ ہر مسلمان کو جہاں اپنا محافظ و نگران بنایا ہے اس طرح اس نے اسے دوسروں کا بھی رقیب و نگران مقرر کیا ہے، تاکہ معاشرہ کی تعمیر و اصلاح کے سلسلہ میں وہ اپنی عظیم ذمہ داری اور فرضِ منصبی پورا کر سکے، اور لوگوں کو حق و صبر کی وصیت کرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں بالکل سچ ارشاد فرمایا ہے:

((وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۥ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝)). العصر ۱ تا ۳

قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑا خسارہ میں ہے مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے، اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

---

[1] جو ان واقعات کی اور تفصیل جاننا چاہے، اسے چاہیے کہ ہماری کتاب "الی ورثۃ الانبیاء" اور مجاہد شہید شیخ عبدالعزیز کی کتاب "الاسلام بین العلماء والحکام" اور شیخ محمد سلیمان کی کتاب "من اخلاق العلماء" اور ان سطور کی طرف رجوع کرے جو امام غزالی نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں لکھی ہیں۔ ان کتابوں میں علماء و سلفِ صالحین کے ایسے مجاہدانہ کارنامے ملیں گے جو تشفی کا سامان مہیا کر دیں گے۔

معاشرہ کی دیکھ بھال اور اس پر نقد و تنقید اور رائے عامہ کی حفاظت جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شکل میں پائی جاتی ہے اس کے سلسلہ میں اسلام کے وضع کردہ یہ اہم قواعد و اصول ہیں جن کے ساتھ ایک اور چیز بھی میں مربیوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں تاکہ وہ اس کی طرف خصوصی توجہ کریں، اور اس کی نصیحت کیا کریں، اور اس پر محنت کریں۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے زندگی کے ہر شعبے، حصے اور نظام پر محیط ہونے کے تصور کے مفہوم کو صحیح کیا جائے، یعنی اس کا ایسا محیط و عام ہونا جو فرد وجماعت کے مصالح میں موافقت پیدا کر دے اور امت کی سیاست اور تمام عالم کی سلامتی کو متضمن ہو، ایسا محیط ہونا جو دین و دنیا — روح — مادہ — تلوار — قرآن اور عبادت وجہاد میں سے ہر ایک کو یکجا جمع کر دے۔

ایسا محیط ہونا جو عقیدہ و ایمان، تقویٰ و احسان، نماز و روزہ، اور خیر و بھلائی اور تکلیف پر صبر کرنے اور صدق و وفا اور محبت و اخوت اور جود و سخا، اور عہد و میثاق اور عزم و قصد اور جنگ و آشتی، صلح و امن اور سزا و جزا کی شکل میں مجسم موجود اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک کی درج ذیل آیات صاف صاف برحق اعلان کر رہی ہیں۔ اور اس مفہوم کی تصحیح کر رہی ہیں اور اس محیط و شامل ہونے کی اس خصوصیت کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں، ملاحظہ ہو فرمانِ ربانی:

«لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

نیکی یہی کچھ نہیں کہ اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف کرو، لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی اللہ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور سب کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اس کی محبت پر مال دے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو، اور گردنیں چھڑائے، اور قائم رکھے نماز کو اور زکاۃ دیا کرے، اور جب عہد کرے تو اپنے اقرار کو پورا کرنے والے ہو، اور سختی اور تکلیف اور برائی کے وقت میں صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔ اے ایمان والو تم پر فرض ہوا قصاص (برابری کرنا) مقتولوں میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیئے موافق دستور کے، اور اس کو خوبی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے، یہ آسانی ہے تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی، پھر جو اس فیصلہ کے بعد زیادتی کرے تو

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ)) البقرہ۔ ۱۷۸،۱۷۹

ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل مندو تاکہ تم بچتے رہو۔

مسلمان جب یہ گمان کرتا ہے کہ اسلام صرف عبادت ہی عبادت پر مشتمل دین کا نام ہے اس میں جہاد وغیرہ کچھ نہیں تو ایسے موقعہ پر وہ کتنا جاہل ہونے کا ثبوت دیتا ہے؛

اسی طرح یہ کتنا بڑا وہم اور دھوکہ ہے کہ انسان یہ تصور کرے کہ اسلام حکومت کو منظم کرنے اور زندگی کے دوسرے شئون وحالات کے مرتب کرنے کی دعوت نہیں دیتا؛

((اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ)). البقرہ۔ ۸۵

کیا تم مانتے ہو بعض کتاب کو اور بعض کو نہیں مانتے، سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جائیں گے سخت سے سخت عذاب میں۔

اخیر میں میں مربیوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ بچہ دیکھ بھال اور اجتماعی ومعاشرتی روک ٹوک کی تربیت اس وقت نہیں حاصل کرسکتا جب تک ہم اس کے خوف وشرم اور حیا کا علاج نہ کرلیں، اس کے علاج کا طریقہ ہم "نفسیاتی تربیت کی ذمہ داری" کی بحث کے ذیل میں ذکر چکے ہیں، اس لیے مربی کو چاہیئے کہ اس کا مطالعہ کرے، تاکہ اسے معلوم ہو کہ بچے میں جرأت وبہادری اور شجاعت پیدا کرنے کے لیے اسلام نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے، اور اس کو شرمندگی احساس کمتری اور خوف وڈر اور اِدھر اُدھر چھپ کر زندگی گزارنے کی عادت سے بچانے کے لیے کیا طریقے اختیار کیے ہیں، واقعی اللہ اگر سیدھا راستہ نہ دکھائے تو کوئی بھی نہیں دکھا سکتا۔

ساتویں فصل

۷ - جنسی تربیت کی ذمہ داری

جنسی تربیت سے مقصد یہ ہے کہ بچہ جب ان معاملات کو سمجھنے کے قابل ہو جائے جو جنس سے تعلق رکھتے ہیں اور شادی اور انسانی خواہشات سے متعلق ہیں تو بچے کو ان امور کے بارے میں سمجھا دیا جائے اور وہ امور اس کے ذہن نشین کر دیے جائیں تاکہ جب وہ جوانی کی عمر میں داخل ہو اور عنفوانِ شباب میں قدم رکھے اور زندگی کے رازہائے بستہ سے واقف ہو تو اسے حلال و حرام کا علم ہو، اور اسلام کے ممتاز ترین طور طریقے اور کردار اس کی عادت و طبیعت بن جائے اور وہ شہوت رانی کے پیچھے پیچھے نہ دوڑتا پھرے، اور وہ آزادی کے راستے میں بھٹک نہ جائے۔

میرے خیال میں یہ جنسی تربیت جس کا مربیوں کو اہتمام کرنا چاہیے اور جس کی طرف بھرپور توجہ دینا چاہیے یہ مندرجہ ذیل مراحل پر مشتمل ہے:

- سات سال سے دس سال تک کی عمر جسے ہوشیاری و سمجھداری کا زمانہ کہا جاتا ہے اس میں بچے کو کسی کے گھر وغیرہ جانے کی صورت میں اجازت طلب کرنے اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے آداب سکھلا دینا چاہیئے۔
- اور دس سے چودہ سال کی عمر جسے قریب البلوغ کی عمر کہا جاتا ہے اس میں بچے کو ان تمام چیزوں سے دُور رکھنا چاہیئے جو جنسی جذبات کو بھڑکانے والی ہوں۔
- اور چودہ سے سولہ سال کی عمر جسے بلوغ کا زمانہ کہا جاتا ہے اس میں اگر اس کی شادی تیار ہو تو اسے جنسی روابط و جنسی اتصال کے آداب سکھا دینا چاہیئے۔
- بالغ ہونے کے بعد شباب و جوانی کا جو زمانہ کہلاتا ہے اس میں اگر بچے کی فوری شادی نہ کر سکیں تو اسے پاکدامنی کے آداب و محاسن بتلانا چاہیئے۔
- اور آخری بات یہ کہ بچہ جب سنِ شعور کو پہنچ جائے تو کھل کر صراحۃً اس سے جنسی باتیں کر لینا چاہیئے؛ اب ہیں

مربی حضرات کے سامنے ان مباحث کو ترتیب سے تفصیل سے بیان کروں گا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اپنے بچوں کو ان کا حکم کس طرح دیں، اور اس طرف کس انداز سے بچوں کی رہنمائی کرنا چاہیے؛ اور تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس عظیم دینِ اسلام نے تربیت کے کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا بلکہ ہر گوشے کی جانب تربیت کرنے والوں کی رہنمائی کی ہے، اور اس کو ان کے لیے واضح کیا ہے، تاکہ وہ تربیت و رہنمائی کے سلسلہ میں اللہ کی طرف سے مفوضہ ذمہ داری مکمل طور سے انجام دے سکیں۔

لیجیے ذیل میں ان مباحث کو ترتیب سے مرحلہ وار ذکر کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ صحیح لکھنے کی توفیق دے:

(۱) اجازت طلب کرنے کے آداب

محترم مربی حضرات! میں اس فصل میں آپ کے سامنے اجازت طلب کرنے کے آداب نہیں بیان کروں گا اس لیے کہ میں انہیں گذشتہ فصل میں مفصل بیان کرچکا ہوں۔

بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ـــــــــ بچوں کو ان اوقات میں گھر والوں کے پاس جاتے وقت اجازت طلب کرنے کے اصول بتلادیں جن اوقات میں مرد و عورت ایسی حالت میں ہوتے ہیں جس میں وہ کسی چھوٹے بچے کو بھی سامنے آنے دینا نہیں چاہتے، اور وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ بچے ان پر مطلع ہوں۔

خاندان و گھرانوں سے متعلق ان آداب کو قرآنِ کریم نے نہایت وضاحت سے درجِ ذیل آیات میں بیان فرمادیا ہے:

((يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ)).

النور - ۵۸، ۵۹

اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے) حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیئے۔ (ایک) نمازِ صبح سے پہلے (دوسرے) جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو، اور (تیسرے) بعد نمازِ عشاء، (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے ہیں۔ ان (اوقات) کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس، اسی طرح اللہ تم سے کھول کر احکام بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔ اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں۔

اس قرآنی نص کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مربیوں کو نابالغ چھوٹے بچوں کو گھر والوں کے پاس جانے کے وقت اجازت طلب کرنے کے سلسلہ میں گھریلو تربیت کے اصول سے مطلع فرمارہے ہیں۔

یہ اجازت طلب کرنا تین حالات میں ہوگا:

۱۔ نمازِ فجر سے قبل اس لیے کہ لوگ اس وقت عام طور سے بستروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

۲۔ دوپہر کے وقت اس لیے کہ بعض مرتبہ اس وقت بھی انسان اپنے گھر والوں کے ساتھ مختصر سے لباس میں ہوتا ہے۔

۳۔ عشاء کی نماز کے بعد اس لیے کہ یہ وقت آرام و سونے کا ہوتا ہے۔

بچے کو ان اوقات میں گھر میں جاتے وقت اجازت طلب کرنے کے جو آداب سکھائے جا رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس کی مصلحت یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچہ اچانک بلا اطلاع ماں باپ کو ایسی حالت میں نہ دیکھ لے جس میں وہ بچے کے سامنے جانا پسند نہیں کرتے۔

لیکن جب بچہ بلوغ کی عمر کو پہنچ جائے اور بڑا ہو جائے تو ایسی صورت میں تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ اسے ان تین اوقات اور ان کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنے کے آداب سکھائے جائیں، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ)).

النور - ۵۹

اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیئے، جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں۔

جس شخص کو تربیت کے اصول و قواعد کی ذرا بھی سوجھ بوجھ ہوگی وہ یقینی طور سے یہ بات جان لے گا کہ قرآنِ کریم کی یہ ہدایات و توجیہات نہایت وضاحت سے اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ اسلام نے بچے کے سمجھ و عقل کی عمر کو پہنچتے ہی اس بات کا نہایت اہتمام شروع کر دیا کہ بچے کی تربیت ایسی ہو کہ وہ حیاء و شرم کا پتلا اور بہترین معاشرتی کردار اور شاندار اسلامی آداب کا مالک ہو تاکہ جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچے تو اپنے عمدہ اخلاق اور قابلِ تعریف کارناموں کی ایک زندہ مثال ہو۔

یہ کتنی رسوا کن اور شرمندگی کی بات ہوگی کہ بچہ جب اچانک شب خوابی کے کمرے میں داخل ہو تو ماں باپ کو جنسی فعل میں مشغول دیکھ لے، اور پھر وہاں سے باہر آکر اپنے چھوٹے ہم عمر ساتھیوں کے سامنے اس منظر کو بیان کرے؟ اور پھر دوبارہ جب یہ نقشہ و تصویر اس کے ذہن میں آئے گی، اور وہ سارا نقشہ اس کے خیال میں گردش کرے گا تو وہ کس قدر مبہوت و حیرت زدہ ہو جائے گا؟

اور پھر اگر اس میں صنفِ نازک کی طرف میلان کا احساس پیدا ہو جائے اور وہ اس سے قبل صنفِ نازک سے

اتصال و ملاپ اور اس سے خواہش و لذت پوری کرنے کے طریقے کو دیکھ چکا ہو تو اس میں انحراف کس قدر جلد ترقی پا جائے گا؟

اس لیے اگر تربیت کرنے والے اپنے بچوں میں عمدہ اخلاق، اور ان کی شخصیت کو اسلامی ممتاز شخصیت، اور معاشرہ کا بہترین فرد بنانا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ قرآنی ہدایت کے بموجب بچوں کو عقل و شعور کی منزل میں قدم رکھتے ہی یہ بتلا دیں کہ انہیں گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنا چاہیئے۔

(۲) دیکھنے کے آداب

جن اہم امور پر مربی کو اپنی توجہ مرکوز رکھنا چاہیے اور اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بچے میں جب شعور پیدا ہو جائے تو اسے دیکھنے کے آداب سکھانا چاہیے، اور اسے ان کا عادی بنانا چاہیے، تاکہ بچے کو یہ خوب اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اسے کہاں نظر ڈالنا جائز ہے اور کہاں اور کدھر دیکھنا حرام ہے، اسی میں اس کے مستقبل و دیگر معاملات کی بھلائی مضمر ہے اور اس صورت میں بلوغ کی عمر اور سمجھداری کی حدود کو پہنچنے پر اس کے اخلاق درست رہ سکتے ہیں۔

دیکھنے کے جو آداب بچے کو سکھانا چاہیے اور جن کا اسے عادی بنانا لازمی ہے وہ ترتیب وار درج ذیل ہیں:

الف۔ محارم کی طرف دیکھنے کے آداب:

جس عورت سے نکاح کرنا انسان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو اسے مرد کے محارم کہا جاتا ہے۔

اور ہر وہ مرد جس سے عورت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکاح کرنا ناجائز ہو اسے عورت کے محارم کہا جاتا ہے تو اس لحاظ سے محارم میں یہ لوگ داخل ہیں:

- نسب کی وجہ سے حرام ہونے والی عورتیں: اور وہ سات ہیں جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے درج ذیل فرمانِ مبارک میں ذکر کیا ہے:

((حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ))۔ النساء۔۲۳	حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بہن کی۔

- وہ عورتیں جو رشتۂ ازدواج کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں: اور وہ چار عورتیں ہیں:

۱۔ والد کی بیوی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ))۔ النساء۔۲۲	اور نکاح میں نہ لاؤ ان عورتوں کو جن کو تمہارے باپ نکاح میں لائے۔

۲۔ بیٹے کی بیوی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ)). النساء-۲۳ — اور عورتیں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں۔

۳۔ بیوی کی والدہ، اس لیے کہ ارشادِ ربّانی ہے:

((وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ)). النساء-۲۳ — اور تمہاری عورتوں کی مائیں۔

۴۔ بیوی کی بیٹی، اس لیے کہ ارشادِ باری ہے:

((وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ)). النساء-۲۳ — اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، جن کو کہ تمہاری ان عورتوں نے جنا ہے جن سے تم نے صحبت کی، اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

● دودھ کی[1] وجہ سے حرام ہونے والی عورتیں: ارشادِ ربّانی ہے:

((وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ)). — اور جن ماؤں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور دودھ کی بہنیں۔

اور امام مسلم اور اصحابِ سنن نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشادِ عالی نقل کرتے ہیں:

((يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب)). — رضاعت سے بھی وہ عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں۔

لہٰذا نسب کی وجہ سے جو عورتیں حرام ہیں جیسے ماں بیٹی بہن چچی خالہ بھتیجی بھانجی اس طرح یہ رشتے رضاعت اور دودھ کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں جیسے رضاعی ماں رضاعی بہن رضاعی بیٹی وغیرہ وغیرہ۔

مرد کے لیے اپنی محرم عورتوں کا سینہ سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے کا حصہ اس صورت میں دیکھنا جائز ہے جس میں خود وہ اور عورت دونوں شہوت اور نفسانی خواہش سے مامون ہوں۔ لیکن اگر سفلی جذبات کے بھڑکنے کا خدشہ ہو تو احتیاطاً اس کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

اس لیے مرد کو اپنی محرم عورتوں کے ظاہری و باطنی مواضعِ زینت کی طرف دیکھنا درست ہے مثلاً سر، سر کے بال، گردن، اوپری سینہ، کان، بازو، گھٹنے سے نیچے پنڈلی سے قدم تک اور چہرہ۔

اس کے علاوہ جسم کا اور حصہ مثلاً پیٹ، پیٹھ اور ران تو ان مواضع کی طرف دیکھنا ہرگز بھی جائز نہیں ہے۔ اور اس مسألہ کی اصل ارشادِ ربّانی ہے:

---

[1] دودھ جس کی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ حنفیہ کے یہاں ایک مرتبہ منہ مار کر پینا بھی حرام کرنے والا ہے، اور فقہاء شوافع کے یہاں پانچ مختلف اوقات میں دودھ پینا ہے، لیکن احتیاط اسی میں ہے جو حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

((وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ)). النور ۔ ۳۱

اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر اور اپنے باپ پر اور اپنے شوہر کے باپ پر، اور اپنے بیٹوں پر اور اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور اپنے بھائیوں پر اور اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر۔

محرم مرد خصوصاً جب کہ بلوغ کی عمر کو پہنچ گیا ہو تو اس کے لیے یہ قطعاً حرام ہے کہ وہ اپنی محارم میں سے کسی عورت کو ایسی حالت میں دیکھے جب اس نے مختصر سا لباس پہنا ہوا ہو جو گھٹنوں سے اوپر ہو اور رانیں کھلی ہوئی ہوں یا اس نے ایسا باریک کپڑا پہنا ہو جس سے جسم کا اندرونی حصہ نظر آتا ہو اور جسم کا ایسا حصہ ظاہر ہو رہا ہو جس کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ اسی طرح بیٹی اور دوسری عورت پر بھی یہ حرام ہے کہ وہ اپنے کسی محرم کا گھٹنوں اور ناف کے درمیان کا حصہ دیکھے خواہ وہ اس کا بیٹا ہو یا اس کا بھائی ہو یا باپ ہو، چاہے اسے فتنہ کا ڈر نہ بھی ہو اور خواہشِ نفس اور جذبات پر کنٹرول بھی ہو۔ چاہے حمام میں غسل کرانے اور مالش کرنے کے لیے کیوں نہ ہو:

((تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ)). البقرہ ۔ ۲۲۹

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ سو ان کے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی بڑھا چلے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

ب ۔ جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہو اس کی طرف دیکھنے کے آداب:

شریعتِ اسلامیہ نے شادی کرنے والے کو اپنی منگیتر کی طرف دیکھنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح لڑکی کو بھی اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھ لے تاکہ دونوں شریکِ حیات ایک دوسرے کو خوشدلی سے پسند کر سکیں۔ اور اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمانِ مبارک ہے جو آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے فرمایا:

((انظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما)).

اس کو دیکھ لو اس لیے کہ اس کی وجہ سے تمہارے رشتۂ ازدواج کو دوام ملے گا۔

یعنی دیکھ لینا محبت والفت کو دائم کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

اور امام مسلم ونسائی روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو بتلایا کہ انہوں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے، تو آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے اسے دیکھا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: جی نہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((انظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئاً)).	اس کو دیکھ لو اس لیے کہ انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔

یعنی آنکھیں ذرا چھوٹی ہوتی ہے۔ لیکن اس نظر ڈالنے اور دیکھنے کے بھی کچھ آداب ہیں۔ دیکھنے والے کے لیے ان کی رعایت کرنا بہت ضروری ہے۔ اور وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ اگر لڑکے کا لڑکی سے نکاح کرنے کا پکا ارادہ ہو تو لڑکی کے صرف چہرے اور ہاتھوں کو دیکھ سکتا ہے۔

۲۔ اگر ضرورت پڑے تو اس کی صورت اپنے ذہن میں رکھنے کے لیے کئی بار نظر ڈالنا بھی جائز ہے۔

۳۔ لڑکی اور لڑکا دیکھنے اور شادی طے ہونے والی مجلس میں ایک دوسرے سے بات بھی کر سکتے ہیں۔

۴۔ منگیتر سے مصافحہ کرنے کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے۔ اس لیے کہ شادی سے قبل وہ لڑکی اجنبیہ ہوتی ہے اور اجنبیہ سے مصافحہ کرنا حرام ہے، اس لیے کہ امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کہتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے وقت بھی کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہ چھوا ہاں آپ عورتوں سے زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔

۵۔ جس لڑکی سے نکاح کا ارادہ ہو اس کے کسی عزیز کی موجودگی کے بغیر تنہائی میں دونوں کا اکٹھا ہونا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اسلام اجنبیہ کے ساتھ خلوت کو حرام قرار دیتا ہے، چنانچہ امام بخاری و مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذیل نقل کرتے ہیں:

((ألا لا يخلون رجل بامرأة، ولا تسافرن امرأة إلا ومعها ذو محرم)).	سن لو کسی مرد کو کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ تنہائی میں یکجا نہیں ہونا چاہیئے۔ اور نہ کسی عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنا چاہیئے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس جانب بھی اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آزاد خاندانوں میں آج کل یہ جو رواج عام ہو گیا ہے کہ لڑکا اپنی منگیتر کے ساتھ بغیر کسی قید و حدود کے بلا حجاب ملتا رہتا ہے، جس کا جواز یہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ دونوں ایک دوسرے کے عادات واخلاق سے واقف ہو جائیں، تو یہ طریقہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام اس کے خلاف جنگ کرتا ہے اس لیے کہ یہ اخلاق و انسانی شرافت کے ادنیٰ سے ادنیٰ اصول و ضوابط کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ اس میل جول کی وجہ سے لڑکے کی بنسبت لڑکی کا نام زیادہ بدنام ہوتا ہے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ شادی نہ ہو سکے اور اس لڑکی پر تہمت واتہام لگ جائے، اور لوگ اس پر شبہ کرنے لگیں۔ اور اس کی وجہ سے لوگ اس لڑکی سے شادی کرنے سے ہی گریز کرنے لگیں، جس کا سبب یہ ہو گا کہ لڑکی بڑی عمر تک کساد بازاری کا شکار ہو کر بغیر شادی کے ہی بیٹھی رہ جائے گی۔

اس غلط رواج کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس گندی و ناجائز ملاقات کا حقیقی مقصد بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ اس لیے کہ ایسی ملاقاتوں میں دونوں فریقین میں سے ہر ایک نہایت تکلف کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اور ہم نے کتنے ہی ایسے مردوں اور عورتوں

کے واقعات سنے ہیں جو منگیتری کے کئی سالوں تک ایک دوسرے سے وابستہ رہے لیکن شادی کے بعد بہت ہی مختصر سے وقفہ میں ان میں آپس میں اختلافات پیدا ہوجاتی ہیں اور طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ تو بتلائیے کہ شادی سے قبل ایک دوسرے سے میل ملاقات سے بھی اخلاق کا کیا پتہ چلا؟ اس لیے عقلمندوں کو اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرلینا چاہیے۔

ج ۔ بیوی کی طرف دیکھنے کے آداب:

مرد اپنی بیوی کے جسم کے ہر حصہ کو شہوت کی نظر سے بھی دیکھ سکتا ہے اور بغیر شہوت کے بھی، اس لیے کہ جب بوس وکنارا ور ہمبستری جائز ہے تو اس سے کم درجہ کی چیز یعنی بیوی کے جسم کے کسی بھی حصہ پر نظر ڈالنا بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ اگرچہ افضل یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آتا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے نہ انہوں نے میری (اس چیز کی) طرف دیکھا اور نہ میں نے آپ کی (اس چیز کی) طرف دیکھا[1] بہر حال دونوں کے لیے ایک دوسرے کے جسم کے ہر حصہ پر نظر ڈالنا جائز ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول: جسم کے کون سے ایسے مستور حصے ہیں جنہیں ہم دیکھ سکتے ہیں اور کون سے ایسے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك))	تم اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیوی اور باندی کے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝)). المؤمنین ۔ ۵ و ۶	اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں، ہاں اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں۔

د ۔ اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے آداب:

بالغ آدمی کے لیے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے چاہے وہ جذبات کو ابھارنے والی نہ بھی ہو، لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ اجنبی عورت سے کیا مراد ہے اور اجنبی مرد کون ہوتا ہے؟

اجنبی مرد: وہ ہے کہ جس سے عورت کے لیے نکاح کرنا جائز ہو جیسے کہ چچازاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی،

---

[1] ملاحظہ ہو فتح القدیر ج ۔ ۸ کتاب الحظر کی فصل النظر۔

ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی اور بہن کا شوہر اور خالہ کا شوہر۔

اجنبی عورت: یہ وہ عورت ہے جس سے مرد کو نکاح کرنا درست ہو جیسے چچا زاد بہن، پھوپھی زاد بہن، ماموں زاد بہن اور خالہ زاد بہن اور بھابھی اور چچی اور ممانی اور سالی اور بیوی کی چچی اور پھوپھی۔

جو حکم مرد کا ہے وہی اس بچے کا ہے جو مراہق و قریب البلوغ ہو، اور بدصورت و خوبصورت عورت میں فرق کرسکتا ہو اس لیے ایسے لڑکے کو بھی اجنبی عورت کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔

اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کے حرام ہونے کی اصل دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمانِ ذیل ہے:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ)).

النور ۔ ۳۰ و ۳۱

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور آپ کہہ دیجیے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ذیل ہیں:

طبرانی و حاکم صحیح سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ:

((النظرة سهم من سهام إبليس، من تركها من مخافتي أبدلته إيمانًا يجد حلاوته في قلبه)).

نگاہِ بد شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو میرے ڈر سے اسے چھوڑ دے گا تو میں اس کے بدلہ اس کے دل میں ایسا ایمان پیدا کردوں گا جس کی شیرینی وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

اور امام احمد و طبرانی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما من مسلم ينظر إلى محاسن امرأة ثم يغض بصره إلا أحدث الله له عبادة يجد حلاوتها في قلبه)).

کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑے اور پھر وہ اپنی نگاہ اس سے جھکا لے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسی عبادت کی توفیق دیتے ہیں جس کی حلاوت اسے اپنے دل میں محسوس ہوتی ہے۔

* * * *

اور امام احمد و ابن حبان اپنی صحیح میں اور حاکم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اضمنوا لي ستاً من أنفسكم أضمن لكم الجنة: اصدقوا إذا حدثتم، وأوفوا إذا وعدتم، وأدوا إذا ائتمنتم، واحفظوا فروجكم، وغضوا أبصاركم، وكفوا أيديكم)).

تم اپنے بدن کی چھ چیزوں کی مجھے ضمانت دے دو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن بن جاؤں گا: جب بات کرو تو سچ بولو، اور جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔ اور جب تمہارے پاس امانت رکھائی جائے تو اسے ادا کرو، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو، اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊

اور امام بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا فهو مدرك لامحالة، العينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليد زناها البطش، والرجل زناها الخطى، والقلب يهوى ويتمنى، ويصدق ذلك الفرج أو يكذبه)).

ہر انسان پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جو اس کو ضرور پہنچ کر رہے گا۔ آنکھوں کا زنا (اجنبی عورتوں کا) دیکھنا ہے، اور کانوں کا زنا سننا ہے، اور زبان کا زنا بات کرنا ہے، اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، اور پاؤں کا زنا چلنا ہے، اور دل خواہش وتمنا کرتا ہے، اور شرمگاہ یا اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کی تکذیب کر دیتی ہے۔

❊ ❊ ❊

اور امام مسلم وترمذی حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑجانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنی نگاہ کو (فوراً) ہٹالو۔

اور ابوداؤد وترمذی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھی اور آپ کے پاس حضرت میمونہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں کہ سامنے سے ابن ام مکتوم آنے لگے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ہمیں پردہ کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں ان سے پردہ کرلو، تو ہم دونوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ تو ہمیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی پہچان سکتے ہیں! اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم دونوں ان کو نہیں دیکھ سکتی ہو؟!

یہ تمام نصوص نہایت صراحت سے یہ وضاحت کررہی ہیں کہ کسی انسان کا اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے، اور اسی طرح عورت کو اجنبی مرد کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، بشرطیکہ وہ دونوں ایک مجلس میں ہوں اور دیکھنے سے فتنہ میں پڑنے کا ڈر ہو۔

(ظلال القرآن کے مؤلف کے قول کے مطابق نگاہ پست رکھنے سے اسلام جو مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسا پاک صاف معاشرہ پیدا کیا جائے جس میں ہر لمحہ و ہر وقت شہوات و جذباتِ نفسانیہ اور حیوانی خواہشات کو ابھارا نہ جاتا ہو۔ ہر طرف سے سفلی جذبات بھڑکانے والے مستقل مناظر و اشیاء لازمی طور سے انسان کو شہوت و خواہشاتِ نفسانیہ کی ایک ایسی آگ میں جھونک دیتے ہیں جو نہ ماند پڑتی ہے اور نہ سیراب کرتی ہے، نامحرموں کو دیکھنا اور جذبات برانگیختہ کرنے والی حرکات اور عریاں زیب و زینت اور ننگے جسم ان کا سوائے اس کے اور کوئی کام نہیں ہوتا کہ وہ اس حیوانی دیوانی شہوت و جذبات کی آگ کو بھڑکا دیں۔ اسلام نے پاک صاف معاشرہ قائم کرنے کے لیے جن وسائل کو اختیار کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جذبات کے برانگیختہ کرنے والے امور سے روکا اور اس نے دونوں جنسوں کے درمیان جو گہرا فطری دافع ہے اسے برقرار و محفوظ رکھا اور قوتِ طبیعی کے ذریعہ فرضی اور مصنوعی جذبات برانگیختہ کرنے والی چیزوں سے پاک رکھا۔

ایک زمانے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ پاک و صاف نظر بازی اور صاف ستھری گفتگو اور ہلکا پھلکا تھوڑا میل جول و اختلاط اور دونوں جنسوں کے درمیان دل لگی، مذاق اور چھپے ہوئے فتنہ کے مقامات پر مطلع ہونا ... ان سب کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ یہ محبوس و مقید رغبتوں کے لیے راحت و سکون پہنچانے اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو دور کرنے اور غصے کے رکنے کا ذریعہ ہے اور جنسی دباؤ کی تیزی میں کمی آجاتی ہے اور جنسی ہیجان اسکی وجہ سے جو نامناسب اثرات پڑتے ہیں ان میں کمی ہو جاتی ہے ... لیکن ان نظریات و افکار کا دامن تھامنے والے اس بات کو بھول گئے کہ مرد و عورت کے درمیان جو ایک فطری لگاؤ اور میلان ہے وہ دنیاوی زندگی میں ایک نہایت گہرا تعلق و میلان ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تعلق و ارتباط کے ساتھ زندگی کے روئے زمین پر امتداد و پھیلاؤ کو مربوط کر رکھا ہے، اور اس دنیا میں انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے، اس لیے مرد و زن کا ایک دوسرے کی طرف یہ میلان ایک مستمر و دائمی میلان ہے، جو ایک وقت تک کے لیے ٹھنڈا پڑ جاتا ہے، لیکن پھر دوبارہ ابھر جاتا ہے، اور اس کے بھڑکنے اور ابھرنے میں ہمیشہ پہلے سے زیادہ تیزی ہوتی ہے جو اسے راحت کے حصول کے لیے مادی اتصال کی جانب راغب کرتی ہے، لیکن اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو جوش میں آئے ہوئے اعصاب درماندہ ہو جاتے ہیں اور اس کی مثال ایک مستقل و دائمی عذاب کی سی بن جاتی ہے۔

چنانچہ دیکھنا اور بدنظری بھی جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے۔ اور حرکات و سکنات بھی، اور ہنسی مذاق و دل لگی بھی، اور اس طبعی میلان کے آثار چڑھاؤ بھی جذبات کو ابھارتے ہیں ... اور امن کا راستہ یہ ہے کہ ان جذبات کے بھڑکانے والے امور کو کم سے کم اور محدود سے محدود تر کیا جائے، تاکہ یہ فطری میلان اپنی طبعی حدود کے دائرے میں رہے، اور پھر جائز و حلال نکاح کے راستے سے طبعی طریقے سے اس داعیہ کی آواز پر لبیک کہا جائے، یہ ہی وہ طریقہ ہے جسے اسلام نے منتخب کیا ہے۔ اور جنسِ بشر کے نفسانی سکون اور فکری استقرار اور عصبیاتی راحت اور اس محفوظ و سلیم رابطے کے لیے پسند کیا ہے

جو تمام اولادِ آدم کو ایک دوسرے سے مربوط رکھتا ہے)۔

بدنظری اور ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے پھرنے سے جذبات میں جو ابھار پیدا ہوتا ہے اس سلسلہ میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

كل الحوادث مبداها من النظر — ومعظم النار من مستصغر الشرر

تمام حوادث کی ابتدا نظر ہی سے ہوتی ہے — اور عام طور سے آگ چھوٹی سی چنگاری سے لگتی ہے

كم نظرة فعلت في قلب صاحبها — فعل السهام بلا قوس ولا وتر

کتنی ہی مرتبہ بدنظری دیکھنے والے کے دل پر — بغیر تیر و کمان کے تیر کا سا اثر کرتی ہے

والمرء ما دام ذا عين يقلبها — في أعين الغيد موقوف على خطر

اور انسان جب تک اپنی نگاہ کو حسینا ؤں — کی آنکھیں وغیرہ دیکھنے میں مصروف رکھے گا خطرہ میں رہے گا

يسر مقلته ما ضر مهجته — لا مرحبا بسرور عاد بالضرر

اسکی نگاہ کو وہ چیز سرور بخشتی ہے جو اسکی جان کو نقصان پہنچاتی ہے — ایسی خوشی نامبارک ہو جو نقصان کا ذریعہ بنے

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درجِ ذیل ارشادِ مبارک بالکل سچ فرمایا:

((ثلاثة لا ترى أعينهم النار: عين حرست في سبيل الله، وعين بكت من خشية الله، وعين كفت عن محارم الله)).

طبرانی

تین قسم کے آدمی ایسے ہیں کہ ان کی آنکھیں (دوزخ کی) آگ کو نہ دیکھیں گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں چوکیداری کرتی ہو۔ اور ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہوں ایک وہ آنکھ جو نامحرموں اور ممنوع جگہوں سے رک گئی ہو۔

۵ ـ مرد کے مرد کی طرف دیکھنے کے آداب:

مرد کے لیے مرد کی ناف سے گھٹنے تک کا حصہ دیکھنا جائز نہیں ہے، چاہے قریبی رشتہ دار ہو یا دور کا، خواہ مسلمان ہو یا کافر۔

جسم کے اس حصے کے علاوہ پیٹ پیٹھ سینہ تو اس کی طرف اس صورت میں دیکھنا جائز ہے، جب دیکھنے والے کو اپنے جذبات کے بھڑکنے کا ڈر نہ ہو۔

اس دیکھنے کے سلسلہ میں اصل وہ روایت ہے جسے امام مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مرد کو مرد کی شرمگاہ کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے اور عورت کو عورت کی شرمگاہ کی جانب۔

اور امام احمد و اصحابِ سنن روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو

سوائے اپنی بیوی اور باندیوں کے۔

اور امام حاکم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو ران کھولے ہوئے دیکھا تو انہیں تنبیہ اور رہنمائی کرنے کے لیے فرمایا کہ اپنی ران کو ڈھک لو، اس لیے کہ ران شرمگاہ میں داخل ہے، اور ترمذی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ: ران شرمگاہ ہے۔

لہٰذا ان نصوص سے یہ معلوم ہوا کہ:

کسی شخص کو اپنی ناف سے گھٹنے تک کا کوئی حصہ بھی کسی صورت میں کھولنا جائز نہیں ہے نہ ریاضت و ورزش میں، اور نہ تیرنے کے لیے، اور نہ کسی تدریب و مشق میں، نہ حمام و غسل گاہ میں خواہ شہوت و جذبات سے امن ہی کیوں نہ ہو، اور اگر بالفرض کوئی شخص کسی کو اس کے جسم کے کسی حصے کے کھولنے کا حکم دے تو اسے چاہیے کہ وہ ہرگز اس کی بات نہ مانے، اس لیے کہ حدیث نبوی میں آتا ہے کہ خدا کی معصیت و نافرمانی کے سلسلہ میں کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

مالکیہ کی طرف جو یہ بات منسوب ہے کہ ان کے یہاں مستور حصہ صرف اگلی اور پچھلی شرمگاہ کا حصہ ہے، اس کے علاوہ جسم کا دوسرا حصہ کھولنا جائز ہے، تو یہ دعویٰ قطعاً درست نہیں ہے بلکہ یہ ناسمجھی اور کم علمی ہے۔

شرمگاہ و جسم کے مستور حصوں کی مالکیہ کے یہاں دو قسمیں ہیں:

۱۔ نماز کے اعتبار سے مستور ہونا۔

۲۔ نظر ڈالنے اور دیکھنے کے اعتبار سے مستور و عورت ہونا۔

نماز کے اعتبار سے مستور حصے کی دو قسمیں ہیں:

عورتِ غلیظہ: جو اگلی اور پچھلی شرمگاہ کا نام ہے۔

عورتِ خفیفہ: جو ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے۔

◎ لہٰذا اگر نماز میں عورتِ غلیظہ کھل جائے تو نماز کو ہر صورت میں لوٹایا جائے گا، خواہ اس کا وقت نکل چکا ہو یا نہ نکلا ہو۔

◎ اور اگر نماز میں عورتِ خفیفہ کھل جائے تو ایسی صورت میں جب تک نماز کا وقت باقی ہو اس وقت تک اس کا اعادہ کیا جائے گا لیکن اگر اس کا وقت نکل جائے تو پھر اس کے اعادہ کا حکم نہیں ہے۔

رہی دیکھنے کے لحاظ سے عورت: تو اس سلسلہ میں عورتِ غلیظہ اور خفیفہ دونوں کا کھولنا حرام ہے۔

◎ لہٰذا مرد کا مستور حصہ دوسرے مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک ہے۔

◎ اور عورت کا مستور حصہ دوسری عورت کے لیے اگر دونوں مسلمان ہوں تو ناف سے گھٹنے تک ہی ہے۔

◎ اور مسلمان عورت کا حکم کافر عورت کے ساتھ یہ ہے کہ مسلمان عورت کا سارا جسم کافر عورت کے لیے مستور ہے سوائے اس کے چہرے اور ہاتھوں کے، ایک قول تو یہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان عورت کا تمام بدن کافر

عورت کے سامنے مستور رہنا چاہیے۔

◎ اور عورت کا اپنے محارم کے لیے مستور حصہ چہرے ——— ہاتھوں اور سر اور گردن اور پاؤں کے علاوہ تمام حصہ ہے۔ لہٰذا ان اعضاء کے علاوہ اور کسی حصے کی طرف نگاہ ڈالنا جائز نہیں ہے[1]

اس لیے فقہ مالکی کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ چاروں ائمہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مرد کے لیے دوسرے مرد کا ناف سے گھٹنے تک کا حصہ مستور و شرمگاہ کے حکم میں ہے اس لیے دونوں کا ایک دوسرے کے اس حصّے کی جانب دیکھنا حرام ہے اور اس کے علاوہ جسم کو دیکھنا جائز ہے[2]

---

[1] یہ مالکی مذہب ہے جو مختصراً "دسوقی علی الشرح الکبیر" کے حاشیہ سے لیا گیا ہے۔

[2] بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے جنگ کی، حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے وہاں صبح کی نماز پڑھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور آپ کے پیچھے ابوطلحہ اور میں سوار تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں سواری کو دوڑایا تو میرے گھٹنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر لگنے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے آپ کی چادر ہٹ گئی تو میں آپ کی ران کی سفیدی کو دیکھنے لگا...

امام نووی مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث اس پر محمول ہے کہ سواری دوڑانے اور حملہ کرنے کی وجہ سے بلا قصد و اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران اچانک کھل گئی تھی، لیکن اس روایت میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آپ نے باوجود موقع ملنے کے پھر بھی اپنی ران کو نہ چھپایا، رہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی ران کو دیکھ رہا تھا تو یہ بھی اس پر محمول ہے کہ ان کی نگاہ اچانک ران پر پڑ گئی تھی قصداً انہوں نے ایسا نہ کیا تھا۔

علامہ ابن حزم ظاہری نے حضرت انس کی اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مرد کی ران مستور حصے میں داخل نہیں ہے۔ لیکن فقہاء نے مختلف وجوہ سے انکی تردید کی ہے اور جوابات دیئے ہیں جو درج ذیل ہیں؛

۱۔ مختلف احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد کی ران بھی عورت ہے۔ ان میں سب سے قوی وہ حدیث ہے جسے امام مالک و احمد و ابوداؤد و ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں معلقاً روایت کیا ہے کہ حضرت جرہد کہتے ہیں کہ میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا، مجھ پر ایک چادر پڑی تھی اور میری ران کھلی ہوئی تھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی رانوں کو چھپالو اس لیے کہ ران عورت ہے۔

۲۔ علماء اصول لکھتے ہیں کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو جائے تو اگر ان میں تطبیق ممکن ہو تو تطبیق دے دی جائے گی اور امام نووی نے حضرت انس و حضرت جرہد کی حدیثوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ حضرت انس کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ران کے کھلنے کا جو ذکر ہے وہ یہود خیبر پر حملہ کی وجہ سے بلا اختیار کھل گئی تھی جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ہے۔

۳۔ اور اگر دو متعارض حدیثوں میں تطبیق کی کوئی صورت نہ نکلے تو پھر علماء اصول لکھتے ہیں کہ ——— اگر ایک روایت حرام قرار دینے والی ہو اور دوسری مباح قرار دینے والی ہو تو ایسی صورت میں حرام قرار دینے والی کو ترجیح ہوگی، اس لیے علماء اصول کے اس قاعدے کے مطابق علماء نے حرمت کی جانب کو ترجیح دی ہے کہ بلا ضرورت ران کھولنا حرام ہے۔

۴۔ بخاری و مسلم میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو نبوت سے قبل بچپن ہی میں کشفِ عورت سے محفوظ رکھا تو بھلا پھر نبوت کے بعد بالقصد والاختیار آپ کو اس پر کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں۔

۵۔ ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کی ران عورت ہے اور اس کی طرف دیکھنا حرام ہے اور سوائے اہل ظواہر اور بعض ان کے ہم مذہبوں کے کسی نے اس مسالہ میں شذوذ اختیار نہیں کیا ہے اور جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا بڑے بڑے علماء نے ان کی تردید کی ہے اور ان کی رائے کو بودا قرار دیا ہے۔

۶۔ بلا ضرورت رانوں کا کھولنا ذوقِ سلیم کے بھی خلاف ہے، بلکہ اسلام نے جو پاکیزہ حیاء کی تعلیم دی ہے اس سے بھی متصادم ہے۔ اور اسلامی اخلاق اور معاشرے کے آداب کے بھی منافی ہے۔

۹- عورت کے عورت کی جانب دیکھنے کے آداب :

عورت کو عورت کی ناف سے گھٹنے تک کے جسم کا دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ اس کی قریبی رشتہ دار ہو یا دُور کی اور چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔

اس کی دلیل وہی حدیث ہے جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ مرد مرد کے مستور جسم کی طرف نہ دیکھے اور عورت عورت کے مستور جسم کو نہ دیکھے ، اور وہ حدیث جسے حاکم نے روایت کیا ہے کہ گھٹنے اور ناف کے درمیان کا حصّہ مستور حصّہ ہے اور وہ حدیث کہ ران عورت ہے۔

لہٰذا ان نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ اپنی بیٹی ، بہن ، ماں ، پڑوسن یا سہیلی کی ران کو دیکھے خواہ حمام میں ہو یا کسی اور مقام پر۔

اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ بھڑکانے والے منظر اور جذبات ابھارنے والی چیز کو دیکھ کر عورت طبعی جذبات کے بھڑکنے اور فطری خواہش کے برانگیختہ ہونے سے محفوظ رہے ، اس لیے کہ بعض مرتبہ ان مناظر کے دیکھنے سے جذبات کا ابھار و جوش عورت کو عورت سے خواہش پوری کرنے کی طرف راغب کر دیتا ہے ، اور عورت عورت سے مل کر اپنی شہوت کو پوری کرتی ہے ، اور اپنے جذبات کو ٹھنڈا کر لیتی ہے۔

صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ مرد مرد پر اکتفا کریں گے اور عورتیں عورتوں پر یعنی دونوں فریق اپنے ہم جنس سے اپنی خواہش پوری کریں گے۔

اس لیے غیرت مند مسلمان عورتوں کو دوسری عورتوں کے جسم کے مستور حصوں کو دیکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے ، چاہے یہ جھانک تانک غسل کے لیے کپڑے بدلنے کے دوران ہو یا حمام میں جسم کے ملنے کے دوران یا شادی کی ان ننگی مجالس میں جہاں نہایت بازاری طرز کی بے حجابی اور جسم کی ناپسندیدہ عریانی کے ایسے مناظر ہوتے ہیں جن سے پیشانی پسینہ آلود ہو جاتی ہے۔

باغیرت مردوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو عوامی حمام میں جانے سے روکیں ، اس لیے کہ وہاں جسم کا کھولنا اور عریانی اور دوسرے بے شمار مفاسد و برائیاں ہوتی ہیں جیسا کہ ہم آج اپنے اوسط درجے کے معاشرے میں بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے :

نسائی اور ترمذی اور حاکم نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

((من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا　　　　جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہوا سے

يدخل حليلته الحمام))۔ چاہیے کہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ لے جائے۔

اور طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حمص یا شام کی عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے فرمایا: کیا تم وہیں کی عورتیں ہو جہاں کی عورتیں حمام میں جاتی ہیں؛ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

((ما من امرأة تضع ثيابها في غير بيت زوجها إلا هتكت الستر بينها وبين ربها))۔

کوئی عورت ایسی نہیں کہ جو اپنے کپڑے شوہر کے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ اتارے مگر یہ کہ اس نے اپنے اور اپنے رب کے درمیان کا پردہ چاک کر دیا۔

اور ابن ماجہ اور ابوداؤد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((ستفتح عليكم أرض العجم ، وستجدون فيها بيوتاً يقال لها: الحمامات فلا يدخلها الرجال إلا بإزار، وامنعوها النساء إلا مريضة أو نفساء))۔

تمہارے لیے سرزمین عجم فتح کر دی جائے گی، اور تم وہاں ایسے مکان پاؤ گے جنہیں حمام کہا جاتا ہے۔ اس لیے وہاں مرد بغیر تہبند کے نہ جائیں اور عورتوں کو وہاں جانے سے روکو سوائے بیمار یا نفاس والی عورت کے۔

ز۔ کافر عورت کے مسلمان عورت کی طرف دیکھنے کے آداب:

مسلمان عورت کو کسی کافر عورت کے سامنے اپنے حسن وجمال کا اظہار یا جسم کا کوئی حصہ اس کے سامنے کھولنا جائز نہیں، ہاں کام کاج کے وقت جو حصہ کھل جاتا ہے جیسے ہاتھ پاؤں چہرہ یہ کھول سکتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا سورۂ نور والا ارشاد عمومی ہے:

((وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ ... أَوْ نِسَآئِهِنَّ ...))۔ النور - ۳۱

اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں شوہروں پر اور اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر۔

تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ((أَوْ نِسَآئِهِنَّ)) یعنی اپنی عورتیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورت کے لیے اپنی زیب وزینت کا اظہار صالح اور مسلمان عورتوں کے سامنے تو جائز ہے لیکن اگر کسی مجلس میں غیر مسلم یا بدکردار مسلمان عورتیں موجود ہوں تو ایسے مواقع پر مسلمان عورت کو اپنی زینت یا جسم کا کھولنا درست نہیں ہے۔

اس حرمت کی حکمت وہی ہے جو دسوقی کے حاشیہ میں تحریر ہے کہ آزاد مسلمان عورت کو کافر آزاد عورت کے سامنے چہرہ وہاتھ کے علاوہ کوئی اور حصہ کھولنا نہیں چاہیئے یہی صحیح قول ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ کافر عورت اپنے کافر شوہر سے اس مسلمان عورت کا حسن وجمال نہ بیان کر سکے۔ اس لیے یہ حرمت اس کے عورت ہونے کی وجہ سے

نہیں بلکہ اس مذکورہ بالا مصلحت کی وجہ سے ہے۔
اسی طرح مسلمان عورت کے لیے یہ بھی حرام ہے کہ وہ اپنے جسم کے خوبصورتی و حُسن وجمال والے اعضا کسی بدکردار مسلمان عورت کے سامنے کھولے تاکہ وہ اس کے حُسن وجمال کا تذکرہ مردوں سے نہ کرے "الہدیۃ العلائیۃ" میں لکھا ہے کہ کسی نیک وصالح عورت کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے جسم کو کوئی بدکردار عورت دیکھے تاکہ وہ اس کے جسم اور حُسن وجمال کا دوسرے مردوں سے تذکرہ نہ کرسکے لہٰذا نیک عورت کو ایسی عورتوں کے سامنے اپنا دوپٹہ اور اوڑھنی نہیں اتارنا چاہیے۔
جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ((أَوْ نِسَائِهِنَّ)) کا ایک عجیب منفرد مطلب ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب میں سورۂ نور کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک ((أَوْ نِسَائِهِنَّ)) سے وہ خاص عورتیں مراد ہیں جن کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کام کاج وخدمت کا تعلق ہو یا تعارف ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان اجنبی عورتوں کے دائرے میں نہ جائے جن کے اخلاق وعادات وطور طریقوں کا کچھ پتہ نہیں یا ایسی عورتیں جن کے ظاہری حالات مشتبہ ہوں اور ان پر اعتماد نہ کیا جاسکتا ہو، اس لیے اس معاملہ میں دینی اختلاف کا اعتبار نہیں ہے بلکہ یہاں اخلاقی اختلاف مراد ہے۔ اس لیے مسلمان عورتوں کو بلا حجاب اپنی زینت کا اظہار اور ایسی شریف گھرانے کی عورتیں جو معروف گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا خاندان عادات واخلاق میں معروف ہو ان کے سامنے مسلمان عورت اپنی زینت وجمال کا اظہار کرسکتی ہے خواہ وہ عورتیں مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔
لیکن ایسی فاسق وبدکردار عورتیں جن میں شرم وحیا نہیں ہے اور ان کے اخلاق وعادات قابلِ اعتماد نہیں تو ایسی عورتوں سے ہر مومن صالح عورت کو پردہ کرنا چاہیئے، خواہ وہ عورتیں مسلمان ہی کیوں نہ ہوں اس لیے کہ ان کی صحبت اخلاق کے خراب کرنے اور بگاڑنے میں مردوں کی صحبت سے کم نقصان دہ نہیں ہے۔
لیکن آپ بتلائیے کہ ایسی غیر مسلم شریف زادیاں اور اعلیٰ کردار واخلاق کی مالک غیر مسلم عورتیں کہاں پائی جاتی ہیں؟ میرا تو اندازہ یہ ہے کہ ایسی غیر مسلم شاذ ونادر ہی کہیں پائی جائیں، اس لیے مسلمان عورت کو اپنے دین واخلاق وکردار کو غیر مسلموں کے اخلاق وکردار سے بچانے کے لیے بہت احتیاط کرنا چاہیے، اور اسی طرح ایسی مسلمان عورتوں سے بھی بچنا چاہیے جو آزاد ہوں جن کے یہاں حرمت وشرافت کا کوئی خیال نہ کیا جاتا ہو۔

ح۔ امرد یعنی بے ریش لڑکوں کی طرف دیکھنے کے آداب:

امرد اس جوان کو کہتے ہیں جس کی داڑھی ابھی تک نہ نکلی ہو یعنی وہ لڑکا جو دس سے پندرہ سال کے درمیان عمر کا ہو۔
خرید وفروخت لین دین علاج وتعلیم وغیرہ ضروریات کے لیے امرد کی طرف دیکھنا جائز ہے لیکن اگر اس کی طرف

دیکھنے کا مقصد اس کے حسن وجمال سے لذت اندوزی ہو تو یہ حرام ہے اس لیے کہ اس سے جذبات بھڑکتے ہیں جو فتنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اس طرح کی نظربازی کی حرمت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ))۔ النور۔ ۳۰ آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

سلفِ صالحین نے بے ریش خوبصورت لڑکوں کی طرف دیکھنے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے روکنے پر بہت زور دیا ہے چنانچہ:

◎ حسن بن ذکوان فرماتے ہیں: مالداروں کے بچوں کے ساتھ نہ بیٹھو اس لیے کہ ان کی شکلیں کنواری لڑکیوں کی سی ہوتی ہیں اور یہ عورتوں سے بڑا فتنہ ہوتے ہیں۔

◎ سفیانِ ثوری ایک مرتبہ حمام میں داخل ہوئے، وہاں ایک خوبصورت بچہ بھی آگیا تو انہوں نے فرمایا اس کو یہاں سے لیجاؤ اس لیے کہ ہر عورت کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور بے ریش لڑکے کے ساتھ سترہ شیطان ہوتے ہیں۔

◎ ایک صاحب امام احمد رحمہ اللہ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ایک خوبصورت سا لڑکا بھی تھا، تو امام احمد نے ان صاحب سے پوچھا: تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ ان صاحب نے کہا: میرا بھانجا ہے، تو امام صاحب نے فرمایا: اس کو دوبارہ ہمارے پاس لے کر مت آنا اور نہ اس کو اپنے ساتھ لے کر اِدھر اُدھر پھرنا، تاکہ جو لوگ تمہیں اور اسے نہیں جانتے وہ تمہارے اوپر بدگمانی نہ کرنے لگ جائیں۔

◎ اور حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو بے ریش لڑکے کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے دیکھو تو اس پر بدگمانی کرلو۔

بلا ضرورت بے ریش لڑکوں کی طرف دیکھنے کی حرمت و ممانعت کی حکمت یہ ہے تاکہ برائی اور گناہ میں گرفتار ہونیکا راستہ بند اور فساد کی بیخ کنی ہو جائے۔

پاکباز و متقی مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ اپنے دین و اخلاق و شہرت کی حفاظت کرے اور خوب احتیاط سے تہمت کے مواقع سے بچتا رہے۔

ط۔ عورت کے اجنبی مرد کی طرف دیکھنے کے آداب:

مسلمان عورت راستوں میں چلتے ہوئے یا جائز قسم کے کھیل میں مشغول یا کاروبار خرید و فروخت وغیرہ میں مصروف مردوں کو دیکھ سکتی ہے، اس کے جائز ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ عید کے روز اہلِ حبشہ کے کچھ لوگ مسجد کے میدان میں نیزہ بازی کر رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھنے لگے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر انہیں دیکھنے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان سے چھپایا ہوا تھا اور آپ اس وقت تک کھڑے رہے جب تک حضرت عائشہ کا دل نہیں بھر گیا۔ اور وہ خود وہاں سے ہٹ نہ گئیں، اور یہ سنہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔

رہی وہ حدیث جس میں یہ آتا ہے کہ تم دونوں (ازواجِ مطہرات امّ سلمہ و میمونہ مراد ہیں) ان سے پردہ کرلو اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ کیا تم دونوں نابینا ہو؟ کیا تم دونوں ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؛ (یعنی نابینا صحابی حضرت ابنِ ام مکتوم کو) تو یہ اس لیے کہ حضرت ام سلمہ و حضرت میمونہ ایک ہی مجلس میں موجود تھیں اور اسی مجلس میں حضرت ابنِ امّ مکتوم بھی آ گئے تھے اس لیے ان کو ان صحابی کو آمنے سامنے بیٹھ کر دیکھنے پر تنبیہ تھی۔

(جناب مودودی صاحب اپنی کتاب "حجاب" میں لکھتے ہیں کہ یہاں عورت کے مرد کی جانب دیکھنے اور مرد کے عورت کی جانب دیکھنے میں دونوں صنفوں کی نفسیاتی خصوصیات کے اعتبار سے ایک دقیق سا فرق ہے اور وہ یہ کہ مرد کی طبیعت میں جرأت و اقدام ہوا کرتا ہے چنانچہ جب وہ کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو اس کے حاصل کرنے اور اس تک پہنچنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن عورت کی طبیعت میں حیاء کی وجہ سے رکاوٹ اور بھاگنے کا مادہ ہوتا ہے، اور عورت جب تک اپنی فطرت پر برقرار رہے اور حیاء کے لباس کو اتار نہ پھینکے تو یہ ناممکن ہے کہ اس میں بے باکی، جرأت، بے حیائی و اقدام کی ایسی کیفیت پیدا ہو جائے کہ جس کی وجہ سے وہ خود بخود اپنی پسندیدہ و محبوب چیز کی طرف آگے بڑھے۔ اور شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے دونوں جنسوں کے درمیان اس طبعی فرق کی رعایت رکھی ہے، اس لیے عورت کے اجنبی مرد کی جانب دیکھنے سے روکنے اور منع کرنے میں وہ تشدد و سختی اختیار نہیں کی جو مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے سلسلہ میں اختیار کی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ والوں کا وہ کھیل دکھایا تھا جو وہ مسجد کی ایک طرف اپنے نیزوں سے کھیل رہے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنا بالکل ممنوع نہیں ہے، ممنوع وہ صورت ہے جب کہ مرد و عورتیں ایک مجلس میں جمع ہوں، اور ایک دوسرے کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہوں، جیسے کہ ایک مجلس میں حضرت ام سلمہ و میمونہ رضی اللہ عنہما موجود تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے پردے کا حکم دیا، اسی طرح ایسی نظر بازی کی بھی ممانعت ہے جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو)۔

علامہ ابن حجر عسقلانی بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حدیثِ عائشہ یعنی جس میں ان کے اہلِ حبشہ کی جانب دیکھنے کا تذکرہ آتا ہے سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ اجنبی عورت اجنبی مرد کو دیکھ سکتی ہے اجنبی مرد اجنبی عورت کو نہیں دیکھ سکتا، اور اسکی دلیل یہ بھی ہے کہ عورتیں مسجد اور بازار اور سفر میں نقاب ڈال کر جاتی ہیں تاکہ مرد ان کو نہ دیکھیں لیکن مردوں کو یہ کبھی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ بھی اپنے چہرے پر نقاب ڈالا کریں تاکہ عورتیں انہیں نہ دیکھ سکیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے ایک

دوسرے کی طرف دیکھنے کا حکم مختلف ہے۔

اسی سے امام غزالی نے جواز کی دلیل لی ہے ۔اور فرمایا ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ مرد کا چہرہ عورت کے لیے بالکل ایسا ہی ہے جیساکہ عورت کا چہرہ مرد کے لیے، اس لیے اگر فتنہ کا خوف ہو تو عورت کا مرد کی طرف دیکھنا حرام ہوگا ورنہ نہیں، اس لیے کہ مرد ہمیشہ سے چہرہ کھلا رکھتے چلے آئے ہیں، اور عورتیں نقاب ڈالتی آئی ہیں، لہٰذا اگر دونوں کا حکم ایک ہی ہوتا تو مردوں کو بھی نقاب اوڑھنے کا حکم ہوتا یا عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے سے بالکل ہی روک دیا جاتا...

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اجنبی مرد کو دو شرطوں کے ساتھ دیکھ سکتی ہے:

۱۔ دیکھنے کی وجہ سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

۲۔ ایک ہی مجلس میں آمنے سامنے منہ در منہ نہ بیٹھے ہوں۔

ی۔ چھوٹے بچے کے مستورِ جسم کی طرف دیکھنے کے آداب[1]:

فقہاء لکھتے ہیں کہ چار سال سے کم عمر کا بچہ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی اس کا جسم عورت (ستر کے حکم میں) نہیں پھر جب چار سال سے زیادہ عمر کا ہو جائے تو اس کا مستورِ جسم آگے اور پیچھے والی شرمگاہ اور اس کے اطراف ہیں...اور جب وہ بڑا ہو کر حدِ شہوت کو پہنچ جائے تو اس کا ستر بالغ کے ستر کی طرح ہوگا جیساکہ اس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔ بچے کو بچپن ہی میں پردے کا جتنا زیادہ عادی بنادیا جائے اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔

ک۔ ضرورت و مجبوری کے حالات جن میں دیکھنا جائز ہے:

پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں چاہے وہ جذبات کو برانگیختہ نہ کرنے والی اور بدصورت ہی کیوں نہ ہو، چاہے شہوت کی نظر سے دیکھا جائے یا بغیر شہوت کے،

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک عام ہے ارشاد ہے:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ)). النور-۳۰

آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اور اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک: ((اصرف بصرك[2])) اپنی نگاہ ہٹالو ان سب کو شامل ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ابن عابدین کی کتاب رد المحتار ج۔۱ کا باب شروط الصلاۃ۔

[2] امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے نامحرم پر اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اپنی نگاہ کو (فوراً) ہٹالو۔

لیکن اس دیکھنے کے حرام ہونے کے حکم سے ضرورت ومجبوری کے چند حالات مستثنیٰ ہیں جو ترتیب سے ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں :

① **شادی کی نیت سے دیکھنا :** اس موضوع پر اس سے قبل "جس عورت کو پیغام نکاح دیا گیا ہو اس کی طرف دیکھنے کے آداب" کے عنوان کے ذیل میں مفصل کلام گزر چکا ہے۔

② **تعلیم کی غرض سے دیکھنا** [1] **:** اجنبی عورت کے غیر آراستہ وغیر مزین چہرے کی طرف تعلیم کے قصد سے اس شرط سے دیکھنا جائز ہے کہ :

- وہ علم جسے وہ حاصل کر رہی ہو وہ ایسا علم ہو جسے شریعت نے معتبر مانا ہو اور اس میں دین ودنیا کی کامیابی مضمر ہو۔
- اور یہ کہ وہ علم عورت کے خصوصی دائرے سے متعلق ہو جیسا کہ عورت کو بیمار کی خدمت کے اصول اور زچہ بچہ کے فن کی تعلیم دینا۔
- اس کے چہرے کی طرف دیکھنے میں فتنہ کا ڈر نہ ہو۔
- تعلیم دینے کے لیے تنہائی وخلوت کا موقعہ نہ ملتا ہو۔
- مردوں کی جگہ تعلیم دینے والی عورتیں میسر نہ ہوں۔

بلاشبہ اسلام نے جب ان قیود کو مقرر کیا ہے تو اس نے یہ چاہا ہے کہ ایک پاک صاف معاشرہ کو وجود بخشے جس میں شکوک وشبہات اور تہمتوں کا کوئی وجود نہ ہو تاکہ لڑکی پاکباز وباعصمت رہے، اور کوئی گناہگار ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکے، کوئی خائن آنکھ اس کو نہ دیکھ سکے، اور اللہ برتر وبزرگ نے بالکل سچ فرمایا ہے :

((ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ))۔ الاحزاب۔۵۹

اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لیے انہیں ستایا نہ جائے گا۔

③ **علاج کی غرض سے دیکھنا :** طبیب ومعالج ضرورت پڑنے پر اجنبی عورت کے اس مقام کو دیکھ سکتا ہے جس کا علاج کر رہا ہے۔ اس لیے کہ امام مسلم حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھنے لگوانے کی اجازت طلب کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطیبہ کو پچھنے لگانے کا حکم دیا۔

طبیب کے لیے درجِ ذیل شرط کے ساتھ عورت کا علاج جائز ہے :

① طبیب نیک ودیندار شریف آدمی اور صاحبِ علم وفن ہو۔

---

[1] فتنہ اور خطرہ سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ عورت عورت ہی سے تعلیم حاصل کرے ورنہ بصورت دیگر کسی نہ کسی موقعہ پر انسان پھسل جاتا ہے اور حرامکاری کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ جس کی مثالیں وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہتی ہیں پھر بھی اگر تعلیم والی معلمہ میسر نہ ہو تو مرد پردے کے پیچھے رہ کر تعلیم دے اجنبی عورت سے میل جول اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اس کی طرف دیکھنا قطعاً ممنوع ہے۔

② طبیب عورت کے جسم کے اتنے ہی حصے کو کھولے جتنے حصے کے کھولنے کی ضرورت ہو۔

③ بشرطیکہ اس طبیب کے قائم مقام کوئی اس فن کی ماہر طبیبہ موجود نہ ہو، ورنہ مرد کو دکھانا درست نہیں۔

④ علاج اس عورت کے محرم یا شوہر یا اس کی والدہ یا بہن یا پڑوسن وغیرہ کسی ذمہ دار کی موجودگی میں ہو۔

⑤ معالج کافر نہ ہو الایہ کہ مسلمان طبیب ہی نہ ملے۔

لہٰذا جب یہ تمام شروط پائی جائیں گی تو ایسی صورت میں طبیب کے لیے یہ جائز ہو جائے گا کہ وہ کسی اجنبی عورت کے جسم کے کسی حصے کو دیکھے یا اسے چھوئے، اس لیے کہ دینِ اسلام ایک ایسا دین ہے جو لوگوں کو مشقت و پریشانی سے بچاتا ہے اور آسانی و سہولت پیدا کرتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے:

((وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ)) الحج-۷۸ — اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔

((يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ)) البقرہ-۱۸۵ — اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

④ **شہادت یا قانونی فیصلہ کے لیے دیکھنا:** قاضی یا گواہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھے چاہے فتنہ کا ڈر بھی ہو اس لیے کہ اس دیکھنے میں حق کا اثبات اور ظلم کو دُور کرنا مضمر ہے، ایسی حالت میں صرف اس لیے دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے کہ نقاب اوڑھنے والی عورت کو بغیر نقاب ہٹوائے قاضی اور گواہ شناخت نہیں کر سکتا، اس لیے شناخت کے واسطے عورت کے لیے ذرا سی دیر کے لیے چہرے کا کھولنا جائز ہے تاکہ اس کی تعین ہو جائے اور کسی قسم کا خلط ملط ہونے اور معاشرہ میں کسی کے حق کے ضائع ہونے کا ڈر نہ رہے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک حقیقی و واقعی اور زندہ مذہب ہے جو لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے:

((وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ)). المائدہ-۵۰ — اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے واسطے۔

اس مقام پر میں ایک یادگار تاریخی قصہ نقل کرنا چاہتا ہوں تاکہ حمیت و غیرت رکھنے والے مرد یہ جان لیں کہ ہمارے آباء واجداد اور سلفِ صالحین خواہ شرعاً چہرہ کھولنا جائز بھی ہو تب بھی دوسروں کے سامنے عورت کا چہرہ کھولنے سے کتنے متنفر و آزردہ خاطر ہوا کرتے تھے۔

تیسری صدی ہجری میں ری اور اہواز کے قاضی موسیٰ بن اسحاق لوگوں کے مقدمات میں غور کرنے بیٹھے، دعویٰ پیش کرنے والوں میں ایک عورت بھی تھی جو اپنے شوہر پر پانچ سو دینار مہر کا مطالبہ کر رہی تھی لیکن شوہر نے انکار کیا کہ اس کا میرے ذمے کوئی حق نہیں ہے۔ قاضی نے مرد سے کہا: گواہ پیش کرو۔ اس نے کہا: میں گواہ لایا ہوں۔ تو ان گواہوں میں سے ایک سے قاضی نے کہا کہ اس شخص کی بیوی کی طرف دیکھ لو تاکہ اپنی گواہی دیتے وقت تم اس کی طرف اشارہ کر سکو، چنانچہ گواہ

کھڑا ہوا اور اس عورت سے کہا: کھڑی ہو جاؤ، تو اس کے شوہر نے کہا: اس عورت سے تم کیا چاہتے ہو؟

اس شخص کو بتلایا گیا کہ گواہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمہاری بیوی کو پہچاننے کے لیے اس کے چہرے کو بلا نقاب دیکھ لے تاکہ اس کو پہچان سکے، شوہر کو یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ لوگوں کے سامنے اس کی بیوی گواہوں کو اپنا چہرہ دکھلائے چنانچہ اس نے زور سے چیخ کر کہا: میں قاضی صاحب کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میرے ذمہ میری بیوی کا وہ مہر لازم ہے جس کا وہ دعویٰ کر رہی ہے، اور یہ اپنا چہرہ ننگا نہیں کرے گی۔

اس کی بیوی نے جب یہ آواز سنی تو اس کو یہ بات بہت بڑی معلوم ہوئی کہ اس کا شوہر اس کے چہرے کو گواہوں کے سامنے نہیں کھلوانا چاہتا، اور وہ اسے دوسروں کی نگاہ سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، تو بیوی نے بلند آواز سے قاضی صاحب سے کہا: قاضی صاحب میں آپ کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنا یہ مہر شوہر کو ہبہ کر دیا ہے، اور دنیا و آخرت دونوں میں انہیں اس سے بری کر دیا ہے۔ یہ بات سن کر قاضی صاحب نے اپنے ارد گرد بیٹھنے والوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس واقعہ کو مکارمِ اخلاق کے رجسٹر میں درج کر لو۔

اس لیے تربیت کرنے والوں کو چاہیے کہ دیکھنے کے بارے میں اسلام کے آداب پر عمل کریں چاہے وہ آداب محارم و رشتہ داروں کی طرف دیکھنے کے سلسلہ میں ہوں یا منگیتر کی طرف دیکھنے کے سلسلے میں، یا شوہر کے بیوی کی طرف یا مرد کے اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کے آداب ہوں، یا مرد کے مرد کی طرف دیکھنے کے، یا عورت کے عورت کی طرف دیکھنے کے، یا کافر عورت کے مسلمان عورت کی طرف دیکھنے کے آداب ہوں، یا مرد کے بے ریش لڑکے کی طرف دیکھنے کے آداب ہوں، یا عورت کے اجنبی مرد کی طرف دیکھنے کے آداب ہوں، یا بچے کی مستور جسم کی طرف دیکھنے سے متعلق ہوں، یا تعلیم دینے کے ارادے سے دیکھنے کے سلسلہ میں ہوں، یا علاج معالجہ کی غرض سے دیکھنے یا فیصلہ کرنے و گواہی دینے کے لیے دیکھنے کے سلسلہ کے آداب ہوں۔

دیکھنے کے سلسلہ کے یہ تمام آداب ایسے ہیں کہ والدین، ماؤں اور مربیوں سب کو اپنے بچوں کے لیے اس سلسلہ میں عملی نمونہ پیش کرنا چاہیئے، اور بخوبی عمدگی سے ان کو ان کی تعلیم و تربیت دینا چاہیئے، بشرطیکہ وہ اپنے بچوں کے لیے عمدہ اخلاق اور ممتاز اسلامی شخصیت اور شاندار معاشرتی کردار اور عالی شان اسلامی تربیت کے خواہاں ہوں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ انہیں عطا کرے گا اور اس روز جس روز نہ مال فائدہ پہنچائے گا اور نہ اولاد، اس روز اللہ تعالیٰ ان کے اجر و ثواب میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔

۳ - بچے کو جنسی جذبات اُبھارنے والی چیزوں سے دُور رکھنا:

مربی پر اسلام نے جو بڑی ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بچے کو ان تمام چیزوں سے دُور رکھے جو اس کے جنسی جذبات کو بھڑکائیں اور اخلاق کو خراب کریں، یہ کام اس وقت شروع کردینا چاہیے جب بچہ بالغ ہونے کی عمر کے قریب پہنچ جائے، اور یہ زمانہ دس سال کی عمر سے بالغ ہونے تک کا زمانہ ہے۔

علماءِ تربیت واخلاق اس بات پر متفق ہیں کہ بلوغ کے قریب قریب کا زمانہ انسانی زندگی کا خطرناک ترین دَور ہوتا ہے۔ اس لیے اگر مربی یہ سمجھ لے کہ اسے بچے کی کس طرح تربیت کرنا ہے؟ اور اسے فساد و برائی کی دلدل اور آزاد وخراب ماحول کی نجاست سے کس طرح دُور رکھنا ہے؟ اور اسے شاندار تربیت کس طرح دینا ہے، تو پھر عام طور سے بچہ بہترین اخلاق اور شاندار سیرت و کردار اور شاندار اسلامی تربیت کا نمونہ بنتا ہے۔

اسلام نے سرپرستوں اور مربیوں کو بچوں کو جذبات بھڑکانے اور شہوانی خیالات ابھارنے والی چیزوں سے دُور رکھنے کا جو حکم دیا ہے اس پر درج ذیل آیات دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ سورۂ نور میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ .... أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ))۔ النور - ۳۱	اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں، اور اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر ہاں اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر .... اور ان لڑکوں پر جو ابھی تک عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوتے ہیں۔

قرآنِ کریم کی اس نص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچہ جب چھوٹا ہوا ور عورتوں کے حالات و پوشیدہ اعضاء اور ان کے محرک جذبات ہونے سے بے خبر ہو تو ایسے زمانے میں بچے کے عورتوں کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن جب وہ بالغ ہونے کے قریب ہو جائے یا اس عمر کے قریب ہو یعنی نو سال کی عمر کے بعد کا زمانہ تو پھر اس زمانے میں اس کو عورتوں کے پاس جانے کا موقعہ نہیں دینا چاہیئے۔ اس لیے کہ اس عمر میں وہ بدصورت و خوب صورت میں فرق کرسکتا ہے، اور اس عمر میں اگر وہ کوئی شہوت انگیز منظر دیکھ لے تو اس کے دل میں شہوانی خیالات گردش کرنے لگتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر آیت:

((أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ))۔ النور - ۳۱	اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوتے ہیں۔

کے ذیل میں لکھتے ہیں: یعنی وہ بچے جو نوعمری کی وجہ سے عورتوں کے نشیب و فراز اور داخلی حالات سے واقف نہ ہوں،

عورتوں کی سریلی آواز اور چلنے میں لہرانے و نزاکت اور حرکات و سکنات کو نہ سمجھتے ہوں، لہٰذا اگر بچہ چھوٹا ہو اور ان چیزوں کو نہ سمجھتا ہو تو اس کے عورتوں کے پاس جانے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر وہ قریب البلوغ ہو، یا اس عمر کے نزدیک پہنچ گیا ہے کہ وہ ان چیزوں کو سمجھنے بوجھنے لگ گیا ہے، اور خوبصورت و بدصورت میں فرق کر سکتا ہے تو پھر اس کو عورتوں کے پاس آنے جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، چنانچہ بخاری و مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک موجود ہے:

((إياكم والدخول على النساء))
قيل: يا رسول الله، أفرأيت الحمو؟ ((قال: الحمو الموت))۔

تم عورتوں کے پاس آنے جانے سے بچو، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول بتلائیے کہ دیور کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تو موت (کی طرح) ہے۔

حاکم اور ابو داؤد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر، وفرقوا بينهم في المضاجع))۔

تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو اس پر مارو، اور ان کے بستر علیحدہ علیحدہ کر دو۔

اس نص سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ والدین شرعاً اس کے مامور ہیں کہ بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر اور بچھونے الگ الگ کر دیں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ بلوغ کی عمر کے قریب پہنچ گئے ہوں اور ایک بچھونے میں ایک ساتھ لیٹنے کی وجہ سے وہ نیند یا بیداری کی حالت میں ایک دوسرے کے مستور حصے کو دیکھ لیں جس سے ان کے جنسی جذبات بھڑکیں یا ان کے اخلاق خراب ہوں۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اسلام سرپرستوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ بچے کو شہوانی جذبات اور جنسی خیالات بھڑکانے والے محرکات سے بچانے کے لیے مثبت اور احتیاطی تدابیر اختیار کریں، تاکہ بچہ نیک صالح بڑھے پلے اور اچھی تربیت اور عمدہ اخلاق کا حامل ہو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ذی الحجہ کو حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا، اس وقت حضرت فضل بالغ ہونے کے قریب قریب عمر کو پہنچ چکے تھے، حضرت فضل خثعم قبیلہ سے تعلق رکھنے والی ایک اس عورت کی جانب دیکھنے لگے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی امور کے بارے میں پوچھ رہی تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کی ٹھوڑی پکڑ کر ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے دوسری طرف پھیر دیا۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کی گردن دوسری طرف موڑ دی؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رأیت شاباً وشابۃً فلم آمن علیھما الفتنۃ))۔

میں نے ایک نوجوان لڑکے اور لڑکی کو (ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے) دیکھا تو مجھے ان دونوں پر فتنہ میں پڑنے کا ڈر ہوا۔

☆ ☆ ☆

حضرت فضل کے چہرے کو اس عورت کی طرف دیکھنے سے روکنے کے لیے دوسری طرف پھیرنے کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل اور آپ کے اس فرمان سے کہ مجھے ان دونوں کے فتنے کا ڈر ہوا، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریب البلوغ بچے اور بالغ نوجوان کی تربیت کا بہت خیال رکھتے تھے، اور آپ اس کے اخلاق کی اصلاح اور جنسی قوت کے کنٹرول میں رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے تاکہ وہ آزمائش وفتنہ میں گرفتار نہ ہوجائے اور فساد وگناہ کے گڑھے میں نہ گرجائے۔

معاشرہ کی اصلاح اور بچے کی تربیت اور قوم کی کجی کی اصلاح کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نہایت شاندار تربیت ورہنمائی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلاحی مواقف اور تربیتی انداز کی اس طرح کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

ابھی ہم نے جو احادیث وآیات ذکر کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مربی کے لیے اپنے بچے کو جذبات ابھارنے اور جنسی خواہشات کے بھڑکانے والی چیزوں سے دُور رکھنا بہت ضروری ہے تاکہ وہ بے حیائی کے جال میں نہ پھنسے، اور گندگی کے گڑھوں میں گرکر آزادی وبدکرداری کی زندگی نہ گزارے، بچے کو جنسی جذبات کے بھڑکانے والی چیزوں سے بچانے اور ان سے دُور رکھنے کے سلسلہ میں مربی کی ذمہ داری دو باتوں میں منحصر ہے:

۱۔ داخلی نگرانی کی ذمہ داری۔
۲۔ خارجی نگرانی کی مسئولیت۔

داخلی طور پر نگرانی:

مربی کو چاہیے کہ وہ تمام چیزیں جو بچے میں جنسی جذبات کو بھڑکانے اور اس جوش کو ابھارنے کا ذریعہ ہیں ان سے روکنے کے لیے اسلام کے قواعد وضوابط کی پابندی کرے:

- بچہ جب شعور کی عمر کو پہنچ جائے تو راحت وآرام اور سونے کے اوقات میں بچے کا گھر والوں کے پاس جانا؛ مثلاً صبح کی نماز سے پہلے، اور دوپہر کے وقت، اور عشاء کے بعد بلا اجازت داخل نہ ہونا چاہیئے، یہ ایسے اوقات ہیں جن میں بچہ کسی منظر کو دیکھ کر بھڑک سکتا ہے اس لیے بچہ جب اچانک اپنے ماں باپ کو ننگے بدن اور غیر مناسب حالات میں دیکھے گا تو ظاہر ہے اس سے اس کے جنسی جذبات مشتعل ہوں گے۔

لہٰذا جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں مربی کا فرض ہے کہ وہ بچے کو ان اوقات وغیرہ میں والدین کے کمرے میں جانے سے پہلے اجازت طلب کرنے کے آداب سکھائے۔

- نو سال کی عمر کے بعد جو کہ بچے کے بلوغ کے قریب قریب کی عمر ہوتی ہے اس میں اجنبی خوبصورت عورت کے پاس جانے سے روکنا چاہیئے اس سے بھی جنسی جذبات بھڑکتے ہیں۔

- اس لیے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے مربی کو چاہیئے کہ وہ قریب البلوغ بچے کو اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے روکے۔

- دس سال یا اس سے زائد عمر ہونے پر بچے کو اپنی بہن یا بھائیوں کے ساتھ ایک بستر پر سونے نہیں دینا چاہیئے جو کہ جنسی جذبات بھڑکانے کا سبب ہے خصوصًا جب کہ ایک ہی لحاف میں سوئیں۔

لہٰذا مربی کو بچوں کے بستر الگ الگ کر دینا چاہیئے جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے۔

- بچہ جب شعور کی عمر پالے یا اس سے زیادہ عمر کا ہو جائے تو اس کا عورت کے مستور جسم کے کسی کھلے ہوئے حصے کو غور سے دیکھنا بھی اس کے جنسی جذبات کو ابھارتا ہے۔ لہٰذا مربی کو چاہیئے کہ بچے کو شروع ہی سے دیکھنے کے آداب بھی سکھائے جیسا کہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔

- گھر میں ٹیلی ویژن وغیرہ میں، اور اس کے علاوہ ڈراموں وغیرہ مخرب اخلاق چیزوں کے دیکھنے کا موقعہ فراہم کرنا جو بچے کے جنسی جذبات کو مشتعل کر دیتا ہے۔ لہٰذا جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں مربی کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ گھر میں ٹیلی ویژن نہ آنے دے، اس لیے کہ اس کا وجود اخلاق و کردار کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

- بچے کو اس بات کی مکمل آزادی دے دینا کہ وہ جو چاہے کرے، جتنی ننگی تصاویر اور فحش رسالے اور عشقیہ ناول اور محرکِ جذبات کیسٹ وغیرہ رکھنا چاہے رکھے اور اس سے کسی قسم کی بازپرس نہ ہو نہ اس کی دیکھ بھال ہو۔ اس سے بھی بچہ کے جنسی جذبات میں اشتعال وجوش پیدا ہوتا ہے، اس لیے مربی کو چاہیے کہ بچے کی پوری نگرانی کرے اور اس کی کتابوں وغیرہ کی جانچ پڑتال کرتا رہے تاکہ اس کی طبیعت اور اخلاق و کردار کا اندازہ رہے، اور اگر اس کے سامان میں کوئی مخرب اخلاق، ناجائز وغلط چیز ملے تو اس کی اصلاح کر سکے۔

- بچہ جب بلوغ کے قریب ہو تو اس کو اس بات کا موقعہ فراہم کرنا کہ وہ اپنی عزیز و رشتہ دار لڑکیوں یا پڑوسنوں سے دوستی کرتا پھرے اور دلیل یہ دی جائے کہ ان کے ساتھ بڑھتا اور تیاری کرتا ہے، یہ بھی جنسی جذبات کے بھڑکانے کا ایک ذریعہ ہے، اس لیے مربی کو چاہیئے کہ اپنے لڑکے یا لڑکی کے لیے یہ موقع کبھی فراہم نہ ہونے دے کہ وہ لڑکوں یا لڑکیوں سے تعلقات پیدا کرے اس لیے کہ ان تعلقات کا اخلاق و کردار پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ہیں جو جنسی جذبات کے مشتعل کرنے اور بچے کے اخلاق خراب کرنے اور اس کی آزادی و بے حیائی اور اخلاق باختگی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اس لیے مربی کو چاہیے کہ اپنی عمدہ تربیت اور اچھی رہنمائی اور حکمت کے ذریعہ بچے کو ان تمام چیزوں سے دُور رکھے، اور بچے کی اچھی تربیت اور اصلاح کے لیے تمام اچھے طریقوں کو بروئے کار لائے۔

بیرونی وخارجی دیکھ بھال:

داخلی دیکھ بھال کی اہمیت کی طرح خارجی دیکھ بھال بھی کم اہم نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے اخلاق خراب کرنے کے بے شمار وسائل ہیں، لہٰذا اے محترم مربی اگر میں آپ کے سامنے ایسے خطرناک ذرائع و وسائل پیش کر دوں جو بچے کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرتے اور ان کی شہوت کو ابھارتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا تاکہ آپ کو بھی ان تمام مخرب اخلاق چیزوں اور مہلک بیماریوں کی پوری معلومات رہیں:

(۱) سینما، تھیٹر اور ڈراموں کی بُرائیاں وفساد:

اس لیے کہ ان میں جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے اور شہوت کو ابھارنے والی چیزیں پیش کی جاتی ہیں اور بے حیائی وآزادی کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج سینما وتھیٹر آزادی وبے حیائی کا وسیلہ اور بے باکی واخلاق باختگی کا مرکز بن گئے ہیں، بلکہ گندی ذہنیت اور خسیس وپست اخلاق رکھنے والے یہودی اور ایسے مسلمان جو اسلام اور مسلمان ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں ان کے یہاں سینما وتھیٹر کے ذریعہ جنس وآبرو کی تجارت مال کمانے اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا ایک عظیم دروازہ بن گئے ہیں۔

(۲) عورتوں کے شرمناک لباس کا فتنہ:

اس لیے کہ یہ عُریاں وشرمناک لباس قریب البلوغ لڑکوں اور جوانوں کی نظر اپنی طرف مبذول کرتے ہیں، چنانچہ ان بازاری قسم کی فتنہ سامانیوں اور ان عریاں لباسوں کو دیکھ کر یہ لوگ اپنے استقلال وسمجھ کو کھو بیٹھتے ہیں، پھر یہ لوگ جسم کو عریاں کر کے سامنے آنے والی ان خوبصورت عورتوں کا اپنی نگاہوں سے تعاقب کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ وہ ان جذبات کا مقابلہ کریں جو ان کے خیالات وافکار میں اس سے بھی آگے کے پیدا ہوتے ہیں۔

بتلائیے کہ قریب البلوغ لڑکا یا نوجوان آدمی فتنوں اور مفاسد کے اس زبردست ریلے کے سامنے کیا کرے؛

واقعی اس سے اعصاب میں کھچاؤ اور اخلاق میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ چیز جد وجہد اور مفید کاموں سے روک دیتی ہے۔

ان لباسوں کا موجد کون ہے؟

یہ تاجروں کی ایک مٹھی بھر جماعت ہے جن کی اکثریت ان یہودیوں پر مشتمل ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ ہر طرف انتشار پھیلے اور معاشرے اور قوموں میں سے عمدہ اخلاق وضوابط کی بیخ کنی کردی جائے، تاکہ ان کے قوی مضمحل ہوجائیں اور ان پر غلبہ او ان کی باگ ڈور کا مالک بننا آسان ہوجائے۔

ان لوگوں کے عقائد ہم سے بالکل مختلف ہیں اور ان کے اخلاق وعادات ہم سے بالکل جدا ہیں۔

نفسیاتی طور پر دوسروں کی پیروی اور احساس کہتری اور اندھی تقلید کے مرض میں گرفتار ہونا ایسے اسباب ہیں جو ہمارے ملک کی ناسمجھ اور غیر پختہ عقل کی عورتوں کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشات وجذبات کی رو میں بہہ کر ان رسواکن لباسوں کو استعمال کریں جن کا مقصد فتنہ انگیزی اور دوسروں کے جذبات کو ابھارنا اور مشتعل کرنا ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان عورت یہ کس طرح پسند کرتی ہے کہ اس بدبودار گندے ریلے میں بہہ جائے جو اس سے اس کی خصوصیات واصلیت کو چھین لے، اور ترقی، تہذیب وتمدن کے نام سے اسے ایک بدنما ومکروہ شکل میں پیش کرے، خطرے کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لباس کے فیشن کے اسی ریلے کی کوئی انتہا اور حد نہیں ہے، بلکہ اس کا چسکہ ہر نئے لباس کی طرف راغب کرتا ہے، اور ہر ایسے لباس کی طرف متوجہ کردیتا ہے جو جاذب نظر اور دوسروں کی تعجب خیز نگاہوں کو متوجہ کرنے والا ہو۔

لباس کی مختلف اصناف واقسام نے فتنہ سامانی اور دوسروں کے جذبات برانگیختہ کرنے کے مختلف انداز پیدا کرنے میں بڑا تفنن اختیار کرلیا ہے۔ اور اس دوڑ نے کوئی بھی وسیلہ نہیں چھوڑا ہر طریقے اور انداز کو اپنایا خواہ وہ کتنا ہی رسواکن اور شرمناک کیوں نہ ہو، اور چاہے اس سے انسان کی کرامت اور شرافت پر کتنا ہی بٹہ کیوں نہ لگے اور چاہے وہ انسان کو حیوان سے بھی کم قیمت کا سامان کیوں نہ بنا دے۔

اس زمانے کی عورت ہر اس چیز کے سامنے گردن جھکا دیتی اور فرمانبردار ہوجاتی ہے جسے ان کو کھلونا بنانے والے ان کے ہاتھ پسند کرتے ہیں، اور عورتوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ان عالمی لباسو اور پوشاکوں سے دور رہنا ان کیلیے ترقی سے محروم ہوجانے اور ترقی اور آگے بڑھنے سے پیچھے رہ جانے کا سبب ہے جیسا کہ لوگ عام طور سے کہتے ہیں۔

اور اگر یورپ اور امریکہ کی عورت لباس کے اس مہلک وتیز وتند سیلاب کے ساتھ بہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتی تو کم از کم مسلمان عورت کو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس وبا میں کتنی عظیم اور کتنی بڑی تباہی ہے۔

اس کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ اس کی وجہ سے غیر شادی شدہ لوگوں میں اضطراب وبے چینی پیدا ہوتی ہے، جو ان کو جنسی انتشار وآوارگی کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کی خرابی یہ ہے کہ یہ فیشن بعض جاہل غریب عورتوں کو چوری چھپے زنا پر مجبور کردیتا ہے تاکہ وہ مال وروپیہ پیسہ حاصل کرکے ان حسین وجمیل لباسوں کو پہن کر خوبصورت سے خوبصورت

اور حُسن و جمال کا پیکر بن کر دوسروں کے سامنے جائیں۔

اس کو ان لباسوں میں یہ خرابی سمجھ لینا چاہیئے کہ بہت سے شوہروں اور بیویوں میں اس لیے لڑائی جھگڑے اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں کہ عورت نئے سے نئے فیشن کے لباس کو پہن کر اپنے اس شوق کی تسکین کرنا چاہتی ہے۔

مسلمان عورت سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اسلامی آداب، اخلاق اور قانونِ شریعت کی حدود میں رہے اور معاشرہ کی درستگی و اطمینان و سکون کا خیال رکھے، اور وہ حشمت و وقار کے مظاہر اور پردہ و نقاب اور اسلامی لباس کے استعمال کے ذریعہ قریب البلوغ لڑکوں اور غیر شادی شدہ نوجوانوں پر رحم کھائے ورنہ شرعًا اس کو اسلام کے اصولوں سے منحرف اور فسوق و عصیان کی وادیوں میں بھٹکنے والا اور خواہشات اور کج روی اور گمراہی کے دام میں گرفتار قرار دیا جائے گا۔

((وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ)).

الاحزاب۔ ۳۶

اور کسی مؤمن یا مؤمنہ کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔

(۳) کُھلم کُھلا اور پوشیدہ قحبہ خانوں کا فساد:

اس لیے کہ وہاں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جن میں شرافت، غیرت اور حمیت نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی، اور ایسی عورتیں جمع ہوتی ہیں جن کے دل میں حیاء، پاکدامنی اور عزت و کرامت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ یہ سب کے سب گناہوں کے ان جالوں میں اس لیے جمع ہوتے ہیں تاکہ اباحیت و آزادی کے میدان میں خست و دناءت و کمینہ پن میں خنزیر و سُور کی طرح بن جائیں، اور جنس و شہوت کے جوش میں حیوانوں کی طرح جفتی کر سکیں۔

یہ کمینہ پن، آزادی و بے راہ روی اور خرابی کے میدان ہیں، یہ بے حیائی اور زنا کے اڈے ہیں جن میں ہر وقت لذت پسند اور جسمانی کیف کے شوقین اور آوارگی و آزادی کے دلدادہ آتے جاتے رہتے ہیں۔

یہ ایک ایسی متعدی بیماری ہے جو مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کی وجہ سے ہم کو بھی لگ گئی ہے، یا ہم نے اس مغربی تہذیب کے صرف ظاہر کو دیکھا اور باطن پر غور نہیں کیا اس لیے اس مرض میں ہم بھی گرفتار ہو گئے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے وقت کو لغویات میں برباد اور زندگی کے قیمتی سرمایے کو ضائع کر رہے ہیں۔

ورنہ پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ ایک احمق انسان اپنا وقت اور مال عورتوں کے نظارے اور گناہ کے کمانے اور آزادی کی طرف تدریجاً بڑھنے اور خواہش و منکرات کے ارتکاب میں برباد کرے، اور ان میں سے کوئی چیز بھی انسان کو دنیا یا آخرت میں کبھی بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

یہ قحبہ خانے خواہ پوشیدہ ہوں یا کھلم کھلا یہ درحقیقت جنسی اتصال اور شہوت رانی کے طوفان کو برپا کرنے کے وسیع وکشادہ دروازے ہیں، اس لیے کہ یہ ایسے گندے جوہڑ ہیں جن میں گناہ اور معصیت کے جراثیم مختلف انواع واقسام کی شکل میں پلتے اور بڑھتے ہیں، ان کے جذبات برانگیختہ کرنے والے مناظر دیکھ کر انسان اپنے قابو سے باہر ہوجاتا ہے، اور اللہ کے حکم کو بھول جاتا ہے، اور پھر جب وہ گناہگار چہرے اور ننگے بدن اور حسن وجمال کی فتنہ سامانیاں دیکھتا ہے تو آہستہ آہستہ آزاد طبع وآزاد منش بن جاتا ہے۔

اور نشہ آور چیزوں اور مخدرات کے استعمال سے بند دروازے کھل جاتے اور خوابیدہ فتنے بیدار ہوجاتے ہیں، اور لوگ حقیقت پسندی اور استقامت اور اپنے مقام سے ہٹ کر چھچھوری حرکتوں اور قبیح کھیل وکود اور حرامکاری اور ناجائز میل ملاپ وغیرہ میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

ان فاسد وگندے مقامات اور گناہ وحرام کاری کے ان اڈوں میں جو ناجائز وحرام تعلقات کے بیج جڑ پکڑ لیتے ہیں، تو اس کی وجہ سے کتنے ہی خاندان برباد ہوجاتے اور کتنے ہی گھرانے اجڑ جاتے ہیں۔ اور کتنی ہی عورتیں بے باک واخلاق باختہ بن جاتی ہیں، اور مروءت واخلاق کا جنازہ نکل جاتا ہے، اور ناجائز کاموں کا ارتکاب ہوتا ہے اور مال ودولت حرام کاری میں لٹائی جاتی ہے۔

ان قحبہ خانوں کا فتنہ صرف یہیں تک نہیں رک جاتا بلکہ ان کے فساد کا اثر بہت سی ان لڑکیوں تک پہنچ جاتا ہے جن کے قدم اس گڑھے میں اس لیے پھسل جاتے ہیں تاکہ مال ودولت حاصل کرسکیں، اور ساتھ ہی لذت وخواہش بھی پوری ہو، اور عارضی کیف وشوق بھی پورا ہوجائے، چاہے اس کے نتیجے میں کتنے ہی مصائب وآلام کا خمیازہ کیوں نہ بھگتنا پڑے۔

اس صورتِ حال سے متعلق ــــ تربیت کرنے والے افراد کے سامنے میں اس بات کے چند نمونے اور مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ کتنی ہی معصوم لڑکیاں اس گندگی کے گڑھے میں گری ہیں تاکہ صحیح صورت حال ان کے سامنے کھل کر واضح ہوجائے:

الف ۔ ریاضت کی تعلیم دینے والی ایک معلمہ، لڑکیوں کے ایک ثانوی مدرسہ کی دسویں جماعت کی طالبات کو ریاضت کا ایک درس دے رہی تھیں کہ اچانک ایک لڑکی چکرا کر زمین پر گر پڑی، چنانچہ اس کو طبی امداد دینے کے لیے فوراً ہسپتال منتقل کردیا گیا، جب ڈاکٹروں نے اس کا چیک اپ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ طالبہ زنا کی وجہ سے حاملہ تھی۔

جب اس سلسلہ میں تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس طالبہ اور اس کی پانچ ہم عمر طالبات کا اس قسم کے عیاشی کے اڈوں اور قحبہ خانوں میں سے شہر کے ایک قحبہ خانے سے اتصال تھا، لیکن اس کا علم نہ اس کے گھر والوں کو تھا اور نہ مدرسہ والوں کو۔

تحقیق جب مزید آگے بڑھی تو معلوم ہوا کہ ان طالبات میں سے ایک طالبہ اسکول میں داخل ہونے سے قبل ہی اس قسم کے بے حیائی کے کام اپنی فاحشہ وبدکردار ماں کی مرضی سے کیا کرتی تھی، اور اس نے اپنے سنہرے جال کے ذریعہ سے اپنی دوسری سہیلیوں کو بھی برائی اور حرام کاری کے دام میں گرفتار کرادیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ان کو اس بے حیائی اور رسوائی اور

دردناک صورت حال کا منہ دیکھنا پڑا۔

وزارت تعلیم سے تعلق رکھنے والے ذمہ دار حضرات نے اس موضوع کو دبا دیا اور اس حادثہ کی فائل کو اس لیے داخلِ دفتر کر دیا تاکہ رسوائی نہ ہو، واقعی بری صحبت کا گمراہ کرنے اور حرام کاری میں مبتلا کرنے میں بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

ب۔ ایک آزاد طبع شہوت پرست باپ جس کا مطمع نظر ہی آوارگی اور عورتوں سے میل ملاپ کے ذریعہ اپنی خواہش کو پورا کرنا تھا، اور جس کا کام اس کے سوا اور کوئی نہ تھا کہ حیوانوں کی طرح شہوت رانی کرتا پھرے، ایک دن وہ اپنی خواہش پوری کرنے زنا کے ان چکلوں میں سے ایک پوشیدہ و مخفی اڈے گیا تو کیا دیکھا کہ اس اڈے کا مالک گاہکوں کو زانیہ و فاحشہ عورتوں کی تصویریں دکھا رہا ہے، اچانک اس کی نظر اپنی ایک طالبہ لڑکی پر پڑی تو اس کی تصویر دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے، لیکن اس نے صحیح صورتِ حال پر مطلع ہونے کے لیے اپنے حواس قابو میں رکھے، اور اس شخص سے کہا کہ بس اس تصویر والی کو چاہتا ہوں، تو اس نے کہا کہ فلاں کمرے میں چلے جائیے وہ لڑکی آپ کو وہاں بالکل تیار موجود ملے گی۔

وہ شخص وہاں گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیٹی گاہکوں کے استقبال کے لیے مکمل طور سے تیار بیٹھی ہوئی ہے، لیکن جب اس لڑکی نے اپنے والد کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو وہ گھبرا گئی اور اس پر دہشت طاری ہو گئی، اور اچانک اس کو شدید صدمہ پہنچا اور وہ نہایت گھبراہٹ کے عالم میں باپ کی گرفت سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے چیختی چلاتی دروازے کی طرف بھاگی۔

باپ نے جب یہ قبیح منظر دیکھا تو اس کے دماغ میں غیرت وحمیت نے جوش مارا، اور عزت وآبرو کو بچانے کے لیے اس کی رگوں میں خون دوڑنے لگا، چنانچہ اس نے بلا تامل بپھرے شیر کی طرح اپنی بیٹی پر حملہ کر دیا تاکہ اس کا گلا گھونٹ دے، لیکن فوراً لوگ اِدھر اُدھر سے دوڑ پڑے، اور وہ اپنا دل ٹھنڈا نہ کر سکا، اور گویا یہاں پر اس سین کا پردہ گر گیا، اور پھر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس لڑکی کا انجام کیا ہوا۔

جو لوگ اس واقعہ کے تانے بانے سے واقف ہیں ان کا کہنا تھا کہ یہ لڑکی اس بدکرداری میں غلط صحبت کی وجہ سے گرفتار ہو گئی تھی، اس لیے کہ پڑوس کی ایک لڑکی اس کے ساتھ سکول جایا کرتی تھی اس نے اس لڑکی کو یہ سبز باغ دکھا کر اس کو اس دردناک انجام تک پہنچایا تھا، لیکن اس لڑکی کے گھر والوں میں سے کسی کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ان کی بیٹی بجائے اسکول جانے کے بے حیائی کے ایک ایسے مرکز واڈے میں جاتی ہے جہاں اس نے اپنی عزت وشرافت و پاکدامنی کو دفن کر دیا ہے، واقعی سچ ہے کہ بری صحبت انسان کو گمراہ وخراب کرنے میں سب سے بڑا ذریعہ وسبب ہوتی ہے۔

ج۔ مجھ سے بعض ان غیرت مند مخلص اساتذہ نے بیان کیا جن پر مجھے پورا بھروسہ واعتماد ہے کہ ایک روز وہ شہر کے ایک قہوہ خانے میں اپنے ایک دوست کو تلاش کرنے گئے، وہ اس قہوہ خانے میں داخل ہو ہی رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ طلباء وطالبات قہوہ خانے کی اوپر کی منزل کی طرف چلے جا رہے ہیں، ان کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اوپر جا کر دیکھیں

یہ لوگ اوپر کہاں جا رہے ہیں؟ اور کیوں جا رہے ہیں؟

یہ جیسے ہی اوپر پہنچے تو وہاں کا ہولناک وحیاسوز منظر دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے۔ اس لیے کہ انہوں نے دیکھا کہ اوپر جانے والوں کی اکثریت طلباء وطالبات پر مشتمل ہے، اور ان میں سے کوئی کسی سے بوسہ بازی میں مصروف ہے۔ کوئی کسی سے بغلگیر ہے، کوئی غزلیہ وعشقیہ اشعار پڑھ رہا اور بڑی ڈھٹائی کیساتھ بے ہنگم طریقے سے ہنس رہا ہے کوئی دوسروں کے جذبات برانگیختہ کرنے کے سامان مہیا کر رہا ہے۔

انہوں نے خود اپنے نفس سے پوچھا کہ یہ لوگ یہاں کیسے پہنچے؟ اور ان کا ایک دوسرے سے تعلق وربط کیسے قائم ہوا؟ اور کون ان لوگوں کو اس جگہ تک لے کر آیا ہے؟

درحقیقت آزادی بے راہ روی اور فاحشہ کے یہ ایسے اسباق ہیں جو انہوں نے ٹیلی ویژن اور سینما سے حاصل کیے ہیں، جو انہوں نے فحش رسالوں سے سیکھے ہیں، جو انہوں نے عشقیہ ناولوں اور فحش گانوں سے سر راہ سیکھے ہیں، جس کا نتیجہ اس دردناک انجام اور غمناک عاقبت کی شکل میں ظاہر ہوا، ان کے گھر والوں کو اپنے بچوں بچیوں کے ان معاملات کی کچھ خبر نہیں ہے، واقعۃً برے ماحول کا انسان کو خراب کرنے اور بگاڑنے میں بہت دخل ہوتا ہے۔

۵۔ بہت سے اداروں کے سربراہ مردوں اور عورتوں اور اسکولوں کے پرنسپل مردوں اور عورتوں نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ دفتری کام کاج کے دوران انہیں بہت سے ایسے خطوط ملے ہیں جو اسکولوں میں ڈاک کے ذریعہ سے آتے ہیں، جن میں عشق ومحبت کی باتیں اور اشعار ہوتے ہیں، جن کے لکھنے والے وہ طلبہ وطالبات ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی تعلیم کا بیشتر قیمتی وقت کس چیز میں خرچ کیا؟ اس خط کے لکھنے میں جسے ایک عاشق اپنی معشوقہ کو لکھتا ہے یا کوئی محبوبہ اپنے عاشق کو لکھتی ہے۔ جس کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ ماں، باپ ان کی نگرانی میں کوتاہی کرتے ہیں یا اسکول والے صحیح تربیت نہیں دیتے یا پھر اس معاشرتی عمومی فساد کا اثر ہے جو ہر جگہ ہر معاشرے میں پھیل چکا ہے۔

اولاد چاہے لڑکا ہو یا لڑکی جب وہ عقیدہ سے ناواقف اور اخلاق سے عاری ہوگی اور اس کا ضمیر مردہ ہوگا اور برے لوگوں سے میل جول اور بدکرداروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوگا تو اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ اس رسواکن انجام اور مہلک عاقبت کو ہی پہنچے گا، واقعی برے ماحول اور گندی صحبت انسان کو گمراہ کرنے اور بگاڑنے میں بڑا کردار ادا کرتی ہے۔

(۴) معاشرے میں فحش مناظر کا فساد:

جوان آدمی یا قریب البلوغ لڑکا جب سڑکوں یا عام جگہوں پر نگاہ دوڑاتا ہے تو کیا دیکھتا ہے؟

وہ ان ننگی تصویروں کو دیکھتا ہے جنہوں نے سینماؤں، رسالوں، اخبارات اور پوسٹروں اور سڑکوں اور گھروں اور مجالس ومحافل پر یلغار کر رکھی ہے۔

وہ ان عورتوں کو دیکھتا ہے جو لباس پہن کر بھی عریاں و ننگی ہوتی ہیں، اور وہ زیب و زینت سے آراستہ ہو کر اور بن سنور کر شعلۂ جوالہ بن کر نکلتی ہیں. وہ ایسی عورتوں کو جن کے یہاں عزت و شرافت کا کوئی خیال اور اخلاق کی کوئی قدر و قیمت نہیں ان کو نہایت بے ہودہ لباس میں دیکھتا ہے۔

وہ دیکھتا ہے کہ طلباء و طالبات جب اسکول کالج جاتے اور وہاں سے واپس ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے ایسے ملے جلے اور آپس میں ایسے خلط ملط ہوتے ہیں کہ وہ ٹڈی دل کا سا منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں، اور بسا اوقات ہم نے آزاد منش بے حیا طلبا کو سرراہ بے باک و آزاد لڑکیوں سے گندہ ہنسی مذاق کرتے دیکھا ہے اور نہایت فحش کلمات سنے ہیں.

وہ دیکھتا ہے کہ قریب البلوغ لڑکے اور لڑکیاں سینما کے دروازے پر کھڑے ہو کر بے حیائی اور حرام کاری کی تعلیم دینے والی تصویروں کو دیکھ رہے ہیں. اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے لڑکے کسی اپنی ہم عمر لڑکی سے وقت مقرر کر لیتے ہیں یا اچانک اسی وقت اس لڑکی کا ٹکٹ خرید کر دونوں مل کر گندی و فحش فلم یا عریاں فلم اور بے ہودہ ڈرامہ دیکھتے ہیں، بچہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوتا یا بالغ ہوتے ہی جوانی کے جوش کے ابتدائی ایام میں وہ یہ سب چیزیں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے کے مراحل تک دیکھ لیتا ہے، بلا شبہ گندے ماحول اور خراب سوسائٹی کا گمراہ کرنے اور اخلاق بگاڑنے میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔

(۵) بُری صحبت کے نقصانات:

قسم اول کی وہ فصل جس میں ہم نے بچوں کے خراب ہونے کے اسباب ذکر کیے ہیں اس میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ وہ بڑے عوامل جو بچے کو بگاڑ دیتے ہیں ان میں برے ساتھی اور بری صحبت بھی ہے، خصوصاً اگر لڑکا بے وقوف سا ہو، اور اس کا ایمان و عقیدہ کمزور ہو، اخلاق مضبوط نہ ہوں، تو وہ برے لوگوں اور آوارہ مزاج لڑکوں کی صحبت سے بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے، اور وہ بہت جلد ان سے گندی خصلتیں اور برے اخلاق سیکھ لیتا ہے، بلکہ نہایت تیزی سے ان کے ساتھ بدبختی و شقاوت کے راستے پر چلنے لگ جاتا ہے، اور ان کی طرح جرم و اخلاق باختگی اس کی بھی طبیعت بن جاتی ہے، اور کج روی و بداخلاقی اس کی فطرت بن جاتی ہے. اور پھر اس کو راہِ راست پر لانا اور گمراہی کے غار سے نکالنا اور بدبختی کے گڑھے سے باہر لانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

میرے محترم مربی صاحبان! جب ہم قحبہ خانوں کے فساد کا تذکرہ کر رہے تھے، تو آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ بُری صحبت کا نئی پود اور نوعمر لڑکے لڑکیوں کو برائی کی طرف لیجانے اور آزادی و فحاشی کے ماحول تک پہنچانے میں کتنا بڑا اثر ہوتا ہے، اس لیے کہ نبی کریم صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے حسبِ ارشاد ساتھی کا انتخاب اور اس کی دیکھ بھال بہت ضروری ہے، چنانچہ ابنِ حبان روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«المرء على دين خليله فلينظر — انسان اپنے ساتھی کے مذہب پر ہوتا ہے اس لیے تمہیں

أحدكم من يخالل))۔ — دیکھ لینا چاہیئے کہ کس سے دوستی کر رہے ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

((إياك وقرين السوء فإنك تعرف به)). — تم بُرے ساتھی سے بچو اس لیے کہ تمہیں اسی کے ذریعہ سے پہچانا جائے گا۔

ابن عساکر

اور اللہ رحم فرمائے اس شاعر پر جس نے یہ شعر کہا ہے:

عن المرء لا تسأل وسل عن قرينه — فكل قرين بالمقارن يقتدى

خود انسان کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اسی کے ساتھی کے بارے میں پوچھو — اس لیے کہ ہر شخص اپنے ساتھی کی اقتدا و پیروی کرتا ہے

(۶) دونوں جنسوں (مرد وزن) کے باہمی اختلاط کا فساد:

لڑکے اور لڑکیاں جب شعور کی عمر کو پہنچتی ہیں اور بالغ ہونے کے قریب کی عمر میں ہوں تو ان کا باہمی اختلاط و میل جول کا عادات واخلاق، علم وصحت، جسم واعصاب پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔

آج بہت سے اسلامی معاشروں میں بھی مرد وزن کے باہمی اختلاط کی بدعت اسکولوں کالجوں دفتروں اور کاروباری اداروں میں اس بنیاد پر شروع ہوگئی ہے کہ دونوں جنسوں کا آپس میں اختلاط طبیعت کو نکھار بخشتا ہے، اور چھپی ہوئی شہوت کا رخ پھیر دیتا ہے اس لیے کہ مرد وزن کا اجتماع ایک مانوس وعام چیز بن جاتی ہے۔

اس سے قبل عقلی تربیت کی ذمہ داری کی فصل میں ہم اس کی مفصل و مدلل تردید پیش کر چکے ہیں، اور ہر وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ دونوں جنسوں کے درمیان اختلاط چھپے ہوئے جذبات کو مہذب بناتا ہے اور شہوت کی حدیں مقرر کر دیتا ہے اور مرد وعورت کا میل ملاقات ایک فطری اور مانوس چیز بن جاتی ہے اس کے اس نظریہ کا رد پہلے آچکا ہے، آپ بھی اس مذکورہ بالا فصل کو ملاحظہ کیجیے، وہاں اختلاط کے دعوے داروں کی تردید کے ضمن میں جو بحث کی ہے وہ پڑھ لیجیے ان شاء اللہ پوری تشفی ہو جائے گی۔

محترم مربی حضرات! بچوں کے اخلاقی فساد اور جنسی جذبات کے بھڑکانے کے یہ اہم اسباب و سائل ہیں، اور درحقیقت یہ نہایت تباہ کن وسائل اور مہلک ترین اسباب ہیں جیسا کہ آپ خود ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اس لیے آپ کو چاہیئے کہ بچے کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری پوری طرح ادا کریں خواہ یہ مسئولیت خارجی نگرانی کی ہو یا داخلی دیکھ بھال کی۔

لیکن یہ سوچنا چاہیئے کہ کیا یہ دیکھ بھال و نگرانی ہی کافی ہے یا کچھ اور ایسے مثبت وسائل بھی ہیں جنہیں بچوں کی اصلاح کے لیے مربیوں کو ضرور اختیار کرنا چاہیئے۔

بچّے کے اخلاق درست کرنے والے وسائل :

میرے خیال میں تین مثبت ایسے وسائل ہیں کہ اگر مربیوں نے ان کو اختیار کر لیا تو بچہ اخلاقی طور پر درست اور ٹھیک ہو جائے گا، اور جنسی طور پر اپنے اوپر کنٹرول کرے گا، اور پھر وہ اپنی پاکبازی و عفت میں فرشتے کی طرح، اور اخلاق و کردار میں نبی کی طرح، اور روحانیت و تقویٰ میں مرشد کی طرح بن جائے گا اور وہ ترتیب وار تینوں وسائل یہ ہیں :

① ذہن سازی ۔ ② ڈرانا و متنبہ کرنا ۔ ③ ربط و تعلق ۔

① ذہن سازی :

اس بات میں کوئی بھی دو فرد اختلاف نہیں کریں گے کہ اگر شروع ہی سے یہ بچے کے ذہن نشین کرا دیا جائے کہ یہ معاشرتی فساد اور اخلاقی آزادی و کمزوری جو اسلامی ماحول و معاشروں میں بھی ہر جگہ پھیل گئی ہے یہ یہودی صہیونی و شیوعی اور صلیبی اور استعماری سازشوں کا نتیجہ ہے، تو پھر جب بچّہ بڑا ہو گا تو اس میں اتنی پختگی سمجھ اور شعور پیدا ہو چکا ہو گا جو اسے شہوات ولذات میں بہنے سے روک دے گا، اور بہت سے فتنوں اور فساد سے رکاوٹ بن جائے گا.

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں کے یہاں فساد کے درجِ ذیل وسائل ہیں : عورت، سینما، ڈرامے، رسالے، اخبارات، ٹیلیویژن، ریڈیو، لباس، ننگی تصاویر کی اشاعت، اور اخلاق باختگی کے کھلم کھلا اور پوشیدہ قحبہ خانے و مراکز اور اس جیسی چیزیں. ان سازشوں کے جال کے بارے میں اس کتاب کے "مسئولیت و ذمہ داری کو محسوس کرنا" نامی عنوان کے ذیل میں ہم نے شواہد و ادلہ جمع کر دیئے ہیں، اور اس سے قبل "عقلی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل کے تحت ہم ان سازشوں کے بارے میں پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں.

لہٰذا آپ ان دونوں بحثوں کو دیکھ لیجیے آپ کو انشاء اللہ تشفی کا پورا سامان مل جائے گا. یہاں پر اس میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کے سامنے نہایت اختصار سے ان سازشوں کے طویل و عریض خطوط اور طریقے بیان کر دیں تاکہ آپ کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ اعداءِ اسلام اسلامی ماحول و معاشرہ کو بگاڑنے کے لیے کس طرح منظم طریقے سے کام کرتے ہیں.

یہود اور ماسونیت (فری میسن)

ان لوگوں نے اس "فرائڈ" کی آراء کو اپنا لیا ہے جو انسانی زندگی کی ہر چیز کو جنسی داعیہ اور شہوت و لذات کے سمندر میں غرق ہونے سے تعبیر کرتا ہے.

◉ ان لوگوں نے کارل مارکس یہودی کی آراء کو اختیار کر لیا ہے جس نے ان کے عقائد و اخلاق کو خراب کر ڈالا اور مذہب کو لغو قرار دیا، اور خدا کے ہونے کے عقیدہ کی مخالفت کی، اور جب کارل مارکس سے یہ پوچھا گیا کہ خدائی عقیدے کا بدل کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ اس کا بدل سیر و سیاحت اور ڈرامہ بازی ہے. لوگوں کو کھیل کود میں مست کر کے خدائی کے عقیدے

سے غافل کردو۔

◉ انہوں نے "نیتشہ" کی آراء کو پسند کیا ہے جس نے اخلاق کا جنازہ نکال دیا، اور ہر شخص کو اس بات کی کھلی چھٹی دے دی کہ وہ خواہشات پوری کرنے کے لیے جو چاہے کر گزرے۔

◉ ان کی کوشش وجدوجہد صرف اس لیے ہے کہ عورت اور جنس کے راستہ سے ہر جگہ سے اخلاق کا جنازہ نکل جائے، ان لوگوں اور ماسونیوں (فری میسن والوں) کے اقوال میں سے یہ قول بھی مشہور ہے کہ ہمیں چاہیئے کہ ہم عورت کو قابو میں کرلیں اور اس کو اپنے دام میں لے لیں، لہٰذا جس روز بھی وہ اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھا دے گی اس روز ہم حرامکاری کا بیج بونے میں کامیاب ہو جائیں گے اور دین پرستوں کا لشکر پارہ پارہ ہو جائے گا۔

استعمار و نصرانیت

مستعمرین کے ایک بڑے پوپ کا کہنا ہے کہ شراب کا جام اور مغنیہ و فاحشہ عورت امت محمدیہ کو تہ و بالا کرنے کا اتنا بڑا کام کرسکتے ہیں جو کام ایک ہزار توپیں نہیں کرسکتیں، اس لیے اس قوم کو مادہ اور شہوات کی دنیا میں غرق کردو۔

اور پوپ زویمر نے قدس میں پادریوں کی ایک مجلس میں کہا کہ تم نے مسلمانوں کے ملک میں ایسے لوگ پیدا کر دیے ہیں جن کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور واقعی مسلمانوں کی نئی پود ویسی ہی بن گئی جیسا استعمار نے چاہا کہ نہ انہیں مقدسات کا کوئی خیال ہے نہ توجہ، اور وہ راحت پسند اور سست بن گئے، اور ان کا مطمع نظر دنیا کی لذت وشہوت ہی بن کر رہ گیا، اگر وہ پڑھتے ہیں تو شہوت رانی کے لیے، اور اگر مال جمع کرتے ہیں تو عیاشی کے لیے، اور اگر کسی بلند منصب پر پہنچ بھی جائیں گے تب بھی لذت وشہوت کے لیے ہر چیز قربان کردیں گے

شیوعیت (کمیونزم) و مادی مذاہب

محترم قارئین "مسئولیت و ذمہ داری کے احساس" کے عنوان کے تحت عنقریب آپ کے سامنے وہ باتیں آجائیں گی جو کمیونسٹوں نے اپنی مخفی رپورٹوں میں کہی ہیں. لیکن ہم اس وقت صرف درجِ ذیل قول کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، اس لیے کہ اس کا ہمارے موضوع سے تعلق ہے:

"ہم ایسی چیزوں کے عام کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو دین کی بنیادیں تباہ کردیں مثلاً قصے، ڈرامے، تقاریر، اخبارات رسالے اور ایسی کتابیں جو الحاد کو رائج کرتی اور اس کی طرف دعوت دیتی ہیں اور دین اور دینداروں کا مذاق اڑاتی ہیں اور وہ صرف اور صرف علم کی دعوت دیتی ہیں اور اس کو زبردست وغالب خدا مانتی ہیں"

ان سازشوں ومنصوبوں اور اقوال سے یہ بات صاف معلوم ہوگئی کہ یہودیت اور ماسونیت (فری میسن تنظیم) اور شیوعیت (کمیونزم) وصلیبیت اور نصرانیت واستعمار سب ایک دوسرے کے معاون، دوست اور مددگار اور ہم پیالہ وہم نوالہ ہیں جو سب کے سب مل کر یہ چاہتے ہیں کہ شراب جنس، ڈراموں، رسالوں، اخبارات اور ریڈیو ٹیلی ویژن کے پروگراموں اور لادینی کتب ومطبوعات اور اخلاق سوز قصے کہانیوں اور ڈراموں کے ذریعہ اسلامی معاشروں کو ختم وتباہ کردیا جائے۔

اور افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے اس گندے وقبیح مقصود ومطلوب اور قبیح وخبیث غرض تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ہیں، اور ہم بچشم خود اپنی قوم وجماعت کے ایسے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو دیکھتے ہیں جو ہماری ہی زبان بولتے ہیں اور اسلام سے وابستہ ہیں لیکن حیوانوں کی طرح شہوات وجنس کی طرف دوڑ رہے ہیں اور آزادی و بے راہ روی واخلاق باختگی میں دوسروں کی اندھی تقلید کر رہے ہیں۔ اور وہ اب ایسی دردناک حالت تک پہنچ گئے ہیں کہ ان کا مطمح نظر اور مقصود سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ بے حیائی ورذالت اور جنس کی دلدل وگڑھے میں پڑے رہیں۔ اور فحش فلمیں یا اخلاق سوز ڈرامے یا گندے سین دیکھیں، یا کسی ایسی جگہ کا [illegible] کرلیں جہاں پہنچ کر اپنی مردانگی عزت وکرامت کا جلوس نکال دیں، اور بے حیائی کے اس در پر سجدہ ریز ہوجائیں اب ان کا یہی کام رہ گیا ہے[1]

اس لیے اے تربیت کرنے والو آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اپنی اولاد و جگر گوشوں میں دین کی صحیح سوچ وسمجھ پیدا کریں تاکہ وہ دشمنوں کے دام اور مکاروں کے جال سے واقف ہوں، اور ان کو یہ بتلا دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ اگر وہ فساد کی دلدل میں پھنس گئے اور آزادی واباحیت کے پیچھے ہولیے تو وہ چاہے سمجھیں یا نہ سمجھیں وہ درحقیقت اسلام کی سرزمین اور مسلمانوں کے شہروں میں یہودیت، صلیبیت اور شیوعیت کے نافذ کرنے والے اور ماسونیت واستعمار اور نصرانیت کی سازشوں اور منصوبوں کو کامیاب بنانے والے بن جائیں گے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر صحیح طور سے ذہن بنا دیا جائے تو یہ عقلی ووجدانی طور پر بچوں کو اس سے روکنے کا بہت بڑا ذریعہ بن سکتا ہے جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ وہ خود بخود فواحش وحرام چیزوں سے رک جائیں گے۔

(۲) ڈرانا اور متنبہ کرنا:

اگر مربی اپنی توجیہات ونصائح میں اس وسیلہ کو اختیار کرلیں تو میرا خیال یہ ہے کہ بچے کو حرام سے روکنے اور فواحش سے باز رکھنے کے لیے یہ وسیلہ مثبت وسائل میں سے سب سے کامیاب ترین وسیلہ وذریعہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ ذریعہ بچے کے سامنے ان خطرات کی حقیقی صورت پیش کر دے گا جو شہوات کے سیلاب میں بہنے اور آزادی واباحیت کے جال میں پھنسنے کا لازمی اثر ہوتا ہے۔

ذیل میں مربیوں کے سامنے میں ان اہم خطرات کو پیش کر رہا ہوں جو زنا اور ناجائز طور سے مرد وزن کے اختلاط اور نامناسب تعلقات کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں، تاکہ صورتِ حال کھل کر سامنے آجائے اور آپ بچوں کے ذہن بنانے اور ہوشیار ومتنبہ کرنے کے اپنے فریضہ کو ادا کرسکیں، اور بچہ ناجائز وحرام چیزوں اور پسندیدہ آزادی واختلاط سے رک جائے۔

---

[1] ملاحظہ ہو ہماری کتاب "وسائل نشر واشاعت کے بارے میں اسلام کا فیصلہ" (ص ۵۸ و ۵۹)۔

لیجیے اب آپ کے سامنے زنا کے خطرناک اثرات پیش کیے جاتے ہیں[1] :

الف ۔ صحت کو پہنچنے والے نقصانات :

- مرض سیلان :

جو زنا کی وجہ سے ایک دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور رحم و خصیتین میں شدید اور مزمن قسم کے التہابات پیدا کر دیتا ہے جو کبھی بانجھ ہونے تک پہنچا دیتا ہے ، اور اس سے مفاصل و جوڑوں میں درد کی شکایت بھی پیدا ہو جاتی ہے ، اور اس سے بچے کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے ، اور اس کی وجہ سے بچے کی آنکھوں میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی اندھا تک کر دیتی ہے ۔

- آتشک کی بیماری :

جس کو عوام کی زبان میں انگریزی بیماری کہا جاتا ہے ، اس لیے کہ اسکی ابتداء ان انگریزی معاشروں سے ہوئی ہے جہاں زنا کثرت سے ہوتا ہے ، اور جہاں کے لوگ اس بے حیائی کے کام میں بہت زیادہ مبتلا ہیں ۔

- اعضاءِ تناسل کے زخم :

یہ مرض بھی حرامکاری و زنا کی وجہ سے منتقل ہوتا ہے جو بلغم کی نالیوں میں سوزش پیدا کر دیتا ہے اور کبھی کبھی لاعلاج زخم و پیپ بھرے پھوڑوں کا سبب بنتا ہے اور پیشاب کی نالیوں میں جلن پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور جوڑوں میں درد اور انگلیوں وغیرہ میں ورم ہو جاتا ہے ۔

- سوزاک :

جو زنا کے راستے سے ایک دوسرے میں منتقل ہوتا ہے ۔ اور اعضاءِ تناسل میں دردناک سوزش اور زخم پیدا کر دیتا ہے جو کبھی سارے جسم کو لپیٹ میں لے لیتا ہے ۔

- قبل از وقت بالغ ہو جانا :

اس مرض کے بعض وہ بچے شکار ہوتے ہیں جو وقت سے پہلے شہوت کے جوش اور غدود کے مکمل تیار ہونے سے قبل جنسی جذبات کے بھڑکنے کے عادی ہو جاتے ہیں جس کا اثر بدن کے اعضاء کی شکل وصورت کے بگاڑ اور نفسیاتی اور اعصابی امراض کے ظہور کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ۔ اور اس کے علاوہ اور دوسرے بہت سے وہ امراض بھی جن کا جسم اور صحت سے تعلق ہے ۔

ب ۔ نفسیاتی و اخلاقی نقصانات :

اس قسم کے شہوت پرست اور حیوانیت کی طرف مائل لوگ کبھی مندرجہ ذیل امراض کا شکار ہو جاتے ہیں :

---

[1] ملاحظہ ہو عبد الباقی رمضون کی کتاب "اختلاط و بے حجابی کے نقصانات" تھوڑے سے تصرف کے ساتھ ۔

○ جنسی انحراف کے مرض میں گرفتار ہونا یعنی مردوں کا لواطت اور عورتوں کا ہم جنس پرستی کے مرض میں مبتلا ہونا. یہ مرض درحقیقت بہت خطرناک مرض ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرد مرد پر اور عورتیں عورتوں پر اکتفا کرلیتی ہیں، یہ ایک ایسا مرض ہے جسمیں بہت سی وہ قومیں مبتلا ہیں جو تہذیب و تمدن اور ثقافت و ترقی کی دعوے دار ہیں، جیسے کہ یورپ وامریکہ. چنانچہ وہاں پانچ لاکھ کے قریب مرد و عورتیں ایسی ہیں جو نیویارک امریکا میں اس مرض کا شکار ہیں، یہ وہ ہیں جو کھلم کھلا پیشے کے طور پر اس فحش کام کو اپنائے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ چوری چھپے اور درپردہ جو مرد اور عورتیں اس میں مبتلا ہیں ان کی کثرت کا آپ خود ہی اندازہ لگالیجیے.

○ جنسی ہوس کی بیماری چنانچہ آپ اس مرض کے مریض کو ہر وقت اپنے شہوانی اور جنسی خیالات، شادی، بوسہ بازی، لپٹنا چمٹنا، بوس وکنار، اور عورتوں کے اعضاء وچہرے، آنکھوں، گردن، ہونٹوں، پستانوں، شرمگاہ، رانوں وغیرہ کے خیالات میں غرق دیکھیں گے، آپ دیکھیں گے کہ وہ ہر چیز سے کنارہ کش والگ تھلگ ہوگا، نسیان کا مرض اس میں بڑھ جائے گا، اس میں کسی کام کا اہتمام نہیں رہے گا غفلت بڑھ جائے گی، تیقظ وسوجھ بوجھ ختم ہوجائے گی، آپ کو وہ بے وقوف وغبی معلوم ہوگا یا غمگین ومصیبت زدہ نظر آئے گا، اس مرض کی وجہ سے جسم نحیف ولاغر اور حافظہ کمزور ہوجاتا ہے، اور نفس میں اضطراب وبے چینی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے.

انسانی معاشروں میں زنا کے جو برے اخلاقی اثرات عمومی طور سے لوگوں پر پڑتے ہیں وہ یہ ہیں :

○ نوجوان شہوت وجنس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں. اور شراب وچرس وافیم وغیرہ کے نشے میں دھت رہتے ہیں.

○ معاشرہ آزاد وبے راہ رو، جسمانی، اخلاقی، نفسیاتی اور عقلی طور پر بیمار ہوجاتا ہے.

○ قتل واغوا اور آبروریزی کے اقدامات عام ہوتے ہیں.

○ افیون، حشیش وغیرہ مخدرات ومنشیات کو پھیلانے والوں کی کثرت.

○ جنس وشہوات کے تاجر اور دوشیزاؤں کو بیچنے والے اور فاحشہ عورتوں کو اجرت پر دینے والے دلالوں کی فراوانی.

○ اطباء، وکلاء، حکام اور قانون دان افراد کی ایسی جماعتیں جن کا کام مال ودولت اور عورت کی رشوت کے عوض جرائم کی پردہ پوشی اور دوسروں کے حقوق کی حق تلفی کرنا ہے.

○ بے حیائی وبے حجابی وعریانی کی علانیہ مجالس جن میں شریک افراد بغیر کسی شرم وحیاء کے اخلاق وانسانیت کے ہر لباس سے یکسر عاری ہوجاتے ہیں.

○ ہر طرف پائے جانے والے ایسے سستے قحبہ خانے وجنسی مراکز جہاں فاحشہ عورتیں کرایہ پر دستیاب ہوتی ہیں.

○ زانیہ وفاحشہ عورتوں کی ایسی بڑی تعداد جو زناکاری کو پیٹ پالنے کے لیے اختیار کرتی ہیں.

○ فحش گانے اور جذبات برانگیختہ کرنے والی موسیقی اور گناہ آلود ہیجان خیز ڈرامے۔
○ جنس و جنسیات پر مشتمل کتابیں، اور ننگے اور فحش رسالے، اور بے حیائی ورقص وسرود کے مراکز۔
○ ان ہپیوں کی ٹولیاں اور جماعتیں جو اباحیت پسند ہیں اور حیوانوں اور گبریلے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔
○ ان لا مذہب مادر پدر آزاد لوگوں کی فوج جو نشہ میں دھت، اور شراب و کباب، زنا اور ہر قسم کے گناہ میں مستغرق رہتے ہیں۔

○ ایسے اباحیت و آزادی پسند جو ہر قسم کی شرافت و اخلاق کے منکر اور ہر بے حیائی کے کام کے جائز قرار دینے والے اور خواہشات اور نفس کے ساتھ ساتھ چلنے والے ہیں۔

اس کے علاوہ اور دیگر بے شمار و لا تعداد دوسرے نقصانات جو اس آزادی و بے حیائی کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔

اس بے راہ روی و آزادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۶۲ء میں خروشیف نے یہ اعلان کیا کہ روس کا مستقبل سخت خطرے میں ہے، اور روس کے نوجوانوں کا مستقبل غیر یقینی ہے، اس لیے کہ وہ آزاد و بداخلاق ہو گئے ہیں اور شہوت پرستی میں غرق رہتے ہیں۔

انہی دنوں میں کینیڈی نے بھی اس بات کی صراحت کی کہ امریکا کا مستقبل بھی خطرے میں ہے۔ اس لیے کہ وہاں کے نوجوان بھی آزاد اور شہوت میں مستغرق ہیں، انہیں اپنی اس ذمہ داری کا قطعاً احساس نہیں ہے جو ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ اور ہر وہ سات نوجوان جنہیں فوجی بھرتی کے لیے پیش کیا جاتا ہے ان میں سے چھ اس کے اس لیے اہل نہیں ہوتے کہ وہ آزاد و عیاشی اور شہوت پرستی میں غرق ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی نفسیاتی اور جسمانی صلاحیت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

مغرب و مشرق میں آزادی اور اباحیت کا جو مرض عام تھا اب وہ اسلامی ممالک میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ اور افسوس ہے کہ اب ہم یہ سنتے ہیں کہ زنا کے چکلے اور بے حیائی کے مراکز اور جوئے کے اڈے اور مجرمانہ ڈراموں کے مراکز اور شراب و منشیات کے مراکز اور رقص و سرود و عریانی کے اڈے اِدھر اُدھر کثرت سے موجود ہیں، اور اکثر بلادِ اسلامیہ میں حکام و مسئولین کے سامنے منہ در منہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اور اب تو بہت حسرت و افسوس کے ساتھ یہ بھی سننے میں آنے لگا ہے کہ بلا کسی روک ٹوک اور نکیر کے ملک کے طول و عرض میں جنس و شہوت پرستی کے ایسے دلال موجود ہیں جو لڑکیاں بیچتے اور فاحشہ عورتیں کرایہ پر دیتے ہیں۔

اور ہمارے ملک کے بہت سے نوجوان بلا کسی گرفت و روک ٹوک کے لذت پرستی اور جنس اور [illegible]ت سے لذت اندوزی اور شراب نوشی کے لیے وہاں جاتے ہیں جس کا علم ہر چھوٹے بڑے مسلمان اور تمام لوگوں کو [illegible]ہے۔

ج۔ معاشرتی نقصانات وخطرات:

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ زنا وغیرہ کا ارتکاب فرد وخاندان سب کے لیے برابر کا نقصان دہ ہے۔ بلکہ اگر دیکھا جائے
اس کا بُرا اثر پورے معاشرہ پر پڑتا ہے۔

o ان مضر اثرات میں سے یہ ہے کہ اس سے خاندان کی چولیں ہل جاتی ہیں۔ اس لیے کہ مجرد وغیر شادی شدہ نوجوان جب
ائز ذرائع سے اپنی حیوانی خواہش پوری کر لیتا ہے تو اسے یہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ ایک خاندان بسائے اور
راد وجود میں لائے، اسی طرح فاحشہ وزانیہ عورت بھی حمل کی خواہش مند نہیں ہوتی اور نہ وہ بچے کی ماں بننا چاہتی ہے، اس
ے کہ وہ سمجھتی ہے کہ اس سے اسے نفسیاتی اور جسمانی نقصان پہنچے گا اس لیے وہ کسی نہ کسی وسیلہ سے اس سے جان چھڑانے
کوشش کرتی ہے۔

o ان خطرات میں سے بچوں اور نومولود پر ظلم بھی ہے، اس لیے کہ ایسا معاشرہ جس میں لوگ شادی سے دُور بھاگیں اور
ادی پرست اور عیاش طبع ہوں تو وہاں ایسے بچوں کی کثرت ہوگی جن کی نہ کوئی حیثیت ہوگی نہ سلسلہ نسب۔ اور یہ بچوں پر
ت بڑا ظلم ہے۔

ان پر اس لیے ظلم ہے کہ ایسا بچہ والدین کی شفقت سے محروم ہوتا ہے اور بھلا ایسے بچے کو محبت وشفقت اور پیار
اں میسر آسکتا ہے جو اسپتالوں اور نرسوں میں پلے بڑھے اور تربیت پائے۔

اور ان پر یہ بھی ظلم ہے کہ بچے کو جب یہ معلوم ہوگا کہ وہ حرام کاری اور زنا کی پیداوار اور ننگ وعار کا ذریعہ ہے تو وہ
یاتی طور پر الجھن میں گرفتار ہو جائے گا، اور ہو سکتا ہے کہ اخلاقی طور پر اس میں بھی کج روی وانحراف پیدا ہو جائے اور عام طور
ایسا بچہ معاشرہ وافراد کے لیے جرم کا آلہ وذریعہ بن جاتا ہے بلکہ امن وسکون کے لیے بھی خطرہ ثابت ہوتا ہے۔

o ان آفات میں سے یہ بھی ہے کہ مرد وعورت دونوں برابر طور پر بدبختی ومحرومی کا شکار رہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
وزن دونوں خوشی کی زندگی ومسرت حاصل نہیں کر پاتے، اور نہ اس شادی کے بغیر پرسکون زندگی حاصل ہو سکتی ہے جو
ت وپیار کے سائے میں پروان چڑھتی ہے، چنانچہ جن معاشروں میں شادی کا رواج نہیں ہے اور جہاں کے باشندے
دی کے متوالے اور حرام کاری کے دلدادہ ہیں وہاں یہ چیز بالکل معدوم ہے۔

o ان مضر اثرات میں سے صلہ رحمی ورشتہ داری کا خاتمہ بھی ہے، اس لیے کہ جب غیر شادی شدہ آدمی اپنی شہوت
نی اور لذت کوشی کے لیے حرام وناجائز طریقے کو اختیار کرے گا تو آپ خود مشاہدہ کریں گے کہ ایسا شخص اپنے نیک صالح
ہ داروں کی نظر میں حقیر وذلیل ہو جائے گا، اور لوگ اس سے کنارہ کشی کریں گے جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ اس کے دل میں
رانی وسرکشی جاگزین ہو جائے گی۔ اور ان کے اور اس کے درمیان عداوت وبغض کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔

دینِ اسلام کی نظر میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے بعد قطع رحمی اور عقوق و نافرمانی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مضر اثرات و نقصان ہیں جو کسی صاحبِ بصیرت و عقل مند پر مخفی نہیں ہیں۔

د - اقتصادی نقصانات:

کوئی دو آدمی بھی اس سے اختلاف نہیں کریں گے کہ جو لوگ حرام کاری کے ذریعہ لذت حاصل کرنے اور شہوت پرستی کے چکر میں پڑ جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو جائز طریقے سے نکاح و شادی نہیں کرتے، اور گناہ و حرامکاری کے چکر میں پھنس جاتے ہیں، اور اس قسم کے لوگ امت کی اقتصادی حالت کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور یہ اس لیے کہ:

قوی کمزور ہو جاتے ہیں۔

پیداوار کم ہو جاتی ہے۔

اور ناجائز طریقے سے آمدنی کمانے کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔

- رہا قوی کمزور ہونے کا مسئلہ:

تو یہ اس لیے کہ ایسا غیر شادی شدہ نوجوان جو لذت کوشی و حرام کاری کے درپے ہو جاتا ہے وہ عقلی طور پر مریض اور جسمانی اور اخلاقی و نفسیاتی طور پہ بیمار ہو جاتا ہے۔

اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کے قُویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں اور جسم کمزور ہو جاتا ہے اور ہمت ختم ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ پورے طریقے سے نہ اپنے فرائض کو ادا کر پاتا ہے اور نہ صحیح طریقے سے کسی فریضہ کو سمجھ سکتا ہے۔ جس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ اقتصادی حالت خراب اور ترقی رک جاتی ہے۔

- پیداوار کی قلت:

اس لیے کہ مال و دولت شہوت پرستی، حرام کاری، شہوت پوری کرنے اور عورتوں سے لذت کوشی میں ختم کر دی جاتی ہے۔ اور وہ پیداوار اور تجارت و کاروبار کے کام نہیں آتی، اور اس لیے بھی کہ آزاد و آوارہ آدمی نہ تو کوئی کام تندہی سے کرتا ہے اور نہ کر سکتا ہے اور نہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس پر دین اور مذہب کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی اور اس کے قلب و ضمیر میں اخلاقی طور سے تنبیہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، جس سے اخلاق خراب اور اقتصاد برباد ہو جاتا ہے۔

- کمائی کے ناجائز طریقے اختیار کرنا:

یہ اس لیے کہ آزاد منش ایسا چھچھورا آدمی جس میں خدا کا خوف و تقویٰ ذرا بھی نہ ہو تو وہ ہر طریقے سے مال حاصل کر کے اپنی مادی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرے گا چاہے وہ ربا اور جوے کے راستے سے ہو یا کھیل کود و عیاش کے راستے سے،

یا رشوت وڈاکہ کے ذریعہ سے، یا آبرو اور عزت فروشی کے ذریعہ سے، اور خواہ وہ ننگی تصاویر کی تجارت کے ذریعہ سے ہو یا فحش وگندے رسالوں کی فروخت کے ذریعے سے، خواہ فحش وگندی فلموں کی تجارت سے ہو، یا منشیات ومخدرات کے بیچنے کے ذریعہ سے، یا فحش غیر اخلاقی کتابوں اور عشقیہ ناولوں وڈراموں کے ذریعے سے۔

مال جمع کرنے کے اس کے علاوہ اور دوسرے بہت سے ناجائز طریقے ہیں جن کا اثر معاشرے کے لیے سوائے نقصان و ضرر اور فقر وفاقہ وبے کاری اور مکارم اخلاق اور عزت وشرافت کو ختم کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے پیداوار کی طاقت ختم اور کمائی کے جائز طریقے معطل ہوجاتے ہیں، اور پورا معاشرہ خیانت اور چوری کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور انانیت اور خود غرضی کے دام میں گرفتار ہوجاتا ہے اور لذت وخواہش کا غلام بن جاتا ہے۔

اور یہ تمام چیزیں امت وقوم کی ترقی میں رکاوٹ اور اقتصادی حیثیت کو کمزور اور پیداوار کی قوت کو ختم کرنے والی ہیں۔

۷۔ دینی اور اخروی نقصانات:

اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ ایسا نوجوان جو اللہ کی ممنوع کردہ چیزوں سے نہ رکے اور شہوت وفتنہ کی جگہوں سے اپنے آپ کو نہ روکے تو وہ ایسی چار قبیح باتوں کا شکار ہوجاتا ہے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے:

طبرانی اپنی کتاب "معجم اوسط" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إياكم والزنا، فإن فيه أربع خصال: يذهب بهاء الوجه، ويقطع الرزق، ويسخط الرحمٰن، ويسبب الخلود في النار)).	تم زنا سے بچو اس لیے کہ اس میں چار باتیں پائی جاتی ہیں: چہرے کی رونق ختم ہوجاتی ہے، رزق ختم ہوجاتا ہے، اللہ ناراض ہوجاتا ہے، اور آگ جہنم میں ہمیشہ رہنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

اور اس کا اخروی نقصان یہ بھی ہے کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو ایمان کے دائرہ سے نکل جاتا ہے، چنانچہ امام بخاری ومسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ...)).	نہیں زنا کرتا زنا کرنے والا ایسی حالت میں کہ وہ مؤمن ہو۔

اور اس کا آخرت کے اعتبار سے یہ بھی نقصان ہے کہ زنا کرنے والا اگر اس گناہ پر مصر رہے اور توبہ نہ کرے اور اسی حالت پر مرجائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز اس کو دوگنا عذاب دے گا سورۂ فرقان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

((وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا)).

الفرقان ۶۸ و ۶۹

اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر اور نہ زنا کرتے ہیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا جائے گا وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہے گا۔

محترم مربی حضرات یہ وہ اہم اور بڑے خطرات و نقصانات ہیں جو اس بے حیائی کے کام زنا کے ارتکاب کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں، اور جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا یہ نہایت خطرناک نقصانات ہیں جو صحت کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور اخلاق کو بھی، نفس کے لیے بھی ضرر رساں ہیں اور عقل کے لیے بھی، دین کو بھی مضرت پہنچاتے ہیں اور خاندان کو بھی، اور معاشرہ کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور اقتصادیات کو بھی۔

لہٰذا اگر بچے کو بچپن ہی سے ان نقصانات سے ڈرایا جائے اور ان حضرات کو سمجھا دیا جائے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ پاکبازی اور پاکدامنی میں نشوونما پائے گا اور فواحش و محرمات سے رکے گا اور طور طریقے میں اسلام کے بتلائے ہوئے طریقے پر چلے گا اور وہ اپنی فطری خواہش جائز ملاپ اور اسلامی طریقے کے مطابق نکاح و شادی سے پورا کرے گا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک پر عمل پیرا ہو سکے۔

((یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج)). کتب صحاح ستہ

اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص شادی کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو اسے چاہیے کہ وہ شادی کر لے۔

بچوں کی تربیت و رہنمائی کے جو حضرات ذمہ دار ہیں انہیں چاہیئے کہ دیگر امور سے بچنے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل امور سے بچنے کی بھی بچے کو ترغیب دیں:

ارتداد سے بچنا۔

الحاد و بے دینی سے بچنا۔

ناجائز و حرام کھیل کود سے بچنا۔

اندھی تقلید سے بچنا۔

برے اور گندے ساتھیوں سے بچنا۔

بداخلاقی سے اجتناب کرنا۔

عمومی طور سے حرام چیزوں سے بچنا۔

اس کتاب کی قسمِ ثالث کے عنوان "احتیاطی تدابیر اور بچنے کا قاعدہ" کے تحت ان چیزوں سے بچنے اور اس کے اسباب کی تفصیل آپ کو مفصل ملے گی لہٰذا اگر تشنگی دور کرنا ہے تو اس بحث کو پڑھ لیجیے۔

بلاشبہ اگر بچے کو مرتد ہونے اور الحاد و بددینی سے دور رہنے کی ترغیب دی جائے گی تو وہ کفر و گمراہی و آزادی کے دام میں گرفتار ہونے سے بچ جائے گا۔

اور ناجائز کھیل و کود سے بچنے کی تعلیم کے سبب بچہ شہوت پرستی و لذت کوشی کی دلدل میں پھنسنے سے بچ جائے گا۔

اور اندھی تقلید سے بچنے کی عادت ڈالنے کی وجہ سے اپنی شخصیت و وقار کو ختم ہونے سے بچالے گا۔

اور برے ساتھیوں سے اجتناب کی نصیحت کے سبب بچہ نفسیاتی انحراف اور اخلاقی گراوٹ سے بچ جائے گا۔

اور بداخلاقی کے امور سے بچانے کی بدولت بچہ برائی اور بداخلاقی اور گناہوں کی دلدل میں پھنس جانے سے بچ جائے گا۔

اور حرام سے بچنے کی نصیحت کرنا بچے کو مفاسد اور امراض اور نفسیاتی بیماریوں کا نشانہ بننے سے بچائے گا اور یہ سب کچھ درحقیقت بچے کی اصلاح اور عقیدے کی پختگی اور اخلاق کی درستگی اور جسم کی قوت اور عقل کی پختگی اور عمدہ شخصیت سازی کا ذریعہ ہے۔ کام کرنے والوں کو اسی طرز پر محنت کرنا چاہیے۔

(۳) ربط و تعلق:

یہ یقینی بات ہے کہ بچہ کا عقل و سمجھ کی عمر کو پہنچنے اور شعور کے پختہ ہونے کی عمر ہی سے اگر اعتقادی رابطہ مضبوط ہو اور روحانی فکری تاریخی معاشرتی اور ریاضی روابط اس کے مرتبط ہوں، اور اس صورتِ حال پر وہ جوانی کی عمر کو پہنچ جائے تو بلاشک وشبہ بچہ ایمان و تقویٰ پر پلے بڑھے گا، بلکہ عقیدہ ربانی کی ایک ایسی قوت اس کے پاس ہوگی جس کے سبب وہ جاہلیت کے امور پر غلبہ پائے گا، اور خواہشات پر فتحیاب ہوگا۔ اور حق و ہدایت اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہے گا۔

اور کیا عقیدہ و افکار اور روح کے ربط سے زیادہ کوئی عظیم ربط ہو سکتا ہے؟

اور کیا مرشدِ ربانی اور شریف ساتھی کی صحبت و رفاقت سے بڑھ کر کوئی صحبت ہو سکتی ہے؟

اور کیا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین کے طریقے و کردار سے بڑھ کر کسی کا کردار ہو سکتا ہے؟

اس لیے مربی پر لازم ہے کہ وہ بچے کا رابطہ عقیدہ سے مضبوط کرے اور اس کو عبادت سے وابستہ رکھے، اور کسی مرشد و بزرگ سے متعلق رکھے، اور اچھی صحبت میں لگائے، اور دعوت و تبلیغ اور ــــ دعوت دینے والے حضرات کے ساتھ اس کا جوڑ رکھے، اور مسجد، ذکرِ خداوندی، مراقبہ اور تلاوتِ قرآن کریم سے اس کا رابطہ رکھے، اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سیرت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین اور بزرگوں اور بڑوں کی تاریخ وسیرت سے اس کو مرتبط رکھے۔

محترم مربی حضرات اگر آپ اس بات کے خواہشمند ہوں کہ آپ اس تعلق وارتباط کو اس صحیح ومکمل طریقے سے قائم رکھیں جو اس کا حق ہے تو آپ اس کتاب کی قسمِ ثالث کی بحث "ارتباط وربط کا قاعدہ" پڑھیے تمام تفصیل وہاں مل جائے گی جسے پڑھ کر آپ ان شاء اللہ بچے کی بہترین ایمانی تربیت اور شاندار اخلاقی تیاری کا منصوبہ اور طریقہ پالیں گے۔

میں آپ کو اس طرف بھی متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بچے کی اصلاح اور اس کے کردار واخلاق کی درستگی میں ایمانی تربیت[1] کا بڑا دخل واثر ہوا کرتا ہے، اس لیے کہ جب بچے کی تربیت ہی اللہ تعالیٰ جل شانہ پر ایمانِ کامل ہونے پر ہوگی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ظاہر وباطن سب کو دیکھ رہا ہے۔ اور اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا چاہیے، تو ظاہر ہے اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ ایک کامل ومکمل انسان اور نیک صالح نوجوان بن جائے گا جسے کوئی بھی مادی چیز بہکا نہیں سکے گی، اور کوئی بھی خواہش اسے اپنا غلام نہیں بنائے گی، اور شیطان اس پر غالب نہ ہو سکے گا اور اس کے دل میں نفسِ امارہ وسوسہ نہ پیدا کر سکے گا، اور ایسی صورتِ حال میں اگر اسے کوئی پری پیکر حُسن وجمال اور عزت وعہدہ کی مالک عورت بھی اپنی طرف راغب کرنا چاہے گی تب بھی وہ یہ کہہ دے گا کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، اور اگر شیطان اس کے دل میں وسوسہ پیدا کرے گا تو وہ کہہ دے گا تو مجھ پر حکومت نہیں کر سکتا، اور اگر برے ساتھی اس کے لیے گناہ وفاحشہ کو مزین کر کے پیش کریں گے تو وہ کہے گا کہ میں تو جاہل لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

اصلاح وتربیت کا یہ اسلامی راستہ اور طریقہ ہے، اسلام فرد کی اصلاح نفسِ انسانی کی اندرونی اصلاح سے کرتا ہے نہ کہ صرف باہر کی اصلاح سے، اسلام اصلاح وتربیت کی ابتدا ضمیر کی پاکیزگی اور وجدان کی آراستگی اور شعور کی لطافت سے کرتا ہے، اور ظاہر وباطن میں اللہ کے دیکھنے کے احساس کو پیدا کرتا ہے، اور انسان میں دل کی گہرائیوں سے یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ ہے اور اس کو دیکھ رہا ہے اور اس کے ظاہر وباطن پر مطلع ہے، اور دلوں اور آنکھوں کی خیانت پر بھی مطلع ہے۔ تربیت کرنے والوں کو اس طریقے کو اپنانا اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

اس تمام تفصیل کے بعد خلاصہ کے طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ:

تمام تربیت کرنے والے خواہ وہ باپ ہوں یا ماں یا مصلح ہوں یا معلم، اگر یہ تربیت کرنے والے بچے کی اصلاح اور تربیت وتیاری میں ذہنی پختگی روک ٹوک اور رابطہ وتعلق پیدا کرنے میں اسلام کے مثبت وسائل کو اختیار کریں گے تو بچہ ہر اس چیز سے دُور رہے گا جو اس کے جنسی جذبات کو ابھارے، اور اس کے اخلاق کو خراب کرے۔ اور کج روی اور فساد کے اسباب اور انحراف واخلاق باختگی سے قطعاً دور رہے گا، بلکہ وہ معاشرے میں ہدایت کا چاند اور اصلاح کا سورج بن کر روئے زمین پر فرشتے کی شکل میں چلے پھرے گا، اس لیے کہ اس کی نفس صاف شفاف، دل پاکیزہ، اخلاق شاندار اور معاملہ بہترین، اور معاشرت

---

[1] ملاحظہ ہو "ایمانی تربیت کی ذمہ داری" کی فصل جہاں آپ کی تشفی وسیرابی کا پورا سامان موجود ہے۔

اچھی اور تقویٰ وطہارت اعلیٰ معیار کو پہنچی ہوئی ہوگی۔

اے اللہ تمام مربیوں کو اس بات کی توفیق عطا فرما کہ وہ بچے کی تربیت میں اسلامی طریقے اپنائیں، تاکہ اس روز آپ کے سامنے اپنی مسئولیت سے بری ہوسکیں جس روز نہ مال و دولت فائدہ پہنچائے گی نہ اولاد، اور تاکہ وہ مسلمان معاشرے کو اسلام کو پوری طرح سے نافذ کرتے ہوئے اور قرآن کریم کے اصول و قواعد پر مکمل عمل پیرا اور اللہ کے راستے میں پیہم جہاد کرتے ہوئے دیکھ لیں اور عزت و بزرگی کی بلندیوں پر دیکھ کر مؤمن اللہ کی مدد و نصرت پر خوش و شاد ہوں۔

(۴) بچے کو بالغ ہونے سے پہلے اور بالغ ہونے کے بعد کے احکام سکھانا:

ماں باپ، اساتذہ و مرشدین وغیرہ مربیوں پر اسلام نے جو بڑی ذمہ داریاں عائد کی ہیں ان میں سے یہ بھی ایک ذمہ داری ہے کہ بچہ جب سمجھدار ہو جائے تو اسے وہ شرعی احکام سکھانا چاہیے جن کا تعلق اس کے فطری جذبات اور جنسی پختگی سے ہے۔ اس تعلیم دینے میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں، اس لیے کہ شرعاً دونوں مکلف ہیں، اور اللہ جل شانہ اور مربیوں اور پورے معاشرے کے سامنے مرد و زن سب ہی سے اپنے عمل کا سوال کیا جائے گا، اسی لیے مربی پر لازم ہے کہ جب بچہ بلوغ کے قریب کی عمر کو پہنچ جائے جو بارہ سال سے پندرہ سال کی عمر ہوا کرتی ہے تو اس عمر میں اس بچے کو یہ تبلا دینا چاہیے کہ جب اسے انزال ہو جائے[۱] اور ایسا پانی اس کے عضو تناسل سے نکلے جس میں تیزی اور لذت ہو تو ایسی صورت میں وہ بالغ ہو گیا اور شرعی طور سے مکلف بن جاتا ہے اور اس پر تمام وہ احکامات اور فرائض لازم ہو جاتے ہیں جو بڑے مردوں پر لازم ہوتے ہیں۔

مربی پر یہ بھی لازم ہے کہ جب لڑکی کی عمر نو سال یا اس سے زیادہ عمر کی ہو جائے تو اس کو یہ تبلا دے کہ اگر اسے سوتے میں احتلام ہو جائے (یعنی سوتے میں مرد سے ہم بستری کراتے ہوئے دیکھ لے) اور جاگنے کے بعد اسے اپنے کپڑوں پر زرد رنگ کا پتلا سا پانی نظر آجائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالغ ہو گئی ہے۔ اور شرعی احکام کی مکلف ہو گئی ہے، اور اس پر وہ تمام فرائض و واجبات لازم ہو گئے ہیں جو بڑی عورتوں پر فرض ہیں۔

مربی پر یہ بھی واجب ہے کہ اگر لڑکی نو سال یا اس سے زیادہ عمر کی ہو جائے تو اسے یہ تبلا دے کہ اگر اسے آگے کے راستے سے حیض (ماہواری) کا خون آنے لگے تو وہ بالغ اور مکلف ہو گئی ہے اور اس پر وہ تمام فرائض و واجبات لازم ہو گئے ہیں جو بڑی عورتوں پر لازم ہیں۔

اسلام ان اہم امور و معاملات میں والدین پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ بچوں کو یہ احکام تبلا دیں، تاکہ انہیں اچھی طرح

---

[۱] مرد کے عضو سے جو پانی منی کی شکل میں نکلتا ہے وہ سفید ہوتا ہے اور کھجور کے گابھے کی طرح کی سی بو ہوتی ہے، یا ایسی جیسی گندھے ہوئے آٹے میں ہوتی ہے، لیکن جب یہ مادہ (یانی منی) خشک ہو جائے تو اس کی بو ایسی ہوتی ہے جیسے کہ انڈے کی سفیدی کی بو۔

سے اس کا علم ہو اور تمام وہ چیزیں جو ان کی جنسی زندگی و فطری خواہشات سے متعلق ہیں ان کو وہ خوب سمجھتے ہوں اور انہیں وہ ذمہ داریاں اور فرائض بھی معلوم ہوں جو ان پر شرعی طور سے اس عمر کو پہنچنے پر لازم ہو جاتے ہیں۔

ہم نے کتنی ہی لڑکیوں کے بارے میں یہ سنا کہ وہ ایک زمانے تک ناپاک رہیں اس لیے کہ انہیں جنابت و حیض وغیرہ کے احکام کا قطعاً کوئی علم ہی نہ تھا۔

اور ہم کتنے ہی لڑکوں کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ جوان ہو چکے لیکن وہ جنابت اور ناپاکی کی حالت ہی میں رہے اس لیے کہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ احتلام یا جنابت کی وجہ سے کیا احکام لاگو ہوتے ہیں۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی لڑکی یا لڑکا حالتِ جنابت میں نماز پڑھ لے یا لڑکی ماہواری کے ایام میں نماز پڑھتی رہے اور یہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کر رہے ہیں اور عبادت کر رہے ہیں۔

اس لیے آپ ہی بتلائیے کہ یہ کس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو بالغ ہونے کی عمر تک پہنچنے سے قبل اور بلوغ کے قریب جنسی امور کے بارے میں بتلائے اور ان کی خواہشات کے سلسلہ میں ان کو سمجھائے ؟

بلاشبہ اس کی ذمہ داری سب سے پہلے والدین پر عائد ہوتی ہے پھر دوسرے نمبر پر ان لوگوں پر جو اس کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار معلمین و اساتذہ ہیں۔

ورنہ گر ایسا نہ کیا گیا تو بچہ ان احکامات سے جو اس کے رب کے حق سے متعلق ہیں اور جو اس کی ذات اور اس کے دین سے متعلق ہیں ان سب کے بارے میں بالکل نابلد اور جاہل ہوگا اور وہ یہ سمجھتا رہے گا کہ وہ بالکل ٹھیک کر رہا ہے۔

لہٰذا تربیت کرنے والے حضرات کے سامنے میں وہ اہم شرعی احکام پیش کر رہا ہوں، جو بچے کی بلوغ سے تعلق رکھتے ہیں، اور جو اسے احتلام کی عمر کو پہنچنے کے قریب سکھانا چاہیئے، تاکہ آپ حضرات بچوں کو یہ احکام اس وقت بتلا دیں جب وہ مرد نہ بنے ہوں، اور لڑکیوں کو یہ احکام اس وقت ہی سے سکھا دیں جس وقت کہ وہ پوری عورت نہ بنی ہوں۔

لیجیے وہ احکام ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ بچہ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی اگر اس کو احتلام یاد ہو لیکن جاگنے کے بعد اس کو اپنے کپڑے پر تری (منی) نظر نہ آئے تو اس پر غسل واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ امام احمد و نسائی حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے بارے میں استفسار کیا جو خواب میں وہ کیفیت دیکھے جو مرد دیکھتا ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«لیس علیها غسل حتی تنزل، — اس پر غسل اس وقت تک واجب نہ ہوگا جب تک کہ

کما أن الرجل لیس علیه — اسے انزال نہ ہو جائے جیسا کہ مرد پر غسل اس وقت تک

غسل حتی ینزل))۔ واجب نہیں ہوتا جب تک کہ اسے انزال نہ ہوجائے۔

اور نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جسے سوتے میں احتلام ہوجائے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((إذا رأت الماء فلتغتسل))۔ جب پانی دیکھ لے (انزال ہوجائے) تو اسے چاہیئے کہ غسل کرے۔

۲۔ مولود چاہے لڑکا ہو یا لڑکی اگر جاگنے کے بعد اس کو اپنے کپڑوں پر تری نظر آجائے یعنی منی لگی ہوئی معلوم ہو اور اس کو احتلام یاد نہ ہو تو اس پر غسل واجب ہوگا اس لیے کہ نسائی کے علاوہ تمام اصحاب صحاح ستہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جسے کپڑوں پر تری لگی ہوئی معلوم ہو لیکن خواب یاد نہ ہو، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ غسل کرے گا، اور اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ خواب دیکھے کہ اسے احتلام ہوگیا ہے لیکن کپڑوں پر تری معلوم نہ ہو تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر غسل واجب نہیں ہے، تو حضرت ام سلیم نے ارشاد فرمایا کہ اگر عورت خواب میں یہ دیکھ لے تو اس پر غسل واجب ہوگا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جی ہاں! اس لیے کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح ہی ہیں۔

۳۔ مرد وزن میں سے کسی کو اگر انزالِ منی (پانی کا نکلنا) شہوت اور کودنے کے ساتھ ہوجائے خواہ کسی بھی طریق سے ہو اس سے غسل واجب ہوجاتا ہے، اس لیے کہ امام احمد اور ابن ماجہ اور ترمذی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک ایسا شخص تھا جس کی مذی کثرت سے نکلا کرتی تھی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مذی[1] کے نکلنے سے وضوء واجب ہوتا ہے اور منی کی وجہ سے غسل۔

اور مسندِ احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب پانی کود کر نکلے تو جنابت کا غسل کیا کرو اور اگر کود کر نہ نکلے تو پھر غسل واجب نہیں ہے۔

یعنی اگر عضوِ تناسل سے منی شہوت ولذت کے ساتھ اچھل کر نکلے تو غسل واجب ہے گویا اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر منی کا نکلنا بغیر شہوت کے کسی مرض وبیماری یا برودت یا پیٹھ پر ضرب یا کسی بھاری چیز اٹھانے کی وجہ سے ہو تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

۴۔ عضوِ تناسل کا سر یعنی سپاری جس کے اوپر کی کھال ختنہ کے وقت کاٹ دی جاتی ہے اس سپاری کا اگلے یا پچھلے حصے میں داخل ہوجانا اس کام کے کرنے اور کروانے والے دونوں پر غسل واجب کر دیتا ہے۔ خواہ اس صورت میں انزال ہو یا نہ ہو؛ اس لیے کہ امام مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] مذی اس پانی کو کہا جاتا ہے جو اس وقت نکلا کرتا ہے جب انسان اپنی بیوی کے ساتھ بوس وکنار کرتا ہے یا عورتوں کے ہیجان خیز مناظر کو دیکھ کر نکلتا ہے۔

ارشاد فرمایا ہے کہ مرد جب عورت کے چاروں اعضاء یعنی ہاتھوں و پاؤں کے درمیان بیٹھ جائے اور اس کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ سے مل جائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے۔

اور عبداللہ بن وہب کی مسند میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب دونوں ختنے کے مقام مل جائیں اور حشفہ (سپاری) چھپ جائے تو غسل واجب ہوگیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

۵۔ حیض[۱] و نفاس[۲] کی مدت کا ختم ہوجانا بھی عورت پر غسل کو واجب کر دیتا ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ)) البقرة۔۲۲۲ — اور ان کے نزدیک نہ ہو جب تک پاک نہ ہوجائیں۔

یعنی جب تک غسل نہ کرلیں، اور امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کو استحاضہ[۳] آیا کرتا تھا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ رگ (کا خون) ہے حیض نہیں ہے لہٰذا جب تمہیں حیض آنے لگے تو نماز چھوڑ دینا اور جب اس کے ایام گزر جائیں تو غسل کر کے نماز پڑھ لینا۔

نفاس کے بعد غسل کرنا بھی ضروری ہے جو اجماع کے ذریعہ ثابت ہے اور حیض پر قیاس کرتے ہوئے بھی۔

۶۔ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ بچہ جب غسل واجب کرنے والی چیزوں کو جان لے گا تو اسے اس کے فرائض واجبات وسنن اور طریقہ بھی جاننا چاہیئے، تاکہ اگر اس کو جنابت پیش آجائے تو اسے یہ معلوم ہو کہ وہ پاک ہونے کے لیے غسل کس طرح کرے، لیجیے اب آپ کے سامنے غسل کے فرائض سنتیں اور طریقہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ بچوں کو سکھا سکیں:

غسل کے فرائض میں منہ اور ناک اور تمام بدن کا دھونا داخل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا)) المائدہ۔۶ — اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب اچھی طرح پاک ہو۔

جن چیزوں کے دھونے میں مشقت و تکلیف ہے۔ ان کا دھونا ضروری نہیں ہے جیسے کہ آنکھ کا اندرونی حصہ، اور جن چیزوں کے دھونے میں کوئی مشقت نہیں ان کا دھونا ضروری ہے۔ منہ اور ناک کا اندرونی حصہ ایسا ہے کہ اس کے دھونے میں کوئی پریشانی و تکلیف نہیں ہے اس لیے ان کا دھونا ضروری ہے۔

---

[۱] حیض اس خون کو کہتے ہیں جو بالغ عورت کے رحم سے بلا کسی بیماری کے اور سن ایاس (پچاس سال کی عمر) کو پہنچنے سے قبل آتا ہے۔ اور حیض کی کم از کم مدت تین دن و تین رات ہے، اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے، اور عورت جن ایام میں پاک رہتی ہے ان کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔

[۲] نفاس وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کے رحم سے آتا ہے، اس کی کم از کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، اور یہ زیادہ سے زیادہ چالیس دن تک آتا ہے۔

[۳] استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو عورت کو ایام حیض میں تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ آیا کرتا ہے یا نفاس کے چالیس دن گزرنے کے بعد آیا کرتا ہے، یہ تمام احکام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کے مطابق ہیں۔

ابوداؤد و ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت و ناپاکی ہوتی ہے اس لیے بالوں کو بھگولیا کرو اور جلد کو صاف کرلیا کرو یعنی پانی کے ذریعہ سارے بدن کو دھولیا کرو۔

ان شرعی احکامات کی وجہ سے بدن کے ان تمام حصوں کا دھونا ضروری ہے جن کے دھونے میں کوئی نقصان نہ ہو جیسے ناف کا سوراخ اور عورت کی شرمگاہ کا ظاہری حصہ اور تنگ انگوٹھی کے نیچے کا جسم اور کانوں کا ظاہری حصہ اور بغل کے اندر کا حصہ۔

غسل کی سنتیں ... طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ اور شرمگاہ کو دھوئے اور جسم پر موجود نجاست کو دور کردے، پھر نماز کا سا وضو کرے، البتہ پاؤں کو آخر میں دھولے، پھر اپنے تمام بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے پھر ایسی جگہ پر پاؤں دھولے جہاں پانی جمع نہ ہوتا ہو۔

اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے صحاح ستہ والوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میری خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسلِ جنابت کے واسطے پانی رکھ دیا، تو آپ نے دو یا تین مرتبہ اپنے ہاتھ دھوئے، پھر اپنے ہاتھ برتن میں ڈال دیے اور ان سے اپنی شرمگاہ پر پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے اسے دھویا، پھر اپنا بایاں ہاتھ زمین پر زور سے رگڑا تاکہ نجاست دور ہوجائے، پھر ویسا ہی وضو کیا جیسا کہ نماز کے لیے کرتے تھے، پھر اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالا ہر مرتبہ چلو بھر کر پانی لیا تھا، پھر اپنے سارے بدن کو دھو لیا، پھر اس جگہ سے ایک طرف کو ہٹے اور اپنے پاؤں دھولیے پھر میں آپ کے پاس رومال لے کر حاضر ہوئی تو آپ نے اسے واپس فرمادیا۔

اگر کسی مرد نے سر پر چوٹی باندھی ہوئی ہو تو بالوں کے درمیان پانی پہنچانے کے لیے مرد پر ان لٹوں کا کھولنا ضروری ہے، لیکن عورت کے لیے لٹوں کا کھولنا فرض نہیں ہے بلکہ اس کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ پانی بالوں کی جڑ تک پہنچ جائے۔ اس لیے کہ ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مرد اپنے بالوں کو کھول دے اور پھر سر دھوئے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، لیکن عورت پر بالوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے لہٰذا وہ اپنے سر پر تین چلو بھر کر پانی ڈال لے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پوچھا گیا: کیا میں جنابت اور حیض کی حالت میں (بالوں کو) کھول لیا کروں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں تمہارے لیے یہ بات کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین چلو بھر کر پانی ڈال لو پھر اپنے (سب جسم) پر پانی ڈال کر طہارت حاصل کرلو۔

غسل کی سنتوں و مستحبات میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے نیت کرے، پھر بسم اللہ پڑھے، پھر مسواک کرے، اور داڑھی و انگلیوں کے درمیان خلال کرے، اور جسم کے اس حصے کو ملے جس کو مل سکتا ہو۔

اور اگر کسی پر غسل واجب ہو اور اسے پانی نہ ملے، یا اسے پانی استعمال کرنے کی وجہ سے بیماری کے بڑھنے کا ڈر ہو، یا

سردی ہو اور پانی گرم کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو یا دشمن کا خوف ہو یا پیاس سے ہلاکت کا خدشہ ہو . . .

تو ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے ، اور تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ زمین کی جنس کی کسی بھی چیز مثلاً ریت ، پتھر ، یا مٹی پر دو مرتبہ ہاتھ مارے ، ایک مرتبہ چہرے پر مسح کرنے کے لیے ، اور ایک مرتبہ ہاتھوں سے کہنیوں تک مسح کے واسطے ، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

((فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ)) مائدہ - ۶

پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو پاک مٹی کا اور مل لو اس سے اپنے منہ اور ہاتھ ۔

اور اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ :

((التيمم ضربتان : ضربة للوجه ، وضربة للذراعين إلى المرفقين)) . دارقطنی وحاکم وصحح ۔

تیمم دو مرتبہ ہاتھ مارنے کا نام ہے ایک مرتبہ چہرے کے لیے ، اور ایک مرتبہ ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک ۔

تیمم میں یہ نیت شرط ہے کہ انسان ایسی عبادتِ مقصودہ کے لیے تیمم کر رہا ہے جو بغیر طہارت ادا نہیں ہو سکتی ، اور حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر (یعنی غسل کے لیے) دونوں کو دور کرنے کے لیے تیمم ایک ہی طریقے سے کیا جاتا ہے یعنی چاہے وضوء کی حاجت ہو یا غسل کی دونوں کے لیے تیمم کا ایک ہی طریقہ ہے ۔

۷ ۔ یہ بھی ظاہر سی بات ہے کہ بچے کو یہ بھی سیکھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ جنابت کی حالت میں ہو تو اس پر کیا چیز حرام ہو جاتی ہے ، تاکہ وہ حرام و ناجائز میں گرفتار نہ ہو جائے ۔

جنبی مردوں اور عذر والی عورتوں پر اسلام نے جو چیزیں ممنوع قرار دی ہیں ان میں سے اہم اہم ـــــ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں :

★ حائضہ اور نفاس والی عورت پر روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا حرام ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے ، باقی قضاء رکھے گی یا نہیں ؟ تو عورت پر روزے کی قضاء ہے نماز کی قضاء نہیں ، اس لیے کہ اربابِ صحاحِ ستہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں یہ اعذار لاحق ہوا کرتے تھے تو ہمیں روزے کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا لیکن نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا ۔

★ ایسے ایام وحالات میں عورت کے لیے مسجد میں جانا بھی حرام ہے ۔ اس لیے کہ ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں مسجد کو حائضہ عورت وجنبی کے لیے حلال نہیں قرار دیتا ۔

★ جنبی وحائضہ پر کعبۃ اللہ کا طواف کرنا بھی حرام ہے اس لیے کہ کعبہ مسجد میں داخل ہے جہاں حائضہ وجنبی کو جانا ممنوع ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ۔

★ ایامِ حیض ونفاس میں شوہر بیوی کے ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ سے بغیر کپڑے کے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

((فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ)). سو تم حیض کے وقت عورتوں سے الگ رہو۔

اور اس لیے بھی کہ ابوداؤد حضرت عبداللہ بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میری بیوی حیض میں ہو تو میں اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہوں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کپڑے کے اوپر سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اور بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں سے کسی سے (حالت حیض میں) اس وقت تک مباشرت (جسم کا ملاپ) نہیں فرماتے تھے جب تک کہ انہیں کپڑا باندھنے کا حکم نہ دے دیں۔

★ جنابت اور حیض و نفاس کی حالت میں بھی قرآنِ کریم کا پڑھنا ممنوع ہے اس لیے کہ ترمذی اور ابنِ ماجہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حائض عورت اور جنبی ـــــ قرآنِ کریم کی کچھ بھی تلاوت نہیں کر سکتے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب قرآنِ کریم تلاوت کی غرض سے پڑھا جائے، لیکن اگر اسے ذکر یا حمد و ثناء کی نیت سے پڑھا جائے مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا الحمد للہ رب العالمین یا ہو اللہ أحد کا پڑھنا یا کوئی حائضہ عورت یا جنبی معلم ہو اور یہ تعلیم کی غرض سے ایک ایک حرف کر کے تعلیم دیں تو اس میں کسی کے یہاں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لیے کہ یہ معذور ہیں اور ضرورت بھی ہے۔

اگر حیض یا نفاس والی عورت استانی یا شاگرد ہو تو کیا ان کو قرآنِ کریم کا پڑھنا اور اس کو چھونا جائز ہے؟

امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک قول و ایک روایت یہ ہے کہ حائضہ و نفاس والی عورت کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت جائز ہے اسی کو شیخ ابن تیمیہ نے پسند کیا ہے جیسا کہ کتاب "الانصاف" میں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس کا چھونا اس صورت میں جائز ہے جب وہ استانی یا طالبہ ہو جیسا کہ "شرحِ صغیر" للدردیر بحاشیہ الصاوی (۱۔ ۶۵ و ۹۲ و ۹۳) میں ہے اس مذہب میں معلمات و طالبات کے لیے بہت آسانی ہے۔

امام مالک کے یہاں جنبی (اور حائض و نفساء کے لیے بدرجہ اولیٰ) سوتے وقت تھوڑے سے قرآنِ کریم کا پڑھنا یا کسی خوف کے وقت یا تبرک کے لیے یا کسی درد و نظر لگنے پر پڑھنا یا کسی شرعی حکم کی کسی دلیل کے لیے پیش کرنا درست ہے[1]۔

ایسے شخص کو جو بے وضو ہو اس طرح جنبی حائضہ و نفاس والی عورت کے لیے قرآنِ کریم کا بغیر جزدان اور غلاف کے چھونا ناجائز ہے، جزدان و غلاف سے وہ مراد ہے جو قرآنِ کریم سے بالکل الگ ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی کتاب "فتح باب العنایہ بشرح کتاب النقایۃ" (۱۔ ۲۱۷ و ۲۱۸) میں پیش کردہ تحقیق ملاحظہ ہو۔

((لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ))۔ الواقعہ - ۷۹ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں۔

اور اس لیے کہ حاکم "مستدرک" میں حضرت حکیم بن حزام سے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا تو مجھ سے فرمایا: کہ پاک ہوئے اور طہارت حاصل کیے بغیر قرآنِ کریم کو نہ چھونا۔ اور بخاری میں حضرت ابو وائل سے مروی ہے کہ وہ اپنی حائضہ جاریہ کو حضرت ابو رزین کے پاس قرآنِ کریم لانے کے لیے بھیجا کرتے تھے تو وہ اس کو اس ڈورے سے پکڑا کرتی تھیں جسے غلاف و جزدان کو لٹکانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور حضرت ابو وائل و حضرت ابو رزین رحمہما اللہ کبار تابعین میں سے ہیں۔

جنبی آدمی پر نماز پڑھنا حرام ہے، اس لیے کہ اس میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا پڑے گی جیساکہ ابھی اس کا تذکرہ گزر چکا ہے، اور اسی طرح نماز کے لیے مسجد میں جانا پڑے گا، اور جنبی پر طواف کرنا بھی حرام ہے جیساکہ ابھی حدیث میں گزرا ہے کہ میں مسجد کو جنبی اور حائضہ عورت کے لیے حلال نہیں گردانتا۔

رہا جنبی کا روزہ رکھنا تو یہ بالکل درست ہے لیکن اگر جنابت کی وجہ سے نماز میں تاخیر ہوجائے تو ایسی صورت میں گناہ ہوگا۔

جو شخص احتلام دیکھ کر بیدار ہوا اور اسے اپنے کپڑوں پر منی لگی ملے تو اگر وہ تر ہو تو وہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگی اور اگر وہ خشک ہوگئی ہو تو رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہوجاتا ہے، اس لیے کہ دارقطنی اپنی "سنن" میں اور بزار اپنی "مسند" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر منی خشک ہوتی تو میں اسے رگڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے چھڑا دیا کرتی تھی اور اگر وہ تر ہوتی تو میں اسے دھولیا کرتی تھی، اور ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ پھر آپ نماز کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور پانی سے دھونے کے نشانات آپ کے کپڑے پر نظر آتے تھے۔

اس لیے اے تربیت کرنے والو آپ کو چاہیئے کہ آپ یہ تمام احکامات بچوں کو اس وقت سکھانا شروع کردیں جب وہ سمجھدار ہوجائیں، تاکہ جب وہ بڑے ہوں اور ان شرعی احکام کے مکلف بنیں اور عبادات ان پر فرض ہوجائیں تو انہیں یہ معلوم ہو کہ کیا کرنا جائز ہے اور کیا کرنا ناجائز ہے، اور خواہشات اور بلوغ سے تعلق رکھنے والی چیزوں کے شرعی احکام ان کو معلوم ہوں۔ اور فقہ فی الدین اور علمِ دین کی سمجھ کی برکت کے حامل اور علم و تعلیم کی فضیلت حاصل کرنے والے بنیں۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے واقعی نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے:

((من يرد الله به خيرًا يفقهه في الدين))۔ جس سے اللہ تعالٰے بھلائی چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔

⦿⦿⦿⦿⦿⦿⦿⦿⦿⦿⦿⦿⦿

⑤ شادی اور جنسی تعلقات :

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اس میں بہت سی خواہشات و آرزوئیں اور ایسے جذبات بھی پیدا کیے جو انسان کی نسل کو باقی رکھنے اور بشر کے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری تھے، اور ایسے احکام و قوانین نازل فرما دیے جو ان خواہشات و جذبات کی حاجت روائی کرتے ہیں، اور جو ان کے نمو و بقا و استمرار کے ضامن ہیں.

اسلام نے شادی کا جو نظام مقرر کیا ہے یہ درحقیقت اس انسانی خواہش کی تکمیل ہے جو اس کو دوسری جنس کی طرف ہوا کرتی ہے، اس نظام کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی جنسی فطرت اور طبعی جذبات کے ساتھ صحیح مناسبت، اہتمام اور مناسب طریقے سے چل سکے، اور اس کی راہ میں کوئی مشکل در پیش نہ آئے، اور زندگی کے مصائب اور شہوات کی برانگیختگی اور فطری جذبات سے متأثر نہ ہو. میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے وہ حقائق بیان کردوں جو جنسی جذبات سے متعلق ہیں اور شادی کی حکمت سے تعلق رکھتے ہیں. ان حقائق کا دو چیزوں سے تعلق ہے :

الف ۔ جنس کے بارے میں اسلام کی رائے ۔

ب ۔ اللہ تعالیٰ نے شادی کا نظام کیوں مقرر فرمایا ؟

جنس سے متعلق اسلام کی رائے :

۱ ۔ جیسے ہم قسمِ اول میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دینِ اسلام میں انسان کے فطری جذبات کا خیال رکھا گیا ہے[۱] اور اس کی غرض یہ ہے کہ انسان کے جذبات و خواہشات کو پورا کیا جائے تاکہ معاشرے میں موجود کوئی فرد بھی اپنی فطری حدود کو نہ پھلانگے، اور ایسے راستے پر چلنے کی قطعاً کوشش نہ کرے جو اس کی جبلت و فطرت کے ساتھ متصادم ہو، بلکہ اس سیدھے اور صحیح راستے کے مطابق اپنے قدم اٹھائے جسے اسلام نے مقرر کر دیا ہے اور وہ شادی کا راستہ ہے، اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بالکل سچ فرماتے ہیں :

((وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً)).

روم ـ ۲۱

اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی ۔

---

۱ ملاحظہ فرمائیے وہ تحریر جو ہم نے "شادی کے پریشان کن مراحل" نامی اپنی کتاب کی فصل "اسلام میں رہبانیت نہیں" (ص ۔ ۱۹) ایڈیشن دوم میں تحریر کی ہے ۔ نیز اس کتاب تربیۃ الاولاد کی قسمِ اول میں "شادی انسانی فطرت ہے" کے عنوان کے تحت بھی تشفی بخش بحث ملاحظہ فرما سکتے ہیں ۔

اس لیے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دین اسلام نے عبادت کے لیے فراغت اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے شادی سے اعراض اور اس سے منہ موڑنے کو حرام قرار دیا ہے، اور خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ مسلمان شادی پر قدرت بھی رکھتا ہو اور اس کے لیے اسباب و وسائل بھی مہیا ہوں، بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلام نے بلا کسی رورعایت کے نہایت سختی سے ہر اس دعوت کی مخالفت کی جو مکروہ ترین رہبانیت اور عورتوں سے ناپسندیدہ دوری کی طرف بلاتی ہو، اس لیے کہ یہ دعوت انسانی فطرت کے معارض اور انسانی خواہشات وجذبات سے متصادم ہے۔

چنانچہ بیہقی حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے بدلے ہمیں آسان واچھا مذہب دینِ اسلام عطا فرمایا ہے۔

اور طبرانی وبیہقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شادی کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر شادی نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی تربیت اور نفوس کے امراض کے علاج کے سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا ہے ان میں سے ایک موقف وہ ہے جسے بخاری ومسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ روایت کرتے ہیں کہ تین حضرات ازواجِ مطہرات کے دولت کدے پر آئے اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت کیا، جب ان کو آپ کی عبادت کی تفصیل بتلائی گئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اسے کم سمجھا، اس لیے وہ کہنے لگے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف کر دیے ہیں۔

ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ساری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہوں گا۔

دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہیں کروں گا۔

تیسرے صاحب گویا ہوئے: میں عورتوں سے کنارہ کشی کروں گا کبھی شادی نہ کروں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے (اور جب آپ کو یہ واقعہ بتلایا گیا تو) آپ نے فرمایا: کیا تم لوگوں نے فلاں فلاں بات کہی ہے؟ اَسن لو میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور متقی ہوں لیکن میں پھر بھی روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، لہٰذا جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ موقف —— اس بات کی بہت بڑی وعظیم دلیل ہے کہ اسلام ایک دینِ فطرت ہے اور انسانی زندگی کی شریعت ہے اور جب تک کہ قیامت قائم نہ ہوگی اس وقت تک ہمیشہ رہنے والا پیغام ہے۔ اور یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ کے فیصلے سے بڑھ کر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے؟

۲۔ اسلام نے جنس کے بارے میں جو صحیح اور سچا نظریہ پیش کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جائز طریقے سے شہوت پوری کرنے اور شادی کے ذریعہ جنسی خواہش کے پورا کرنے کو اسلام نے ان اعمالِ صالحہ میں سے شمار کیا ہے۔ جن کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اجر وثواب کا مستحق بن جاتا ہے۔

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ نے نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول مالدار لوگ سارا اجر وثواب کما لے گئے، اس لیے کہ وہ ہماری طرح سے نماز پڑھتے ہیں، اور اسی طرح روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں۔ اور زائد مال اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں صدقہ کے قابل نہیں بنایا ہے! ہر سبحان اللہ پر صدقہ کا اجر ملتا ہے، اور ہر اللہ اکبر پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اور ہر لاالہ الا اللہ پر صدقہ کا اجر ملتا ہے۔ اور ہر الحمد للہ پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اور امر بالمعروف کرنا (اچھی باتوں کا حکم دینا) صدقہ ہے۔ اور بری باتوں سے روکنا صدقہ ہے، اور انسان ہمبستری کرتا ہے اس پر بھی صدقہ کا اجر ملتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم میں سے کوئی شخص اپنی خواہش پوری کرتا ہے کیا اس پر بھی اس کو اجر ملے گا؟

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: بتلاؤ اگر وہ شخص اس شہوت کو حرام جگہ سے پوری کرتا تو کیا اس پر گناہ ہوتا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں!

آپ نے ارشاد فرمایا: تو اسی طرح جب وہ شخص اس کو حلال وجائز طریقے سے پوری کرتا ہے تو اس پر اس کو اجر ملتا ہے۔

جو لوگ اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس میں جنسی جذبات کو مار دیا گیا ہے انہیں اسلام کے جنس سے متعلق ان احکامات وحقائق اور اس کے واضح اور کھلے ہوئے موقف کو سمجھ لینا چاہیے۔

۳۔ وہ امور جن کا مردوں کو جاننا ضروری ہے، ان میں سے یہ بھی ہے کہ عورت سے خواہش پوری کرنے پر صدقہ کا جو ثواب ملتا ہے اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ انسان ہر وقت اپنی شہوت رانی اور جنسی جذبات کو پورا کرنے میں ہی لگا رہے، اور بیوی اور اس کی محبت میں اتنا آگے بڑھ جائے جس کی وجہ سے وہ اپنے فرائضِ منصبی اور جہاد فی سبیل اللہ اور اسلام کی نصرت واعلاءِ کلمۃ اللہ جیسے اہم کاموں سے بھی غافل ہوجائے، اس لیے کہ اسلام نے ہمیں ایک ایسا متوازن طاقتور آدمی تیار کرکے دیا ہے جو دنیاوی زندگی میں ہر حق دار کو اس کا حق دے گا اور ایک حق پر دوسرے کو غالب نہ کرے گا نہ ایک فریضے کو دوسرے فریضے پر، بلکہ اگر کسی موقعہ پر اسلام، جہاد یا دعوت الی اللہ سے متعلق کسی امر کا اس کی دنیوی ضرورت یا بیوی بچوں یا مال کی حاجت سے تصادم وٹکراؤ ہو ایسے موقعہ پر مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ جہاد اور دعوت الی اللہ کو ہر دنیوی ضرورت وحاجت اور شخصی منفعت اور خاندانی اور وطنی تقاضوں پر مقدم رکھے۔ اس لیے کہ اسلامی معاشرے کو قائم رکھنا، اور مسلمان حکومت کی اساس وستونوں کو مضبوط کرنا، اور بھٹکی ہوئی انسانیت کی اسلام کی طرف رہنمائی ہی سب سے بڑی غایت ومنتہا ہے، بلکہ مسلمان کی نظر میں یہ تمام مقاصد واغراض

اور سب سے برتر و بالا ہے۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ جنگِ قادسیہ میں جب رستم کے سامنے کھڑے ہوئے تو ان کے موقف میں یہ چیز کھل کر سامنے آتی ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر خدا کی عبادت کی طرف لے آئیں۔ اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت اور دیگر مذاہب و ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف نکالیں۔

محترم مربی صاحبان! آپ کے سامنے ان واقعات کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں جن میں ہمارے سلفِ صالحین نے اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ کی مصلحت کو ہر ذاتی مصلحت، شخصی منفعت اور خاندانی اور قبیلے کے فائدے پر ترجیح دی، اور خصوصاً بیوی بچوں سے متعلق امر میں:

الف۔ حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ جیسے مؤمن صحابی جن کی شادی حضرت جمیلہ بنت ابی عامر سے جمعہ کی شب کو ہوئی صبح ہی کو منادی نے اعلان کیا کہ جہاد کے لیے نکل کھڑے ہو، حضرت حنظلہ نے جیسے ہی یہ آواز سنی اپنی تلوار گردن میں لٹکائی زرہ پہنی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگِ احد کے لیے میدان کارزار کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو یہ نہایت بہادری سے لڑے، پھر مسلمانوں نے دیکھا کہ حضرت حنظلہ لڑتے ہوئے مشرکوں کی صفوں میں ابوسفیان کو تلاش کر رہے ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے ان کو پالیا اور فوراً ہی ان پر حملہ آور ہوئے۔ ابوسفیان گر گئے، حضرت حنظلہ نے انہیں اپنی تلوار سے ذبح کرنا چاہا اتنے میں ابوسفیان نے قریش کو مدد کے لیے پکارا تو ان کی آواز چند نوجوانوں نے سن لی اور وہ حضرت حنظلہ پر ٹوٹ پڑے، اور ان پر ایسے شدید وار کیے کہ وہ شہید ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ غیب سے مطلع فرمایا، تو آپ نے اپنے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ میں نے فرشتوں کو آسمان و زمین کے درمیان حضرت حنظلہ کو چاندی کے برتن میں غسل دیتے ہوئے دیکھا ہے[1] صحابہ جلدی سے حضرت حنظلہ کے جسدِ اطہر کو دیکھنے دوڑ پڑے تو کیا دیکھا کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ چنانچہ ان کی بیوی سے اصل بات معلوم کی گئی تو انہوں نے بتلایا کہ انہوں نے جب جنگ کے لیے اعلان سنا تو اس وقت جنابت کی حالت میں تھے جلدی میں غسل نہ کر سکے تھے، اور جہاد کے لیے بلا غسل کیے ہی نکل کھڑے ہوئے، اللہ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ فرشتوں کے ذریعے انہیں غسل دلوایا۔

ب۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے حضرت عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جو نہایت حسین و جمیل، بااخلاق اور باادب تھیں ان کی وجہ سے حضرت عبداللہ جہاد و جنگ میں جانے میں سست پڑ گئے تو ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کو طلاق دینے کا حکم دیا اور دلیل یہ دی کہ ان کی وجہ سے عبداللہ جنگ و جہاد سے رک گئے ہیں اس لیے طلاق دے دیں، چنانچہ انہوں نے انہیں طلاق دے دی، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عبداللہ کے پاس گزرے تو انہوں نے سنا کہ عبداللہ یہ شعر پڑھ رہے ہیں:

---

[1] یہ حدیثِ حنظلہ امام ترمذی و امام احمد نے نقل کی ہے۔

فلم أر مثلي طلق اليوم مثلها ولا مثلها في غير ذنب تطلق

میں نے کسی اپنے جیسے شخص کو اس جیسی عورت کو طلاق دیتے نہیں دیکھا اور نہ اس جیسی عورت کو بلا کسی گناہ کے طلاق دی جاتی ہے

لها خلق جزل ورأي ومنصب على كبر مني وإني لوامق

وہ بڑے اعلیٰ اخلاق اور رائے ومنصب کی مالک ہے باوجود میرے بڑے ہونے کے اور میں اس سے محبت کرنیوالا ہوں

یہ اشعار سن کر ان کے والد کو رحم آگیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ان سے رجوع کرلو چنانچہ انہوں نے رجوع کرلیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ طائف میں شریک ہوئے، اور ایک تیر ان کو لگا چنانچہ اس کے بعد ان کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوگیا۔

ج۔ طبرانی و ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ دن کا سفر کرکے واپس لوٹے سخت گرمی کا دن تھا، گھر پہنچے تو دیکھا ان کی دونوں بیویاں ان کے باغ کے دو خیموں میں موجود ہیں اور ہر ایک نے چھپر پر پانی چھڑکا ہوا ہے اور پینے کے لیے پانی ٹھنڈا کرکے رکھا ہوا ہے۔ اور کھانا تیار ہے، چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور اپنی دونوں بیویوں اور ان کے تیار کردہ سازوسامان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دھوپ اور گرمی میں ہوں اور ابوخیثمہ ٹھنڈی چھاؤں، تیار کھانے اور خوبصورت بیویوں اور مال ودولت کے ساتھ مقیم ہو۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں ہوا؟!

پھر فرمانے لگے: بخدا میں تم میں سے کسی کے خیمے میں بھی اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر نہ مل آؤں چنانچہ ان کی دونوں بیویوں نے ان کے لیے زادِ راہ تیار کیا اور اونٹ کس کر سامنے کردیا گیا، اور وہ اس پر بیٹھ کر کوچ کر گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے حتیٰ کہ آپ کو وہاں جا ملے جہاں آپ غزوۂ تبوک کے لیے مقیم تھے۔

بلاشبہ امتِ اسلامیہ اور جوانانِ اسلام حب اللہ و اس کے رسول کی محبت، اور جہاد فی سبیل اللہ، اور دعوت الی اللہ کی محبت میں دنیا کی ہر سستی و مہنگی چیز قربان کردیتے ہیں۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو زمین میں حکومت دیتا ہے، اور ان کے خوف کو امن سے اور ان کے ضعف وکمزوری کو قوت سے بدل دیتا ہے، اور دنیا ان کی غلام زیرِ حکومت اور ساری انسانیت ان کے حکم کے تابع اور ان کے منع کرنے کی پابند ہوجاتی ہے... ایسا اگر نہ ہوگا اور لوگ ایسا نہ کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور گرفت کا انتظار کرنا چاہیے اللہ ان پر اپنا عذاب وسزا نازل کرے گا اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کبھی بھی ہدایت نہیں فرماتے جو اس کی اطاعت نہ کریں، اور اس کے بتلائے ہوئے راستے اور طریقے سے ہٹ جائیں۔

اور اللہ جل شانہ قرآنِ کریم میں بالکل بجا فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور

اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ)) التوبہ۔۲۴

عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے، اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو راستہ نہیں دیتا۔

ہمیں دعوت وتبلیغ اور جہاد میں عورت کے کردار سے بھی بے خبر نہیں رہنا چاہیے اس لیے کہ اگر ضرورت پڑے اور موقعہ درپیش آجائے تو اسلام نے عورت کو بھی جہاد میں جانے کا مکلف بنایا ہے۔

پچھلے دور میں مسلمان عورت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ تلوار لے کر کھڑی ہوئی، اور اس نے زخمیوں کا علاج کیا، اور بیماروں کی دیکھ بھال کی، اور مقتولین کو ٹھکانوں پر پہنچایا اور ساتھ ہی کھانا بھی پکایا۔

اس کے ادلہ ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں:

الف ۔ امام مسلم حضرت رُبیّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے اور بیماروں ومقتولین کو مدینہ منورہ پہنچایا کرتے تھے۔

اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات (جنگوں) میں شریک رہی ہوں، میں ان کے سامان کی حفاظت کرتی تھی، ان کے لیے کھانا پکاتی تھی، اور زخمیوں کا علاج کرتی تھی، اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھی۔

ب ۔ ابن ہشام اپنی کتاب "سیرت" میں روایت کرتے ہیں کہ ام سعد بنت سعد بن الربیع حضرت ام عمارہ کے پاس گئیں، تو میں نے ان سے کہا کہ خالہ جان ذرا مجھے اس کی تفصیل تو بتلائیے جو کچھ آپ نے غزوۂ احد میں کیا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں دن کے ابتدائی حصے میں نکلی اور میں یہ دیکھنے لگی کہ لوگ کیا کر رہے ہیں، میرے پاس پانی کا مشکیزہ تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی، آپ صحابہ کرام کے ساتھ مل کر لڑ رہے تھے، اس وقت تک جنگ مسلمانوں کے حق میں تھی لیکن پھر جب مسلمان شکست کھانے لگے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئی اور میں لڑنے لگی اور تلوار لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرنے لگی اور ساتھ ہی تیر بھی مارتی رہی حتیٰ کہ میں خود بھی زخمی ہوگئی۔

ج ۔ ابن ہشام روایت کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے جب ایک یہودی کو قلعے میں گھومتے ہوئے دیکھا، تو انہوں نے کمر کسی اور ایک لکڑی اٹھائی اور قلعہ میں داخل ہوگئیں، اور اس کو اتنا مارا کہ اسے ختم کر ڈالا۔

اس سلسلہ میں اگر ہم مثالیں پیش کرنا چاہیں تو بے شمار مثالیں موجود ہیں جو شمار نہیں کی جا سکتیں۔

رہا تبلیغ اور دعوتِ دین اور اچھی باتوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے منع کرنے کے سلسلہ میں عورت کی ذمہ داری و فریضہ تو یہ فریضہ عورت پر بھی مرد کی طرح عائد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ))۔ التوبہ۔ ۷۱

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں، سکھلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات سے، اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

یہ وہ اہم اسلامی نظریات ہیں جو بچے کے ذہن میں اس وقت سے ڈال دینا چاہیے جب وہ شعور و سمجھ کی عمر کو پہنچے، تاکہ جب شادی و منگنی کا زمانہ آئے اور شادی کی چوکھٹ پر قدم رکھے تو اسے معلوم ہو کہ عورت سے ملاپ ایک نہایت اہم اور عظیم مقصد کے حصول کے لیے وسیلہ ہے۔ اور وہ مقصد ہے حکومتِ اسلامیہ کا قیام اگر وہ یہ سمجھ لے گا تو شادی کے بعد متوازن زندگی گزارے گا، اور ہر صاحبِ حق کو بلا کسی تأمل کے اس کا حق ادا کرے گا، اور کسی فریضے یا واجب میں کوئی سستی یا کوتاہی نہیں کرے گا۔ یہ ہے حقیقی اسلام اور اس کا مفہوم و حقیقت۔

رہا یہ مسألہ کہ اللہ تعالیٰ نے شادی کو کیوں مشروع کیا ہے[1]:

اس سلسلہ میں ہم اس کتاب کی قسمِ اول میں "شادی ایک معاشرتی مصلحت ہے" کے عنوان کے تحت شادی کی مشروعیت کی حکمت بیان کر چکے ہیں۔ اور لیجیے اب ہم یاددہانی اور فائدہ کی غرض سے مختصراً ان اہم فوائد کو ذکر کیے دیتے ہیں جو شادی کرنے والے کو شادی سے حاصل ہوتے ہیں:

شادی کا ایک فائدہ نسب کی حفاظت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً))۔ النحل۔ ۷۲

اور اللہ نے پیدا کیں تمہارے لیے تمہاری ہی قسم سے عورتیں اور تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے دیے۔

شادی کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ معاشرہ اخلاقی بے راہ روی سے بچ جاتا اور محفوظ ہو جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص شادی کی قدرت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ شادی کرلے اس لیے کہ اس

---

[1] ہماری کتاب "شادی کی مشکلات" کا مطالعہ کیجیے ان شاء اللہ آپ کو یہ بحث وہاں نہایت مفصل ملے گی۔

سے نگاہ جھکی رہتی ہے اور شرمگاہ محفوظ رہتی ہے۔ (بخاری ومسلم وغیرہ)

ایک فائدہ یہ ہے کہ میاں بیوی مل کر خاندان کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلاۃ ارشاد فرماتے ہیں کہ مرد اپنے گھر کا رکھوالا وذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی رکھوالی ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

ایک فائدہ یہ ہے کہ معاشرہ بہت سی بیماریوں اور آفات سے محفوظ ہوجاتا ہے، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ۔ (موطأ مالک وابن ماجہ)

شادی کے فوائد میں سے روحانی ونفسیاتی سکون بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

((وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً))۔

الروم۔۲۱

اور اس کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت وہمدردی پیدا کردی۔

شادی کے فوائد میں سے اسلام کے لیے نیک صالح ذریت کو پیدا کرنا بھی ہے، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ نکاح کرو اور نسل پیدا کرو تم تعداد میں بڑھ جاؤگے، اس لیے کہ میں روزِ قیامت تمہارے ذریعہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا (عبدالرزاق وبیہقی)۔

اس لیے مربی صاحبان! بچہ جب شادی سے متعلق ان حقائق کو سمجھ لے گا تو وہ کلی طور پر شادی کی طرف رجوع اختیار کرے گا، اور جہاں تک اس سے ہوسکے گا اس کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا۔

محترم مربی صاحبان! میں آپ کے کان میں چپکے سے ایک نصیحت بھی کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ:

اے والدِ محترم! اگر آپ کے پاس گنجائش ہو اور مادی طور پر آپ قوت رکھتے ہوں تو آپ کو چاہیے کہ آپ شادی کے امور طے کرنے اور اسے آسان کرنے کے لیے اپنے بیٹے کا ہاتھ بٹائیں، تاکہ اسے ان نفسیاتی پریشانیوں اور جنسی خیالات سے چھٹکارا دلادیں جو اس کی عقل وسمجھ پر سوار ہوکر اس کی تعلیم اور مقصدِ اصلی کے درمیان رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس طرح سے آپ اسے اس اخلاقی بے راہ روی سے بھی نجات دلادیں گے جو اس کی صحت کو خراب اور شہرت کو داغدار کرنے والی ہے۔ اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہم اس کے لیے ایک طرف تو شادی کے اسباب نہ پیدا کردیں، اور دوسری طرف مادی اعتبار سے اس کے اخراجات کا بندوبست نہ کردیں، اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی یا سستی نوجوان لڑکے کو خطرناک انجام اور بدترین نتائج میں گرفتار کرادیتی ہے۔

ہم نے کتنے ہی ایسے والدین کے بارے میں سُنا ہے کہ جو کھاتے پیتے اور مالدار ہیں لیکن انہوں نے اپنی اولاد کی شادی

کے سلسلے میں ان کی مادی امداد میں بخل سے کام لیا اور بہانہ یہ بنایا کہ ان کی اولاد بالغ ہے اور ان کے اخراجات ونفقات کی اب ان پر ذمہ داری نہیں ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو مال و پیسہ وہ اس سلسلہ میں خرچ کریں گے اس کی مثال اس نجات دہندہ کشتی کی سی ہے جو خود ان کو ان نفسیاتی بے چینیوں، اخلاقی خرابیوں اور فکری اضطراب سے بچائے گی جو انہیں مال کے خرچ کرنے میں بخل کرنے اور ان کی مدد کرنے سے ہاتھ کھینچنے اور ان کی شادی کے اسباب مہیا نہ کرنے کی وجہ سے درپیش آسکتے ہیں.

مالدار باپ اپنے بچے پر خرچ کے سلسلہ میں بخل سے کیوں کام لیتا ہے؟! اس کے لیے شادی کے مواقع کیوں فراہم نہیں کرتا؟ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ خود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہے گا؟

جو مال اس کے پاس ہے کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے آخرت میں اپنے ساتھ لے جائے گا؟

لازمی بات ہے کہ اسے بھی مرنا ہے اور اسے ایک ایسے چھوٹے سے گڑھے میں دفن کردیا جائے گا جس میں نہ ساز و سامان ہوگا، نہ بچھونا و اوڑھنا، اور نہ زیب وزینت کا سامان، اور یقینی طور پر اس کا تمام مال ورثہ ہی کو ملے گا.

اس لیے مالدار باپ کو پیسہ خرچ کرنے میں سخاوت کرنا چاہیئے، اور جس مال میں اللہ نے اسے اپنا خلیفہ بنایا ہے اسے خرچ کرے، اور پہلے ان پر خرچ کرے جو اس کی کفالت میں ہیں: اور اپنے لڑکے کی شادی کے اسباب مہیا کرنے میں بھرپور کوشش کرے، اور اس حدیث کو خوب غور سے سُنے جسے امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((دینار أنفقته فی سبیل اللہ، ودینار أنفقته علی رقبة، ودینار تصدقت به علی مسکین، ودینار أنفقته علی أھلك، أعظمها أجرًا الذی أنفقته علی أھلك)).

ایک دینار وہ ہے جو تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو، اور ایک وہ ہے جو غلام کو آزاد کرنے کے لیے خرچ کرو، اور ایک وہ ہے جو کسی غریب پر صدقہ کرو، اور ایک دینار وہ ہے جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، ان سب میں زیادہ اجر وثواب والا وہ دینار ہے جسے تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔

⁂ ⁂ ⁂

اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کے اجر وثواب کو کبھی ضائع نہیں فرماتے ہیں[1].

محترم تربیت کرنے والے حضرات اگر آپ چاہیں کہ آپ کو یہ معلوم ہوجائے کہ اسلام نے بیوی کے انتخاب میں کس طریق کو اپنایا ہے تو اس کے لیے آپ اس کتاب کی قسم اول میں "شادی انتخاب واختیار کا نام ہے" عنوان والی بحث مطالعہ کرلیجیے، ان شاء اللہ آپ کو وہاں کافی بحث مل جائے گی، اور پھر آپ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں پائیں گے کہ آپ اپنے لڑکے کے لیے ایسی نیک بیوی منتخب وتلاش کریں جس کی طرف وہ دیکھ کر خوش ہوجائے، اور جب وہ اسے کسی بات کا

[1] ملاحظہ ہو مولف کی کتاب [illegible] کی مشکلات" (ص ۴۰-۶۴) میں ہر باپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ کتاب "شادی کی مشکلات اور اسلام کی [illegible] شادی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں اسلام نے ان کے حل کرنے کا جو عملی طریقہ بتلایا ہے وہ آپ کو معلوم ہوسکے۔

حکم دے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے، اور جب وہ اس سے دور ہو تو وہ اس کی عزت و آبرو اور مال و دولت کی حفاظت کرے، اور جب اللہ تعالیٰ اس کو اس عورت سے بچہ دے تو وہ اللہ سے یہ دعا مانگے:

((رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا)). الفرقان-۷۴	اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنا دے۔

اور اس کی بیوی اس بچے کی تربیت و رہنمائی کرنے میں اس مرد کی مددگار و معاون ہو تاکہ وہ بچہ زندگی میں فعال و کامیاب عضو بن سکے۔

اس سب تفصیل و بیان کے بعد اب ہم ان مراحل کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، جو شادی کرنے والے شخص کو پہلی رات درپیش آتے ہیں، تاکہ انسان کو معلوم ہو کہ ان مواقع میں اس کو کیا موقف اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ مراحل اس وقت سے شروع ہوتے ہیں جب لڑکا اپنی دلہن کے ساتھ خلوت میں جاتا ہے، اور پھر اس وقت سے جنسی فعل کے اختتام تک تاکہ جو شخص جاننا چاہے تو اسے معلوم ہو جائے کہ اسلام نے اپنی کامل و مکمل قانون سازی سے ہمیں ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ شادی کی پہلی رات کے آداب بھی اور زن و شوہر کی زندگی کے اصول بھی۔

وہ مراحل یہ ہیں کہ درج ذیل اقدامات اختیار کیے جائیں:

۱۔ دولہا کو اپنا ہاتھ دلہن کے سر پر رکھ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا نام لینا چاہیئے۔ اور دلہن کے لیے برکت کی دعا کرنا چاہیئے، اس لیے کہ بخاری و ابو داؤد وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے تو اسے چاہیئے کہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اللہ جل شانہ کا نام لے اور برکت کی دعا کرے اور یہ کہے:

((اللّٰهم إني أسألك من خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذ بك من شرها وشر ما جبلتها عليه)).	اے اللہ میں آپ سے اس عورت کی خیر اور جس طبیعت و عادت پر وہ پیدا کی گئی ہے اس کی خیر مانگتا ہوں، اور آپ سے اس کے شر اور جس شر پر وہ پیدا کی گئی اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

٭ ٭ ٭

۲۔ دولہا اور دلہن کو چاہیے کہ وہ دونوں دو دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ سے دعا مانگیں، اس لیے کہ ابن ابی شیبہ سند جید کے ساتھ حضرت شقیق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص جن کو ابو حریز کہا جاتا ہے وہ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک کنواری لڑکی سے شادی کی ہے، اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھ سے نفرت نہ کرنے لگ جائے، تو ان سے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الفت ومحبت پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور بغض ونفرت شیطان دلوں میں ڈالتا ہے، شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہیں وہ چیز ناپسند کرا دے جو تمہارے لیے حلال ہے، جب وہ لڑکی تمہارے پاس آئے تو تم اسے یہ حکم دینا کہ وہ تمہارے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے اور تم یہ دعا مانگنا: اے اللہ میرے لیے میری بیوی میں برکت دے دے اور اس کے لیے مجھ میں، اے اللہ ہمیں جب تک اکٹھا رکھیں خیریت کے ساتھ رکھیے گا اور جب ہمارے درمیان تفریق جدائی پیدا فرمائیں تو خیر وبھلائی کی طرف تفریق کرائیے گا۔

۳۔ دولہا کو چاہیے کہ دلہن سے نرمی سے بات کرے اور اسے کھانے یا پینے کی کوئی چیز پیش کرے، اس لیے کہ امام احمد اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت یزید بن السکن فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو منہ دکھانے کے لیے آراستہ و پیراستہ کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس تشریف لائے تو دودھ کا ایک بڑا پیالہ ساتھ لائے، خود تناول فرمایا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، تو انہوں نے اپنا سر جھکالیا اور شرماگئیں۔

اور ترمذی ونسائی سندِ جید کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا وألطفهم بأهله)). مؤمنوں میں کامل ترین ایمان والا شخص وہ ہے جو ان میں سب سے بہتر اخلاق والا ہو، اور اپنے گھر والوں کے ساتھ نرم ہو۔

اور ترمذی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي)). تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو۔ اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب میں زیادہ بہتر سلوک والا ہوں۔

☆ ☆ ☆

بلا شبہ دلہن کے ساتھ ملاطفت ونرمی اس کو مانوس کرنے اور اس سے وحشت کو دور کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے اور ساتھ ہی باہمی مودت ومحبت کے بندھن مضبوط کرنے کا بھی، اس لیے کہ جیسا کہ مشہور ہے ہر آنے والے کے ساتھ ایک قسم کی دہشت بھی ساتھ آتی ہے اور ہر اجنبی پر وحشت طاری ہوتی ہے۔

۴۔ مباشرت وہم بستری کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دولہا ودلہن دونوں اپنے کپڑے اتار دیں اس لیے کہ کپڑے اتارنے سے ایک تو بدن کو راحت ملتی ہے اور کروٹ وغیرہ لینے میں بھی آسانی ہوتی ہے، اور اس سے لذت وسرور بھی بڑھ جاتا ہے، اور بیوی سے اُنس وپیار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

البتہ افضل یہ ہے کہ چادر یا لحاف کے نیچے ہو کر تمام جسم ننگا کریں۔ اس لیے کہ امام احمد وترمذی وابوداؤد نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((إن الله تعالیٰ حیی ستیر یحب الحیاء والستر)). — اللہ تعالیٰ باحیاء پردہ والے ہیں اور حیاء و پردہ کو پسند فرماتے ہیں۔

اور امام ترمذی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم برہنہ ہونے سے بچو اس لیے کہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہیں جو تم سے سوائے قضاء حاجت کے وقت اور اس وقت کہ جب انسان اپنی بیوی سے ہمبستری کرتا ہے اور کسی وقت جدا نہیں ہوتے لہٰذا ان سے حیا کرو اور ان کا اکرام کرو۔

اور اس سے قبل ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حالت میں تشریف لے گئے کہ نہ آپ نے میرا (ستر) دیکھا اور نہ میں نے آپ کا (ستر) دیکھا۔

ستر کی فضیلت کی تاکید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ترمذی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستری کرے تو دونوں کو اس طرح برہنہ نہیں ہونا چاہیے جس طرح گدھے عریاں ہوتے ہیں۔

۵ - ہم بستری کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ابتداء میں چھیڑ چھاڑ اور بوس و کنار وغیرہ بھی ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ ابو منصور دیلمی مسند فردوس میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی پر اس طرح نہ چڑھ جایا کرے جس طرح جانور چڑھ جاتا ہے، دونوں کے درمیان پہلے کوئی قاصد ہونا چاہیئے، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول: قاصد کون ہے۔ تو آپ ارشاد فرمایا: بات چیت کرنا اور بوسہ، اور ابو منصور ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں عجز و کمزوری میں داخل ہیں، اور ان میں سے یہ بھی شمار فرمایا کہ انسان اپنی بیوی یا باندی سے ہم بستری کرے اور اس کے ساتھ جنسی فعل ایک دم شروع کر دے اور اس سے قبل اس سے دل لگی اور بوس و کنار نہ کرے، اور اس طرح یہ کہ وہ اس سے اپنی حاجت اس سے قبل پوری کرے کہ وہ عورت اپنی خواہش اس سے پوری کر سکے۔[1]

اس حدیث سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ شوہر کو چاہیئے کہ وہ جنسی فعل کے دوران اس بات کو ملحوظ خاطر رکھے کہ اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ لذت اندوزی اور انزال میں برابر کی شریک رہے۔

امام غزالی اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ جب شوہر اپنی خواہش پوری کر چکے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کو بھی اس بات کا موقعہ دے کہ وہ بھی اس سے اپنی خواہش پوری کر سکے، اس لیے کہ بسا اوقات عورت کو دیر سے انزال ہوتا ہے، اور وہ پوری جوش میں ہوتی ہے اس لیے ایسے موقعہ پر اس سے ہٹ جانا اس کی ایذاء کا ذریعہ بنتا ہے اور انزال میں

---

[1] یہ دونوں حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے بالکل درست ہیں اس لیے کہ بیوی کے ساتھ دل لگی اور بوس کنار کرنے میں اس کو مانوس کرنا، اور جنسی خواہش کو ابھارنا، اور نفسیاتی طور پر ہم بستری کے لیے آمادہ کرنا، اور ہمبستری میں لذت و کیف پیدا کرنا ہے۔

میاں بیوی کا مختلف ہونا نفرت پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے چاہے شوہر کو کتنی جلدی ہی انزال ہو جایا کرتا ہو۔ اور مرد و زن کا انزال میں ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہونا عورت کے لیے نہایت لذت بخش ہوتا ہے[۱]

۶۔ اور جماع کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ شوہر مندرجہ ذیل دعا مانگے، اس لیے کہ امام بخاری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس جائے تو اگر یہ دعا پڑھ لیا کرے:

((بسم اللہ، اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا))۔	بسم اللہ، اے اللہ ہم کو شیطان سے بچا لے اور شیطان کو اس (اولاد) سے دور فرما دے جو آپ ہمیں عطا فرمائیں۔

تو اگر اللہ نے ان کے لیے اولاد لکھی ہوگی تو اس کو شیطان کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

۷۔ بیوی سے جس کیفیت سے چاہے ہمبستری کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ کام فرج (اگلے راستے) کے ذریعہ سے ہو۔ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ))۔ البقرہ۔ ۲۲۳	تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو۔

مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں سے ہمبستری اسی راہ سے جہاں سے ولادت ہوتی ہے۔ جس کیفیت سے چاہے کر سکتا ہے خواہ سامنے کی طرف سے ہو یا پیچھے کی طرف سے یا پہلو کے بل لیٹ کر۔

امام بخاری حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: یہود یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے فرج (اگلے راستے) میں پیچھے کی طرف سے ہم بستری کرے تو لڑکا بھینگا پیدا ہوتا ہے اس پر آیت:

((نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ))۔ البقرہ۔ ۲۲۳	تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو۔

نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چاہے پیچھے کی طرف سے کر و یا آگے کی طرف سے بشرطیکہ ہمبستری اگلے حصے فرج ہی میں ہو۔

جماع کی سب سے بہترین شکل اور طریقہ یہ ہے کہ مرد عورت کے اوپر آجائے، عورت چت لیٹی ہوئی ہو اور اس نے اپنی ٹانگیں کھڑی کی ہوئی ہوں، پھر مرد عورت کو اس کے ہاتھوں اور ٹانگوں کے درمیان جو جگہ رہے اس سے اپنی گرفت میں لے لے، حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے سے اپنی لذت و خواہش پوری کر لیں۔

جماع کا یہ طریقہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے ماخوذ ہے جو انہوں نے ہمبستری کی معروف شکل

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب احیاء علوم الدین (۲۔ ۵۰) ہمبستری کے آداب کا باب۔

بیان فرمائی تھی، اور یہ اس حدیث میں مذکور ہے جسے امام مسلم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ انصار و مہاجرین کی ایک جماعت میں باہمی اختلاف ہوا، تو انصار نے کہا کہ غسل اس وقت تک واجب نہیں ہوگا جب تک کہ منی یعنی کودتا ہوا شہوت والا پانی نہ نکلے، اور مہاجرین نے کہا کہ نہیں بلکہ جب مرد و زن باہم اختلاط کرلیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ میں تمہاری تسلی کرائے دیتا ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے اجازت چاہی تو انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔ میں نے ان سے عرض کیا: اماں جان! میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن مجھے آپ سے وہ دریافت کرتے ہوئے شرم آرہی ہے۔ انہوں نے فرمایا: تم مجھ سے جو کچھ دریافت کرنا چاہتے ہو کرلو، جیسے تم اپنی حقیقی ماں سے بلا جھجک پوچھ لیتے ہو مجھ سے بھی پوچھ لو میں بھی تو تمہاری ماں کی طرح ہوں.

میں نے عرض کیا کہ غسل کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: تم نے صحیح خبر رکھنے والے سے پوچھا ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب مرد عورت کے چاروں گوشوں (یعنی ہاتھوں اور پاؤں) کے درمیان بیٹھ جائے اور ختنے کی جگہ سے ختنے کی جگہ مل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

۸۔ اور اگر ایک مرتبہ ہم بستری کے بعد دوبارہ پھر ہمبستری کی خواہش ہو تو مستحب یہ ہے کہ پہلے وضوء کرے، اس لیے کہ دونوں ہم بستریوں کے درمیان وضوء کرنے سے نشاط میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس لیے کہ امام مسلم و ابوداؤد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے صحبت کرے، اور دوبارہ پھر وہی کام کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وضو کرلے اس لیے کہ وضوء کرنے سے دوبارہ صحبت کرنے میں زیادہ نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔

اور اگر دونوں جماعوں کے درمیان غسل کرلیا جائے تو یہ اور زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ ابوداؤد و نسائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے گئے، اور ہر ایک کے یہاں غسل فرمایا، حدیث کے راوی حضرت ابورافع نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے ایک مرتبہ ہی غسل کیوں نہیں کرلیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ زیادہ بہتر اچھا اور صفائی ستھرائی والا ہے۔

۹۔ میاں بیوی دونوں کے حق میں افضل یہ ہے کہ غسل کرنے میں جلدی کریں اور اگر سستی کی وجہ سے غسل نہ کرسکیں تو پھر مستحب یہ ہے کہ سونے سے قبل وضوء کرکے سوئیں اس لیے کہ امام مسلم حضرت عبداللہ بن قیس رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ جنابت کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے؟ کیا سونے سے قبل غسل کرلیا کرتے تھے یا غسل سے قبل ہی سو جایا کرتے تھے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں طرح کیا کرتے تھے، بسا اوقات غسل کرکے

سویا کرتے تھے، اور لبسا اوقات وضوء کر کے سوجایا کرتے تھے ، میں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس معاملہ میں ہمارے لیے آسانی پیدا فرمادی۔

غسل زیادہ بہتر اس لیے ہے کہ جب ان کی صبح آنکھ کھلے گی تو سستی اور کسی مشقت کے بغیر نماز فجر جلدی ادا کرنا آسان ہوجائے گی خصوصاً سردی کے موسم میں اور جب نزلہ زکام اور سردی بھی ہو۔

۱۰ - میاں بیوی ایک غسل خانے میں ایک ساتھ بھی غسل کر سکتے ہیں، اس لیے کہ امام بخاری و مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے جو آپ کے اور میرے درمیان رکھا ہوتا تھا، ہم دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ سے اس برتن میں ٹکرایا کرتے تھے ، آپ مجھ سے سبقت لے جایا کرتے تھے حتیٰ کہ میں یہ کہا کرتی تھی کہ میرے لیے بھی چھوڑ دیجیے، میرے لیے بھی چھوڑ دیجیے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم دونوں حالتِ جنابت میں ہوا کرتے تھے۔

میاں بیوی دونوں عریاں ہو کر ایک ساتھ بھی غسل کر سکتے ہیں، لیکن ستر کو ڈھانکنا افضل ہے اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔ یہ حدیث امام نسائی کے علاوہ اور اربابِ سنن نے نقل کی ہے۔

میاں بیوی کے لیے مندرجہ ذیل ممنوع باتوں سے احتراز کرنا ضروری ہے:

۱۔ میاں بیوی کے لیے یہ قطعاً حرام ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے آپس کی ہم بستری کی کیفیات زبان یا اشارے کنائے میں بیان کریں یا اس وقت پیش آنے والی کوئی حرکت یا بات نقل کریں، اس لیے کہ مسلم و ابوداؤد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے یہاں درجہ کے اعتبار سے سب سے بدتر آدمی وہ شخص ہوگا کہ جو اپنی بیوی سے ہم بستری کرے اور اس کی بیوی اس سے صحبت کرے پھر وہ شخص اس کے راز دوسروں کے سامنے بیان کرتا پھرے۔

اور امام احمد و ابوداؤد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر جب سلام پھیر چکے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اپنی جگہ بیٹھے رہو، بتلاؤ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور دروازہ بند کر کے پردہ گرا کر ہم بستری کرتا ہے پھر باہر آکر لوگوں کو یہ بتلاتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی سے ایسا ایسا کیا؟ میں نے اپنی بیوی سے یہ یہ کیا؟ سب حاضرین خاموش رہے، پھر آپ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم میں کوئی ایسی عورت ہے جو اس قسم کی باتیں کرتی ہو؟ تو ایک لڑکی اپنے ایک گھٹنے کے بل کھڑی ہو کر اوپر کو ہوگئی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ لیں اور اس کی بات سن لیں اور اس نے کہا:

بخدا مرد بھی ایسا کرتے ہیں اور عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں، تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کہ کیا تم جانتے ہو ایسا کرنے والے کی مثال کیا ہے؟ ایسا کرنے والے کی مثال اس شیطان مرد و شیطان عورت کی طرح ہے کہ جو ایک دوسرے سے سرِ راہ ملا ہو اور اس نے لوگوں کے سامنے اس سے اپنی خواہش پوری کر لی ہو۔

۲۔ مرد کے لیے عورت کے پچھلے راستے میں صحبت کرنا حرام ہے، اس لیے کہ نسائی و ابنِ حبان سندِ جید کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے جو اپنی بیوی کے ساتھ پچھلے راستے میں صحبت کرے۔

اور ابن عدی و ابو داؤد و احمد نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عورتوں سے پچھلے راستے میں صحبت کرتا ہے وہ ملعون ہے۔

اور اصحابِ سنن: ابو داؤد و ترمذی و ابنِ ماجہ سندِ صحیح کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حائضہ عورت سے ہم بستری کرے یا عورت سے پچھلے راستے میں صحبت کرے یا کاہن و نجومی کے پاس جائے اور اس کی بات کو سچ سمجھے تو اس نے اس کی تکفیر کی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

اور نسائی حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بیوی سے پچھلے راستے میں صحبت کرے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ شخص مجھ سے کفر کے بارے میں سوال کر رہا ہے۔ یہ صحیح سند سے منقول ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پچھلے راستے سے صحبت کرنا جسم وصحت کے لیے مضر اور اخلاق و شرافت کے خلاف ہے اور شذوذ و انحراف کی علامات میں سے ایک بڑی علامت ہے۔ اس گندی حرکت کے بارے میں ہم پوری تفصیل جسمانی تربیت کی ذمہ داری کی بحث میں پیش کر چکے ہیں، اس کا مطالعہ کیجیے ان شاء اللہ نہایت مفصل و تسلی بخش بحث پائیں گے۔

۳۔ حیض و نفاس کی حالت میں عورت سے ہم بستری کرنا حرام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ)). البقرہ ۲۲۲ — سو تم حیض کے وقت عورتوں سے الگ رہو۔

اور اس سے قبل ہم وہ حدیث بھی ذکر کر چکے ہیں کہ جو شخص حائضہ عورت سے ہم بستری کرے تو اس نے اس کی تکفیر کی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

حالت نفاس میں عورت سے ہمبستری کرنے کی حرمت قیاس سے ثابت ہے یعنی نفاس کو حیض پر قیاس کیا گیا ہے اس لیے کہ دونوں کا سبب اور علت ایک ہی ہے اور یہ حرمت اجماعِ امت سے بھی ثابت ہے۔

گذشتہ بحث میں ہم یہ تذکرہ کر چکے ہیں کہ شوہر حیض و نفاس کی حالت میں اپنی بیوی کے ناف اور گھٹنوں کے

درمیان کے حصہ سے لباس کے اوپر سے فائدہ اٹھاسکتا ہے، البتہ لباس کے نیچے اس جسم کے حصہ سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے، اور اس جگہ سے فائدہ اٹھانے کی حرمت کی حکمت یہ ہے کہ نفسِ امارہ کو اس سے بچایا جاسکے کہ وہ شرعاً حرام اور مضرِ صحت حرکت میں گرفتار ہوجائے اور بات یہ ہے کہ جیسے جو شخص چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چراتا ہے اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ جانور چراگاہ میں نہ گھس جائیں اسی طرح بغیر کپڑے کے اس جگہ سے فائدہ اٹھانے میں یہ ڈر ہے کہ انسان بے قابو ہوکر جماع نہ کر بیٹھے، اور مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے دین وصحت کے معاملے میں محتاط رہے اور اپنے معاملات و تصرفات و کردار میں اس پہلو کو اختیار کرے جو زیادہ احتیاط، تقویٰ اور ورع کا ہو۔

طبی رو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حیض و نفاس کی حالت میں ہمبستری کرنا مندرجہ ذیل امراض پیدا کردیتا ہے:

۱۔ عورت کے اعضاءِ تناسل میں درد اور بسا اوقات رحم و بچہ دانی وغیرہ اندرونی اعضاء میں التہاب پیدا ہوجاتا ہے، جس سے عورت کی صحت کو شدید نقصان پہنچتا ہے، اور بسا اوقات اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ بچہ دانی ضائع ہوجاتی ہے، اور عورت بانجھ ہوجاتی ہے۔

۲۔ مرد کے عضوِ تناسل میں حیض کے خون وغیرہ کسی فاسد مادے کا داخل ہوجانا کبھی سیلان کی طرح پیپ وغیرہ مواد جاری کردیتا ہے اور سوزش پیدا کردیتا ہے اور کبھی ان کا دائرۂ اثر خصیتین تک پہنچ جاتا ہے اور انہیں بھی نقصان پہنچتا ہے جس کی وجہ سے مرد نامرد ہوجاتا ہے، اور اگر عورت کے خون میں آتشک کے جراثیم موجود ہوں تو مرد کو بھی آتشک ہوجاتا ہے۔

بہر حال حائضہ عورت سے ایامِ حیض میں صحبت کرنے سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرد اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتا، اور کبھی عورت بانجھ ہوجاتی ہے، اور اس سے اعضاءِ تناسل میں سوزش والتہاب پیدا ہوجاتا ہے، اور صحت خراب ہوجاتی ہے جو بہت ہی بڑا نقصان ہے، اسی لیے تمام عالم کے اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ عورت سے ان ایام میں قطعاً دور رہنا چاہیے، اور یہی حکم اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں نازل فرمایا ہے:

((وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ))[1] البقرہ-۲۲۲	اور آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ وہ گندگی ہے۔ سو تم حیض کے وقت عورتوں سے الگ رہو۔

جو شخص اپنی بیوی سے حالتِ حیض یا نفاس میں ہمبستری کر بیٹھے تو اسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے، اور سچی توبہ کرے، اور اپنے کیے پر نادم ہو، اور خوب توبہ واستغفار کرے، جمہورِ فقہاء کا اس بارے میں یہی مذہب ہے، البتہ

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر مراغی آیت ((ويسألونك عن المحيض قل هو أذى ...)) شیخ مراغی نے مندرجہ بالا نقصانات ومضر اثرات جدید دور کے بڑے بڑے اطباء سے نقل کیے ہیں۔

حضرت ابن عباس وقتادہ واوزاعی واسحاق وامام احمد کی ایک دوسری روایت اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ ایسا شخص ایک دینار کے برابر یا آدھے دینار[1] کی مقدار صدقہ کرے، اور اس پورے یا آدھے درہم کے صدقہ کرنے میں اس شخص کی مالی حالت، مالداری وغربت کا خیال رکھا گیا ہے، یا خونِ حیض کے سرخ یا زرد ہونے پر مدار ہے، جیساکہ اس حدیث میں مروی ہے جو اصحابِ سنن وطبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے گا، اور ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر خون لال رنگ کا آرہا ہو تو ایک دینار صدقہ کرے گا، اور اگر خون زرد رنگ کا ہو تو آدھا دینار صدقہ دے گا۔

اطبا، اہلِ علم و اس فن کے ماہرین یہ نصیحت کرتے ہیں کہ:

۱۔ جنسی خواہش پوری کرنے اور ہمبستری کرنے میں اعتدال سے کام لینا چاہیئے، اور درمیانہ روی یہ ہے کہ ہر ہفتے میں یہ کام دو مرتبہ کیا جائے، ہاں خصوصی حالات یا طبعی آتار چڑھاؤ کے اعتبار سے انسان اس میں کمی یا زیادتی بھی کر سکتا ہے، لیکن اس میں زیادتی ہرگز نہیں کرنا چاہیئے اس لیے کہ اس سے جسم کو نقصان پہنچتا ہے، عقل کمزور ہو جاتی ہے، اور انسان بے ہمت ہو کر کام کاج کے قابل نہیں رہتا، اور اسلام نے انسان پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں انہیں پورا نہیں کر پاتا۔

۲۔ پہلے چھیڑ چھاڑ و دل لگی کرنا چاہیے پھر جنسی فعل شروع کرنا چاہیے جیساکہ اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے۔

۳۔ مرد کو ہمبستری کے لیے مناسب وقت منتخب کر لینا چاہیئے، اس لیے کہ عورت حساس مزاج ہوتی ہے، لہٰذا اگر مرد اس سے ایسے وقت میں صحبت کرے گا جو اس کی مرضی کے خلاف ہو یا اس وقت وہ بیمار یا تھکی ہوئی ہو تو یہ عورت کے ساتھ زبردستی ہوگی جس سے عداوت وبغض پیدا ہوگا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جدائی تک نوبت پہنچ جائے۔

۴۔ مرد کو عورت سے جدا ہونے سے قبل یہ بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ عورت بھی پوری طرح سیر ہو گئی ہے اور اس کی لذت بھی پوری ہو گئی ہے یا نہیں، جیساکہ یہ مسالہ بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

۵۔ ہمبستری بارہ مہینوں تمام اوقات وایام میں جائز ہے اور دن ورات میں ہر وقت کی جا سکتی ہے سوائے اس کے کہ مرد وعورت روزے دار ہوں یا عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو۔

لیکن سنت یہ ہے کہ ہمبستری جمعہ کی شب یا جمعہ کے دن کرنا چاہیئے اس لیے کہ امام بخاری رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل جنابت کرے اور پھر نماز کو جائے تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے اونٹ صدقہ کیا، اور جو دوسری گھڑی میں جائے تو اس کو گائے کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اور جو تیسری گھڑی میں جمعہ

---

[1] ایک دینار چاندی کے بارہ درہم کے برابر ہوتا ہے، اور ایک درہم تین گرام کے مساوی ہے۔ اور چاندی کا ایک گرام شامی سکے کے مطابق تقریباً ایک سو دس شامی قرش کے برابر ہے۔

کے لیے جائے اسے سینگ دار مینڈھے کے برابر صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اور جو چوتھی گھڑی میں جائے اسے مرغی کے برابر ثواب ملتا ہے، اور جو پانچویں گھڑی میں جائے اسے انڈے کے برابر ثواب ملتا ہے، پھر جب امام (خطبے کے لیے) نکل آئے تو فرشتے خطبہ و ذکر سننے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔

اور ابو داؤد و نسائی کی حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل پر مجبور کرے (یعنی بیوی سے ہمبستری کر کے اسے غسل پر مجبور کرے) اور خود بھی غسل کرے اور جلدی کرے اور نماز کے لیے اوّل وقت میں جائے اور سوار نہ ہو پیدل چل کر جائے اور امام کے قریب بیٹھے، اور غور سے سنے، اور لغو بات نہ کرے تو اسے ہر قدم اٹھانے پر ایک سال کے روزے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

۶۔ عورت کو چاہیے کہ مرد کے مزاج کا خیال رکھے اور مرد کے مزاج کو پہچانے اور جس وقت وہ جوزیب وزینت یا پیار کی باتیں یا ہمبستری چاہتا ہو، تو اس میں اس کی خواہش کا احترام کرے، اور ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے اس کی دل شکنی ہو۔ لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر نفل روزہ بھی نہیں رکھنا چاہیئے، چنانچہ امام بخاری و مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ اس کے پاس نہ جائے اور شوہر اس وجہ سے اس سے ناراض ہو کر رات گزارے تو صبح تک اس عورت پر فرشتے لعنت بھیجتے رہتے ہیں، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس وقت تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

اور امام بخاری نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت کے لیے ایسی حالت میں (نفل) روزہ رکھنا جائز نہیں جبکہ اس کا شوہر حاضر ہو اور اس کے پاس موجود ہو، ہاں اس کی اجازت سے روزہ رکھ سکتی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے جنس سے متعلق یہ اہم پہلو ہیں، اور شریعتِ ربانیہ کے اعتبار سے جنسی ملاپ کے یہ امتیازی آداب ہیں اس لیے اے مربی صاحبان! آپ کو چاہیے کہ آپ یہ آداب و احکام اپنے بچوں کو اس عمر میں سکھائیں جس عمر میں وہ شادی کے لائق ہو جائیں، تاکہ جب وہ اس کی چوکھٹ پر قدم رکھیں اور اس کے ذریعہ سے اپنے آپ کو پاکباز بنالیں تو انہیں یہ معلوم ہو کہ ملاپ کس طرح ہوتا ہے؟ اور شادی کس طرح کی جاتی ہے؟

اللہ جل شانہ سے میری یہ دعا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو ایسی نیک صالح بیویاں میسر آئیں کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی پر نظر ڈالے تو وہ اس کو خوش کر دے، اور جب وہ اسے کسی بات کا حکم کرے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے، اور جب وہ اس کے پاس موجود نہ ہو تو وہ اپنی عزت و آبرو اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔

۶- جو لوگ شادی کی قدرت نہیں رکھتے انہیں پاکباز و پاکدامن رہنا چاہئیے[۱]:

کوئی بھی دو فرد اس بات میں اختلاف نہیں کریں گے کہ مال دنیاوی خوش بختی و کامیابی کی بنیاد و زندگی کی اصل ہے۔ اگر مال موجود ہو تو اس سے ہر عقدہ حل ہو جاتا ہے اور ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور کسی نے سچ کہا ہے:

إن الدراهم فی المواطن کلها	تکسو الرجال مهابة وجمالا
دراہم (روپیہ پیسہ) ہر جگہ	لوگوں کو رعب و دبدبہ اور حسن و جمال بخشتے ہیں
فهی اللسان لمن أراد فصاحة	وهی السلاح لمن أراد قتالا
جو شخص فصاحت کا اظہار کرنا چاہے اس کیلیے زبان بھی یہی پیسہ ہے	اور جو لڑنا چاہے اس کے لیے ہتھیار بھی یہی ہے

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جہاں مال ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہو ایسے معاشرے میں ایک صاحب علم و اخلاق موجود ہوتا ہے لیکن نہ کوئی اس کی پرواہ کرتا ہے، نہ کوئی اس کو اہمیت دیتا ہے، اس لیے کہ وہ خستہ حال اور تنگ دست ہے، علم و فضل میں وہ خواہ امام الحرمین اور عالم ثقلین ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ خوش رکھے مندرجہ ذیل شعر کہنے والے کو:

فصاحة حسان وخط ابن مقلة	وحکمة لقمان وزهد ابن أدهم
حضرت حسان کی فصاحت اور ابن مقلہ کی تحریر	اور حضرت لقمان کی حکمت و ابن ادھم کا زہد و تقوی
إذا اجتمعت فی المرء والمرء مفلس	ونودی علیه لا یباع بدرهم
یہ سب چیزیں بھی اگر کسی شخص میں جمع ہو جائیں لیکن وہ ہو قلاش و مفلس	اور اس کی فروختگی کا اعلان کر دیا جائے تو ایک درہم کا بھی نہ بکے

وہ شعراء جنہوں نے جاہل معاشرے میں مال و دولت کو ترجیح دینے، اور اسی کو سب کچھ سمجھنے کا نقشہ کھینچا ہے انہوں نے بالکل بجا اور درست فرمایا ہے کہ:

تموت الأسد جوعاً فی البرایا	ولحم الطیر ملقی للکلاب
جنگلوں میں شیر بھوک کی وجہ سے مرتے ہیں	اور پرندوں کا گوشت کتوں کے لئے پڑا رہتا ہے

---

[۱] یہ بحث کچھ تصرف و اختصار کے ساتھ ہماری کتاب "شادی کی مشکلات" کے دوسرے اڈیشن کے ص۱۵۳ سے فصل کے آخر تک سے منقول ہے ہم نے اس کو یہاں نقل کرنا اس لیے مناسب سمجھا کہ اس کا جنسی تربیت سے ارتباط ہے۔ اور اس موضوع پر ہم اس وقت بحث بھی کر رہے ہیں، اس بحث کے ساتھ اس تعلق کا اندازہ آپ کو یہ مضمون پڑھ کر خود ہی ہو جائے گا۔

وذو جهل ينام على حرير   وذو علم ينام على التراب

جاہل ریشم کے بچھونے پر سوتا ہے   اور عالم زمین پر سوتا ہے

جیساکہ شاہد ہے مال ہی طاقت وقوت کی بنیاد اور زندگی کی سیڑھی پر چڑھنے کا ذریعہ ہے، اور منزل مقصود تک پہنچنے کا یہی بنیادی ذریعہ ہے، اور جاہلوں اور بے وقوفوں کے یہاں سب کچھ یہی ہے۔

لیکن آپ ہی بتلائیے کہ اگر نوجوان شادی کرنا چاہیں اور ان کے پاس مال موجود نہ ہو تو وہ کیا کریں ؛ اور اگر ان کے ساتھ رہنے اٹھنے بیٹھنے والے ان کا ہاتھ نہ بٹائیں اور ان پر رحم نہ کھائیں تو اس وقت وہ کیا کریں گے ؛

وہ تو شادی کرکے اپنے آپ کو پاک باز و پاکدامن بنانا چاہتے ہیں لیکن اس تک پہنچنے کی ان کے پاس کوئی سبیل و راستہ نہیں ہے۔

وہ چاہتے ہیں کہ جنسی جذبات وخواہشات کو مقدس وپاکیزہ ذریعے اور طریقے سے پورا کریں لیکن ان کے اس عزم کو پورا کرنے کے درمیان بہت سی رکاوٹیں اور دیواریں حائل ہو جاتی ہیں[۱]

وہ چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو شادی کی جو دعوت دی ہے اس پر لبیک کہیں، لیکن ان کے پاس مال موجود نہیں ہے اور وہ ایسا معاشرہ نہیں پاتے جس میں انسان پہ انسان رحم کھاتا ہو۔

اس لیے ان کو پاکدامن رکھنے اور جنسی خواہش کی سرکشی وبے تابی سے روکنے کا کیا ذریعہ وطریقہ ہونا چاہیے ؟

اس کا راستہ یہ ہے، کہ وہ پاکدامن رہنے اور اپنے نفس کو کنٹرول کرنے کے لیے قرآنِ کریم کی نداء اور دعوت پر لبیک کہیں، ان کی نفوس کی اصلاح کا یہی ایک طریقہ اور پاکدامن رہنے کا یہی ایک راستہ اور نفس امارہ کے دام وفریب سے بچنے کی یہی ایک سبیل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

((وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ)).

اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انہیں چاہیے کہ ضبط سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے۔

النور - ۳۳

عفت وپاکبازی کی یہ قرآنی دعوت ایک نہایت عمدہ نفسیاتی تربیت ہے جو نوجوانوں کی نفوس میں قوتِ ارادی کو

---

[۱] ملاحظہ فرمائیے ہماری کتاب "شادی کی مشکلات اور اسلام کی روشنی میں ان کا حل" انشاء اللہ اس سلسلہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کا نہایت کامیاب اسلامی علاج آپ اس میں موجود پائیں گے اور وہ آپ کو پسند بھی آئے گا اور اس کے مطابق عمل بھی کریں گے۔

مضبوط اور ان کے قلوب میں عزم کو راسخ کردیتی ہے، اور ان کو فرشتہ نما انسان بنا دیتی ہے، اور اس کو سکون و قرار بخشتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نوجوانوں کو پاکدامنی وعفت کی چوٹی تک پہنچانے کے لیے اسلام نے کیا نظام مقرر کیا ہے؟

محترم مربی صاحبان! اس نظام کے اصول ہم "مشت زنی کا علاج واس کی بیخ کنی[1]" کی بحث کے ضمن میں اس کتاب کی فصلِ ثالث میں ذکر کر چکے ہیں۔

اور لیجیے اب ہم آپ کے سامنے اس نظام اور اس طریقے کے تفصیلی عنوان پیش کرتے ہیں، ساتھ ہی اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے جو بھی نئے اضافے ہوسکے وہ بھی پیش ہیں، سیدھی راہ دکھانا اللہ ہی کا کام ہے۔

تفصیلی عنوان درجِ ذیل ترتیب کے مطابق ہیں:

۱۔ چھوٹی عمر میں شادی کرنا۔

۲۔ مستقل نفل روزے رکھنا۔

۳۔ جنسی جذبات بھڑکانے والی چیزوں سے دُور رہنا۔

۴۔ فارغ وقت کو مفید مشغلے میں صرف کرنا۔

۵۔ اچھی صحبت اختیار کرنا۔

۶۔ طبی معلومات حاصل کرنا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر کو مدِنظر رکھنا۔

اس موضوع کو مکمل کرنے کے لیے جو نیا اضافہ کیا گیا ہے وہ دو نقطوں میں منحصر ہے:

۱۔ ممنوع وحرام چیزوں سے نگاہ کو پست رکھنا (نامحرموں کو نہ دیکھنا)۔

۲۔ دینی دافع اور رکاوٹ کو مضبوط بنانا، یعنی ایسا جذبۂ دینی پیدا کرنا جو محرمات سے بچنے پر مجبور کر دے۔

رہا محرمات سے نگاہ کو پست رکھنا اور نامحرموں کی طرف نہ دیکھنا تو اس سلسلہ میں تفصیلی بحث "دیکھنے کے آداب" کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

لیکن میں ایک مرتبہ پھر قارئینِ کرام کی توجہ ان خطرات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو بدنظری سے پیدا ہوتے ہیں تاکہ مربی ہمیشہ ان کو یاد رکھے اور ذہن نشین کرلے:

اس میں کسی کو بھی کلام نہیں ہے کہ اجنبی عورت کی طرف دیکھنا شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص بھی اللہ کے خوف کی وجہ سے اس سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس میں ایسا ایمان پیدا کر دے گا جس کی حلاوت اس کو اپنے دل میں محسوس ہوگی۔

---

[1] یہ بحث آپ اس کتاب کے ص   پر ملاحظہ فرمایئے۔

بلاشبہ ایک مرتبہ نگاہ ڈال کر پھر دوبارہ اس طرف دیکھنے سے عورت یا مرد کی طرف جنبی کشش اور میلان ہوتا ہے اور اس کشش کے بعد مسکراہٹ کا اظہار ہوتا ہے مسکراہٹ کے بعد بات سلام تک پہنچتی ہے، اور سلام کے بعد بات چیت شروع ہوتی ہے، اور بات چیت کے بعد دوبارہ ملاقات کا وعدہ اور وقت طے ہوتا ہے، اور پھر دوبارہ ملاقات لامحالہ ایسے انجام تک پہنچا دیتی ہے جس کے نتائج کسی کے حق میں کبھی اچھے نہیں ہوتے۔

اور بہت پہلے ہی شاعر کہہ چکا ہے:

کل الحوادث مبداها من النظر	ومعظم النار من مستصغر الشرر
تمام حادثات کی ابتداء نظر و دیکھنے سے ہی ہوتی ہے	اور عام طور سے بڑی آگ چھوٹی سی چنگاری ہی سے لگتی ہے

اور آج کل کے دور کا شاعر کہتا ہے:

نظرة فابتسامة فسلام	فکلام فموعد فلقاء
پہلے دیکھنا ہوتا ہے پھر مسکرانا اور پھر سلام	پھر بات چیت پھر وعدہ اور پھر ملاقات ہوجاتی ہے

اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کا یہ نقصان ہی بہت بڑا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان صحیح سوچ سے محروم اور بہت سے فرائض اور واجبات سے غافل ہوجاتا ہے، اور اس کی وجہ سے قوم میں گندگی وآزادی اور بے راہ روی پیدا ہوتی ہے اور پھر گندے بے راہ رو و آوارہ نوجوان لہو ولعب پرست نوجوان بن جاتے ہیں، جن کا نہ کوئی مقصدِ زندگی ہوتا ہے نہ کوئی غایت و غرض اور مقصود[1] بلکہ ایسے لوگ امن واستحکام کے لیے خطرناک ثابت ہوتے ہیں، اور اخلاق وشرافت کے لیے بدنما داغ بن جاتے ہیں۔

اس وجہ سے قرآنِ کریم نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو نگاہ کے جھکانے اور شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ نور میں ارشاد فرماتے ہیں:

((قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ)).	آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں، اور آپ کہہ دیجیے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں۔
النور۔ ۳۰	

---

[1] ہمارا کتابچہ "ہر ایسے باپ کے لیے جو مؤمن وغیرت مند ہو" ملاحظہ فرمائیے، اس میں اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے اور میل وجول واختلاط کی حرمت کی حکمت پر تشفی بخش بحث ملے گی۔

عفت و پاکدامنی کی چوٹی اور عزت و شرافت کی بلندی پر پہنچنے کی اصل تدبیر اور علاج وحید ہی یہ ہے کہ محرمات سے نگاہ کو بچایا جائے اور عقل مندوں کو اس سے عبرت حاصل کرلینا چاہیئے۔

دینی دافع اور روک ٹوک کے جذبہ کو مضبوط کرنا: اس سلسلہ میں اس کتاب میں بہت سے مقامات پر ہم ایسے وسائل و اسباب ذکر کرچکے ہیں جو بچے میں عقیدۂ ربانیہ پیدا کریں، اور ان تدریجی مراحل کو بتلا چکے ہیں جو بچے میں ایمانی تربیت کے راسخ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، تاکہ جب بچہ بلوغ کی عمر کے قریب پہنچے اور بالغ ہونے والا ہو اور جوانی کی چوکھٹ پر قدم رکھے تو اس کی حالت درست ہو اور اخلاق شاندار ہوں اور وہ روئے زمین پر چلنے والا ایک فرشتہ نما انسان ہو، یا لوگوں سے منقطع ایک ایسا عابد جوان کے ساتھ ساتھ چل رہا ہو۔

یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ بچے کا عقیدۂ ربانیہ سے ارتباط اور ظاہر و باطن کھلم کھلا و پوشیدہ دونوں حالتوں میں اللہ کے دیکھنے والا ہونے کے یقین پیدا کرنے کی تربیت، اور علم و ذکر کی مجلسوں میں حاضری، اور فرض نمازوں اور نوافل پر مداومت، اور قرآنِ کریم کی تلاوت پر باقاعدگی، اور جب راتوں کو لوگ سوتے ہوتے ہوں تہجد کی عادت، اور نفل روزے رکھنا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و سلفِ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات کا سننا، اور موت اور اس کے بعد پیش آنے والی چیزوں کو یاد کرنا، اور اچھے ساتھیوں اور مؤمن لوگوں سے میل جول رکھنا، یہ تمام وہ چیزیں ہیں کہ اگر نوجوان ان پر عمل پیرا ہو جائے تو اس میں دینی طور سے ایک دافع اور روکنے والی چیز پیدا ہوجائے گی، اور وہ گندگی اور خرابی کی جگہوں سے الگ تھلگ رہے گا، اور آزادی و بے راہ روی سے دور ہوگا، اور پاکدامنی کی معراج اور بلندی کی چوٹی پر پہنچا ہوا ہوگا۔

اے نوجوانو آپ لوگوں کے لیے پاکدامنی اور شرافت و کمال کے دو نمونے پیش کیے جارہے ہیں تاکہ ان کی اقتداء و پیروی کی جاسکے:

۱۔ (حضرت یوسف علیہ السلام نوجوان ہیں ______ اور جوانی کی ابتداء اور قوتِ مردانگی میں کمال کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کی جوانی قابلِ رشک ہے، ایک منصب و مرتبہ اور حسن و جمال والی عورت ان کو اپنی طرف دعوت دیتی ہے، تمام دروازے بند ہیں، اور ملاپ کے راستے موجود و آسان ہیں، جیساکہ خود قرآنِ کریم بیان کرتا ہے:

((وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ))۔

یوسف - ۲۳

اور پھسلایا ان کو اسی عورت نے جس کے گھر میں تھے اپنا جی تھامنے سے اور دروازے بند کر دیے اور بولی جلدی کر۔

لیکن اس بہکانے اور ایسے خطرناک شعلہ جوالہ فتنہ، سامانی کے سامنے جو نگاہوں کو خیرہ کر دے حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا موقف اختیار کیا؟

کیا انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اس کی اطاعت کی، اور اس آبرو کے بارے میں خیانت کی جس کے سلسلہ میں ان

کو امین سمجھا گیا تھا؟ ہرگز نہیں ایسا نہیں ہوا بلکہ انہوں نے فرمایا:

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ یوسف ۔۲۳
خدا کی پناہ وہ عزیز میرا مالک ہے مجھ کو اچھی طرح رکھا ۔ بے شک جو لوگ ناانصاف ہوں بھلائی نہیں پاتے ۔

عزیز کی بیوی نے اپنی تمام تر مکاری، عیاری، و چالبازی استعمال کرلی اور بہکانے و پھسلانے کی تمام تدبیریں اختیار کرلیں، اور ان کو رام کرنے کے لیے ڈرانے دھمکانے سے بھی کام لیا، اور ان کی سختی کو ختم کرنے اور ان کو نرم کرنے کے لیے تمام حربے آزمالیے، اور نہایت تنگ دلی اور غصے سے دوسری عورتوں کے سامنے کہا:

((وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ))۔ یوسف ۔۳۲
اور میں نے اس سے اس کا جی لینا چاہا تھا لیکن وہ بچ گئے اور بے شک اگر نہ کرے گا جو میں اس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا اور بے عزت ہوگا ۔

لیکن نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام کلی طور پر خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور عصمت و پاکدامنی کی دعا اور امداد کے طالب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں:

((قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ))۔ یوسف ۔۳۳
اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس کی طرف مجھ کو بلاتی ہیں ، اور اگر آپ مجھ سے ان کا فریب دور نہ فرمائیں گے تو میں ان کی طرف مائل ہوجاؤں گا اور بے عقل ہوجاؤں گا۔

ایک مؤمن کے ضمیر اور خوفِ خداوندی اور گناہوں کی طرف مائل کرنے والی چیزوں کے درمیان ایک عظیم امتحان و فتنہ تھا لیکن وہ حشر سامانیاں وجذبات بھڑکانے والی چیزیں ناکام ہوگئیں اور ایمان کو فتح و نصرت حاصل ہوئی[1]۔

۲ ـ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عورت کا شوہر جہاد پر چلا گیا اور ایک طویل عرصے تک واپس نہ لوٹا، عورت کو اس کی جدائی سے بہت وحشت ہوئی اور وہ تنہائی سے اکتا گئی، اور اس کی رگوں میں عورت کا خون جوش مارنے لگا، اور اس میں خواہش کی آگ بھڑکنے لگی، اور اس کو گناہ کے ارتکاب سے ایمان اور اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کے علاوہ اور کوئی چیز روکنے والی نہیں تھی۔ ایک تاریک رات میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ وہ درج ذیل اشعار پڑھ رہی ہے:

لقد طال هٰذا الليل واسودّ جانبه ، وأرقني أن لا حبيب ألاعبه
یہ رات نہایت طویل ہوگئی اور اس کے کنارے سیاہ ہوگئے ، اور مجھے اس بات نے بے خواب کردیا کہ میرا کوئی دوست نہیں جس سے میں دل لگی کروں

---

[1] ملاحظہ ہو ڈاکٹر مصطفی عبدالواحد کی کتاب "اسلام اور جنسی مشکلات"۔

فواللہ لولا اللہ تخشی عواقبہ لحرك من ھٰذا السریر جوانبہ
بخدا اگر اللہ کی گرفت وانجام کا خوف نہ ہوتا تو اس پلنگ کے کنارے تک ہل جاتے

دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ اگر کسی عورت کا شوہر موجود نہ ہو تو وہ کتنے دن تک صبر وضبط کر سکتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ چار مہینے، تو خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ان قائدینِ جنگ کو جو مختلف اطراف میں جنگ کر رہے تھے یہ پیغام بھیجا کہ کسی فوجی کو چار ماہ سے زیادہ اس کی بیوی کے پاس جانے سے نہ روکیں۔

یہ مؤمن عورت جو اللہ کے خوف کو محسوس کر رہی تھی اس کے اس احساس اور گناہ و بدکاری کی طرف دھکیلنے والے جذبات کے درمیان آزمائش وامتحان تھا، اس نے ان جذبات کو دبالیا اور قوتِ ایمانی غالب آگئی۔

نوجوان مسلمان کے عفت وبلندی کی چوٹی تک پہنچنے کے منہج وراستے کے لیے یہ اہم اصول وقاعدے ہیں اور بلاشبہ اگر نوجوان آدمی اس طریقے کے ان اصولوں کو اپنالے اور اس کے ضابطوں کے مطابق نہایت اہتمام وباریکی سے چلتا رہے، اور خوب مضبوطی سے انہیں تھامے رہے، تو وہ دنیا کی زندگی میں تمام شیطانی وسوسوں اور نفسیاتی خواہشات پر فتح حاصل کر سکتا ہے، اور اس کے پہلو میں خواہشات وجذبات اور ان کی طرف متوجہ کرنے کے جو دوافع موجود ہیں ان پر غالب آسکتا ہے، بلکہ وہ اخلاق میں انبیاء کی طرح، اور پاکیزگی میں فرشتوں کی طرح، اور پاکدامنی میں سلفِ صالحین کی طرح بن سکتا ہے، حتیٰ کہ وہ وقت آجائے جب اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بے نیاز بنا دے، اور اس پر کمائی وروزی کے دروازے کھول دے، اور یاد رکھیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ متقی ونیک لوگوں کی سرپرستی کرتے ہیں، اور ان کے لیے ہر غم سے چھٹکارے کا راستہ اور ہر تکلیف سے نجات کی سبیل پیدا کر دیتے ہیں، اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔))
الطلاق - ۲و۳

اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کشائش پیدا کر دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

نیز فرماتے ہیں:

((وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ))
النور - ۳۳

اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انہیں چاہیے کہ ضبط سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

یہ پاکبازی وبلند نفسی اپنے نفس کو مارنے ودبانے میں داخل نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، اس لیے کہ علماءِ نفس

وتربیت یہ کہتے ہیں کہ نفس کو مارنا و دبانا یہ ہے کہ انسان جنسی فعل کو برا سمجھے، اور جو ایسا کرتا ہو خواہ وہ شرعی طریقے شادی کے ذریعہ کیوں نہ ہو اسے گناہگار قرار دے، اسی کو رہبانیت کہتے ہیں، اور ہم اس سلسلہ میں ایک مخصوص بحث "شادی و جنسی ملاپ" کے عنوان سے پیش کر چکے ہیں۔

محترم مربی صاحبان! آپ نے مشاہدہ کر لیا ہے کہ اسلام شادی نہ کرنے کی کس قدر شدید مذمت کرتا ہے، اور رہبانیت سے کس طرح نفرت دلاتا ہے؛ اور انسانی فطرت کی آواز پر لبیک کہنے اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اسلام نے شادی کو کس طرح سے مشروع و جائز قرار دیا، پھر بھلا نفس کو دبانا و مارنا کہاں کا ہوا، اصلی و واقعی اسلام یہ ہے جسے ہم نے پیش کیا۔

(لہٰذا اگر نوجوان آدمی میں جنسی خواہش بیدار ہو، اور انسان اسے محسوس کرے، تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ اسے استغفار پڑھنا چاہیئے، یہ احساس آنا ہی برا ہے، اس لیے کہ اسلام نے صراحتہً یہ بتلایا ہے کہ یہ خواہش پیدا ہونا ایک فطری امر ہے، اس میں نہ کوئی برائی کی بات ہے اور نہ اعتراض کی۔

اور ایسے موقعہ پر وہ اس کا پابند نہیں ہے کہ اس رغبت کے احساس کو ہی ختم کر ڈالے، تاکہ وہ دوسروں اور خود اپنی نگاہ میں بھی پاک صاف رہے... اور نہ اس بات کا محتاج ہے کہ جیسے ہی یہ خیال آئے تو وہ اپنے آپ کو گناہگار سمجھنے لگے اس لیے اس حقیقت کے جاننے کے بعد تمام وہ نفسیاتی و اعصابی اضطرابات ختم ہو جانا چاہییں جو گناہ کے احساس سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو بعض حالات میں مجرمانہ قدم اٹھانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

لیکن ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام نے کسی فرد کے لیے یہ جائز قرار نہیں دیا ہے کہ وہ اس فطری آواز پر جیسے بھی ممکن ہو لبیک کہے اور اسے پورا کرے، بلکہ اسلام نے اس کے لیے کچھ شرعی حدود و دائرے مقرر کیے ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے اس کا پورا کرنا جائز ہو جاتا ہے، اور ان سے باہر نکل کر ان کا پورا کرنا حرام و ناجائز قرار پاتا ہے۔

یہ صحیح ہے، لیکن یہ الگ چیز ہے اور نفس کو مارنا و دبانا الگ چیز ہے، یہ حرام قرار دینا اس لیے ہے کہ اس کے بعد ایسی حدود ہیں جن سے اسی نشاط کو منظم کر دیا جاتا ہے، لیکن اس کی بیخ کنی نہیں کی جاتی، اور اگر انسان کے دل میں اس کا خیال کسی بھی لمحہ آجائے تو اسے حرام بھی نہیں قرار دیا جاتا[۱]...)

یہ بالکل صحیح بات ہے کہ نفس کو مارنے کا جو اسلامی تربیت میں کہیں وجود نہیں پایا جاتا لہٰذا اگر کوئی شخص غیر شادی شدہ ہے اور اس پر شہوت کا غلبہ ہو جائے، اور اس پر جنسی جذبات غالب آجائیں، اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ وہ بدکاری میں گرفتار ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں اس کے لیے شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ استمناء بالید کے ذریعہ اپنی خواہش کو پورا کرے، تاکہ جوش ٹھنڈا پڑ جائے، اس لیے کہ اصول کا ایک قاعدہ ہے کہ انسان اس ضرر و نقصان کو برداشت کرلے، جس میں نقصان کم ہو، اور دو شر

---

[۱] ملاحظہ ہو ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالواحد کی کتاب "اسلام اور جنسی مشکلات"۔

اور خرابیوں اور برائیوں میں سے کم برائی اور شر کو کرے۔

اسی لیے فقہاء لکھتے ہیں کہ ہاتھ کے ذریعہ منی نکالنے کا مقصد اگر جنسی جذبات و خواہشات کو ابھارنا ہو تو یہ حرام ہے لیکن اگر کسی شخص پر شہوت کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ وہ بے قابو ہو جائے اور سکونِ قلب ختم ہو جائے، اور اس جنسی خواہش کی وجہ سے بدکاری میں گرفتار ہو جانے کا ڈر ہو جائے، اور ان جذبات کی تسکین کے لیے سوائے ہاتھ سے منی نکالنے (استمنار بالید) کے اور کوئی طریقہ میسر نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، اور اس کی گنجائش ہے کہ ایسا کرنے والا برابر برابر چھوٹ جائے اور اس کا نہ مؤاخذہ ہو اور نہ اس پر گناہ ہو، اور نہ اس کو ثواب ملے نہ سزا[1]۔

اس لیے جو لوگ اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام نفس کو مارنے اور رہبانیت کا دین ہے اور اسلام جنس و جنسیات کو گندا و ناپسند و مکروہ فعل سمجھتا ہے ان کی زبان بند ہو جانا چاہیئے، جیسا کہ آپ نے بچشم خود مشاہدہ کر لیا کہ اسلام کے روشن و ابدی قوانین و اصولوں میں اس دعویٰ کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے۔

اور خاتمہ میں:

میں عظیم محرر و مصنف استاذ علی طنطاوی کا ایک مضمون نقل کرتا ہوں جو نوجوانوں کے لیے موجودہ اسلامی سمجھ بوجھ کی ایک شاندار تصویر کشی کرتا ہے اور یہ سمجھدار و صاحبِ بصیرت آدمی کے لیے ایک یکتا و منفرد نمونہ اور ایسا تشفی بخش کلام ہے جو نہایت حکمت اور عمدہ طریقے سے حق کی طرف دعوت دیتا ہے۔

محترم استاذ طنطاوی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں: اے میرے بیٹے:

(تم مجھے بہت تردد اور حیاء و شرم سے کیوں لکھتے ہو؟

تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہی وہ ایک اکیلے آدمی ہو جو اپنے اعصاب میں شہوت و خواہشات کی آگ بھڑکتی ہوئی پا رہا ہے اور تمام لوگوں میں سے تم ہی ایک اکیلے ہو جو اس میں مبتلا ہوا ہے؟!

نہیں میرے بیٹے! ہرگز نہیں، اپنے اوپر ذرا مہربانی کرو، اس لیے کہ جس بیماری کا تم شکوہ کر رہے ہو وہ صرف تمہاری ہی بیماری نہیں ہے یہ تو تمام نوجوانوں کی بیماری ہے، اور تمہارے وہ خیالات جنہوں نے تمہیں سترہ سال کی عمر ہی میں بے خواب کر دیا ہے یہ تمہاری ہی خصوصیت نہیں، اس لیے کہ انہوں نے تمہارے علاوہ اور بہت سے چھوٹے اور بڑوں کو بے خواب بنایا ہے۔ اور ان کی آنکھوں سے لذیذ ترین نیند کو چھین لیا ہے، اور کتنے ہی طلبہ کو تعلیم و اسباق سے، اور کاریگروں کو کام کاج

---

[1] یہ فقہی عبارت مرحوم علامہ شیخ محمد الحامد کی کتاب "ردود علی اباطیل" (ص۔۴۲) سے لی گئی ہے۔ اور اس کو اس سے قبل اس کتاب میں "سری عادت کا حکم" والی بحث کے ضمن میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔

اور تاجروں کو تجارت سے نکال دیا ہے۔

وہ ایام و سال جو شہوت و جسمانی اضطراب اور جنسی خواہشات کے بھڑکنے و جوش مارنے کے اعتبار سے عمر کے سخت ترین سال ہوتے ہیں ان میں جوانوں کو کیا کرنا چاہیئے؛ جوان کیا کرے کیا نہ کرے یہ اس کی سب سے بڑی مشکل اور پریشانی ہے۔

اللہ نے جو طریقہ رائج کیا ہے اور جو انسانی طبیعت ہے وہ تو اسے یہ کہتی ہے کہ شادی کر لو۔

لیکن معاشرے کے حالات، و اوضاع اور تعلیم کے اسلوب اس سے یہ کہتے ہیں کہ تم ان تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لو جو سب کی سب ہی شر اور بری ہیں لیکن یاد رکھو چوتھی بات کے بارے میں ہرگز بھی نہ سوچنا جو خیر ہی خیر ہے اور وہ شادی ہے۔

۱۔ یا تو اپنی نفس و جذبات کے سیلاب اور شہوت کے خوابوں میں مست ہو جاؤ اور انہی میں پڑے رہو، اور ہر وقت اسی میں مست رہو اور ان خیالات کو فحش قصوں، گندی فلموں، اور ننگی تصویروں سے غذا پہنچاتے رہو، تاکہ تمہارے نفس و دل میں وہی رچ بس جائیں، کان و آنکھ کے سامنے وہی وہ ہوں، تم جہاں نگاہ ڈالو تمہیں حسین و جمیل خوبصورت حسینائیں ہی نظر آئیں، اگر کتاب کھولو تو وہ وہاں موجود ہوں، چاند کو دیکھو تو وہاں بھی وہی نظر آئیں، اور شفق کی سرخی اور رات کی تاریکی اور بیداری کے تفکرات اور نیند کے خواب میں وہی جلوے و عشوے ہوں:

أريد لأنسى ذكرها فكأنما   تمثل لي ليلى بكل سبيل

میں اس کی یاد کو بھلانا چاہتا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے   کہ لیلی ہر جگہ میرے سامنے ہی موجود ہے

اور پھر اس کا نتیجہ و انجام یہ ہوگا کہ تم سر چکرانے اور پاگل پن کا شکار ہو جاؤ گے یا دیوانگی یا اعصابی تناؤ کا۔

۲۔ یا تم وہ کام کرنے لگ جاؤ جسے استمناء بالید (ہاتھ سے منی نکالنا) کہتے ہیں۔ فقہاء اس سلسلہ میں کلام کر چکے ہیں اور شعراء اشعار کہہ چکے ہیں، اور یہ عادت اگرچہ ان تینوں میں سب سے کم نقصان دہ اور قباحت میں بھی کم ہے۔ لیکن پھر بھی اگر یہ عادت حد سے بڑھ جائے تو اس کی وجہ سے انسان پر غموں کا دور دورہ ہو جاتا ہے اور جسم مضمحل و بیمار ہو جاتا ہے۔ اور ایسا جوان شکستہ جسم بوڑھا بن جاتا ہے جو آزردہ خاطر متوحش لوگوں سے دور رہنے والا۔ اور ان کے میل ملاپ سے بھاگنے والا بن جاتا ہے اور زندگی سے ڈرتا ہے اور اس کی ذمہ داریاں اٹھانے سے بھاگتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا آدمی اگرچہ زندہ ہے لیکن مُردوں کے قائمقام ہے۔

۳۔ یا تم حرامکاری کی دلدل میں دھنس جاؤ گے، اور گمراہی کے راستے پر چل پڑو گے، اور بدکاری کے اڈوں کا قصد کرو گے اور وقتی لذت اور ذرا سے مزے کے لیے اپنی صحت، جوانی اور مستقبل و دین کو داؤ پر لگا دو گے جس کا انجام یہ ہوگا کہ جس ڈگری کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو اور جس عہدۂ ملازمت تک تم پہنچنا چاہتے ہو اور جس علم کے حصول کے خواہش مند ہو اس سے

محروم ہوجاؤگے اورتمہارے پاس تمہاری طاقت وقوت اورجوانی وشباب کا اتنا حصہ بھی باقی نہ رہے جس کے ذریعہ تم آزاد رہ کر کام کرسکو۔ لیکن تمہیں پھربھی یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس حرام کاری سے تمہارا پیٹ بھرجائے گا۔ ہرگز نہیں! اس لیے کہ جب تم کسی ایک طوائف یا رنڈی سے ملوگے تو اس کا وصال تمہارے شوق وخواہش کو اور بڑھا دے گا جیسے کہ کھاری ونمکین پانی پینے والے کی پیاس بجھتی نہیں بلکہ اور بڑھ جاتی ہے۔ اور اگر بالفرض تم ہزاروں فاحشہ عورتوں سے بھی مل لو اور پھر تم کسی بدکار عورت کو اپنے سے اعراض کرنے والا اور اپنے دام اور قابو میں نہ آتا دیکھوگے تو تم اسی ایک اکیلی عورت کے پیچھے پڑجاؤگے، اور اس کی ملاقات اور وصال نہ ہونے پر تمہیں ایسی شدید تکلیف محسوس ہوگی جیسے کہ کسی شخص کو ساری زندگی کسی عورت کا وصال نصیب نہ ہوا ہو۔

مان لوکہ اگر تمہیں ایسی بازاری عورتوں پر ہرطرح سے قدرت حاصل ہو اور تمہارے پاس مال ودولت وحکومت بھی ہوتوکیا تمہارا جسم اس کی قوت رکھتا ہے؟ اور کیا تمہاری صحت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ شہوت وجذبات کے سارے تقاضوں کو پورا کرلو؟!

اس مرض میں گرفتار ہوکر طاقتور سے طاقتور جسم کے افراد نڈھال ہوگئے، کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو قوت وطاقت میں قدرت کا عجوبہ روزگار اور پہلوانی ودوڑنے، تیراندازی وشہسواری کے مرد میدان تھے، لیکن جب انہوں نے اپنی خواہشات و جذبات کی دعوت پر لبیک کہی اور فطری خواہش وجنسی آواز کے تابع ہوگئے تو وہ مٹی کا ڈھیر بن گئے۔

اللہ کی حکمت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اس نے اچھائی ونیکی کے ساتھ اس کا ثواب صحت ونشاط کی شکل میں رکھا ہے، اور برائی وگناہ کے ساتھ اس کی سزا بیماری وطاقت کے انحطاط واضمحلال کی شکل میں رکھی ہے، آپ دیکھیں گے کہ بہت سے ایسے آدمی جو ابھی تیس سال کی عمر سے بھی آگے نہیں بڑھے لیکن وہ اپنے نفس پر ظلم وزیادتی کی وجہ سے ساٹھ سال کے بوڑھے معلوم ہوتے ہیں، اور ایک طرف ایک ساٹھ سالہ بوڑھا آدمی پاکدامنی کی وجہ سے تیس سالہ جوان معلوم ہوتا ہے۔

انگریزوں کی جو سچی ضرب الامثال مشہور ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ جو شخص اپنی جوانی کی حفاظت کرے گا اس کے لیے اس کے بڑھاپے کی حفاظت کی جائے گی[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے کانوں میں تمہاری یہ آواز آرہی ہے کہ یہ تو بیماری ہے اس کا علاج کیا ہے؟

اس کا علاج ودوا، یہ ہے کہ تم اس طریقے کو اختیار کرو جو اللہ نے پسند کیا ہے اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے اللہ کی پیدا کردہ فطرت کے مطابق عمل کیا، اللہ نے جب بھی کسی چیز کو حرام کیا تو اس کی جگہ کسی چیز کو ضرور حلال کیا، ربا کو حرام قرار دیا تو تجارت کو حلال کیا، زنا کو حرام کیا تو شادی کو جائز قرار دیا، اس لیے اس کا علاج ودوا شادی ہے۔

---

[1] اس ضرب المثل سے مجھے وہ ضرب المثل یاد آگئی جو سلف صالحین میں سے کسی سے منقول ہے کہ ہمارے یہ اعضا جن کی ہم نے بچپن میں حفاظت کی اللہ نے ان کی حفاظت بڑھاپے میں کی۔

لیکن اگر تمہارے لیے شادی کے مواقع میسر نہیں ہیں، تو پھر اپنے نفس پر کنٹرول کرو اور ہمت بلند رکھو، اور میں اس فصل کو مغلق نہیں بنانا چاہتا میں یہ چاہتا ہوں کہ تم علم نفس کی اصطلاحوں سے اس مفہوم کو سمجھو، بات بالکل صاف ستھری اور واضح ہو جائے، اس لیے میں تمہیں ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھانا چاہتا ہوں۔

کیا تم چائے کی اس کیتلی کو دیکھتے ہو جو آگ پر رکھی ہوئی جوش مارتی ہوتی ہے؟!

اگر تم اس کو بند کر دو اور اس کا ڈھکنا خوب اچھی طرح سے ڈھک کر کے اس کے نیچے آگ تیز کر دو تو اس میں بھرنے والی بھاپ اسے پھاڑ دے گی، اور اگر تم اس میں سوراخ کر دوگے تو اس کا سارا پانی بہہ جائے گا اور کیتلی جل جائے گی، اور اگر تم اس کے ساتھ ایسا پائپ لگا دوگے جیسا کہ انجن میں لگتا ہے تو وہ تمہارے لیے کارخانے کو چلائے گی، اور اس سے ریل چلے گی، اور اس سے عجیب عجیب کام ہوں گے۔

لہٰذا پہلی حالت تو اس شخص کی ہے جو شہوت وجنس کے خیالات میں مگن رہے اور اسی سوچ وفکر میں پڑا رہے۔

اور دوسری حالت اس شخص کی ہے جو گمراہی کے راستے پر چلے اور حرامکاری کے اڈوں پر جائے۔

اور تیسری حالت شریف النفس پاکباز شخص کی ہے۔

لہٰذا عزتِ نفس وشرافت یہ ہے کہ تم اپنی نفس کے بوجھ کو روحانی، عقلی یا قلبی یا جسمانی جدوجہد سے ہلکا پھلکا کر دو، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس جمع شدہ قوت کو ختم کرنے اور اس محبوس ومقید طاقت کو باہر نکالنے کے لیے اللہ کی طرف متوجہ ہو، عبادت میں استغراق وانہماک پیدا کرو اور کام کاج میں لگن، اور بحث وتحقیق میں مشغولیت، یا پھر آپ کی طبیعت آپ کیلیے جو مختلف مناظر کی تصویر کشی کرتی ہے ان کی تعبیر کے لیے فارغ ہو جائے کبھی شعر وشاعری کے قالب میں، اور کبھی سینریوں میں رنگ بھرنے کی شکل میں، اور کبھی جسمانی جدوجہد اور ورزش وغیرہ میں لگ جانے کی صورت میں، اور کبھی دینی تربیت یا ورزش و کسرت کی مشقوں کے ذریعے اپنے وقت کو مصروف کر دیجیے، اور اے میرے بیٹے انسان جو مقام ودرجہ اپنے آپ کو دیتا ہے کسی اور کو نہیں دیتا، انسان اپنے اوپر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دیتا، چنانچہ جب انسان آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اپنے کاندھوں کی گولائی اور سینے کی مضبوطی اور ہاتھوں کی قوت کو دیکھتا ہے تو اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ طاقتور متناسب فولادی جسم اس کو تمام عورتوں کے جسم سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور پھر ایسی صورت میں وہ یہ قطعاً پسند نہیں کرے گا کہ اسے قربانی کی بھینٹ چڑھا دے، اور اس کی قوت ختم ہو جائے، اور اس کا تنومند جسم تباہ ہو جائے، اور پھر وہ یہ قطعاً پسند نہیں کرے گا کہ کسی لڑکی کی سیاہ یا نیلی آنکھوں کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جائے۔

یہ ہے دوا، شادی ہی کامل ومکمل علاج ہے، لیکن اگر وہ نہ ہو سکے تو وقتی مسکن وعلاج بلند ظرفی وعلو نفس ہے، جو ایک نہایت طاقتور نفع بخش تسکین پہنچانے والا نسخہ ہے جس میں ذرا سا بھی نقصان وتکلیف کا احتمال نہیں۔
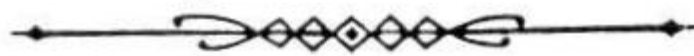
رہا وہ ترانہ جو بے وقوف مغفل اور فساد پرور گاتے ہیں کہ :

اس معاشرتی فساد کا علاج یہ ہے کہ دونوں جنسوں (مرد وزن) کو میل جول واختلاط کا عادی بنا دیا جائے تاکہ اس کی عادت پڑ کر شہوت کا زور ماند پڑ جائے۔ اور حرامکاری کے عمومی اڈے کھول دیے جائیں تاکہ چوری چھپے چلنے والے اڈے و قحبہ خانے ختم ہو جائیں۔

یہ بالکل بودھی اور بے کار بات ہے، کافر قوموں نے مرد وزن کے اس بے محابا اختلاط کے نسخہ کو خوب آزمایا ہے لیکن ان کے یہاں فساد یا شہوت رانی کا بازار اور زیادہ گرم ہو گیا۔ رہے عمومی اڈے قائم کرنے کا نسخہ تو اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں تو پھر تو یہ ضروری ہو گا کہ ہم یہ اڈے اتنی تعداد میں قائم کریں جو تمام نوجوانوں کو سیراب کر سکیں، اس لیے پھر تو صرف قاہرہ میں ہی دس ہزار سے زیادہ رنڈیاں اور فاحشہ عورتیں ہونا چاہییں، اس لیے کہ صرف قاہرہ میں ایسے نوجوانوں کی تعداد کم از کم ایک لاکھ ہے[1]

اور اگر ہم نے نوجوانوں کو وہاں جانے کی اجازت دے دی، اور اس کی وجہ سے وہ شادی کرنے سے رک گئے تو پھر ہم لڑکیوں کا کیا کریں گے ؟ کیا ہم ان کے لیے بھی ایسے عمومی اڈے قائم کریں گے جہاں زانی مردوں کو رکھا جائے گا بخدا یہ تو بالکل بے کار اور بودھی سی بات ہے۔

یہ بات ان کی عقل کی پیداوار نہیں ہے یہ شہوات وجذبات کی آواز ہے، ان لوگوں کا مقصد اخلاق کی اصلاح نہیں اور نہ ہی ان کا مقصد عورتوں کو آگے بڑھانا ہے، نہ تہذیب وتمدن کو عام کرنا، اور نہ صحت مندانہ فضا قائم کرنا، نہ معاشرتی ماحول پیدا کرنا، یہ تو زبان سے نکلنے والے خالی الفاظ ہیں، ہر روز نیا نعرہ بلند کر دیتے اور لوگوں پر اس کی یلغار کر دیتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ اپنا پیغام عام کر دیتے ہیں۔ ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو ان کے لیے بازار میں لے آئیں۔ تاکہ یہ لوگ ان کے جسم کے مخفی اور ظاہری اعضاء کو دیکھ کر لذتِ نظر حاصل کریں۔ اور ان سے جائز وناجائز لذت اٹھائیں۔ اور ان کے ساتھ تنِ تنہا سفر کریں، اور وہ بن سنور کر ان کے ساتھ محفلوں میں ناچیں گائیں، لیکن پھر بھی بعض والدین دھوکہ کھا جاتے ہیں اور وہ اپنی عزت وآبرو کو صرف اس لیے قربان کر دیتے ہیں تاکہ ان کو یہ کہا جا سکے کہ وہ ترقی یافتہ ہیں۔

اس لیے اے میرے بیٹے تم شادی کر لو، خواہ تم اب تک طالب علمی کی زندگی میں کیوں نہ ہو، لیکن اگر شادی نہ کر سکو تو اللہ کے خوف کو پیدا کر کے اس سے عصمت کے طالب ہو، اور عبادت و پڑھنے پڑھانے اور ریاضت ومجاہدے وغیرہ میں منہمک ہو کر اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ رکھو یہی اس کا بہترین علاج ہے۔

---

[1] یہ تخمینہ وتعداد پچیس سال قبل اس وقت کی ہے جب مؤلف نے "اے میرے بیٹے" نامی اپنا رسالہ شائع کیا تھا۔

اے نوجوان لڑکو اور لڑکیو!:

تمہاری جنسی مشکلات کا یہی ایک حل ہے اس لیے تم اس سے ہمیشہ بچتے رہنا کہ ان لوگوں کے نعروں پر لبیک کہو جو ترقی وتمدن کا نعرہ لگاتے ہیں، اور تمہارے لیے برائی کو آراستہ کرکے پیش کرتے ہیں، اور گناہ کو یہ کہہ کر اچھا بنا کر پیش کرتے ہیں کہ اس پریشانی کا حل یہ ہے کہ بچپن ہی سے اس جذبہ کو باہمی اختلاط ومیل جول کے ذریعہ مہذب بنایا جائے[1] یا حرامکاری کے ذریعہ اس خواہش کو پورا کیا جائے، اس لیے کہ یہ لوگ بلا سمجھے بوجھے تعریف کرنے والے اور جس چیز کو جانتے نہیں اس کی مدح سرائی کرنے والے ہیں، اور یہ لوگ درحقیقت یہودیت ونصرانیت اور شیوعیت و ماسونیت کی ان سازشوں کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کے جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو بے راہ روی آزادی اور فسق وفجور کی زندگی میں مبتلا کردیا جائے، خواہ وہ اسے جان بوجھ اور سمجھ کر کررہے ہوں یا غیر شعوری طور پر ناسمجھی میں۔

کیا آپ کو پتہ ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہورہا ہے؟

یہ سب تدبیریں اس بات کی کہ مسلمان نوجوانوں کو جہاد اور وطن ودین کی طرف سے مدافعت کے قابل نہ چھوڑا جائے،

یہ تدبیریں ہی اس لیے ہیں کہ مسلمان ظالموں سرکشوں وجابروں کے سامنے سر جھکا دیں۔

یہ سب کچھ اس لیے ہورہا ہے کہ ہر گویے کے سامنے تالی بجائی جائے اور ہر بددین کا فیصلہ مان لیں۔

یہ تدبیر ہے اس کی کہ وہ بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی طرح بن جائیں جنہیں ڈنڈے سے ہکایا جاسکے۔

اس لیے اے جوانو ان جھوٹے نعروں سے بچنا، اور صبر سے کام لینا، اور اپنے دلوں کا تعلق اللہ سے جوڑ لو، اور اپنے سروں پر اسلام کی عزت کا تاج رکھ لو، اور ہر اس فاسق وفاجر کی دعوت کو قطعی قابل توجہ نہ سمجھو جو آزادی کی طرف بلا رہا ہو اور نہ اس ملحد کی مدح سرائی پر کان دھرو جو مادہ پرست ہو، تم اس پر کان دھرو جو اللہ تعالیٰ اپنے قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

((وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝)). المائدہ۔ ۷۷	اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے گمراہ ہوچکے اور گمراہ کرگئے بہتوں کو، اور سیدھی راہ سے بہک گئے۔

[1] آپ ہمارا رسالہ ''اللہ پر ایمان رکھنے والے ہر غیرت مند باپ کے نام'' مطالعہ کیجیے، اس میں اس افتراء وبہتان کی اس طرح تردید کی گئی ہے جس سے کسی بھی شخص کو اس کی قباحت میں ذرا سا شبہ بھی باقی نہیں رہے گا۔

۷ - کیا جنسی مسائل بچے کے سامنے بیان کرنا چاہیے ؟

بہت سے تربیت دینے والے ماں باپ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا مربی کے لیے یہ جائز ہے کہ بچے سے صاف صاف تمام وہ چیزیں بیان کر دے جو اسے بالغ ہونے سے پہلے اور بالغ ہونے کے وقت پیش آتی ہیں ؟

اور کیا مربی بچے کو اعضاء تناسل اور ان کا کام اور حمل و پیدائش اور اس کی کیفیات بتلا سکتا ہے ؟

اور کیا مربی بچے کو یہ بھی بتلا سکتا ہے کہ جب وہ شادی کرے تو جنسی ملاپ کس طرح کرے ؟

یہ تمام سوالات ایسے ہیں کہ بہت سے حضرات ان کا جواب دینے میں توقف کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ اسکے جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ نہیں کر پاتے۔

وہ شرعی ادلہ جو ہم عنقریب پیش کریں گے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مربی اپنے بیٹے یا بیٹی کو ایسے امور بتلا سکتا ہے جن کا تعلق جنس اور شہوانی خواہشات سے ہو۔ بلکہ بعض اوقات ان کا بتلانا واجب ہو جاتا ہے، اور وہ اس وقت جب ان پر کوئی شرعی حکم مرتب ہوتا ہو جیسا کہ ابھی بیان کیا جائے گا۔

لیجیے اب تفصیل سے ان دلیلوں کو ملاحظہ فرمالیجیے :

ا۔ بہت سی آیات میں جنسی اتصال و ملاپ کا تذکرہ ملتا ہے، اور یہ بھی مذکور ہے کہ انسان کیسے پیدا ہوا، اور زنا وغیرہ کا ذکر بھی ان میں ہے چنانچہ ارشاد باری ہے :

((وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝))۔

المؤمنون ۔ ۵ تا ۷

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں، ہاں جو کوئی اس کے علاوہ کا طلب گار ہوگا سو ایسے ہی لوگ تو حد سے نکل جانے والے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا :

((اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ))۔ البقرہ ۔ ۱۸۷

حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے ۔

نیز ارشاد فرمایا :

((وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ

اور وہ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ وہ گندگی ہے، سو تم حیض کے وقت عورتوں سے الگ

وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ))۔
البقرہ۔۲۲۲

رہو، اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان کے نزدیک نہ ہو، پھر جب خوب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا۔

نیز ارشاد فرمایا:

((نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ۖ))۔ البقرہ۔۲۲۳

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو اپنی کھیتی میں جاؤ جہاں سے چاہو۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ))۔ البقرہ۔۲۳۷

اور اگر تم ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو اور تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے تھے تو لازم ہوا آدھا اس کا جو تم مقرر کر چکے تھے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ)) المؤمنون۔۱۲و۱۳

اور بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں۔

نیز ارشاد باری ہے:

((إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝))۔ الدھر۔۲

بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ سے کہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُونَ شَهْرًا ۖ))۔
الاحقاف۔۱۵

اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتا رہے، اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اسے جنا اور اس کا حمل اور اس کی دودھ بڑھائی تیس مہینوں میں ہو پاتی ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا)) الاسراء۔۳۲

اور زنا کے پاس نہ جاؤ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔

ارشاد باری ہے:

((اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝)).

النور۔۳

زناکار مرد نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زناکار عورت یا مشرک عورت کے، اور زناکار عورت کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے، اور اہلِ ایمان پر یہ حرام کردیا گیا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

((وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝)).

الاعراف۔۸۰و۸۱

اور ہم نے لوط کو بھی بھیجا جب کہا انہوں نے اپنی قوم کو کہ کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو کہ تم سے پہلے اس کو جہاں میں کسی نے نہیں کیا۔ تم تو دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم لوگ ہو حد سے گزرنے والے۔

قرآنِ کریم کی مندرجہ بالا آیات نہایت وضاحت سے یہ بتلا رہی ہیں کہ انسان کو کس سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا چاہیے اور کس سے نہیں؟ اور یہ کہ رمضان کی رات میں ہمبستری کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور حیض اور ایام حیض میں عورتوں سے دوری اور وہ مقام جو بچے کی پیدائش کی جگہ ہے اسی سے بچنا، اور ہم بستری سے قبل عورت کو طلاق دینا، اور نطفہ مادۂ منویہ اور اس کا عورت کے رحم میں شکل وصورت اختیار کرنا، اور انسان کا مرد و عورت کے مادۂ منویہ سے مل کر بننا، اور بچے کا ماں کے پیٹ میں حمل بن کر ٹھہرنا، اور اس کی مدت رضاعت، اور زنا اور اس کا برا اور گندہ کام ہونا، اور وہ لوگ جو عورتوں کے بجائے مردوں سے خواہش پوری کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ چیزیں جن کا تعلق جنس سے ہے۔ اور جو خواہشِ نفس سے متعلق ہیں۔ آپ تبلائیے کہ جب بچہ شعور وسمجھ کی عمر کو پہنچ جائے اور اس کا استاذ یا مربی ان حقائق اور ان کی مراد کو اس کے سامنے بیان نہ کرے تو وہ ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات کو کیسے سمجھے گا؟

لیکن عقل مند وسمجھدار آدمی کبھی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ معلم و مربی ان جیسی آیات کے معانی کو ایسی تفسیر وتعبیر سے بدل دے جن کا اصلی معنی سے کوئی تعلق نہ ہو، یا یہ کہ ان آیات سے یونہی سرسری طور پر گزر جائے، اور نہ ان کی کوئی تفصیل بیان کرے نہ ان کے مضمون کی توضیح پیش کرے، اس لیے کہ یہ طریقہ نامناسب ہے، اور اس کا اسلامی تربیت کے قواعد سے کوئی جوڑ نہیں اور یہ قرآنِ کریم کی دعوتِ تدبر وفہم کے بھی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝)).

ص۔ ۲۹

یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے۔ تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں، اور تاکہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں۔

بلکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم ایسے لوگوں پر نکیر کرتا ہے جو قرآنِ کریم پڑھ کر اس کی آیتوں پر غور نہیں کرتے، اور ایسا کرنے والے کو بے روح، دل پر پردے پڑے ہوئے اور سخت نفس گردانتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا)). محمد۔ ۲۴

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے قرآنِ کریم اور علوم و معارف پر مشتمل ہے اسی طرح ضرورت کے مطابق ان جنسی مسائل پر بھی مشتمل ہے، جن سے ضروری مسائل اور لازمی امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

ان جنسی مسائل و امور کا چھوٹوں بڑوں، جوانوں بوڑھوں، اور مردوں اور عورتوں سب کے لیے سمجھنا ضروری ہے۔

اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان آدمی جب اپنی جنسی خواہش پوری کرنا اور شہوت کی تکمیل کرنا چاہے گا تو اس کو حلال و حرام کا علم ہوگا، اور اسے یہ معلوم ہوگا کہ کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔

اس تعلیم کا یہ نتیجہ بھی نکلے گا کہ مسلمان جب ان آیات کو پڑھے گا جن میں انسان کی پیدائش و اس کے اطوار کا ذکر ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ میں مرحلہ وار نطفہ (منی کے قطرے) سے علقہ (جما ہوا خون) اور پھر گوشت کا لوتھڑا اور پھر کامل و مکمل انسان کس طرح بنتا ہے تو اس سے اللہ کی قدرت اور انسان کی پیدائش کی عجیب تکوین پر اور زیادہ ایمان و یقین بڑھے گا۔

اس تعلیم کے ثمرات میں سے یہ بھی ہے کہ ہر روز مسلمان کا یقین کامل سے کامل تر ہوتا جائے گا کہ اسلام اور اس کے محیط و عمومی اصول و قواعد رہتی دنیا تک کے لیے انسان کی مکمل رہنمائی کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور یہی ایک ایسا دین ہے جو انسانی نفوس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے موقعے فراہم کرتا ہے، اور قیامت تک کے لیے ترقی و تہذیب کے مختلف اطوار و حالات کے ساتھ ساتھ چلنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

۲۔ اور وہ قوی ادلہ جو اس بات پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ بچے کو جنسی معاملات کا سمجھانا ضروری ہے ان میں سے بھی بچے کو سنِ تمیز کو پہنچنے پر بالغ ہونے اور قریب البلوغ ہونے کے احکام بتلا دینا چاہیے، تاکہ جب اس پر ان علامات کا ظہور ہو جائے تو اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے لیے کیا کرنا ضروری ہے اور کس سے بچنا ضروری ہے؟ بلکہ وہ حلال و حرام سب کو سمجھتا ہو۔

اس کی تفصیل ہم سابقہ بحث میں "بچے کو بالغ ہونے اور اس سے قریب کی عمر کے احکام سکھانا" کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں، لہٰذا آپ اس کا مطالعہ کر لیجیے تشفی و سیرابی ہو جائے گی۔

۳۔ ان مضبوط دلیلوں میں سے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بچے کو جنسی معاملات کا بتلا دینا ضروری ہے، یہ بھی ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائے اور شادی کی منزل میں قدم رکھ لے تو اسے جنسی اتصال اور خواہشات پوری کرنے کے آداب کی تعلیم دینا ضروری ہو جاتا ہے۔

ان مسائل کی تفصیل ہم ابھی کچھ صفحات قبل "شادی اور جنسی ملاپ" کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں، اس کی تفصیل و تشفی کے لیے بھی اس بحث کا مطالعہ کیجیے۔

بچے کو سنِ شعور میں قدم رکھنے پر جنسی مسائل اور خواہشاتِ نفس کے متعلقات کے بتلانے کے جواز کے سلسلہ میں یہ واضح دلیلیں ہیں۔

اس تفصیل کو پڑھ لینے کے بعد اے مربی صاحبان! آپ اپنے بچوں کو جنسی مسائل سمجھائیں، اس لیے کہ شریعت نے آپ پر یہ فرض کر دیا ہے کہ آپ ان کو یہ حقائق سمجھا دیں تاکہ وہ جہالت کے دام اور گناہوں کی گندگی اور آزادی کی دلدل میں نہ پھنس جائیں۔

لیکن میں آپ کو دو اہم چیزیں یاد دلانا چاہتا ہوں:

۱۔ عمر کے ہر حصے سے متعلق احکام کی تعلیم اسی کی مناسبت سے دیجیے۔ لہٰذا یہ قطعاً نا معقول بات ہے کہ آپ دس سال کی عمر کے بچے کو جنسی ملاپ کے اصول بتلائیں، اور اسے بالغ ہونے سے قریب قریب کی عمر اور بالغ ہونے کے احکام نہ بتلائیں

۲۔ لڑکی کو یہ جنسی مسائل سکھانے کا کام ماں کو انجام دینا چاہیے۔ اس لیے کہ لڑکی ماں سے زیادہ عمدگی اور پختگی اور بہتری سے یہ چیزیں سیکھ سکے گی، لیکن اگر کسی لڑکی کی ماں موجود نہ ہو تو اس کی جگہ کوئی اور عورت یہ کام انجام دے دے۔

اے مربی صاحبان! یہ وہ اہم بنیادی اصول و خطوط ہیں جو اسلام نے بچے کی جنسی تربیت اور اس کے کردار کے درست رکھنے اور اس کی خواہشات کو دائرے میں رکھنے کے لیے مقرر کیے ہیں۔

اس لیے اربابِ فکر و تربیت، و اصلاح کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ وہ جنسی تربیت کے لیے اسلامی منہج اور طریقے پر عمل کریں، اور جذبات و خواہشات کے قابو میں رکھنے کے لیے قرآنِ کریم کے بتلائے ہوئے طریقے پر چلیں، تاکہ ہم اپنے معاصر اسلامی معاشرے اور قوم کو کامل شخصیت اور صاف و سلیم باطن اور اچھے اخلاق والا بنا سکیں، اور اس قوم کے قلوب و نفوس کو نفسیاتی الجھنوں اور معاشرتی برائیوں سے آزاد کر سکیں، اور پھر یہ امت اس قابل ہو جائے گی کہ اپنے فرض کو لے کر کھڑی ہو، اور اپنی ذمہ داری پوری کرے، اور انسانی وجود کے آسمان پر توحید کا جھنڈا اور اسلامی شعار بلند کر سکے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ ہر عقل و بصیرت والا یہ سمجھ لے کہ اس عظیم دینِ اسلام نے جب انسان کی مشکلات اور معاشرے کی آفات کا علاج کیا ہے تو یہ علاج ہر پہلو کو شامل اور ہر جہت کو محیط ہو گا۔ اس لیے کہ اسلام خدا، برتر و بالا کا ابدی و دائمی قانون ہے جسے اس نے اس لیے نازل فرمایا ہے کہ وہ تمام عالم کے لیے ہدایت و بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنے، لہٰذا جو اس کے ذریعے فیصلہ کرے گا وہ عدل و انصاف کرے گا۔ اور جو اس سے رہنمائی حاصل کرے گا وہ نیک بخت ہو گا۔ اور جو اس کی

طرف دعوت دے گا وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہوگا۔

جذبات کے اس بے قابو سیلاب، اور بے راہ روی کے اس تباہ کن منجدھار سے پورے عالم کو آج دینِ اسلام کا نظریۂ جنس ہی بچا سکتا ہے، اس لیے کہ جنس کے بارے میں اسلام کا نظریہ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھتا ہے، اور انسان کے لیے ایک ایسی کامل ومکمل اور متوازن زندگی کے مواقع فراہم کرتا ہے جو انسانیت کے لفظ کا مطلب ہے، اور جو انسان کے اشواق ورغبات اور خواہشات کو خوش کرنے والی ہے۔

شاید مسلمان اپنے دین کو سمجھ لیں اور اپنے دین کے سایے میں امن وسکون سے رہیں تاکہ دوسری قوموں میں اپنی اصلی جگہ پیدا کرسکیں، اور اپنی سلب شدہ کرامت وعزت دوبارہ حاصل کرلیں، اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

بہر حال اے مربی حضرات:

کیا آپ نے اپنی اس عظیم واہم ذمہ داری کو جان لیا ہے جو آپ کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے؟

کیا آپ اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ ایمانی تربیت ہی ایسی بنیادی اساس ہے جس پر آپ کو پوری توجہ دینا چاہیے

کیا آپ یہ سمجھ گئے ہیں کہ اخلاقی تربیت کی ذمہ داری ان اہم ذمہ داریوں میں سے ہے جس کا آپ کو خوب اہتمام ودیکھ بھال رکھنی چاہیے؟

کیا آپ نے یہ جان لیا کہ جسمانی تربیت کی ذمہ داری طاقت وقوت کے ان وسائل میں سے ہے جس پر آپ کو اپنی محنت وتوجہ مرکوز کردینا چاہیئے؟

کیا آپ نے یہ پہچان لیا کہ عقلی تربیت کی ذمہ داری آپ کی امت اور آپ کے وطن کی عزت وتہذیب وتمدن کی اساس ہے؟

کیا آپ نے اسے محسوس کرلیا کہ نفسیاتی تربیت آپ کے بچوں کی شخصیت سازی اور ان کی تکمیل وپختگی کی بنیاد ہے۔

کیا آپ نے سمجھ لیا کہ معاشرتی تربیت کی ذمہ داری آپ کی تمام ذمہ داریوں میں سے ممتاز ترین ایسی ذمہ داری ہے جو آپ کو اپنے جگر گوشوں کے سلسلہ میں پوری پوری ادا کرنا چاہیئے؟

کیا آپ یہ سمجھ گئے ہیں کہ جنسی تربیت کی ذمہ داری ان عظیم واہم ترین معاملات میں سے ہے جن کا ان لوگوں کو تعلیم دینا آپ پر لازم ہے جن کی تربیت کی ذمہ داری آپ پر ہے؟

اگر آپ یہ سب پہچان اور جان گئے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ تربیت کے میدان میں داخل ہو جائیے اور اپنی ذمہ داری کے بار کو اٹھائیے اس میں کسی قسم کی سستی وکاہلی نہ برتیے تاکہ آپ اپنی زندگی کی کلیوں اور دلوں کے ثمرات وپھل کو پاکیزہ

فرشتوں کی طرح اور عزم میں صحابہ کی طرح اور بہادری میں شیروں کی طرح اور نور و چمکنے میں چاند کی طرح دیکھ لیں۔

جتنی آپ محنت کریں گے، وقت لگائیں گے، اور جدوجہد و کوشش کریں گے اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں گے، اسی کی مقدار آپ کی قوم کے لیے بھلائی، اور آپ کی اولاد کے لیے فائدہ و نیکی، اور آپ کی قوم و معاشرے کے لیے اتنی ہی مثالی تربیت متحقق ہوگی۔

اے مربی صاحبان کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگا؟ اور بہترین تربیت کی بلندی تک کس طرح پہنچا جائے گا؟

میرا خیال یہ ہے کہ یہ سب کچھ دو بنیادی اور اہم امور کے وجود میں آنے سے متحقق ہوگا:

۱۔ مراقبہ اور نگرانی کو سخت کیا جائے۔

۲۔ فراغ اور خالی وقت سے استفادہ کیا جائے۔

دیکھ بھال و نگرانی سے بچے کی ایمانی تربیت ہوگی اور اخلاق درست ہوں گے اور جسم صحت مند و توانا، اور عقل و علم کامل و پختہ ہوگا، اور بچہ نفسیاتی و معاشرتی لحاظ سے کامل و مکمل ہوگا۔

اور دیکھ بھال و نگرانی سے بچہ برے ساتھیوں اور بری صحبت اور آزاد و بے راہ رو ساتھیوں سے بچ جائے گا۔

اور دیکھ بھال کے طفیل بچہ تمام اُن چیزوں سے بچ جائے گا جو اسے کج رو اور خراب بنا دیتی ہیں، چنانچہ وہ سینما بینی اور ٹیلی ویژن پر فحش مخرب اخلاق گندی فلموں اور مجرمانہ پولیس کارروائیوں اور فحش ڈراموں کے دیکھنے سے محفوظ رہے گا، اور ان رسالوں کے پڑھنے سے بچ جائے گا جو جذبات انگیز اور ہیجان خیز اور فحش ہوتے ہیں، اور اسی طرح ہیجان خیز جنسی قصے کہانیاں اور اخلاق سے گرے ہوئے اور اخلاق کو بٹہ لگانے والے اور شاندار اسلامی کردار کو مسخ کرنے والے ڈراموں سے بچ جائے گا۔

اور مراقبہ و دیکھ بھال کی وجہ سے بچہ گمراہ مادہ پرست ادیان اور ملحدانہ و کافرانہ فکری عقائد رکھنے والے مذاہب سے محفوظ رہے گا، اور اس کے برخلاف عقیدہ و فکر، کردار و طور طریقے کے لحاظ سے اس کا اسلام کے ساتھ کامل ارتباط ہو جائے گا۔

اور دیکھ بھال و نگرانی کی بدولت بچہ اسلامی تربیت کی بلند و بالا چوٹی تک پہنچ جائے گا، اور روحانی، عقلی اور اخلاقی و علمی طور پر پختہ ہو جائے گا۔ اور وہ دوسروں کے لیے حسنِ اخلاق میں بہترین نمونہ اور حسنِ معاملہ میں مقتدی ثابت ہوگا۔ بلکہ وہ آسمان پر چمکنے والے چودھویں رات کے چاند کی طرح اور زمین پر چلنے والے فرشتے کی طرح ہوگا۔

رہا فراغت سے فائدہ اٹھانا تو اس کا انحصار اس میں ہے کہ جب مربی گھر آئے، اور اپنے بیوی بچوں میں بیٹھے تو فراغت کے ان اوقات میں اسے اس بات کی پوری کوشش کرنا چاہیے کہ بچے کو عملی طور پر تیار کرنے، اور عقیدے کے لحاظ سے

کامل و مکمل بنانے ، اور اخلاقی اعتبار سے رہنمائی کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دے ۔

ایسے ماں باپ کتنے اچھے ہوتے ہیں جو شام کو اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں ، اور اپنے جگر گوشوں کی تلقین و تعلیم کے لیے مناسب نظام و پروگرام مقرر کرتے ہیں بلکہ اللہ کے یہاں اس وقت ان کو کتنا اجر و ثواب ملتا ہوگا جب وہ اپنے بچوں کے پاس ان کا سبق سننے کے لیے بیٹھتے ہیں ، یا ان کے لکھے ہوئے کسی مسائل کو سمجھانے کے لیے وقت صرف کرتے ہیں ، یا تعلیم کے لیے انہیں کوئی قصہ سناتے ہیں ، یا کسی عمدہ اخلاق کی طرف متوجہ کرتے ہیں ، یا عمدگی سے قراءتِ قرآن کی تربیت دیتے ہیں ، یا کوئی ادبی دل لگی کی بات یا تفریح طبع کے لیے کوئی پہیلی یا قصہ سنا کر بچّوں کو خوش کر دیتے ہیں ، اور اس طرح ان میں نشاط پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں ۔

بخدا یہ صحیح طریقہ ہی درحقیقت بچے کے لیے خیر کا ضامن ہے ۔ اور اس کو عزت کی بلندیوں اور مکارمِ اخلاق کی چوٹی تک پہنچاتا ہے ، بلکہ اسے ــــ صحیح معنی میں ایک انسان اور حکیم آدمی اور فاضل و شریف مسلمان بنا دیتا ہے ۔

اور بچے کو زندگی کے لمحات صحیح گزارنے کے لیے تیار کرنے ، اور اس کو بہترین باکردار معاشرہ کی تعمیر کے لیے مضبوط و پائیدار اینٹ بنانے ، اور نیک صالح مؤمن معاشرہ تیار کر کے مثالی تربیت کا درحقیقت یہی طریقہ ہے ، باپ ، ماں یا مربی بچے پر اس وقت کس قدر ظلم کرتا ہے اور اس کے حق کو برباد کرتا ہے اور اس کی انسانیت کا قاتل ہوتا ہے جب وہ اپنے فارغ اوقات کو اپنے دوستوں کے ساتھ لا یعنی باتوں میں یا ہوٹل و کلبوں میں اپنے پڑوسیوں یا دوستوں کے ساتھ بیٹھنے یا کسی بے ہودہ قسم کے ڈرامے کے دیکھنے میں اپنے آزاد بے راہ رو بداخلاق دوستوں کے ہمراہ برباد کر دیتا ہے ۔

ماں باپ کے علاوہ بچے کی ایمان اور صحیح عقیدہ پر اور کون تربیت کر سکتا ہے ؟

ماں باپ کے علاوہ کون بچے کو اعلیٰ اخلاق و بہترین ادب کی تربیت دے سکتا ہے ؟

ماں باپ کے علاوہ بچے کی عقلِ سلیم اور تندرست جسم اور طاقت و صحت کی درستگی کی ذمہ داری کون انجام دے سکتا ہے ؟

ماں باپ کے علاوہ بچے کو علم اور اچھی تہذیب کون سکھا سکتا ہے ؟

اور ماں باپ کے علاوہ بچے کی نفسیاتی اور عقل سمجھ کے بنیادی اصول و قواعد و ضوابط پر کون تربیت کر سکتا ہے ؟

ماں باپ کے علاوہ بچے کو یہ تربیت کون دے سکتا ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے ، اور لوگوں اور معاشرے کے آداب کا پابند رہے ؟

ان اچھے اوصاف کی بچے کو کون تربیت دے گا ؟ اور اگر ماں باپ کھیل کود اور لہو و لعب میں مصروف ہوں تو بچے میں یہ فضائل و مناقب کون پیدا کرے گا ؟

اللہ تعالیٰ شوقی پر رحم کرے وہ فرماتے ہیں :

لیس الیتیم من انتھی أبواہ من	ھم الحیاۃ وخلفاہ ذلیلاً
وہ بچہ درحقیقت یتیم نہیں ہے جس کے والدین دنیا کے غم سے	آزاد ہوکر اسے بے یار ومددگار چھوڑ گئے ہوں
إن الیتیم ھو الذی تلقی لہ	أماً تخلت أو أباً مشغولاً
یتیم درحقیقت وہ بچہ ہے جس کو ایسی ماں ملے جو	اس سے بے توجہ ہو اور اس کا باپ مشغول ہو (اسکی طرف توجہ نہ کرے)

اس لیے ماں باپ ہی اولاً و آخراً بچے کی ایمانی واخلاقی تربیت اور عقلی پختگی پیدا کرنے اور نفسیاتی وقار و بردباری پیدا کرنے کے حقیقی ذمہ دار اور اچھے علوم سے آراستہ کرنے اور مفید مختلف قسم کی ثقافت وتہذیب سے باخبر کرنے کے مسئول ہیں۔

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی برحق فرمایا ہے:

((والرجل راعٍ فی بیت أھلہ ومسئول عن رعیتہ... والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا...))۔
بخاری ومسلم

مرد اپنے گھر کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے اپنے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اور فرمایا:

((إن اللہ سائل کل راعٍ عما استرعاہ حفظ أم ضیع ...))۔ ابنِ حبان

اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھے گا کہ کیا اس نے ان کو ضائع کر دیا یا ان کی حفاظت کی۔

نیز فرمایا:

((ما نحل والد ولداً أفضل من أدب حسن))۔ ترمذی

کسی باپ نے کسی بیٹے کو اچھے ادب سے زیادہ بہتر عطیہ نہیں دیا۔

اس لیے والدین کو اپنی ذمہ داری پورے طور سے محسوس کرنا چاہیے، اور ان فرائض کو ادا کرنے اور ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے فارغ اوقات سے استفادہ کرنا چاہیئے۔

والدین کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ ذمہ داریاں جن کے بارے میں ہم کلام کر چکے ہیں اور انہیں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اگر وہ ان میں سے کسی ذمہ داری کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس روز کی سزا کے مستحق بنیں گے جس روز نہ مال انسان کو فائدہ پہنچائے گا اور نہ اولاد وبیٹے سوائے اس شخص کے جو اللہ کے پاس صاف وصحیح قلب لے کر حاضر ہو۔

والدین کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے سامنے اللہ تبارک وتعالیٰ کا درجِ ذیل فرمان رکھیں۔

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝)).

التحریم ۔ ٦

اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں ، اس پر تندخو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر) ہیں ۔ وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اسے (فوراً) بجا لاتے ہیں ۔

واقعی اگر والدین اس آیت کو سامنے رکھیں ، اور اپنے دل میں اللہ کے مراقبہ کو محسوس کریں ، تو تربیت کے لیے ان میں اور زیادہ جذبہ پیدا ہوگا ، اور اس کی ذمہ داریوں کو اور زیادہ عمدگی سے ادا کرسکیں گے ، اس لیے تربیت کرنے والوں کو اپنی ذمہ داریاں سمجھ لینا چاہیے ۔ اور اپنے فارغ اوقات کو بچوں کی تربیت میں صرف کرنا چاہیے ، اور انہیں چاہیئے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ وقت کی مثال تلوار کی ہے ، اگر وہ اسے نہیں کاٹیں گے تو وہ انہیں کاٹ دے گی ، اور ذمہ داریاں اوقات سے زیادہ ہیں ، اور عمر نہایت سرعت وجلدی سے گزرجاتی ہے ، اس لیے اگر انہوں نے اس امانت کو صحیح طور سے نہ سمجھا جو ان کو دی گئی ہے ، اور ان ذمہ داریوں کا جس طرح حق ہے اسی طرح پورا نہیں کیا ، تو پھر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں اچانک موت آجائے اور پتہ بھی نہ چلے ، بلکہ اچانک ان پر عذابِ خداوندی نازل ہوگا اور کوئی بھی ان کا ناصر ومددگار نہ ہوگا ۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بالکل برحق فرمایا ہے :

((وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝)).

الزمر ۔ ۵۴ و ۵۵

اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو ، اور اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے ، جب تمہیں کوئی مدد کو نہ پہنچ سکے ، اور اپنے پروردگار کی طرف سے اترے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے ، اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو ۔

اخیر میں ، میں تمام تربیت کرنے والوں کی ان کے درجات کے اختلاف اور ذمہ داریوں کے تنوع کے باوجود اس طرف توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں خصوصاً ماں باپ کی کہ یہ طریقے جو میں نے تربیت کے لیے مقرر کیے ہیں خصوصاً معاشرتی تربیت کے سلسلہ میں یہ بڑوں چھوٹوں جوانوں بوڑھوں مردوں عورتوں سب کے لیے ہیں ۔

اس لیے اے تربیت کرنے والے حضرات ! آپ کو چاہیے کہ تربیت کے سلسلہ میں اسلام نے جو طریقے مقرر کیے ہیں پہلے انہیں آپ خود اپنائیں ، اس کے بعد بچوں اور دوسروں کو ان کی تلقین کریں ۔ تاکہ جن کی تربیت وذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے آپ ان کے لیے خود بہترین نمونہ ومقتدی بن سکیں ، اور پھر یہ اصول وطریقے اپنے بچوں کو سکھائیں ، اور اپنے جگر گوشوں کو ان کی تعلیم دینے میں اپنی پوری قوت صرف کردیں ، تاکہ صحیح عقیدے ، اور کامل ومکمل اسلام اور اعلیٰ اخلاق

پران کی نشو و نما ہو، اور آپ نے اس طرح گویا انہیں دنیا وی زندگی کی گہرائیوں میں داخل ہونے کے قابل بنا دیا ہو گا، اور وہ اس لائق ہو چکے ہوں گے کہ مؤمن قلوب، صابر نفوس، پاک صاف ارواح، پختہ عقول اور طاقتور و صحت مند اجسام کے سامنے سخت سے سخت ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھا سکیں۔

اس لیے براہِ کرم اے مربی صاحبان اپنی کوششیں صَرف کیجیے، اور پوری توجہ کیجیے، اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قدم اٹھائیے اللہ آپ کی حفاظت کر رہا ہے، اور آئندہ آنے والی نسلیں آپ کی جدوجہد و کارناموں کی برکت سے مستفید ہوں گی، اور اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ کو جزاءِ خیر دیں گے، اور قیامت کے روز اجر و ثواب کو آپ کے لیے ذخیرہ بنائیں گے۔

ارشادِ باری ہے:

((وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ، وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ))۔ التوبہ - ۱۰۵

اور آپ کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ، پھر آگے اللہ اور اس کا رسول اور مسلمان تمہارے کام کو دیکھ لیں گے۔ اور تم جلد اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں سے واقف ہے، پھر وہ بتا دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين

الحمدللہ آج بروز دوشنبہ بوقتِ مغرب اس جلد کے ترجمہ کا کام محض اللہ جل شانہ کی توفیق اور فضل و کرم سے مکمل ہوا

فلله الحمد والشكر أولاً وآخراً والصلاة والسلام على حبيبه وخير خلقه دائماً وسرمداً۔

محمد حبیب اللہ مختار

۴ — ۸ — ۱۴۰۶ھ

۱۴ — ۴ — ۱۹۸۶ء